صدیوں کا سحر

ایم اے راحت

اہرامِ مصر سے جنم لینے والی ایک پراسرار داستان
جب جدید دنیا کے ایک سرکش انسان کو
فرعونوں کے ایک گروہ سے جنگ کرنا پڑی!

صدیوں کا سحر

ایم اے راحت

القریش پبلی کیشنز

سرکلر روڈ، چوک اردو بازار۔ لاہور فون: 042-7668958 042-7652546

www.alquraish.com E.mail:info@alquraish.com

حرفِ اوّل

صدیوں کا سحر.... صدیوں پر محیط ایک پراسرار داستان

آپ سوچتے تو ہوں گے کہ نہ جانے کیوں ایم۔اے راحت پر صدیاں سوار ہیں۔ پہلے ''صدیوں کا بیٹا''، ''صدیوں کی بیٹی''، ''صدیوں کی پیاس''، ''صدیوں کا مسافر'' اور اب ''صدیوں کا سحر''۔ آپ یقین کریں، ماضی کا سفر میرا محبوب مشغلہ ہے۔تنہا ہوتا ہوں تو میری روح ماضی میں لوٹ جاتی ہے اور میں نیم خواب کے عالم میں ان گزرے ہوئے لمحات کا مسافر بن جاتا ہوں جب انسان ارتقائی سفر کر رہا تھا۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں اسی دور کا نسان ہوں اور خود پر ان سارے واقعات کا بوجھ محسوس کرتا ہوں۔ معلوم نہیں اس کی نفسیاتی توجیہہ کیا ہے......؟

''صدیوں کا سحر'' بھی جدید دور کے ایک انسان کی کہانی ہے جو واقعات کے ہاتھوں بھٹکتا ہوا سرزمینِ سحر یعنی مصر پہنچ جاتا ہے۔

یہ ایک بڑی سچائی ہے کہ جدید دور کے مصر نے اب تک سائنسی حکومت قبول نہیں کی اور اپنی قدیم روایتوں پر جدت کا قبضہ نہیں ہونے دیا۔ اس کی پُراسرار روایتیں ابھی بھی زندہ ہیں۔ زیرِ نظر ناول انہی پُراسرار روایتوں کی کہانی ہے۔ اپنے اندر سحر و اسرار کا ایک سمندر سمیٹے ہوئے اس ناول کا ہر باب انتہائی سنسنی خیز ہے۔

ایم۔اے راحت

داستان گوئی کا ایک ہی انداز ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اپنا تعارف' پھر اس کے بعد اپنے قرب و جوار میں پھیلے ہوئے لوگوں کا تعارف۔ یہ ساری داستان ایک ہی انداز کی ہوتی ہے۔ میرا تعارف یہ ہے کہ میرا نام تیمور پاشا ہے۔ میرے باپ کا نام جہانگیر پاشا تھا' اور میری ماں کا نام زبیدہ۔ یہ تین افراد اس کہانی کی بنیاد کا باعث ہیں۔ اس لیے ابتدائی تعارف کافی ہے۔ میری کہانی کا آغاز عام انداز میں نہیں ہوا۔ مختصراً یہ بتا دیتا ہوں کہ اس کہانی کے آغاز کا انداز کیا تھا۔ والدِ محترم' جن کا نام ماں بڑے احترام سے لیا کرتی تھی' ایک زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک دیہاتی علاقے اور اس کے آس پاس کی کافی زمین ہماری ملکیت تھی' اور انسانوں کی کہانی میں زر' زن اور زمین کی بات کی جاتی ہے تو غلط نہیں ہوتی۔ آپ یوں سمجھ لیجئے کہ دنیا کی ساری داستانیں' جو عام زندگی سے ذرا ہٹ کر ہوتی ہیں' زر' زن اور زمین ہی سے متعلق ہوتی ہیں۔ میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارا خاندان زمینداروں کا خاندان تھا۔ اس زمیندار خاندان میں بھی روایتی طور پر تین ہی بھائی تھے۔ پتہ نہیں یہ سارے زمیندار صرف تین ہی بیٹے کیوں پیدا کر لیتے ہیں۔ ان میں دو تیز طرار ہوتے ہیں اور ایک مظلوم۔ مظلوم میرا باپ تھا یا یہ کہا جائے تو بھی غلط نہیں ہوگا کہ مظلوم وہ بھی نہیں تھا۔ اصل مظلوم میری ماں تھی' جو اس زمیندار خاندان میں ایک غریب لڑکی تھی اور میرے باپ کی پسند بن کر اس گھر میں داخل ہوئی تھی۔ جہاں اسے کبھی عزت نہیں ملی۔

باپ تو میرا تھا ہی زمیندار اور زمیندار ذرا مختلف مزاج کے لوگ ہوتے ہیں۔ میری ماں چونکہ باہر سے آئی تھی اس لیے اس زمیندار خاندان میں اسے کوئی عزت نہیں مل سکی' اور وہ بیچاری ٹھوکروں ہی کا شکار رہی' جبکہ میرے والد صاحب قبلہ رقص و موسیقی کے بڑے شوقین تھے اور ایک دن ایک رقاصہ کے کوٹھے پر شراب پیتے پیتے ہلاک ہو گئے۔ اب اس غریب عورت کی وہاں کیا گنجائش تھی۔ جسے میری ماں کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مظالم کا ایک طوفان امڈ آیا۔ یہاں تک کہ ایک رات میری ماں کو سخت زخمی کر دیا گیا اور پھر زخمی عورت کے اندر انتقام کا جذبہ جاگ اٹھا' اور اس نے انتقام لیا۔ اس چھوٹی سی حویلی کے ہر دروازے کو باہر سے بند کر دیا گیا اور مٹی کے تیل کے اس ڈرم کو لڑھکا دیا گیا اور اس کے بعد ماچس کی ایک تیلی نے کام دکھا دیا۔ دروازے سب بند تھے۔ دونوں کمروں میں مٹی کا تیل بھرا ہوا تھا۔ بہت دیر تک میری ماں وہ چیخیں سن کر قہقہے لگاتی رہی' باہر بے شمار لوگ جمع ہو چکے تھے'

لیکن صورتحال ایسی ہوگئی تھی کہ وہ لوگ آگ نہیں بجھا سکے' اور پھر ان کی کوئلہ بنی ہوئی لاشیں پولیس کی تحویل میں پہنچ گئیں اور میری ماں نے اعتراف کرلیا کہ اس نے اپنے سارے سسرالیوں کو قتل کر دیا ہے' جنہوں نے اس کی زندگی اجیرن کر دی تھی۔

ماں گرفتار ہوگئی۔ سزائے موت تو نہیں ہوئی اسے' کیونکہ کچھ قانونی رعایتیں تھیں۔ وہ حاملہ بھی تھی' چنانچہ جیل میں ہماری زندگی کا آغاز ہوا۔ ماں چونکہ بہت اچھے مزاج کی عورت تھی' رعایتیں تو اسے بے شمار مل گئیں' لیکن آزادی نہیں ملی تھی۔ چنانچہ ان رعایتوں کے ساتھ ساتھ میری پرورش ہونے لگی۔ رنگون دادا نے میرا نام تیمور رکھا۔ پاشا ہمارا خاندانی لقب تھا اور کچھ تو نہیں ملا تھا باپ کے گھر سے پاشا کا سرنیم مل گیا تھا۔ چنانچہ ہماری پرورش جیل میں ہونے لگی۔ ایک سے ایک خطرناک قیدی ہمارا استاد بن گیا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد کسی نے کشتی سکھائی' کسی نے شراب بنانے کا گُر بتایا' کسی نے نشانہ بازی کی مشق' کسی نے کچھ' کسی نے کچھ' لیکن رنگون دادا جس نے گیارہ قتل کیے تھے میرا سب سے بڑا ہمدرد تھا۔ وہ ایک شاندار تیراک تھا۔

سمندر تو ہمارے پاس نہیں تھا' لیکن اس نے تیراکی کے گُر اس طرح بتائے کہ سمندر میری زندگی کا ایک حصہ بن گیا اور میرا دل تڑپنے لگا کہ میں اس سمندر میں اپنے آپ کو آزما کر دیکھوں۔ ماں نے خاصی زندگی جیل میں گزاری' مجھے اپنے سسرالیوں کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔ میری پرورش جیل میں ضرور ہوئی تھی' لیکن ہمیں قیدیوں کی ہمدردی بھی حاصل تھی اور جیل حکام کی بھی' چنانچہ میں آزادی سے دندناتا پھرتا تھا' بلکہ ایک طرح سے مجھے غیر قانونی مقدم بنا دیا گیا تھا' البتہ یہ بھی ایک خوبی تھی میری کہ میں نے ہر قیدی کی عزت کی۔ مقدم کے جو فرائض ہوتے تھے' وہ میں نے بے شک انجام دیئے' لیکن کسی قیدی کے ساتھ کوئی سختی یا زیادتی نہیں کی۔ میرے اندر ایک عجیب سا طوفان چھپا ہوا تھا۔ نجانے کیسے کیسے فن کا ماہر ہوگیا تھا اور جوانی اس طرح ٹوٹی تھی مجھ پر کہ بچاؤ مشکل تھا۔ ان لوگوں کے خیال کے مطابق میرے اندر دل نام کی کوئی چیز نہیں تھی یا اگر تھی بھی تو اس میں کبھی خوف کا گزر نہیں ہوا تھا۔ بس یہ تمام خوبیاں تھیں میرے اندر۔ کبھی کبھی کسی سے چپقلش ہو جاتی تو میں انہیں اپنی طاقت کا نمونہ دکھا دیا کرتا تھا' لیکن ہنس کر مسکرا کر' ایک عجیب سا ٹھہراؤ میرے وجود میں تھا۔ ہاں البتہ جب رنگون دادا جیل سے رہا ہوا تو پہلی بار میرے دل کو دکھ کا احساس ہوا۔ میرا بہت اچھا دوست' جس نے مجھے یہ دنیا سمجھائی تھی' مجھ سے رخصت ہو گیا تھا۔ رنگون دادا مجھے سارے پتے دے کر گیا تھا۔ بہرحال وہ چلا گیا اور میں اداس رہنے لگا' لیکن جیل میں اب میرے دن بھی پورے ہونے لگے تھے۔ رنگون دادا کے جانے کے بعد کوئی ڈیڑھ دو مہینے ہی گزرے تھے کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ بس تیز بخار چڑھا تھا اور اس کے بعد وہ آنکھیں نہ کھول سکی۔ آپ تصور کر سکتے ہیں ایک ایسے شخص کا جو پیدا ہی جیل میں ہوا ہو اور اس نے دنیا بھی نہ دیکھی ہو۔ مجھے جیل میں رکھنے کا کوئی جواز نہیں تھا' البتہ جیل سپرنٹنڈنٹ نے میرے ساتھ. بڑی محبت کا سلوک کیا اور کہا کہ میں اگر چاہوں تو کسی گھر میں

نوکری کرلوں۔ وہ میری مدد کرے گا۔ میں نے آمادگی ظاہر کر دی اور جیل سپرنٹنڈنٹ نے اپنی سفارش پر مجھے ایک گھر میں نوکری دلا دی۔

میں ایک طرح سے جنگلی بیل تھا۔ میں نے سر جھکا کر کام شروع کر دیا۔ اب اتنا بے عقل بھی نہیں تھا کہ گھروں میں کام کرنے کا طریقہ نہ جانتا۔ جیل میں بھی بہت سارے کام کرنے پڑتے تھے۔ جس گھر میں مجھے ملازمت دلائی گئی تھی وہ اچھے لوگوں کا گھر تھا۔ جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے اس گھر والوں کو میرے بارے میں بتا دیا تھا۔ بہرحال بہت سے ایسے مرحلے پیش آئے جن میں' میں ایک طرح سے ناکام رہا' پھر ایک دن مجھے رنگون شاہ کا خیال آیا اور میں اس گھر سے نکل گیا۔ اب اتنی معلومات مجھے ہوگئی تھی کہ کس طرح میں رنگون شاہ کا پتہ معلوم کروں۔ رنگون شاہ کا گھر مجرموں اور غنڈوں کی رہائش گاہ تھا۔

جب میں رنگون شاہ کے پاس پہنچا تو اس نے بے اختیار مجھے سینے سے لگا لیا اور پوچھا کہ جیل سے رہائی کیسے ہوئی؟ میں نے ماں کی موت کے بارے میں اسے بتایا تو اس نے مجھے بڑی تسلیاں دیں۔ بہرحال شکر گزار ہوں رنگون شاہ کا' کہ اس نے میری زبردست تربیت کی۔ سمندر جو مجھے پسند تھا اور رنگون شاہ کو بھی' ہمارے لیے نجانے کیا سے کیا بن گیا۔ جس شہر میں ہم لوگ رہتے تھے وہاں سمندر تھا اور ہمیں سمندر میں سیر و سیاحت کر کے اور اس کی گہرائیوں میں اتر کے بہت ہی لطف آتا تھا۔ میں ایک شاندار تیراک بنتا چلا جا رہا تھا اور سمندر میری زندگی کا ایک حصہ بن کے رہ گیا تھا۔ بڑی شاندار مشق کی تھی میں نے سمندر کی گہرائیوں میں اترنے کی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی رنگون شاہ مجھے اور بھی مختلف طرح کی تربیتیں دے رہا تھا۔ میں ہر ہتھیار چلانا سیکھ گیا تھا اور میری مہارت دیکھنے کے قابل ہوگئی تھی۔

رنگون شاہ کے پاس مختلف انداز کے جرائم پیشہ لوگ آتے رہتے تھے' اور ان میں سے بہت سوں نے مجھے اپنے ساتھ جرائم میں بھی شریک کیا تھا۔ چنانچہ میں نے کئی بینک لوٹے اور اس سلسلے میں اپنی شاندار مہارت کا ثبوت دیا۔ ایک دو قتل بھی میرے ہاتھوں سے ہوئے' جو ایک کرائے کے قاتل کی حیثیت سے تھے۔ ذہن کو جس طرف موڑ دیا گیا' اس طرف مڑتا چلا گیا۔

رنگون شاہ کے پاس اس کے سوا دینے کیلئے کچھ نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جرائم پیشہ افراد میں میری شہرت پھیلتی گئی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میں قانون کے شکنجے میں کبھی نہیں آیا تھا۔ یہ سارے معاملات چلتے رہے' پھر رنگون شاہ کا انتقال ہوگیا۔ پولیس مقابلے میں اسے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ میں نے فوراً ہی اپنی کوششوں سے کام لے کر وہ ملک چھوڑ دیا اور ایک دوسرے ملک میں چلا گیا۔

اب مجھے ہر طرح کی دنیاداری آ گئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ زندگی گزارنے کیلئے کیا کیا طریق کار اختیار کرنے چاہئیں۔ پتہ نہیں باہر کی دنیا میں لوگ کیسے میرے شناسا ہو گئے تھے۔ کئی دفعہ مجھے مجرموں کی طرف سے آفر ملی' لیکن میں اپنی پسند کا کام کرنا چاہتا تھا۔ ایک آدھ جگہ مجھے زیر زمین دنیا

کے لوگوں سے مقابلہ بھی کرنا پڑا' اور اس مقابلے میں مجھے کامیابی ہی حاصل ہوئی تھی۔ بہرحال یوں زندگی کے دن گزرتے گئے' البتہ لنگوٹی کا پکا تھا۔ بہت سی عورتیں میری زندگی میں آئیں' لیکن جرائم کی دنیا میں جس طرح کی عورتیں زندگی میں آ سکتی تھیں اس طرح کی عورتیں مجھے پسند نہیں تھیں۔ عورت کے بارے میں کبھی میرے ذہن میں کوئی نظریہ نہیں جاگا تھا' لیکن ہاں ایک بات ضرور تھی کہ شرمائی لجائی لڑکیاں مجھے پسند تھیں۔ کم از کم ان کے اندر عورت تو جھلکتی تھی۔ پر کٹی کبوتریاں جو جگہ جگہ ماری ماری پھرتی ہیں کبھی میری توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کر سکی تھیں۔

پھر ایک دن مجھے ایک دعوت نامہ ملا۔ مجھے ایک گھر میں طلب کیا گیا تھا اور اس انداز میں طلب کیا گیا تھا کہ میں وہاں جانے پر مجبور ہو گیا۔ ایک دور دراز علاقے میں جب میں اس گھر کے سامنے ٹیکسی سے اترا تو میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا۔

''یہ کون سی جگہ ہے......؟''

''مارگلہ ونگ سر!''

''یہاں زیادہ مکانات نظر نہیں آتے۔''

''نئی آبادی ہے جناب! مکان ابھی کافی بن رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے یہ لو اپنا معاوضہ۔'' میں نے اسے بل کی رقم ادا کی اور اس کے بعد مکان نمبر 126 کی جانب بڑھ گیا۔ جس پر غالباً میری رہنمائی کے لئے ہی بڑا بڑا نمبر لکھ کر لٹکا دیا گیا تھا۔ میں نے گیٹ کی بیل بجائی تو شاید کسی خودکار سسٹم کے تحت گیٹ کھل گیا اور انٹر کام سے آواز آئی۔

''اندر آ جاؤ جوان!'' میں نے شانے اچکائے اور اندر داخل ہو گیا۔ عمارت تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ اس پر رنگ و روغن نہیں کیا گیا تھا۔ سامنے ہی ایک بڑا خوبصورت چوبی دروازہ تھا۔ اس دروازے کو کھول کر میں اندر داخل ہوا ہی تھا کہ اچانک چند افراد نے مجھ پر یلغار کر دی۔

انہوں نے مجھے گھونسے' تھپڑوں' لاتوں پر رکھ لیا تھا۔ ابتداء میں تو میں نے مار کھائی کیونکہ مارنے والے کم از کم پانچ افراد تھے جو مجھ پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے' اور صحیح معنوں میں میری پٹائی کر رہے تھے' لیکن کوئی ڈیڑھ یا دو منٹ تک مار کھانے کے بعد اچانک ہی میرے اندر کا پاشا جاگ گیا اور میں نے ایک دھاڑ کے ساتھ ہاتھ سیدھے کر دیئے۔ ان پانچوں پر ایک لمحے کیلئے گھبراہٹ سی طاری ہو گئی تھی۔ وہ پیچھے ہٹے تو میں نے ان سے کہا۔

''کیوں مار رہے ہو مجھے؟'' میرے ان الفاظ سے جیسے ان کے اندر کا سارا خوف ختم ہو گیا اور ایک بار پھر انہوں نے میرے اوپر یلغار کر دی۔ وہ سب خونخوار بھیڑیوں کی مانند میرے اوپر جھپٹ رہے تھے۔ میں اس وقت بالکل نہتا تھا' لیکن یہ الگ بات ہے کہ اب تک ان میں سے کوئی مجھ پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ میں انتہائی پھرتی اور مہارت کے ساتھ ان کے سارے حملے خالی دے رہا تھا۔ بس ابتداء میں جو چند لمحات تھے اسی میں وہ جو کچھ کر پائے تھے' وہ کر لیا تھا۔

اس کے بعد جب میں سنبھل گیا تھا' تو ان کے حواس گم کر کے رکھ دیئے تھے میں نے۔ وہ اب بھی اندھا دھند پوری قوت سے حملے کر رہے تھے۔ ابھی تک انہوں نے کوئی ہتھیار استعمال نہیں کیا تھا۔ ان میں سے ایک کافی طاقتور اور لمبا چوڑا تھا۔ وہ صوفے کی دوسری جانب جا کھڑا ہوا اور خونخوار نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔ میں نے اسے دیکھا' مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ نیچے کی جانب دیکھ رہا ہے۔

پھر میری نظر اس کی طرف سے ایک لمحے کیلئے ہی ہٹی ہو گی کہ اچانک ہی وہ جھکا اور اس نے صوفے کے نیچے سے ایک خوفناک تلوار باہر نکال لی اور اس کے بعد اس نے ایک خوفناک آواز کے ساتھ مجھ پر چھلانگ لگائی۔ اس نے میری گردن کو نشانہ بنانا چاہا تھا' لیکن میں نے پھرتی سے خود کو فرش پر گرا دیا۔ وہ اپنی جھونک میں صوفے سے ٹکرایا اور اپنا توازن کھو بیٹھا۔ میرے لئے اتنی مہلت کافی تھی' میں تیزی سے اٹھا اور چشم و زدن میں وہ میرے مکوں کی زد میں آ گیا۔ اس کی تلوار تو پہلے ہی میرے دو حملوں میں اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی تھی' لیکن میرا ایک ایسا زوردار ہاتھ اس کے منہ پر پڑا کہ وہ بھیانک چیخ کے ساتھ اوندھے منہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

لیکن اب شاید انہیں اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ہاتھوں سے مجھ پر قابو نہیں پا سکیں گے' چنانچہ ان میں سے ایک نے لمبا دھاردار خنجر نکال لیا اور بہت محتاط قدموں سے میری جانب بڑھنے لگا۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور اس سے نمٹنے کیلئے تیار ہو گیا۔ وہ چالاکی سے یہ کوشش کر رہا تھا کہ میں کونے کی طرف چلا جاؤں تا کہ میرے پیچھے وہ تیسرے نمبر کا شخص آ جائے اور واقعی میرے پاس پیچھے ہٹنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں رہا تھا۔ میری پیٹھ دیوار سے جا لگی اور خنجر والے کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے خنجر والا ہاتھ پوری قوت سے گھمایا اور اس کے ہاتھ سے شاں شاں کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ غالباً وہ مارشل آرٹ کا بہت اچھا ماہر تھا۔

پھر وہ پورے اعتماد کے ساتھ میری طرف جھپٹ پڑا۔ اس کا خنجر میرے سینے کی جانب بڑھا اور جونہی اس نے فیصلہ کن وار کرنے کیلئے اپنی پوزیشن تبدیل کی میں جھکائی دے کر ایک طرف ہٹ گیا۔ اس کا خنجر دیوار سے ٹکرایا اور وہ خود بھی لمحے بھر کیلئے لڑکھڑا گیا' لیکن پھر فوراً ہی لمحے بھر میں خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا' اور زخم خوردہ سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے دوبارہ میری جانب جھپٹا۔

لیکن اب میری باری تھی' میں اسے مزید موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ اپنے داؤ دکھا چکا تھا' اور اب مجھے اپنے جوہر دکھانے تھے' اور وہ واقعی اس غیر متوقع حملے کیلئے تیار نہیں تھا۔ میں تیزی سے اچھلا اور دوسرے ہی لمحے اس کی گردن میری ٹانگوں کی مضبوط گرفت میں آ چکی تھی۔ ہم دونوں تقریباً ساتھ ساتھ فرش پر آ رہے تھے' اور وہ اپنی گردن چھڑانے کیلئے وحشیانہ انداز میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا' لیکن اب انہیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ نہ ہتھیاروں سے' نہ ہاتھوں سے وہ مجھ پر قابو پا سکیں گے۔ ان میں سے ایک کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔

”کتے سیدھا کھڑا ہو جا‘ بس بہت ہوگیا۔“ میں نے چونک کر اسے دیکھا تو اس کے ہاتھ میں ریوالور چمک رہا تھا۔ میں ایک لمحے کیلئے سیدھا ہوا تھا کہ اچانک ہی ایک کمرے کا پردہ اپنی جگہ سے ہلا اور ایک لمبے قد کا دبلا پتلا آدمی کمرے کے دروازے سے نمودار ہوا۔ اس نے خونی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں ریوالور چمک رہا تھا۔

”ریوالور کی نال اپنی کنپٹی کی طرف کرو اور گولی چلا دو......“ دبلے پتلے شخص کی آواز ابھری اور ریوالور والے شخص کو جیسے ہوش آ گیا۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے دبلے پتلے آدمی کو دیکھا اور اس کے بعد خوفزدہ لہجے میں بولا۔

”بب...... بب...... باس...... باس۔“

”میں نے کچھ کہا۔ آواز تمہارے کانوں تک پہنچی۔“

”معافی چاہتا ہوں باس! مگر آپ دیکھئے‘ اس نے ہم سب کا کیا حشر کیا؟“ وہ شخص جسے باس کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا مزید کچھ نہ بولا۔ اس نے رخ تبدیل کرلیا‘ پھر وہ بجلی کی طرح پلٹا اور اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور سے لگاتار دو فائر ہوئے اور اس میں سے ایک گولی ریوالور والے شخص کی پیشانی پر اور دوسری اس کے دل کے مقام پر لگی۔ اس کے منہ سے ایک دردناک چیخ نکلی۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے گر گیا اور وہ اوندھے منہ زمین پر آ رہا۔

”اسے اٹھا کر لے جاؤ اور گٹر میں بہا دو۔“ دبلے پتلے اور لمبے قد کے آدمی نے سفاک لہجے میں کہا۔ باقی لوگوں کو بھی جیسے ہوش آ گیا تھا۔ انہوں نے بجلی کی طرح جھپٹ کر اس شخص کو اٹھایا جو ابھی پوری طرح دم بھی نہیں توڑ سکا تھا۔ اس کی پیشانی اور سینے سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں‘ اور وہ سسک رہا تھا۔ وہ لوگ اسے اٹھا کر کمرے سے باہر لے گئے۔ گرتے ہوئے خون کی لکیریں دروازے سے باہر نکل گئی تھیں اور میں خاموش کھڑا اس دبلے پتلے شخص کو دیکھ رہا تھا۔

”مجھے معاف کرنا دوست! یہ جذباتی ہو گئے تھے‘ حالانکہ یہ صرف تمہارا چھوٹا سا امتحان تھا۔ براہ کرم میرے ساتھ آؤ۔“

”کس طرح کا امتحان؟“ میں نے غراتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

”دوسرے کمرے میں آؤ...... یہ کمرہ تتر بتر ہو چکا ہے۔ آؤ...... پلیز اگر تم مجھ سے مطمئن نہ ہوئے تو میں تمہیں پوری عزت و احترام کے ساتھ جہاں تم چاہو گے واپس پہنچا دوں گا۔ میرا خیال ہے مجھ سے تعاون کرو۔“ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا ہر انسان کے ذہن میں ایک تجسس ہوتا ہے میں نے اس تجسس کے تحت یہ فیصلہ کیا کہ اس شخص کے ساتھ اتنا تعاون ضرور کرلیا جائے کہ بات پتہ چل سکے کہ وہ چاہتا کیا ہے۔ چنانچہ میں خاموشی سے خون کی ان لکیروں سے بچتا ہوا باہر نکل آیا۔ وہ مجھے ایک اور کمرے میں لے گیا تھا‘ جہاں انتہائی شاندار فرنیچر پڑا ہوا تھا۔ اس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

”بیٹھو۔“

”تم نے مجھے تجسس کا شکار کر دیا ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو؟ اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

”وہ ہی میں تمہیں بتاؤں گا‘ لیکن اطمینان رکھو۔ میں نے اپنے ایک آدمی کو تمہاری وجہ سے ختم کر دیا ہے‘ چونکہ اس نے تم پر ریوالور تانا تھا۔ میں اب بھی وہی بات کہتا ہوں کہ تم سے کچھ کام ہے مجھے۔ اگر میں تمہارے معیار پر پورا نہ اترا اور اگر وہ کام تمہیں پسند نہ ہو تو میں تمہیں عزت و احترام کے ساتھ خدا حافظ کہہ دوں گا۔“ میں بیٹھ گیا لیکن انتہائی چوکنا تھا۔ وہ شخص کچھ بھی کرسکتا تھا۔ اچانک ہی اس نے صوفے کے ہتھے پر لگے ہوئے بٹن کو دبایا اور ایک عورت اندر داخل ہوگئی‘ جبکہ میں پوری طرح اس بات کیلئے تیار تھا کہ اس بار ایک پوری ٹیم دروازے سے اندر داخل ہو گی اور مجھے اس سے مقابلہ کرنا پڑے گا‘ لیکن آنے والی عورت نے اندر آ کر گردن خم کی تو وہ بولا۔

”کوئی مشروب لے آؤ۔“ میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا البتہ جب عورت مشروب لے کر اندر داخل ہوئی تو میں نے کہا۔

”تم جانتے ہو کہ میں اب یہاں دوست نہیں رہا۔ چنانچہ اب میں اس بات سے گریز کروں گا کہ تمہارے منگائے ہوئے مشروب کو استعمال کروں‘ ممکن ہے اس میں کوئی خواب آور دوا ہو اور چونکہ تم مجھے اپنے آدمیوں کے ذریعے زیر نہیں کر سکے اس لیے بیہوش کر کے مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہتے ہو۔“

”خوبصورت ہونٹوں کی حلاوت کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟“

”میں سمجھا نہیں۔“ میں نے کہا۔

”میرے ہونٹ مکروہ ہیں اور اگر میں ان دونوں گلاسوں میں سے ایک ایک سِپ لے لوں تو میرا جھوٹا شربت تمہیں اچھا نہیں لگے گا‘ لیکن اگر اس میں سے یہ لڑکی ایک ایک سِپ لے لے تو میرا خیال ہے کہ تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔“ میں مسکرا دیا۔ اس کی بات کا مفہوم میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ میں نے کہا۔

”چلو ٹھیک ہے۔ لاؤ میرا گلاس مجھے دے دو۔“ اس نے ایک گلاس اٹھا کر میری طرف بڑھایا تو میں نے وہ گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

”اس قدر اعتماد۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”یہ اعتماد نہیں ہے بلکہ ٹیکنیک ہے۔“

”کیا مطلب......؟“

”تم یہ ہی سمجھے ہو گے نا کہ جو گلاس تم میری طرف بڑھاؤ گے وہ میں نہیں لوں گا بلکہ دوسرا گلاس اٹھا لوں گا۔ یہ سوچ کر کہ دوسرا گلاس تمہارے لیے ہے۔“ وہ ہنس پڑا‘ پھر بولا۔

''ویری گڈ...... ویری گڈ...... اس کا مطلب ہے طاقتور اور پھرتیلے ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی ہو۔ میں تمہیں ایک بات بتاؤں اچھا چھوڑو اس بات کو۔ میرا نام ڈارون ہے۔ یہ بتاؤ کہ کبھی رنگون شاہ کے منہ سے یہ نام سنا تھا۔''

''نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''لوگ مجھے جرائم کی دنیا کا بادشاہ کہتے ہیں' لیکن چوری' مار پیٹ' سمگلنگ یا ایسے کسی گھٹیا جرم کی دنیا کا بادشاہ نہیں' میرا تعلق انٹرنیشنل ونگ سے ہے اور میں بین الاقوامی مجرم ہوں۔ دنیا کے بڑے بڑے ملک ان کے انٹیلی جنس یا پھر دنیا کے ایسے بڑے بڑے دولت مند' جو اپنے کسی مقصد کی تکمیل چاہتے ہیں میرے ذریعے اپنے کام کرتے ہیں اور مجھے کروڑوں ڈالر معاوضہ ملتا ہے۔ اس معاوضے کے تحت میں نے اپنے چھوٹے سے گروہ میں صرف چند ایسے افراد کو رکھا ہے' جو میرے لئے کام کرتے ہیں اور میں اپنے گروہ میں تمہیں صرف یہ یقین دلاتا ہوں کہ اگر میں تمہیں ان کے نام بتاؤں گا تو تم حیران رہ جاؤ گے۔ وہ دنیا کے دولت مند ترین لوگ ہیں اور میں چاہتا ہوں میرے دوست تیمور پاشا! کہ تم بھی دنیا کے امیر ترین لوگوں میں شامل ہونے لگو۔ یہ شربت پیو اور اس کے بعد میں تمہیں چند دوسری چیزوں سے آگاہ کروں گا۔'' اس نے کہا اور میں نے شربت کا گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔ بہت زیادہ احتیاط بھی حماقت ہوتی ہے۔ اگر یہ شخص مجھ سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو زبردستی کوئی بھی نہیں کرسکتا۔ بس اعتماد ضروری ہوتا ہے اور اسے احساس ہو گیا کہ مجھے اس پر اعتماد ہو گیا ہے' پھر دیر تک خاموشی رہی' پھر اس نے کہا۔

''اس بات کا تو تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ لوگ جو تم پر حملے کر رہے تھے وہ میرے ہی ایما پر تھے اور میں پوشیدہ طریقہ سے تمہاری مہارت کو دیکھ رہا تھا۔ بے شک رنگون پاشا نے تمہارے بارے میں جو کچھ کہا تھا' وہ بالکل ٹھیک تھا' تم ٹائیگر ہو' چیتے سے زیادہ پھرتیلے' اس سے زیادہ طاقتور اس سے زیادہ دلیر اور اس سے زیادہ شاندار۔ چنانچہ اگر میں تمہیں ٹائیگر کہوں تو حق بجانب ہوگا۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سنجیدگی سے اس کی صورت دیکھتا رہا' پھر اس نے کہا۔

''آؤ میں تمہیں دکھاؤں کہ میرا طریق کار کیا ہے اور کس طرح میں اپنے ساتھیوں کی مدد کرتا ہوں؟'' یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ بہر حال یہ ایک دلچسپ عمل تھا اور مجھے بھی اس میں تھوڑا تھوڑا مزہ آ رہا تھا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس دوران میں نے جو کچھ سیکھا تھا' اور جو کچھ دیکھا تھا اس سے مجھے یہ اندازہ ہوا تھا کہ دولت بہر حال دنیا کی سب سے ضروری چیز ہے۔ وہ اگر پاس ہو تو انسان کی زندگی میں لطف ہی لطف ہوتا ہے۔ ویسے بھی میری عمر بہت زیادہ نہیں تھی۔ چھوٹی موٹی چیزوں سے بہل جانے والوں میں سے تھا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لئے ہوئے دوسرے کمرے میں آ گیا۔ یہاں اس نے ایک دروازہ کھولا اور ایک تہہ خانے میں اترنے لگا۔

میں اس کے ساتھ بے دھڑک نیچے پہنچ گیا تھا۔ یہ شخص اگر یہاں کچھ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے وہ مزہ چکھاؤں گا کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔ تہہ خانہ بڑا پرسکون تھا۔ وہاں بھی شاندار فرنیچر پڑا ہوا تھا اور ٹھنڈی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی۔ سامنے ہی ایک سکرین نظر آ رہی تھی۔ اس نے ریموٹ کنٹرول سے وہ سکرین روشن کی اور اس پر کچھ تصویریں ابھرنے لگیں' پھر ایک شاندار علاقے اور شاندار گھر کا منظر نظر آیا۔

''یہ فرانس ہے۔ فرانس کا حسین ترین علاقہ' جو فرانس کے مشہور دریا کے کنارے ہے اور بوئے ڈی بولون کہلاتا ہے۔ یہاں دنیا کے امیر ترین لوگوں کے مکانات ہیں اور یہ گھر میرے ایک آدمی کا ہے' جو میرے لئے کام کرتا ہے۔ وہ بہت ہی شاندار زندگی گزارتا ہے۔ صرف اس لئے کہ وہ میرا ساتھی ہے۔ میرے دوست' مائی ڈیئر مسٹر تیمور! تمہیں بھی وہی زندگی مل سکتی ہے۔ کیا سمجھے......؟ میں تمہارا تعارف اس آدمی سے کراؤں گا کیونکہ ابھی تم صرف مجھ سے روشناس ہو جاؤ۔'' یہ کہہ کر اس نے ریموٹ کنٹرول چینج کیا اور اس بار ایک اور منظر نظر آیا۔ پن چکیاں چل رہی تھیں۔ ایک حسین ترین علاقے میں ایک اور مکان نظر آیا۔ وہ بولا۔ ''یہ ہالینڈ ہے۔ میرا دوسرا خاص آدمی ہالینڈ میں رہتا ہے۔ وہ دیکھو وہ اس کا گھر۔ آؤ میں تمہیں اس کی سیر کراؤں۔'' یہ گھر بھی انتہائی شاندار تھا۔ خونخوار قسم کے کتے یہاں گھوم رہے تھے۔ ''اور دیکھو یہ میرا تیسرا آدمی۔ اس طرح وہ ایک ایک کر کے دنیا کے مختلف ملکوں کی سیر کراتا رہا' پھر بولا۔ ''اور اسی طرح تم بھی جہاں چاہو گے وہاں تمہارا قیام رہے گا۔ بات دراصل یہ ہے کہ دشمن بھی سدا کمزور نہیں ہوتا۔ میرے کچھ دشمنوں کو میرے ان آدمیوں کے بارے میں معلومات ہو چکی ہیں اور جو نئی مہم مجھے کسی کے سپرد کرنی ہے وہ بالکل نئے لوگوں کیلئے ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا کوئی پرانا آدمی وہ مہم سرانجام دے۔ میں تمہیں ایک مخصوص تربیت دے کر اس مہم پر روانہ کروں گا۔ اس سے پہلے میں تم سے پوچھوں گا کہ دنیا کے کون سے خطے میں اپنے لئے رہائش چاہتے ہو اور کس انداز میں زندگی گزارنا چاہتے ہو؟'' مجھے ہنسی آ گئی اور میں نے کہا۔

''میں تو اسی دیش کا باسی ہوں اور یہیں زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔''

''ایسا بھی ہو جائے گا تمہیں یہاں ایک شاندار صنعت کار کی حیثیت حاصل ہو جائے گی اور لوگ تمہاری عزت کریں گے۔ تمہیں کسی شاندار علاقے میں شاندار رہائشی مکان دیا جائے گا۔ چھ سات ملازم' اعلیٰ درجے کی کار' یہ سب تمہارا ہو گا اور صرف چند دن کے اندر اندر کیا کہتے ہو بولو۔''

''میں تیار ہوں۔'' میں نے بے اختیار کہا اور وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ اچانک ہی میں نے کہا ''تمہارا نام بڑا عجیب ہے۔''

''ہاں ڈارون...... زمانہ قدیم کے ایک مفکر کو کہا جاتا ہے جس نے انسان کے بارے میں ایک تھیوری پیش کی تھی اور کہا تھا کہ زمانہ قدیم کا انسان بندر تھا۔ تم شاید اس بات پر یقین نہ کرو کہ میری بھی ایک تھیوری ہے لیکن وہ میں تمہیں ابھی نہیں بتاؤں گا۔ بولو اب کیا کہتے ہو؟''

''میں نے کہاں ناں...... میں نے آمادگی کا اظہار کر دیا تھا۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ مجھے تمہارے لئے کیا کرنا ہے؟''

''ابھی نہیں پہلے مجھے اپنے لئے کچھ کرنے دو۔'' اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر تہہ خانے سے باہر چل پڑا۔

تین دن مجھے ڈارون کی اسی رہائش گاہ میں گزارنے پڑے۔ اس دوران ڈارون نے مجھ سے کوئی ملاقات نہیں کی تھی' بلکہ میرے سارے کام ملازم ہی کرتے رہے تھے' جو نہایت خشک اور بالکل بے کار سے لوگ تھے' البتہ مجھے زندگی کی ہر سہولت مہیا کر دی گئی تھی' اور کسی قسم کی کوئی دقت مجھے یہاں پیش نہیں آئی تھی۔ چوتھے دن ڈارون نے مجھ سے پھر ملاقات کی' اور مجھے پھر ایک کمرے میں طلب کیا۔ اس کے ساتھ ایک بھرے بھرے بدن اور سانولی رنگت کی ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی' جس کی عمر چوبیس پچیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ لڑکی نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا۔ اس کی سیاہ آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔ باقی چہرے کے نقوش دلکش تھے۔ بس رنگت میں ذرا سانولا پن تھا اور یہ سانولا پن اس کی پرکشش شخصیت کو اور نمایاں ہی کرتا تھا۔ ڈارون ایک خاص قسم کا چمکدار لمبا لبادہ پہنے ہوئے تھا' اور اپنی شکل وصورت میں انتہائی پراسرار نظر آ رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہیلو...... لنگڑے بادشاہ عرف ٹائیگر۔'' لنگڑے بادشاہ کا مفہوم بھی میری سمجھ میں آ گیا تھا' کیونکہ مجھے بتا دیا گیا تھا کہ میرا نام ایک مغل سردار کے نام سے مماثل ہے۔ وہ تیمور لنگ کہلاتا تھا اور وہ لنگڑا تھا۔ اس کی بعد کی نسل نے ہندوستان پر صدیوں حکومت کی۔ بہر حال میرا یہ نام کیوں رکھا گیا تھا' یہ بات تو میں نہیں جانتا تھا' لیکن اس وقت اس نے مجھے لنگڑے بادشاہ کہہ کر مخاطب کیا تھا' پھر بولا۔ ''معاف کرنا میری بات کا برا تو نہیں مانا تم نے؟''

''کون سی بات کا؟''

''میں نے تمہیں لنگڑا بادشاہ کہا ہے۔''

''پہلی بار نہیں ہے۔ میرے نام کے حوالے سے پہلے بھی مجھے کئی لوگوں نے لنگڑا بادشاہ کہہ کر پکارا ہے۔''

''تب سوری۔''

''سوری کس بات پر؟''

''یہی کہ میں نے تمہیں گھسے پٹے نام سے پکارا' اور میری اس پکار میں کچھ نیا پن نہیں تھا۔''

''کوئی بات نہیں ہے۔''

''یہ شیری ہے تمہاری سیکرٹری۔''

''ہیلو سر!'' سانولی لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

''ہیلو!''

''سر! آپ کی عمر تو بہت کم ہے۔''

''تم سے چھوٹا ہے شیری۔'' ڈارون نے کہا اور شیری کسی قدر جھینپ سی گئی۔ ڈارون ہنس کر بولا۔ ''میرا مطلب ہے اس کے بچپن کا خاص طور پر خیال رکھنا' ویسے میں نہیں جانتا کہ اور کس موقع پر یہ کیا ثابت ہوگا۔''

''جی سر!'' شیری نے ڈارون کی بات کا کوئی برا نہیں مانا تھا۔ ڈارون نے کہا۔

''فی الحال شیری تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گی۔ میں نے اپنے وعدے کے مطابق تمہارے لئے ایک چھوٹے سے گھر کا انتظام کیا ہے۔ جو تمہاری ملکیت ہے اور بات صرف زبانی نہیں ہے شیری۔''

''یس سر!'' شیری اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی ایک طرف بڑھ گئی تھی۔ اس نے الماری سے ایک فائل نکالی اور اسے نکال کر میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ سر آپ کے گھر کی رجسٹری۔'' میں نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی' پھر میں نے کہا۔

''میں ان تمام چیزوں سے ناواقف ہوں مسٹر ڈارون آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''ہاں...... پھر بھی ایک نگاہ ڈال لو۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ تمام قانونی کارروائی کر ڈالی ہے میں نے۔ وہ چھوٹا سا گھر تمہاری ملکیت ہے اور اپنے طور پر میں نے وہاں تمہارے لیے کوششیں بھی کی ہیں۔ جب تک جی چاہے یہاں قیام کرو اور جب جی چاہے میرا کام شروع کر دو۔ تو پھر تم کام شروع کر دینا۔''

''میں کام شروع کر دینا چاہتا ہوں۔''

''پہلے اپنا گھر دیکھ لو' دو چار دن اس میں رہ کر دیکھو۔ اچھا اب میں چلتا ہوں تمہیں ایک چھوٹا سا سفر کرنا پڑے گا۔'' ڈارون نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔ شیری اس کے جاتے ہی ایک دم بے تکلف ہو گئی۔

''سر! میں آپ کو ٹائیگر کہہ کر پکاروں؟''

''میرا نام تیمور ہے باقی جو تمہارا دل چاہے۔''

''سر نے مجھے یہی کہا ہے کہ میں تمہیں ٹائیگر کہوں۔'' میں نے شانے اچکا دیے تھے' اور اس کے بعد میں اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ شیری مجھے باہر لے آئی۔ ایک شاندار قسم کی لینڈ کروزر وہاں کھڑی ہوئی تھی۔ شیری نے ڈرائیونگ سیٹ کے برابر کا دروازہ کھولا اور بولی۔

''آیئے سر!'' میں خاموشی سے لینڈ کروزر میں بیٹھ گیا۔ شیری نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی' لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ یہ سفر کتنا طویل ہوگا۔ تھوڑی دیر کے بعد شہری آبادی سے باہر نکل کر ہم

ایک پہاڑی راستے کی جانب چل پڑے‘ پھر کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد لینڈ کروزر پہاڑ کی بلندیاں طے کرنے لگی۔ میں نے ایک بار بھی شیری سے سوال نہیں کیا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے؟ اور ہمیں کہاں پہنچنا ہے؟ اب تک شیری بھی خاموش رہی تھی‘ پھر اس نے کہا۔

”سر! جب دو نئے لوگ ملتے ہیں تو پہلے ایک دوسرے کو جاننا پڑتا ہے۔ آپ میرے باس ہیں‘ میں آپ کی سیکرٹری ہوں۔ آپ چاہیں تو مجھ سے میرے بارے میں سوال کر سکتے ہیں۔“

”میں نہ کسی باس کو جانتا ہوں‘ نہ سیکرٹری کو۔ تمہارا نام شیری ہے اگر تمہارا دل چاہے تو بے تکلفی سے مجھ سے باتیں کرو اور دل نہ چاہے تو خاموشی بھی اتنی بری چیز نہیں ہوتی۔“

”ویری گڈ۔ چند جملوں میں آپ نے اپنا تعارف کرا دیا ہے۔“ شیری نے تعریفی انداز میں کہا۔

”میں نہیں کہتا کہ ان جملوں میں کوئی خاص بات تھی۔“

”سر! میں ذاتی طور پر بھی آپ سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔“

”میں نہیں جانتا کہ میرے اندر کوئی ایسی بات ہے جو کسی کو متاثر کرے۔“

”نہیں سر! آپ بہت بڑی بات کہہ رہے ہیں۔ مسٹر ڈارون جیسی شخصیت اگر کسی سے متاثر ہو جائے تو اس کو تسلیم کرنا پڑے گا۔“ میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ قرب و جوار طے کرنے کے بعد لینڈ کروزر ایک ایسے حسین ترین مکان کے سامنے رک گئی جسے مکان کے بجائے محل کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ کسی پہاڑی مقام پر ایسا حسین محل ناقابل یقین منظر رکھتا تھا۔ یہ ایک عظیم الشان پہاڑی سلسلے پر بنا ہوا تھا اور تھوڑی سی گہرائی میں تھا۔ ویسے بھی ہم کافی بلندی پر آ گئے تھے اور اس بلندی سے قرب و جوار میں بکھرے ہوئے مکانات چھوٹے چھوٹے کھلونے معلوم ہو رہے تھے۔

ایک سڑک گہرائی میں جاتی تھی جو اس مکان کے بہت بڑے پھاٹک پر جا کر ختم ہوتی تھی۔ پہاڑی مقام تھا اس لیے سبزہ اور شادابیاں تو اپنا جواب ہی نہیں رکھتی تھیں‘ لیکن گیٹ کے اندر داخل ہو کر میں نے جو دیکھا‘ اسے دیکھ کر آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ایسے حسین مناظر دل کو موہ لینے کیلئے کافی ہوتے ہیں۔ ایسے ایسے حسین پھول اس روش کے دونوں طرف بکھرے ہوئے تھے کہ اس سے پہلے نگاہوں میں نہیں آئے تھے۔ سامنے ایک سفید عمارت نظر آ رہی تھی‘ جو محل نما ہی تھی۔ لینڈ کروزر پورچ میں رک گئی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ویسے بھی اس پہاڑی مقام پر جھکے ہوئے بادل اپنی نظیر ہی نہیں رکھتے تھے۔ خوامخواہ دل خوش ہونے لگتا تھا۔ میں نے شیری کے چہرے پر بھی متاثر کن تاثرات دیکھے۔ اس نے بوجھل نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

”آیئے سر!“ میں نیچے اتر آیا اور اس کے بعد ہم لوگ اندر داخل ہو گئے۔ وہ کہنے لگی۔ ”سر! پورا گھر آپ کا ہے۔ آپ کی ملکیت ہے۔ دو کاریں اور ہیں جن میں تین ڈرائیور موجود ہیں۔ تیسری

ڈرائیور میں ہوں اور دو کاروں کے ڈرائیور اور موجود ہیں۔ اس پہاڑی مقام کے اطراف میں بکھرے ہوئے ایسے ایسے مناظر ہیں‘ میں یہ نہیں کہتی کہ آپ نے انہیں نہیں دیکھا ہوگا۔ اگر دیکھا ہے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہ کتنے خوبصورت ہیں۔ باقی یہ سب کچھ آپ کیلئے ہے۔“

”اور تم......؟“ میں نے اس سے پہلا سوال کیا اور وہ مجھے چونک کر دیکھنے لگی۔

”میں سمجھی نہیں سر!“

”چلو سمجھا دیں گے۔ اچھا ایک بات بتاؤ شیری! باس نے تمہیں میری سیکرٹری کہا ہے۔“

”جی سر! بالکل۔“

”شیری میں اگر تم سے کوئی ایسی بات کہوں تو تم محسوس تو نہیں کرو گی۔“

”بالکل نہیں سر! میں آپ کی ہر بات کو بہت خوش دلی کے ساتھ محسوس کروں گی۔“

”تو پھر مجھے ایک کپ کافی پلوا دو۔“

”جی......؟“ وہ حیرت سے بولی اور پھر بے اختیار ہنس پڑی۔ ”اتنا بڑا آغاز اور اتنی چھوٹی سی فرمائش۔“

”کوئی بڑی فرمائش میں تم سے ابھی کہاں کر سکتا ہوں۔“

”کیجئے سر! میں آپ کی بڑی سے بڑی فرمائش پوری کروں گی۔“ اس نے کہا اور پھر مجھے ایک کمرے میں لے گئی۔ ”سر ہر کمرے میں یہ سیاہ بٹن جو ہے‘ یہ ملازموں کو بلانے کیلئے ہے اور یہ ہر کمرے کی دیوار پر موجود ہے‘ بلکہ جگہ جگہ پر موجود ہے۔ آپ جہاں سے بھی گزر کر ہمیں اپنے پاس بلانا چاہیں گے ہم آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔ ان بٹنوں پر نمبر پڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں اندازہ ہو جائے گا کہ آپ ہمیں کس جگہ طلب کر رہے ہیں۔“

”گڈ...... زبردست انتظام قائم کر رکھا ہے۔“

”میں جاؤں سر!“

”ہاں‘ جاؤ۔ جہاں کافی لانی ہوگی میں وہاں بٹن دبا دوں گا۔“ میں نے کہا‘ اور میں اس محل کی سیر کرتا رہا۔ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ کوئی ایسی جگہ میری رہائش گاہ ہوگی اور نہ صرف رہائش گاہ بلکہ میری ملکیت بھی ہوگی۔ ایک ناقابل یقین سا احساس ہو رہا تھا‘ اور یہ احساس بہت عجیب لگ رہا تھا۔

بہرحال یہ سب کچھ جاری رہا۔ محل ایسا حسین تھا کہ بس خوابوں میں دیکھا جا سکتا تھا‘ لیکن یہ خواب ایک زندہ حقیقت بن کر میرے سامنے آ گئے تھے۔ اس کے بعد شیری نے مجھے کافی پلائی۔ ایک بہت ہی آراستہ کمرے میں تھا۔ جسے ڈرائنگ روم تو نہیں کہا جا سکتا تھا‘ لیکن جو ڈرائنگ روم جیسی حیثیت ہی رکھتا تھا۔ میں نے وہیں سے بٹن دبایا تھا اور چند ہی لمحوں کے بعد شیری ایک بارہ تیرہ سال کی لڑکی کے ساتھ اندر داخل ہو گئی تھی۔ یہ بارہ تیرہ سال کی لڑکی چھوٹی سی ٹرالی سنبھالے ہوئے

تھی۔ مقامی تھی اور بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔

''ہیلو!......'' میں نے اسے پسند کرتے ہوئے کہا۔

''یس سر!'' لڑکی اس طرح بولی جیسے کہیں مشین سے آواز نکلی ہو۔

''کیا نام ہے تمہارا......؟''

''پومی......''

''شیری یہ کون ہے؟''

''یہیں کے ایک ملازم کی بیٹی ہے۔ اندر کام کرتی ہے۔'' شیری نے بتایا۔لڑکی بہت صاف ستھرا لباس پہنے ہوئے تھی۔

''پومی کیا کرتی ہو......؟''

''کام......'' پومی نے معصومیت سے جواب دیا۔

''اور کیا کرتی ہو......؟''

''اور بھی کام کرتی ہوں۔'' وہ بولی اور میں ہنس پڑا۔

''بہت پیاری بچی ہے۔''

''جی سر!'' لڑکی ایک طرف کھڑی ہوگئی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

''پومی جاؤ آرام کرو۔'' وہ باہر نکل گئی تھی۔ شیری نے میرے لیے کافی بنا کر مجھے پیش کی پھر بولی۔

''سر! آپ یہاں آ کر بہت خوش ہیں۔''

''تمہیں کیا لگ رہا ہے......؟''

''مجھے خوش لگ رہے ہیں آپ۔''

''ہاں میں خوش ہوں۔''

''سر! میرے لیے کوئی اور حکم۔''

''کافی پیو میرے ساتھ۔''

''جی سر آپ کے حکم سے۔'' شیری نے کہا اور دوسری پیالی اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لی' پھر میں نے کہا۔

''شیری مسٹر ڈارون سے میرا طویل تعارف نہیں ہے۔''

''سر! مسٹر ڈارون کے بارے میں مجھ سے براہ کرم کوئی سوال نہ کریں۔ مجھے جواب دینے کی اجازت نہیں ہے۔ ورنہ میں آپ کے حکم سے انکار نہیں کر سکتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے نہیں پوچھوں گا۔'' مسٹر ڈارون نے جو کام میرے سپرد کیا ہے وہ میں نہیں جانتا کہ کب اس کا آغاز کرائیں گے' لیکن میں بے چین ہوں کہ مجھ سے میرا کام کرایا جائے۔''

''سر! تھوڑے سے دن اس پہاڑی مقام کی سیر کرتے ہیں۔ آپ یہاں کے اطراف سے باخبر ہو جائیں۔ شاید اس کے بعد ہی مسٹر ڈارون اپنے کام کا آغاز کریں گے' اور اس کے بعد شیری تقریباً پانچ دن تک مجھے ان اطراف کی سیر کراتی رہی۔ واقعی یہ علاقے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے' لیکن اب دیکھنے کے بعد مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ واقعی زمین کی جنت اگر کسی جگہ کو کہا جا سکتا ہے تو وہ یہ جگہ ہے اور پھر یہ میرا خوبصورت محل ڈارون نے بالکل سچ کہا تھا۔ اس نے مجھے فرانس' سوئٹزرلینڈ' سویڈن اور نجانے کون کون سے شہر دکھائے تھے' جہاں اس کے آدمیوں کی رہائش گاہیں تھیں۔ یہ بھی ایک خاص بات تھی کہ اس نے اپنے آدمیوں کو پھیلا کر رکھا ہوا تھا' اور بقول اس کے وہ دنیا کے مختلف خطوں میں اس کیلئے کام کرتے تھے۔ چھٹے دن میں نے خود شیری سے کہا کہ میں مسٹر ڈارون سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ شیری نے فوراً اس کا انتظام کیا۔ ایک بڑے سے فون بکس پر اس نے مسٹر ڈارون سے رابطہ قائم کیا' اور مسٹر ڈارون کی آواز ابھری۔

''ہیلو مائی ڈیئر ٹائیگر کیسے ہو؟''

''مسٹر ڈارون میں بالکل ٹھیک ہوں اور اب کام کرنا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے آج سے کام کا آغاز' اور کچھ؟''

''نہیں بس میں یہی کہنا چاہتا تھا۔''

''شیری کام شروع کر دیا جائے۔'' ڈارون نے کہا اور دوسری طرف سے آواز آنا بند ہوگئی۔ مختصر ترین گفتگو تھی۔ جس سے ڈارون کی شخصیت کا ایک پہلو نمایاں ہوتا تھا۔ بہرحال میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اب کام کا آغاز کس طرح ہوتا ہے' اور اس دن شیری مجھے اس کمرے میں لے گئی جہاں پیرو سکرین لگا ہوا تھا اور یہ پیرو سکرین سٹل فوٹوگرافی دکھاتا تھا' کچھ کیمرے وغیرہ فٹ تھے جن کے پیچھے شیری نے پہنچ کر کہا۔

''آپ بیٹھ جائیے پلیز! میں آپ کو اس جگہ سے روشناس کرانا چاہتی ہوں جہاں سے آپ نے اپنے کام کا آغاز کرنا ہے۔'' اس نے کیمرے آن کیے اور پوری سکرین پر ایک عظیم الشان تصویر نظر آنے لگی۔ ریت کے ٹیلے بکھرے ہوئے تھے' کہیں کہیں اونٹوں کے قافلے جا رہے تھے۔ عرب کا کوئی خطہ تھا' لیکن چند ہی لمحوں کے بعد تصویر میں تبدیلی ہوئی۔ اچانک ہی وہ ساری تصویریں متحرک ہوگئیں۔ بالکل یوں لگا جیسے رکے ہوئے قافلے چل پڑے ہوں۔ یہ جدید ترین تکنیک تھی۔ پہلے سٹل فوٹوگراف نظر آیا تھا اور اس کے بعد اچانک ہی یہ سب کچھ شروع ہوگیا تھا۔ مجھے بالکل یوں لگ رہا تھا جیسے میں خود بھی کسی اونٹ پر بیٹھا ہوا ہوں اور اونٹ آگے بڑھ رہا تھا' پھر میری نگاہیں سامنے کے حصے کی جانب اٹھیں۔ یہاں مجھے احرام نظر آئے اور احراموں کی سرزمین نگاہوں کے سامنے آ گئی۔ ان احراموں کو دیکھ کر یہ علم ہوا کہ صحرائے عرب کا یہ حصہ مصر ہے' لیکن پیرو سکرین کا یہ انوکھا کام میرے لئے حیران کن تھا۔ چونکہ اس سے پہلے میں نے پیرو سکرین پر کسی ایسی چیز کو متحرک ہوتے نہیں

دیکھا تھا۔

اس سے زیادہ خوبصورت مناظر اور کسی جدید چیز سے نظر نہیں آ سکتے تھے۔

''یہ قاہرہ ہے سر!'' شیری کی آواز ابھری اور میری نگاہیں وہاں جم گئیں۔ قاہرہ کی گلیاں کوچے بازار یوں لگ رہا تھا جیسے لائیو پروگرام ہو رہا ہو اور ہم ہر جگہ کو وقت کے مطابق ہی دیکھ رہے ہوں۔ اس جگہ کا ایک حصہ' ایک کردار بن کر۔ بہرحال میں نے کسی کیفیت کا اظہار نہیں کیا اور خاموشی سے یہ مناظر دیکھتا رہا۔

''قاہرہ ٹاور دریائے نیل کا حسین ترین حصہ۔ یہاں سے تقریباً پورا قاہرہ نظر آتا تھا اور مزیدار بات یہ ہے کہ یہ ٹاور دریا کے بیچوں بیچ ہے اور یہاں تک جانے کیلئے کشتیاں اور سٹیمر استعمال کیے جاتے ہیں۔ باہر سے جانے والے سیاح قاہرہ ٹاور کی بلندیوں سے مصر کے مناظر ضرور دیکھنا پسند کرتے ہیں۔

''سر! سین بدلوں۔''

''ہاں۔''

''آیئے...... یہ قاہرہ کے وہ شبینہ کلب ہیں جو ایک مخصوص علاقے میں ہیں' کچھ کلب بکھرے ہوئے بھی ہیں' لیکن یہ خاص طور پر کلب سٹریٹ کہلاتی ہے۔ سر! قاہرہ میں جگہ جگہ احرامین ہیں جنہیں اب بھی سیاحوں کی دلچسپی کیلئے بعض جگہ شہروں کے بیچوں و بیچ قائم رہنے دیا گیا ہے۔ ورنہ حکومت مصر میں آنے والی نئی نئی حکومتوں نے ان احرامین میں بھی کمی کی ہے اور یہ احرام جو ما ہے اور اس کی ایک لمبی تاریخ ہے اور سر! یہ دیکھئے یہ ابوالہول کا تاریخی مجسمہ جو دنیا کی توجہ کا مرکز ہے اور آج بھی اپنے اندر لاکھوں کہانیاں چھپائے ہوئے ہے۔ مناظر تبدیل ہوئے اور پھر ایک بڑی پراسرار سی جگہ نظر آئی اور شیر کی آواز ابھری۔ ''یہ ویلی آف کنگز ہے۔ فرعونوں کا قبرستان سر! اس جگہ کی پراسراریت کا کوئی جواب نہیں ہے۔ چاندنی راتوں میں اگر آپ ویلی آف کنگز میں پہنچ جائیں تو زمانہ قدیم کے فراعین آپ سے ملاقات کیلئے ضرور آ جائیں گے۔'' وہ مجھے قاہرہ کے بارے میں تفصیلات بتاتی رہی' پھر منظر بدلہ اور اس نے کہا۔ ''اب ہم سکندریہ چلے آتے ہیں۔

''یہ سکندریہ ہے۔'' وہ سکندریہ کی سیر کراتی رہی پھر بولی۔ ''آیئے اب غزہ چلتے ہیں' غزہ' پھر صبر الخیمہ' طنطہ' پورٹ سعید' منصورہ' وہ کئی گھنٹے تک مجھے مصر کی سیر کراتی رہی اور میں حیرت کی تصویر بنا یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ مجھے کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ بہت دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اس کے بعد اس نے سکرین آف کر دی اور مجھے یوں لگا جیسے مصر سے میری واپسی ہو گئی ہو۔ میں نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

''اور یقیناً مجھے مصر دکھانے کا کوئی خاص مقصد ہو گا۔''

''بالکل ٹھیک سمجھا آپ نے سر! آپ نے یہ مناظر دیکھ لیے اور اس طرح آپ کو مصر سے

کسی حد تک واقفیت حاصل ہو گئی۔''

''واقعی یہ بہت ہی عجیب و غریب چیز ہے' اور جدید بھی۔ مجھے بے حد پسند آئی۔'' میں نے کہا۔ شیری مسکرانے لگی پھر بولی۔

''آپ کو جو مہم سرانجام دینی ہے سر! اس کا تعلق مصر سے ہی ہے۔''

''اس سے آگے اگر کچھ اور بتانا چاہو تو تم خود بتاؤ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم صرف وہ بتاؤ گی جس کی تمہیں ہدایت کی گئی ہے۔''

''سر! سب سے بڑی خوبی آپ کے اندر یہ ہے کہ آپ نے میرے لئے کوئی مشکل پیدا نہیں کی۔ یہ آپ کی ذہانت کا ثبوت ہے۔'' میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا' البتہ میں یہ سوچنے لگا تھا کہ مصر میں مجھے کیا کرنا ہو گا' لیکن ظاہر ہے جب تک بتایا نہیں جاتا میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا تھا' البتہ جو وعدہ اس نے کیا تھا اس کی تکمیل کا پہلا حصہ تو مکمل ہو گیا تھا۔ مجھے اس بات پر بھی ہنسی آئی تھی کہ ڈارون نے میرا کس طرح امتحان لیا تھا' پھر تین روز تربیت مجھے دی گئی اور چوتھے دن ڈارون میرے پاس پہنچ گیا۔ بہت ہی عجیب و غریب انسان تھا۔ وہ گرے رنگ کے چمکدار لبادے میں ملبوس اچانک ہی پہنچا تھا۔ میں نے اپنے اس محل نما مکان کی دوسری منزل سے' جہاں سے میں دور دور تک پھیلی ہوئی دھند کا جائزہ لے رہا تھا۔ سامنے کی سمت دیکھا تو وہ شاندار کالے رنگ کی کار اندر داخل ہوتی ہوئی نظر آئی' جس کے بارے میں پہلے تو میں کچھ نہیں سمجھ سکا لیکن بعد میں' میں نے اس میں سے ڈارون کو اترتے ہوئے دیکھا' پھر وہ اندر آ گیا اور میں نے تیزی سے باہر آ کر اس کا استقبال کیا۔ اس نے مجھ سے مصافحہ کیا تھا اور اس کے بعد وہ میرے کمرے میں آ گیا۔ اس نے کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم سے دوٹوک گفتگو کر لی جائے۔''

''ضرور مسٹر ڈارون! اب میں آپ کے ساتھیوں میں سے ایک ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں تم سے قاہرہ ہی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔'' ایک کمرے میں داخل ہو کر اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا اور مجھے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''جی سر!''

''مصر میں کئی انڈر ورلڈ پارٹیاں کام کر رہی ہیں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ بہت سے لوگ میرے ساتھیوں سے روشناس ہو چکے ہیں۔ تمہارا انتخاب میں نے اسی لیے کیا تھا کہ پہلی بات تو یہ کہ تم اپنے کام کیلئے موزوں ترین آدمی ہو۔ شاندار شخصیت کے مالک۔ ہر کام اس انداز میں کرنے والے' جس کا میں اور میرے خاص ساتھی جائزہ لے چکے ہیں۔ خیر میں تمہیں ساری تفصیل بتاتا ہوں۔ دنیا بھر میں اس وقت جس طرح کی ہنگامہ آرائیاں چل رہی ہیں' وہ بے حد سنسنی خیز ہیں۔ بات کسی ایک شخص سے منسوب نہیں کی جا سکتی۔ نجانے کون کون ان کارروائیوں میں ملوث ہے اور بہت

کچھ ہو رہا ہے۔ مصر میں بھی کئی زیرزمین پارٹیاں کام کر رہی ہیں۔ یہ تین مہینے پہلے کی بات ہے کہ یہاں کچھ لوگوں نے کچھ خاص جدوجہد کی اور ایک خوفناک منصوبہ بنایا۔ مصر پہلے بھی بہت سے خطرناک حالات کا شکار رہا ہے اور اس وقت بھی کچھ قوتیں جن میں بنیادی طور پر اسرائیل کی قوت کو سامنے رکھا جا سکتا ہے مصر کے خلاف کام کر رہی ہیں۔ ویسے تو اسرائیل بہت سے معاملات میں عرب دنیا کے خلاف نجانے کیا کیا حرکتیں کر رہا ہے' لیکن مصر میں درمیانے درجے کے حالات تھے' اور بظاہر یہ سمجھا جاتا تھا کہ اسرائیل مصر کے خلاف کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائے گا جو مصر کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو' لیکن شاید کوئی نیا منصوبہ زیرعمل ہے۔ مصری حکومت کے بارے میں اسرائیل کے نظریات تبدیل ہوئے ہیں اور کچھ لوگ وہاں حکومت کو ختم کر کے اپنی مرضی کی کوئی نئی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جبکہ موجودہ حکومت بہت ہی نارمل ہے اور اس نے دنیا میں امن کیلئے بہت سا کام کیا ہے۔ ہمیں کچھ ایسے لوگوں نے اپنے کام کیلئے آمادہ کیا ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ مصر میں موجودہ حکومت برسراقتدار رہے اور کوئی ایسا کام نہ ہونے پائے' جو مصر کو نقصان پہنچائے۔

ہمارے علم میں لایا گیا ہے کہ مصر میں ان دنوں خوفناک کام ہو رہا ہے اور منصوبہ بنایا جا رہا ہے کہ موجودہ حکومت کو کسی خاص ذریعے سے ختم کر دیا جائے۔ ویسے ہمیں جو تفصیلات مہیا کی گئی ہیں وہ یہ ہیں کہ اس حکومت کے کسی خاص آدمی کو' جو مصر میں موجودہ حکومت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں کسی شخص نے فون پر اطلاع دی تھی کہ قاہرہ میں اس وقت ایک خوفناک منصوبہ زیرعمل ہے' جو بولنے والا شخص تھا' اس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ خود بہت خوفزدہ تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ نہ صرف اس کی جان خطرے میں ہے' بلکہ مصر کی فضا پر بھی مہیب خطرات منڈلا رہے ہیں۔ بظاہر کوئی ایسی چیز سامنے نہیں آئی جس سے یہ کہا جائے کہ موجودہ حکومت کے دشمن کون لوگ ہیں اور کیا کام کر رہے ہیں؟ یہ ہے ساری صورتحال۔ تو مائی ڈیئر تمہاری تربیت سے بالکل الگ انداز ہے اس مہم کا' لیکن تمہیں اس سلسلے میں تمام بات بتائی گئی ہے۔ میں تمہیں اس شخص کی آواز کا ٹیپ سنواتا ہوں جس نے اس حکومت کو اس خوفناک سازش کے بارے میں اطلاع دی تھی۔ اس نے ہاتھ اٹھایا اور شیری نے فوراً ہی ایک ٹیپ ریکارڈر سامنے لا کر رکھ دیا۔ جو انتہائی جدید تھا' پھر اس ٹیپ پر اس شخص کی آواز ابھرنے لگی اور میں اور ڈارون غور سے اس آواز کو سننے لگے۔ اس آواز کو سننے کے بعد یہ نتیجہ تو آسانی سے نکالا جا سکتا تھا کہ جس شخص نے یہ اطلاع دی ہے وہ ایک معمر اور جھکی آدمی ہے۔ روانی سے انگریزی بولتا ہے' تعلیم یافتہ ہے' لیکن وہ کتنا ہی بوڑھا یا جھکی کیوں نہ ہو اس کے لہجے میں خلوص جھلکتا ہے' اور وہ بے انتہا خوفزدہ ہے۔ یہ تبصرہ میں نے کیا تھا اور ڈارون کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس نے فخریہ نگاہوں سے شیری کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور شیری ڈارون کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ جس شخص کا انتخاب کرتا ہے وہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔ بہرحال یہ بات تو تم جانتی ہو۔ مسٹر تیمور نہیں جانتے کہ ہمارے معاملات کہاں کہاں

ہیں۔ میں تمہیں ایک آدمی سے متعارف کراتا ہوں جس کا تعلق ایک خاص ادارے سے ہے۔ ایک ایسے ادارے سے جس کی شاخیں دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں۔ ان کا دفتر یہاں قاہرہ میں بھی ہے اور اس دفتر میں جو شخص چیف کے طور پر جانا جاتا ہے اس کا نام ناصر حمیدی ہے اور وہ صرف حمیدی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ناصر حمیدی کا ماضی ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہے' لیکن آج وہ دنیا کے ایک انتہائی دولت مند ادارے کا مالک ہے۔ شروع میں وہ سیاست میں بھی حصہ لیتا رہا' لیکن بعد میں اس نے اپنی تمام تر توجہ اپنے کاروبار پر مرکوز کر دی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ الیکٹرونک کی دنیا میں وہ ایک دیوقامت شخصیت بن چکا ہے۔ یہاں تک کہ امریکہ اور جاپان کی صنعتی دنیا بھی اس کے کاروبار کی وسعت دیکھ کر خوفزدہ نظر آتی ہیں۔ وہ سکندر اعظم کی طرح فاتحانہ انداز میں دنیا بھر کے دعوے کرتا ہے اور اپنے تمام تر منصوبوں میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں اس نے۔''

''ایک سوال کر سکتا ہوں؟'' میں نے کہا۔ اصل میں' میں خود بھی ڈارون سے متاثر ہو گیا تھا۔ ڈارون مخلص آدمی تھا اور اس نے میرے لیے جو کچھ کہا تھا کر کے دکھا دیا تھا۔ چنانچہ میں بھی اسے کچھ کر کے ہی دکھانا چاہتا تھا۔ میں نے کہا۔ ''میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ کیا میں آپ سے ایک سوال کر سکتا ہوں؟''

''میں انتظار کر رہا ہوں۔''

''آپ کے خیال میں کیا یہ شخص جس کا نام آپ نے ناصر حمیدی بتایا ہے اس سازش میں ملوث ہے جو مصر اور قاہرہ کے خلاف ہے؟''

''وہ اس نظریے کا قائل ہے کہ حکومت کا انتظام بڑی بڑی کارپوریشنوں کے ذریعے ہونا چاہئے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی ایسی کوئی شاخ موجود ہے وہاں کے سیاسی فیصلوں میں اس کے اثر و رسوخ کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ سپین' فرانس اور دنیا کے کئی ممالک کی سیاسی پالیسیوں میں اس کا ہاتھ رہا ہے۔ بہرحال یہ بھی اندازہ ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہے جو قاہرہ میں اپنی اجارہ داری چاہتا ہے۔''

''ٹھیک۔''

''ناصر حمیدی ٹیلی ویژن کے شعبے میں بہت کام کر رہا ہے اور اس نے نجانے کیا کیا کچھ کر ڈالا ہے۔ بہرحال ہمیں جس خاص مسئلے میں کام کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے کوئی ایسا شعبہ قائم کیا ہے جہاں انتہائی خفیہ کام ہو رہا ہے اور وہ خفیہ کام اندازہ یہ ہے کہ انتہائی خطرناک ہے۔ بس وہ حکومت جو ہم سے کام لینا چاہتی ہے اسی خفیہ کام کے سلسلہ میں معلومات حاصل کرنا ہے' اور تم یہ سمجھ لو مائی ڈیئر مسٹر تیمور کہ تمہیں کتنا بڑا کام کرنا ہے۔'' ڈارون نے کہا۔ مجھے واقعی اپنے بدن میں ایک ہلکے پن کا احساس ہو رہا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ جو کام میرے حوالے کیا جا رہا ہے وہ میرے قد و قامت سے بہت زیادہ ہے۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد اس نے کہا۔

''میں پوری محنت کے ساتھ کام کرنے کو تیار ہوں' لیکن یہ بات طے ہے مسٹر ڈارون کہ ا سے پہلے میں نے کبھی اس طرح کا کام نہیں کیا ہے۔''

''یہی تو تمہاری سب سے بڑی خوبی ہے تم نے یہ سب کچھ نہیں کیا ہے اور جب تم کرو تو ان تمام لوگوں سے بہتر کرو گے جو اس طرح کے کام کرتے رہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔''

''ویسے میں تمہیں بتاؤں کہ وہ گمنام مخبر جس نے اس سلسلے میں تمام تر رہنمائی کی ہے ہمار نگاہوں میں بڑی حیثیت رکھتا ہے۔ کئی نام میرے علم میں ہیں لیکن میں وہ نام تمہارے سامنے لے تمہیں بھٹکانا نہیں چاہتا۔ وہ شخص اگر سامنے آیا تو ضرور آئے گا اور اس سلسلے میں' میں نے پہلے ہی ایک آدمی کو اس کیلئے مخصوص کر دیا ہے' جس کا نام عصرانی ہے۔ عصرانی وہاں قاہرہ میں تمہارا منتظر ہوگا اور وہ تمہیں زیادہ تردد دے گا۔ کیا سمجھے؟ ہوسکتا ہے کہ یہ شخص قاہرہ ایئر پورٹ پر ہی تمہارا استقبال کرے۔''

''ٹھیک ہے سر!'' ڈارون میں ایک خوبی تھی' وہ یہ کہ کسی بھی معاملے میں وہ لمبی تمہید اختیا نہیں کرتا تھا' بلکہ بات کر کے فوراً ختم کر دیتا تھا' پھر تمام تیاریاں مکمل ہوگئیں اور اس کے بعد تیمور مص روانہ ہوگیا۔ اس کے اندر بے حد خوداعتمادی تھی اور وہ اپنا کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دینے ک قوت رکھتا تھا۔ بلاشبہ اس کے نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ کام اس طرح کا ہے جس کے بارے میں اس کبھی نہیں سوچا تھا' لیکن ایسے ہی کاموں کو کرنے کا لطف آتا ہے۔ قاہرہ ایئر پورٹ اپنی تمام پراسراریت کے ساتھ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ زمانہ قدیم کا یہ شہر بہت ہی تاریخی روشنیوں کا حامل تھا۔ یہاں جگہ جگہ فطرت نے اپنی صناعی کے حسین ترین نقوش ثبت کئے تھے' اور اس شہر میں جگہ جگ انتہائی حسین علاقے تھے۔ بہرطور پورے اعتماد کے ساتھ تیمور قاہرہ پہنچا تھا اور اس کے بعد اس نے ایک ہوٹل کا انتخاب کر لیا تھا۔ ڈارون کے خیال کے مطابق اس کا مطلوبہ شخص عصرانی ایئر پورٹ پر تیمور کے استقبال کیلئے نہیں پہنچا تھا' البتہ اس کا فون فوراً ہی تیمور کو محسوس ہوا تھا۔ ہوٹل کے کمرے میں قیام کے تھوڑے ہی وقت کے بعد یہ فون اسے موصول ہوا تھا۔

''مسٹر تیمور!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کون......؟''

''آپ کا دوست۔''

''نام......؟''

''عصرانی......''

''ٹھیک۔''

''میں ایئر پورٹ پر اس وقت موجود تھا' جب آپ کی فلائٹ نے لینڈ کیا تھا۔ باہر نکل کر ہوٹل کے نمائندوں نے آپ کو گھیر لیا تھا اور آپ نے ہوٹل بیلو کا انتخاب کیا تھا۔''

''جی......''

''میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ آپ سے ملاقات کروں۔ ہاں اب ہماری ملاقات کل رات آٹھ بجے ابوالہول ایونیو میں ہوگی۔''

''ٹھیک ہے رات کو آٹھ بجے۔''

''آپ بے فکر رہیں' میں آپ کو پہچان لوں گا۔ اپنی پہچان کے لئے سفید گلاب کے تین پھولوں کا حوالہ دیتا ہوں جو میرے کوٹ کے کالر میں لگے ہوں گے۔'' بہرحال یہ تمام چیزیں بڑی دلچسپ اور دلکش تھیں۔ رات کے آٹھ بجے ایک شاندار ٹیکسی پرپیچ پہاڑی راستوں سے تیمور کو گزارتی ہوئی ابوالہول ایونیو پہنچ گئی۔ مجھے عصرانی سے اکیلے میں ملاقات کرنی تھی۔ اس لئے مطلوبہ مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی میں ٹیکسی سے اتر آیا اور بڑے لاپرواہ انداز میں ٹہلتا ہوا آگے بڑھنے لگا' البتہ ابوالہول ایونیو کے اس مخصوص حصے میں جسے ایک خصوصی کیفے کہا جاتا تھا داخل ہونے کیلئے ایک مخصوص راستے سے داخل ہونا پڑا' البتہ یہاں بھی ایک دلچسپ صورتحال پیش آئی اور میں نے محسوس کیا کہ سارے کام بڑے ماہرانہ انداز میں ہو رہے ہیں۔ میں اس وقت آہستہ روی سے چلتا ہوا ایک طرف جا رہا تھا کہ ایک شخص میرے پاس پہنچ گیا۔ اس نے قریب سے گزرتے ہوئے سرسری طور پر کہا۔

''سامنے والے زینے کے اوپر ایک میدان ہے' اسی جانب بڑھنا ہے آپ کو۔'' یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا اور تھوڑی دیر میں میری نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہوگیا۔ میں ایک لمحے کیلئے رکا تھا اور اس کے بعد میرے قدم اس طرف اٹھ گئے' جہاں کی مجھے ہدایت کی گئی تھی' پھر جیسے ہی میں اس میدان میں پہنچا دو افراد میرے قریب آئے اور انہوں نے سرسری نگاہوں سے میرا جائزہ لیا' اور پھر میدان کے مغربی کونے کی طرف اشارہ کر دیا اور تیزی سے چلتے ہوئے میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ میدان کا مغربی گوشہ سنسان تھا۔ میں نے تیزی سے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں' دور دور تک کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ اب مجھے کچھ غصہ سا آنے لگا تھا۔ یہ شخص مجھے جو گائیڈ کرنا چاہتا تھا اور جس کیلئے مجھے ہدایت کی گئی تھی' وہ خود اس قدر خوفزدہ ہے۔ کتنے تعجب کی بات تھی۔ ڈارون نے کیا اسی طرح کے لوگوں کا انتخاب کیا ہے۔ یہ بات میں نے دل ہی دل میں سوچی تھی۔

بہرحال میں دو قدم آگے بڑھا۔ ٹھنڈی ہوائیں چھوتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ چاند کی مدھم روشنی میں اونچے اونچے درخت مہیب شکلیں اختیار کر چکے تھے' لیکن باقی شہر کی روشنیاں پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہی تھیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر مجھے کچھ بنچیں نظر آئیں تو میں ان کی جانب بڑھ گیا۔ اب ایک احمقانہ سا خیال میرے دل میں جاگ رہا تھا۔ ڈارون کی ہدایت پر میں نے جو کچھ کیا تھا کیا اس میں مجھے کامیابی حاصل ہوگی۔ یہ میرے مزاج کے خلاف تھا' لیکن پھر ڈارون نے میرے لیے جو کچھ کہا تھا اس پر غور کیا تو میں نے سوچا کہ آگے کے معاملات کی جو بھی صورتحال ہو' خود میرا تو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ میرے قدم ایک بنچ کی جانب اٹھ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد میں

ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔تقریباً پانچ منٹ تک بیٹھے بیٹھے بور ہوتا رہا اور اس کے بعد مجھے اپنے پیچھے ایک آواز سنائی دی۔

''مسٹر تیمور!'' میں نے پلٹ کر پیچھے کی طرف دیکھا تو مجھے ایک عمر رسیدہ آدمی چھڑی لئے ہوئے اپنی جانب آتا ہوا نظر آیا۔وہ اپنے حلیئے اور انداز سے ایک سیدھا سادا سا آدمی معلوم ہوتا تھا میرے قریب آ کر اس نے مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھایا تو میں نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا۔

''معاف کرنا میں تعارف کے بغیر کسی سے ہاتھ نہیں ملاتا۔''

''میرا نام عصرانی ہے اور مسٹر ڈارون کے حکم کے مطابق میں آپ کے پاس پہنچا ہوں۔'' اس نے میرے انداز پر ذرا شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے......فرمایئے۔''

''بیٹھ سکتا ہوں۔''

''جی تشریف رکھئے۔''

''شکریہ۔'' اس نے کہا اور بیٹھ گیا۔میں نے کہا۔

''مجھے بتایا گیا ہے کہ کسی خاص مہم کے سلسلے میں میری طلبی ہوئی ہے۔اب اس سلسلے میں مجھے معلومات حاصل ہونی چاہئیں۔''

''میں اسی لیے حاضر ہوا ہوں۔''

''مصر کے خلاف ایک گہری سازش کی جا رہی ہے اور اعلیٰ ترین حکام اور کچھ ایسے لوگ جنہیں مصر کی حکومت اور مصر کے مفادات سے دلچسپی ہے' چاہتے ہیں کہ اس سازش کا خاتمہ کر دیا جائے۔ہم جس دور سے گزر رہے ہیں مسٹر تیمور' اس میں آپ یہ سمجھ لیجئے کہ انسان سے زیادہ مشینیں ہماری زندگی کی مالک بن چکی ہیں۔ہم ان کے غلام بن کر رہ گئے ہیں اور آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اس وقت اس کائنات پر مشینوں کی حکومت قائم ہوتی جا رہی ہے۔دہشت گردی اور بین الاقوامی سازشوں میں بھی اب مشینوں کا استعمال ہونے لگا ہے اور اب آپ اس بات سے انکار نہیں کریں گے کہ اس وقت انسان کا مقابلہ مشین سے ہے' جبکہ مشینوں کے موجد بھی انسان ہی ہیں۔کیا آپ اس بات سے انکار کریں گے کہ انسان بڑی مشینوں کے مقابلے میں ایک معمولی تنکے کی حیثیت رکھتا ہے۔اوہو...... اوہو...... اوہو......'' اس نے کہا' اور اچانک ہی چھڑی ٹیکتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔میں دیکھتا رہ گیا تھا' لیکن پھر مجھے اس کے اضطراب کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔سامنے سے ایک کار بڑی تیزی سے ہماری طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔وہ اس رخ سے آئی تھی جدھر کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم تھا کہ ادھر کیا ہے؟ جبکہ میں بلندی پر پہنچ کر اس میدان تک پہنچا تھا۔

بہرحال میں نے ایک لمحے کے اندر پوزیشن سیٹ کر لی۔اگر کار پوری قوت سے میرے سامنے آ کر بنچ پر ٹکر مارتی ہے اور مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو بوڑھا عصرانی اپنے

معاملات خود جانے' لیکن میں جانتا تھا کہ مجھے کونسی ڈائریکشن میں لیٹ کر اپنی زندگی بچانی ہے' لیکن کار ایک جھٹکے سے ہمارے سامنے آ کر رک گئی اور اس کے دروازے کھلے۔عصرانی بوڑھا تو بے شک تھا' لیکن میں نے ایک لمحے کے اندر اندر اس کے اندر یہ کیفیت پائی تھی کہ جیسے وہ خود بھی اپنا بچاؤ کرنے کیلئے مستعد ہے۔کار کے دروازے کھلے اور اس میں سے دو آدمی اتر کر تیزی سے ہماری جانب بڑھے۔ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی' البتہ اس کے ہاتھ میں ایک ریوالور نظر آ رہا تھا جس کا رخ میری طرف نہیں بلکہ عصرانی کی طرف تھا۔

''آ جاؤ ہمارے ساتھ۔'' پہلے شخص نے اپنا پستول لہراتے ہوئے کہا۔نجانے کیوں اس نے میری جانب توجہ نہیں دی تھی' البتہ پستول سیدھا کیے وہ غراتا ہوا سیدھا عصرانی کی طرف بڑھا۔اس دوران میں تمام امکانات کا جائزہ لے چکا تھا اور اپنی لائن آف ایکشن ترتیب دے چکا تھا۔دوسرے ہی لمحے میں نے عصرانی کی چھڑی پر ہاتھ مارا' ایک لمحے کیلئے وہ میری جانب متوجہ ہوا تھا' لیکن خود عصرانی کو بھی یہ اندازہ نہیں ہوا کہ اس کی چھڑی اس کے ہاتھ سے نکل کر میرے ہاتھ میں کیسے پہنچ گئی اور اچانک ہی اس کا وار پستول والے شخص پر کس طرح ہوا' اور چھڑی پوری قوت سے اس کے منہ پر پڑی تھی' اور وہ ایک کربناک آواز نکال کر ایک طرف لڑھک گیا تھا' پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلنے کی کوشش کرتا میں نے اس کے کوٹ کے کالر کو پکڑ کر اس انداز میں کھڑا کر لیا کہ وہ میرے لیے ڈھال بن جائے۔ٹھیک اسی وقت ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے فائر کیا' لیکن اس کا ہاتھ بہک گیا۔شاید عین وقت پر اسے اس چیز کا احساس ہو گیا تھا کہ کہیں خود اس کا ساتھی نشانہ نہ بن جائے۔اتنی مہلت میرے لیے کافی تھی۔میں اپنے شکار کو ڈھال بنائے ہوئے تیزی سے کار کی طرف بڑھا اور اسے اگلے دروازے کی طرف اچھال دیا۔وہ شخص ایک مکروہ آواز کے ساتھ نیچے گر پڑا۔

میں نے پھرتی کے ساتھ دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص کی گردن پر ہاتھ ڈال کر اسے باہر کھینچ لیا۔دوسرے لمحے میرا زوردار گھونسا اس شخص کی ٹھوڑی کے نیچے پڑا اور وہ فضا میں کئی فٹ اوپر اچھل کر نیچے جا گرا۔میں نے اس کے پستول والے ہاتھ پر پاؤں مارا اور شاید اس کی کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔چٹ کی ایک آواز آئی تھی' لیکن اسی وقت پیچھے سے عصرانی کی آواز ابھری۔

''پلیز......پلیز......رکیے......رکیے ایک منٹ رک جاؤ۔''

''نہیں نہیں......پلیز میری بات تو سنو۔''

''عصرانی یہ کتے تمہیں موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے تھے اور تم......''

''نہیں پلیز......نہیں......میری بات تو سنو یہ جعلی حملہ آور ہیں۔یہ میرے آدمی ہیں۔میرے حفاظتی عملے سے تعلق رکھتے ہیں۔'' میرے دانت بھینچ گئے۔کمال کی شخصیت ہے ڈارون کی بھی اصولی طور پر اسے اپنے ساتھیوں کو بتانا چاہئے تھا کہ میں اس طرح سے چند لوگوں کے قبضے میں آنے والوں میں سے نہیں ہوں' لیکن جگہ جگہ میرا امتحان لیا جا رہا تھا۔میں غصے سے بل کھاتا ہوا اس طرف

بڑھا اور میں نے پہلی بار انتہائی درشت زبان استعمال کرتے ہوئے کہا۔

''عصرانی یہ ڈرامہ تمہارا کیا ہوا ہے یا ڈارون کا؟''

''میں بتاتا ہوں...... میں بتاتا ہوں۔'' وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔ ''پلیز تھوڑی دیر کیلئے رک جاؤ۔'' اور اس دوران وہ دو افراد' جنہیں میں نے زندگی کا مقصد بتا دیا تھا' کرب زدہ انداز میں ایک دوسرے کو سہارا دے رہے تھے' اور وہ شخص جس کی کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی بہت ہی دردناک آواز میں کراہ رہا تھا۔ تیسرا جو بچ گیا تھا اس نے جلدی سے کہا۔

''اس کے ہاتھ پیر پر پٹی کس دو۔ غالباً اس کی کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔'' وہ لوگ ایک دوسرے کی تیمارداری کرتے رہے' مگر میں ان کی طرف سے لاپروا ہو گیا تھا۔ اب یہ ان کا مسئلہ تھا جسے وہ بھگتیں۔ عصرانی نے کہا۔

''تم لوگ واپس جاؤ اور اپنا اپنا علاج کرو۔ بہت زبردست لڑاکے بنتے ہو تم۔''

''ٹھیک ہے ہم واپس جا رہے ہیں۔ آپ کو ہماری ضرورت تو نہیں ہے۔'' تیسرے آدمی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ وہ شخص جس کی ٹھوڑی کے نیچے میرا گھونسہ پڑا تھا۔ منہ سے خون کی کلیاں کر رہا تھا۔ خوش نصیب تھا جو میرے ہاتھ سے بچ گیا تھا۔ ورنہ اس کے بعد اس کی باری تھی۔ چند ہی لمحوں کے بعد وہ تینوں کار میں بیٹھ گئے اور کار کے دروازے بند ہوئے اور وہ تیزی سے واپس چلی گئی۔

''معافی چاہتا ہوں مائی ڈیئر مسٹر تیمور! مسٹر ڈارون نے آپ کے بارے میں کوئی ایسی خاص بات نہیں کہی تھی۔ اگر انہوں نے آپ کا امتحان لیا تھا اور آپ کو مکمل طور پر فٹ پایا تھا تو اصولی طور پر انہیں مجھے اطلاع دینی چاہئے تھی۔ یہ تو میری اپنی کوشش تھی۔ میں آپ کی پھرتی اور طاقت کا امتحان لینا چاہتا تھا۔''

''ان فضول باتوں سے میں تنگ آ چکا ہوں۔ ڈارون سے بات کرنا چاہتا ہوں کہ اور کتنے امتحان لیے جائیں گے میرے' اور ایک بات اور کہے دیتا ہوں کہ اس کے بعد اگر امتحان کا کوئی عمل شروع ہوا تو کسی کے ساتھ رعایت نہیں کروں گا اور اس میں ان کی جان بھی جا سکتی ہے۔''

''میں معافی چاہتا ہوں...... معافی چاہتا ہوں میں۔''

''میں نے کہا ناں تم سے کہ اس کے بعد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود تمہاری موت میرے ہاتھوں واقع ہو جائے۔''

''تم میری توہین کر رہے ہو تیمور۔ تمہیں یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہئے۔''

''دیکھو! میں تم سے صرف ایک بات کہتا ہوں عصرانی اگر اور امتحان چاہتے ہو تو لاؤ تمہارے پاس کتنے لڑاکے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ کس طرح مجھ پر قابو پاتے ہو اور اگر کام کی کوئی بات کرنا چاہتے ہو تو میں صرف پانچ منٹ دے سکتا ہوں۔ پانچ منٹ میں اپنا دماغ سیٹ کرو اور مجھے ساری صورتحال سے آگاہ کرو۔''

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ڈارون کبھی کسی غلط آدمیوں کو میرے پاس نہیں بھیجے گا۔ بلاشبہ تم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم اس مہم کیلئے ایک مناسب انسان ہو۔ معافی چاہتا ہوں کہ میں ابھی تمہیں تفصیلات نہیں بتا سکتا۔ ہاں البتہ ایک سرسری سا جائزہ ضرور پیش کر دوں گا۔''

''تفصیلات بتانے کیلئے تمہیں کتنا وقت درکار ہوگا۔'' میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''صرف چند دن۔ میں تمہیں ثبوت بھی فراہم کروں گا۔ اس وقت تک براہ کرم مجھے اجازت دو کہ میں اپنے انداز میں اپنا کام جاری رکھ سکوں۔ یہ میری مجبوری ہے۔ ورنہ اگر مجھ سے پوچھا جائے تو میں یہ کہوں گا کہ کاش تم جیسا آدمی مجھے بھی کوئی مل جائے۔'' وہ تھوڑی دیر کیلئے خاموش ہو گیا۔ میں نے بھی خاموش ہو کر تھوڑی دیر دماغ کو سکون دینے کی کوشش کی۔ تھوڑی دیر کیلئے ذہن خراب ہوا تھا' لیکن اب میں سوچ رہا تھا کہ مجھے پرسکون ہو جانا چاہئے۔ کچھ دیر کے بعد عصرانی کی آواز ابھری۔ ''یہ سب طاقت کا کھیل ہے اور تم جانتے ہو کہ اس وقت دنیا دہشت گردی کی مٹھی میں ہے۔''

''جی! میرے علم میں ہے۔''

''اقتدار کا نشہ اچھے خاصے ذہن کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اسی لیے ایک نیا فلسفہ جنم لے رہا ہے اور بعض لوگ یہاں خیال پیش کر رہے ہیں کہ انہیں صرف حکومتوں کے زیر اثر نہیں رہنا چاہئے بلکہ وہ' جو اپنی قوت کو اپنی مٹھی میں رکھتے ہیں اپنے آپ کو بااختیار بنانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا کی تمام حکومتوں کا نظام ایسے لوگوں کی تحویل میں ہونا چاہئے' جو خود بھی ذاتی طاقتیں رکھتے ہوں' اور باقاعدہ سیاست میں آ کر اقتدار میں آنے کی کوششیں نہیں کرنا چاہتے ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی وسعت کے سامنے انسان بے بس ہو چکا ہے۔ کیا سمجھے؟''

''میں بہت زیادہ نہ سیاست کے بارے میں کچھ جانتا ہوں اور نہ ہی دنیاوی کیفیتوں کے بارے میں' میں تو ایک سیدھا سادا انسان ہوں' جو صرف اپنا کام کرنا جانتا ہے۔''

''لیکن اس وقت تمہیں بہت سارے معاملات میں حصہ لینا پڑے گا' کیونکہ ڈارون نے اسی انداز میں کام شروع کیا ہے۔ دنیا کو یہ نظر نہیں آ رہا ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ بین الاقوامی' تجارتی اور صنعتی ادارے ہر طرح کی جغرافیائی حدود سے آزاد ہو چکے ہیں۔ وہ بیک وقت بے شمار ممالک کے کروڑوں افراد کو روزگار فراہم کرتے ہیں اور وہاں کے مسائل اور افرادی قوت کو کنٹرول کرتے ہیں۔ اب انہیں صرف اقتدار کی ضرورت تھی۔ ایک ایسے اقتدار کی ضرورت' جو باقاعدہ سیاست دانوں کی حیثیت سے نہ ہو' کیوں کہ سیاست دانوں میں اکھاڑ پچھاڑ ہوتی رہتی ہے' اور وہ بعض اوقات بالکل بے عمل ہو جاتے ہیں' جبکہ یہ صنعت کار دولت مند اور دنیا پہ اپنے اقتدار کے خواہشمند لوگ اس ضرورت کی تکمیل کر کے بلاشرکت غیرے مختار کل بن سکتے ہیں' لیکن حکومتوں کے دفاع کیلئے تمام ممالک میں مسلح افواج موجود ہیں۔ اس لیے یہ بین الاقوامی ادارے سب سے پہلے ٹیکنالوجی کے ذریعے وہ طاقت حاصل کرنا چاہتے ہیں' جس کے سامنے دوسرے تمام ادارے بے بس اور لاچار نظر آنے لگیں۔ اب تو ٹیکنالوجی خلا کی تسخیر کر رہی ہے۔ ایسے میں اس قسم کے نظریات کو

قابل عمل بنانا مشکل کام نہیں ہے۔ بات ذرا طویل بھی تھی' اور تھوڑی سی الجھانے والی بھی' لیکن یہ احساس ہو رہا تھا کہ واقعی وہ جو کچھ کہہ رہا تھا' بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے اور اس کے انداز میں ایک عجیب سا احساس ہے۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور بولا۔

''آؤ...... تھوڑی سی چہل قدمی کرتے ہیں۔'' وہ کھڑا ہو گیا اور ہم دونوں ٹہلتے ہوئے وہاں سے تھوڑے سے آگے نکل آئے۔ اس کے بعد اس نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ ہم دونوں نے ایک دوسرے کے نظریات سمجھ لیے ہیں۔ میری تم سے ملاقات ہو گئی ہے۔ چلیں؟''

میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تو اس نے اپنی کوٹ کی جیب میں لگے ہوئے بٹن کو دبایا اور میرے ساتھ چند قدم آگے چلا۔ میں نے ایک بار پھر اسی کار کو دیکھا اور تھوڑی دیر بعد وہ کار ہمارے سامنے آ کھڑی ہوئی' اور پھر اس نے کہا۔

''اگلی ملاقات پر تم سے کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں رہے گی۔ میں تمہیں ایسے ٹھوس ثبوت فراہم کروں گا جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ شخص جو ہمارا ٹارگٹ ہے' یعنی جس کیلئے ہم یہ کام کر رہے ہیں کیا نظریات رکھتا ہے؟ بس یوں سمجھ لو کہ کچھ ایسے کام ہو رہے ہیں جس کیلئے محتاط رہنا پڑے گا۔''

''ہوں...... ٹھیک ہے' تو پھر اب کیا خیال ہے؟''

''میں تمہیں ایک ایسی جگہ چھوڑ سکتا ہوں جہاں سے تم اپنے ہوٹل واپس جا سکو۔ میں تمہیں خود وہاں پہنچاتا لیکن تم جانتے ہو کہ احتیاط بڑی چیز ہے اور ہمیں ایک دوسرے کا مدمقابل نہیں رہنا چاہئے' البتہ میری تمہاری ملاقات قاہرہ ٹاور میں ہوگی اور اس کیلئے میں تمہیں مطلع کر دوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس کے بعد ہوٹل تک واپسی میرے لیے مشکل نہ ہوئی' البتہ ہوٹل کے بستر پر لیٹ کر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ میری ذہنی پہنچ اس حد تک تو نہیں ہے کہ میں اتنے بڑے بین الاقوامی مسئلے میں حصہ لے سکوں۔ ناصر حمیدی نام کے جس دولت مند آدمی کا حوالہ مجھے ڈارون نے دیا تھا۔ اس کے بارے میں یہاں آ کر تصدیق ہو گئی تھی کہ وہ تو بہت ہی خوفناک شخصیت ہے' پھر کرنا چاہئے۔ کوئی ایسی ترکیب' جو بات میرے ذہن تک پہنچ سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈارون نے مجھے جو محل نما عمارت رہنے کیلئے دی تھی اور وہ جس قدر شاندار جگہ تھی' ایسی جگہ کا تصور صرف خوابوں ہی میں کیا جا سکتا ہے' لیکن خوابوں کی تعبیر حاصل کرنا بھی تو ایک مشکل کام ہے۔ میں سرزمین مصر میں تھا اور ایک ایسے شہر میں جس کی داستانیں تاریخ کی عظیم ترین داستانوں میں سے تھیں۔ میں مصر کے بارے میں سوچنے لگا۔ ابھی تک میں نے یہاں آنے کے بعد مصر کی کوئی روایتی چیز نہیں دیکھی تھی' جبکہ یہ بات میرے علم میں تھی کہ یہاں کی فسوں کار کہانیاں عالم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ قاہرہ' نیل کی ملکہ قلوپطرہ فرعون کا دیش' احراموں کی سرزمین ایک دم سے میری ذہنی رو بھٹکنے لگی۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ میں یہاں ایک مقصد کے تحت بھیجا گیا ہوں' لیکن قاہرہ سے اس قدر لاعلم رہنا بھی تو مناسب نہیں تھا۔ بہر حال یہ سب کچھ ذرا غور طلب تھا۔ اس پر بڑی سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔

❀❀❀

قاہرہ ٹاور واقعی اپنی مثال آپ تھا اور وہاں پہنچ کر میں نے دریائے نیل کو چشم تصور سے دیکھا تھا۔ نجانے کیوں میرے ذہن پر ایک عجیب سا تاثر تھا۔ پچھلی رات میں نے اس بارے میں جو کچھ سوچا تھا۔ اب میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے' میں مصر کو اس کے اصل رنگ میں دیکھوں۔ ایک عجیب سا احساس میرے دل میں پیدا ہو گیا تھا۔ بہر حال دوسرے دن جب میں قاہرہ ٹاور پہنچا تو عصرانی میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس شخص کے بارے میں پہلے تو میں نے یہ ہی سوچا تھا کہ وہ ڈارون کا کوئی ایسا آدمی ہے جو اس کے لئے کام کرتا ہے' لیکن اب مجھے کچھ یوں لگ رہا تھا جیسے عصرانی بذات خود قاہرہ میں کسی نمایاں حیثیت کا حامل ہو۔ قاہرہ ٹاور سے عصرانی نے مجھے اپنی گاڑی میں ساتھ لیا اور کہنے لگا۔

''اصل میں ہم جس مشن پر کام کر رہے ہیں وہ بڑی سنجیدگی کا حامل ہے۔ ہمیں کسی ایسی جگہ ہونا چاہئے جہاں سے ہم محتاط طریقے سے اپنا تحفظ بھی کر سکیں۔''

''جیسا تم پسند کرو۔ دیکھو عصرانی اس وقت کیونکہ مجھے تمام تر صورتحال کا صحیح طور پر اندازہ نہیں ہے اس لئے میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہیں لے سکتا۔''

''تو پھر آؤ میرے ساتھ۔'' یہ کہہ کر عصرانی اپنی کار کی طرف بڑھ گیا' اور اس کے بعد ہم وہاں سے چل پڑے۔ راستے میں اس نے کہا۔

''اصل میں صورتحال کچھ ایسی ہے کہ لمحہ لمحہ ہمیں اپنے دشمنوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ جو صورتحال میں تمہیں بتانے والا ہوں اس کے بعد تمہاری ذمہ داریاں بڑھ جائیں' اور ہو سکتا ہے تمہیں پھر کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اچانک ہی میں نے سائیڈ مرر میں ایک موٹر سائیکل سوار کو دیکھا' جو برق رفتاری سے ہماری ہی جانب آ رہا تھا۔ ویسے تو سڑک پر بہت سارا ٹریفک تھا' لیکن جس چیز نے مجھے اس موٹر سائیکل والے کی طرف خصوصی طور پر متوجہ کیا' وہ اس کے چہرے پر لگا ہوا نقاب تھا۔ موٹر سائیکل تیزی سے ہماری طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی' اور نقاب پوش کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کا رخ ہماری ہی جانب تھا۔ موٹر سائیکل اتنی برق رفتاری سے آ رہی تھی کہ مجھے اپنا ریوالور نکالنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے عصرانی کا کالر پکڑا اور اسے کھینچ کر اپنے اوپر گرا لیا۔ ٹھیک اسی وقت فائر کی آواز سنائی دی اور پھر ڈرائیونگ سیٹ کے بالائی حصے پر ایک بڑا سا سوراخ نظر آنے لگا۔ حملہ آور نے عصرانی کی کھوپڑی کا نشانہ لیا تھا۔ میں نے عصرانی کو ایک طرف ہٹا

کر سٹیئرنگ خود سنبھال لیا' اور گاڑی کو مخالف سمت میں موڑ دیا' لیکن موٹر سائیکل سوار شاید پہلے سے ذہنی طور پر اس کیلیئے تیار تھا۔ اس نے شارٹ کٹ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے ایک بار پھر سامنے آ کر فائر کیا' اور میں عین وقت پر نیچے جھک گیا۔ میری دائیں طرف سٹیئرنگ سے ذرا اوپر گاڑی کی باڈی میں سوراخ ہو چکا تھا۔ اس دوران میرے لیے اتنی مہلت کافی تھی اور میں نے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا' اور ایک بار پھر میں نے گاڑی کا رخ موڑ دیا۔ اب ہم سے تقریباً پچیس گز دور ایک چھوٹی جھیل نظر آ رہی تھی۔ دوسری طرف پہنچ کر ہم زیادہ محفوظ ہو سکتے تھے' لیکن اس نے موقع نہیں دیا۔ اس کی موٹر سائیکل کافی بڑی تھی۔ اس بار وہ ہماری دائیں طرف سے آیا۔ اس کا پستول اب بھی ہماری گاڑی کی جانب اٹھا ہوا تھا۔ پہلے تو وہ انتظار کرتا رہا کہ ہم دونوں میں سے کوئی سر باہر نکالے تو وہ اسے جہنم رسید کر دے' اور پھر وہ آخری اور سب سے بڑی غلطی کر بیٹھا۔ شاید وہ تیز رفتاری سے پھر ایک بار ہمارے سامنے آنے والا تھا تاکہ وہاں سے ہمیں نشانہ بنا سکے۔ اس دوران میں اپنے شیشے پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ جونہی وہ زد میں آیا میں نے برق رفتاری سے اپنا ہاتھ باہر نکالا اور اس پر فائر کر دیا۔

گولی سیدھی اس کے سینے میں اتر گئی' اور ایک بھیانک چیخ کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی اس کا جسم لرزتا ہوا نیچے گر گیا اور موٹر سائیکل لرزشیں کرتی ہوئی کافی دور جا کر ایک درخت سے ٹکرائی۔ میں نے گہرا سانس لے کر اپنی گاڑی کا انجن بند کر دیا' لیکن یہ مہلت دیرپا ثابت نہیں ہوئی۔ چند ہی لمحوں کے بعد جھیل کی دوسری طرف سے دو موٹر سائیکلیں ہماری طرف جھپٹتی ہوئی نظر آئیں۔ ان دونوں نے بھی اپنے چہروں پر ماسک چڑھا رکھے تھے۔ جھیل کے کنارے پہنچ کر وہ دونوں مخالف سمتوں میں بڑھ گئے۔ وہ دونوں طرف سے ہمیں گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میرا دل زور سے دھڑکا۔ اس پہلے کہ میں کوئی مؤثر منصوبہ بناؤں مجھے اپنے عقب سے ایک اور موٹر سائیکل آتی نظر آئی۔ ان لوگوں نے ہمیں مکمل طور پر گھیرے میں لے لیا تھا اور اب مجھے مدد کی ضرورت تھی۔ اس وقت پتہ نہیں عصرانی کا حفاظتی عملہ کہاں مر گیا تھا' جبکہ اس کا کہنا تھا کہ وہ ان کے بغیر کہیں نہیں جاتا' البتہ عصرانی نے خطرے کا احساس ہوتے ہی اپنے کالر میں لگے ہوئے بٹن کو دبا ہوگا' لیکن ہمیں دور دور تک ایسے مددگار نظر نہیں آ رہے تھے' جو ہماری مدد کرتے۔ ہماری سمت کا تعین کرنے میں شاید انہیں دشواری پیش آ رہی ہو۔ مدد حاصل کرنے کیلیئے شور مچانا ضروری تھا۔ اس مقصد کے تحت میں نے دائیں طرف سے آنے والے حملہ آور کا نشانہ لیتے ہوئے پے در پے تین فائر کر ڈالے اور نتیجے کا انتظار کرنے لگا' مگر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں اسے موت کے گھاٹ اتارنے میں ناکام رہا ہوں۔

پھر میں نے پلٹ کر دیکھا عقبی سمت سے آنے والا حملہ آور بہت ہوشیار تھا۔ وہ دائیں بائیں موٹر سائیکل لہراتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا تاکہ ریوالور کے نشانہ سے محفوظ رہ سکے' پھر بھی وہ جھیل کی طرف سے آنے والے ساتھیوں کے مقابلے میں زیادہ قریب پہنچ چکا تھا۔ میرے لیے وقت بہت کم تھا۔ میں نے ایک ہی لمحے میں فیصلہ کر ڈالا۔ اس بار میں نے اس کی موٹر سائیکل کے انجن کا نشانہ لیا تھا۔ فائر ہوا لیکن موٹر سائیکل اسی رفتار سے ہماری طرف بڑھتی رہی۔ گویا میرا نشانہ خطا ہو گیا تھا۔ میرا مقصد عصرانی کے آدمی کو بھی اپنی طرف متوجہ کرنا تھا اور کچھ نہیں تو کم از کم فائرنگ کی آواز سے وہ اس طرف ضرور متوجہ ہو سکتے تھے اس لئے میں نے ایک بار پھر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔

دوسرے لمحے ایک زوردار دھماکہ ہوا اور موٹر سائیکل آگ کے شعلوں میں گھری ہوئی نظر آئی۔ یہ منظر دیکھ کر جھیل کی طرف سے آنے والے دونوں حملہ آوروں نے اپنی موٹر سائیکلیں کھڑی کر دیں۔ میں نے سکون کا سانس لیا' لیکن یہ بات اب بھی میرے لیے معمہ بنی ہوئی تھی کہ اتنا شور ہونے کے باوجود عصرانی کے آدمی وہاں کیوں نہیں پہنچے۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دونوں حملہ آور ایک بار پھر ہماری طرف بڑھے۔ اچانک عصرانی نے دہشت زدگی کے عالم میں ایک حماقت کر ڈالی۔ اس نے دروازہ کھولا اور گاڑی سے نیچے اتر گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ غالباً وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا تھا اور اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ موٹر سائیکل سوار انہیں چھوڑیں گے نہیں' لیکن یہ انتہائی احمقانہ بات تھی۔ دوسرے ہی لمحے ایک فائر کی آواز سنائی دی اور عصرانی نیچے آ رہا۔ گولی اس کے سینے میں پیوست ہو گئی تھی۔ میں حیرت کے عالم میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ میرے دل میں غم و غصے کی لہر اتنی شدید تھی کہ میں موقع کی نزاکت کو فراموش کر کے نیچے اترا اور حملہ آوروں کی طرف فائرنگ کرتے ہوئے عصرانی کی جانب دوڑ پڑا۔

پھرتی سے میں نے عصرانی کے قریب پہنچ کر اسے دیکھا' لیکن وہ زندگی کی بازی ہار گیا تھا۔ بہرحال ایک لمحے تک میں نے انہیں دیکھا اور پھر دانت بھینچ کر میں نے ان دونوں پر فائر کیا' جنہوں نے عصرانی کو نشانہ بنایا تھا' لیکن میں انہیں نشانہ نہ بنا سکا' اور وہ واپس دوڑ پڑے۔ اگر انہیں کسی نے کوئی ہدایت کی تھی تو غالباً یہ تھی کہ عصرانی کو ختم کر دیا جائے۔ مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں تھا ان کا۔ اس لئے وہ برق رفتاری سے دوڑ پڑے اور میرے لئے ایک اور صورتحال پیدا ہو گئی تھی جو خاصی پریشان کن تھی۔ بہت دور سے میں نے پولیس کی گاڑیوں کے سائرن سنے تھے' اگر صورتحال میری گرفتاری تک پہنچ گئی تو سب کچھ چوپٹ ہو جائے گا۔ نہ میں ڈارون کے قابل رہوں گا' اور نہ ہی کوئی ایسا عمل کر سکوں گا جس سے میری اپنی بچت ہو سکے۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں کار کی جانب دوڑوں اور کار سٹارٹ کر کے یہاں سے فرار ہو جاؤں۔

پولیس کی گاڑی کا سائرن آہستہ آہستہ قریب آتا جا رہا تھا۔ میں نے برق رفتاری سے اپنی کار کی جانب چھلانگ لگا دی اور اس کے بعد اس طرح میں نے کار کو ٹرن دے کر واپس موڑا کہ کار الٹتے الٹتے بچی' لیکن اس کے بعد میں نے پوری قوت سے اسے دوڑانا شروع کر دیا تھا اور وہ سڑکوں پر اس طرح فراٹے بھر رہی تھی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں دہشت سے بند ہو جائیں۔ میں نے اس کی سپیڈ آخری حد تک بڑھا دی تھی۔ سڑکیں سنسان نہیں تھیں' بلکہ اچھا خاصا ٹریفک تھا اور اس وقت

میری شاندار مہارت اپنے عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ اتفاق کی بات یہ تھی کہ سڑک سیدھی تھی اور غالباً شہر سے باہر جاتی تھی۔

پولیس کی گاڑیاں میرا تعاقب کر رہی تھیں' کیونکہ سائرن کی آواز بدستور میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی' لیکن اس کا فاصلہ اتنا تھا کہ عقب نما آئینے میں وہ نظر نہیں آ رہی تھیں۔ آگے جا کر سڑک ایک موڑ گھومتی تھی اور اس کے ساتھ ہی ایک ذیلی سڑک داہنی سمت چلی جاتی تھی' جہاں وہ گھنی جھاڑیوں میں گم ہو جاتی تھی' لیکن میں نے ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ میں سیدھی سڑک پر ہی کار دوڑاتا رہا اور کار کی رفتار بتانے والی سوئی آخری ہندسے تک پہنچتی رہی۔ چند لمحات کے بعد مجھے پولیس کی گاڑیوں کے سائرن کی آوازیں بھی سنائی نہیں دے رہی تھیں لیکن میں اپنی دھن میں سیدھا چلا جا رہا تھا۔ قرب و جوار میں مجھے کئی احرام نظر آئے لیکن میں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی۔

اب ریت کے ٹیلے نظر آنے لگے تھے۔ سڑک انہیں ٹیلوں کے درمیان سے گزر رہی تھی اور میں بدستور سپیڈ کے ریکارڈ توڑ رہا تھا' پھر اچانک ہی کار کو ایک خوفناک جھٹکا لگا اور میرا سر سٹیئرنگ سے جا ٹکرایا۔ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی' لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد میری نگاہ فیول پمپ کی طرف اٹھ گئی۔ پٹرول بتانے والی سوئی زیرو سے بھی نیچے آ گئی تھی۔ فیول ختم ہو گیا تھا۔ اس وقت نجانے ذہنی کیفیت کیا ہو رہی تھی کہ میں نے سوئچ بند کیا' کار کو ایک طرف چھوڑا اور اتر کر ریت میں پیدل دوڑنے لگا۔ میں ہر قیمت پر ان لوگوں سے جان چھڑانا چاہتا تھا' پتہ نہیں اس وقت میرا نظریہ کیا تھا' لیکن میں وہ کر رہا تھا' جو میری سمجھ میں آ رہا تھا۔ نجانے کتنی دیر تک میں بھاگتا رہا' مجھے محسوس ہوا جیسے میرے پاؤں بے جان ہو رہے ہوں۔ دور دور تک ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا' اور میں بڑی عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا' پھر آگے نہ بڑھ سکا' تو میں وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ زمین پر یوں ہی لیٹ جاؤں۔ چنانچہ دل کی اس طلب کو میں نظر انداز نہ کر سکا اور گرم ریت پر ہی لیٹ گیا۔ اسے نیند نہیں بے ہوشی کہا جا سکتا تھا' جو اس وقت مجھ پر طاری ہو گئی تھی' پھر نجانے کب تک اسی بے ہوشی کے عالم میں رہا اور اس کے بعد مجھے ہوش آ گیا۔ میں کچھ دیر وحشت بھری نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ نجانے کتنا وقت مجھے اس ریگستان میں بھٹکتے گزر چکا تھا۔ کوئی بات جو سمجھ میں آ رہی ہو' ایک عجیب و غریب احساس' ایک عجیب و غریب کیفیت۔ میں اس وقت جس جگہ بیٹھا ہوا تھا وہاں نرم ریت تھی۔ دائیں طرف کچھ فاصلے پر اونچے نیچے ٹیلوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تھا' جبکہ بائیں طرف ریت کا سمندر پھیلا ہوا تھا۔ میں ان رتیلے میدانوں اور ٹیلوں کو دیکھتا رہا۔ نجانے کیوں میرا دماغ بالکل گم ہو گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میں اپنے آپ ہی کو بھولتا جا رہا ہوں۔ پتہ نہیں یہ سب کچھ کیوں ہو رہا تھا۔

میں نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھا' مگر وہ بند تھی' کچھ بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔ میں نے یاد کرنے کی کوشش کی' لیکن کمال کی بات تھی میں تو بالکل ہی اپنے آپ سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ میرے

ذہن میں بے شمار چیزیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ بے شمار عجیب و غریب شکلیں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہی تھیں' لیکن ان کے نقش بے نام تھے اور میں انہیں پہچاننے سے قاصر تھا۔ میری کھوپڑی کے اندر ایک عجیب سی تیز اور گونجیلی سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ جیسے کوئی آندھی چل رہی ہو یا بیشمار سیٹیاں بج رہی ہوں۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر زور زور سے کنپٹی دبائی' ہونٹوں پر زبان پھیری اور وحشت زدہ نگاہوں سے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا۔ پتہ نہیں یہ کون سی جگہ ہے؟ ریت کا یہ سمندر اور میں' میں یہاں کہاں سے آ گیا۔

میں ذہن پر زور دیتا رہا اور یاد کرنے کی کوشش کرتا رہا' مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ دماغ میں گونجتی ہوئی سنسناہٹ کچھ اور تیز ہو گئی' اور مجھے کچھ بھی یاد نہ آ سکا' پھر میں نے اپنے سراپا پر نگاہ ڈالی۔ میرا سارا لباس ریت میں اٹا ہوا تھا۔ پسینے کی وجہ سے مٹی جگہ جگہ لگ گئی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے میں نے برسوں سے لباس تبدیل نہ کیا ہو۔ جوتے اس طرح گرد میں اٹے ہوئے تھے کہ انہیں پہچاننا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ کیا نہ کروں؟ میں نے ہاتھ بڑھا کر اپنے گھٹنوں کو چھوا پھر اپنی چھاتی پر ہاتھ پھیرا' پھر ناک اور آنکھوں کو چھو کر دیکھا۔ پتہ نہیں یہ سب کچھ کیا ہے؟ کیسا لگ رہا ہے؟ چلو ٹھیک ہے جو کچھ بھی ہے یہاں سے تو اٹھوں۔ ہونٹوں کی پیاس کچھ زیادہ ہی پریشان کر رہی تھی' اور نجانے کیا ہوا۔ دماغ میں ایک دھماکہ سا ہوا اور آہستہ آہستہ میری یادداشت ایک نیا رخ اختیار کرنے لگی۔ ذہن میں کچھ عجیب سے خاکے ابھرنے لگے اور میں پہچاننے لگا۔ ہاں ٹھیک تو ہے۔ رات کا وقت ہے' چاروں طرف چاندنی چٹکی ہوئی ہے۔ ہوا چل رہی ہے اور وہ...... وہ...... وہ ایک نقش ایک چہرہ اور یہ چہرہ ایک لمحے کیلئے میرے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا۔ یہ تو عجیب و غریب چہرہ تھا۔ آہ...... کتنی خوبصورت ہے وہ' دودھ جیسی سفید رنگت' گھنے گھرے سیاہ بال' جو گھٹاؤں کی شکل میں اڈے اڈے سے لگ رہے تھے۔ انتہائی حسین سراپا اور لباس' یہ تو بالکل مصری عورتوں جیسا لباس تھا۔ ارے ہاں...... مصر...... مصر...... مصر...... میں مصر میں ہی تو ہوں۔ میں...... میں...... شاید میں تیمور ہوں۔ مگر یہ عورت کون ہے؟ یہ کون ہے؟ دھیرے دھیرے اس کا وجود اور نمایاں ہونے لگا اور وہ میری آنکھوں میں آ بسی' پھر مجھے ایک مدھم سی ہنسی سنائی دی۔

اور یوں لگا جیسے فضا میں لاتعداد ستارے ٹوٹ گئے ہوں۔ زمین میں گونجتی ہوئی سنسناہٹ ایک بار پھر تیز ہوئی اور چند منٹ تک میرے حواس چیختے رہے' مگر پھر یادداشت مزید کام کرنے لگی۔ میں تیمور ہی ہوں...... ہاں میں تیمور ہی تو ہوں' لیکن یہ عورت مجھے یاد نہیں آ رہی تھی۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں' مگر آنکھیں بند کر لینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ دفعتاً ہی ایک کھنکتا ہوا سا قہقہہ میرے کانوں میں ابھرا' اور میں نے آنکھیں کھول لیں۔ ادھر ادھر دیکھا' کچھ نہیں تھا۔ قہقہے کی یہ آواز کہاں سے آئی تھی؟ اور وہ حسین آنکھیں اور وہ حسین وجود کہاں چلا گیا؟ یہ سب کچھ۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ وہ دوبارہ میرے سامنے آئے۔ میرے کانوں

میں اس کی ہنسی گونجی' اس سے پہلے میں نے کبھی کسی حسین وجود کو اس طرح اپنے حواس پر مسلط نہیں دیکھا تھا' لیکن اس وقت' اس وقت یہ حسن وجود مجھے آواز دے رہا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے میں اسے چھونا چاہتا ہوں۔ اسے پکڑ لینا چاہتا ہوں اور میرے حلق سے ایک خوفناک آواز نکلی۔

''کہاں چلی گئیں تم...... تم کہاں ہو......؟'' اور بہت دور میں نے ایک سایہ سا دیکھا۔ وہ بھاگ رہی تھی۔ میں ہاتھ اٹھا کر اسے روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ میرے حلق سے آواز نکلی۔ ''رک جاؤ...... میں تمہارے پاس آنا چاہتا ہوں۔ مجھ سے دور نہ جاؤ۔ رک جاؤ......'' یہ کہہ کر میں اس کے پیچھے دوڑنے لگا۔ جسم و جان کی پوری قوت سے میں بھاگ رہا تھا اور خوف سے میری ٹانگیں تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ بدن کے اندر ٹھنڈی ٹھنڈی لہریں چکرا رہی تھیں' لیکن میں بھاگ رہا تھا۔ اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ ساتھ ہی میں دیکھ رہا تھا کہ وہ مجھ سے کتنے فاصلے پر ہے' لیکن میرے اور اس کے درمیان فاصلے کم نہیں ہو رہے تھے۔ مجھے زور سے ٹھوکر لگی۔ میں نیچے گرا اور اس کے بعد مجھے یوں لگا جیسے میری ٹانگوں کی ساری رگیں مفلوج ہو گئی ہوں۔ ایک قدم اٹھانے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ میں اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا اور بمشکل تمام اپنی جگہ سے اٹھ سکا۔ ''رک جاؤ' خدا کیلئے رک جاؤ۔ میں تم تک آنا چاہتا ہوں' رک جاؤ۔'' میں نے پھر دوڑنا شروع کر دیا۔

نجانے کتنی دیر' کتنی دیر میں بھاگتا رہا اور آخر کار مجھے یوں لگا جیسے میرے حواس ساتھ چھوڑ رہے ہوں۔ میں زمین پر گرا اور اس کے بعد بے ہوش ہو گیا۔ میں نہیں جانتا کہ میں کب تک بیہوش رہا تھا' اور مجھے کب ہوش آیا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد ایک ایسی عجیب بے کسی اور پس ہمتی مجھ پر طاری ہونے لگی' جسے بیان کرنا مشکل ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے اٹھنے اور آگے بڑھنے کی خواہش ختم ہو چکی ہے۔ حالانکہ اوپر تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی' اور دھوپ کی حدت سے میرا پورا جسم بری طرح تپ رہا تھا۔ اس کے باوجود میں وہیں بیٹھا رہا اور خالی خالی بے مقصد نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ شدید پیاس اور شدید بھوک لگ رہی تھی۔ اتنی شدید کہ برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ زبان سوکھ چکی تھی' حلق میں کانٹے پڑ چکے تھے اور معدے کے اندر ناقابل بیان اینٹھیں ہو رہی تھی۔

''خدارا میں کیا کروں؟'' میں نے بے حد لاچاری کے ساتھ سوچا' پھر ہونٹوں پر زبان پھیری اور میری زبان پر تلخی گھل گئی۔

''ارے یہ کیا ہے؟'' میں نے وحشت زدہ انداز میں ہونٹوں پر انگلی پھیری اور میرے سیدھے ہاتھ کی دو انگلیوں پر خون کی بوندیں چمکنے لگیں۔ میرا نچلا ہونٹ جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا اور اس میں سے خون رسنے لگا تھا۔ میں نے اپنا خون کبھی نہیں چکھا تھا۔ پہلی بار زبان پر اپنے خون کا ذائقہ بے حد عجیب سا لگا۔ میرا خون گرم اور نمکین تھا اور اس میں ایک عجیب سی ترشی بھی تھی جو مجھے بڑی لذت انگیز محسوس ہوئی۔ میں غیر ارادی طور پر بے دھیانی میں اپنا نچلا ہونٹ چوسنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد میرے حواس بحال ہوئے۔ تب یہ بات ذہن میں آئی کہ مجھے کوئی سایہ دار جگہ تلاش کرنی

چاہئے۔ بائیں طرف ریت ہی ریت تھی اور اس طرف سایہ میسر آنے کا کوئی امکان نہیں تھا' البتہ دائیں طرف چھوٹے اور بڑے ٹیلوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ وہاں سایہ مل سکتا ہے' مگر وہ سلسلہ کافی فاصلے پر تھا اور میرے لئے وہاں تک پہنچنا بہت مشکل تھا' پھر میری نگاہ سامنے کی جانب اٹھی۔ وہاں چند اور تودے اور ٹیلے نظر آئے۔

میں اپنی جگہ سے اٹھا اور سامنے نظر آنے والے ٹیلوں کی طرف چل پڑا۔ فاصلہ ہر چند کے زیادہ نہیں تھا' لیکن ان ٹیلوں تک پہنچتے پہنچتے مجھے یوں لگا جیسے میں نے میلوں کا فاصلہ طے کیا ہو۔ سانس بری طرح پھول گئی اور سینہ دھونکنی کی طرح پھول پچک رہا تھا۔ ایک تودے کی آڑ میں بے جان سا ہو کر گر پڑا۔ وہاں پر سایہ زیادہ نہیں تھا لیکن پھر بھی غنیمت تھا مگر دھوپ کی حدت سے نجات نہیں ملی تھی۔

یوں لگ رہا تھا جیسے میرے چاروں طرف آگ جل رہی ہو۔ میں کچھ دیر آنکھیں بند کئے چپ چاپ پڑا رہا اور کتے کی طرح زبان نکال کر ہانپتا رہا' پھر آنکھیں کھولیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا' پھر کسی پاگل دیوانے کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میرے ذہن میں اس وقت کچھ بھی نہیں تھا۔ کوئی خیال' کوئی جذبہ' کوئی احساس' کچھ بھی نہیں تھا۔ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی بھی بند ہو چکی تھی' اس لئے وقت کا بھی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ سورج آسمان کے جس حصے میں تھا اس سے کچھ اندازہ ہوتا تھا کہ بہت زیادہ وقت نہیں گزرا ہے۔ بارہ ساڑھے بارہ کے قریب کا وقت تھا۔ فضا میں گہرا سکوت تھا۔ بالکل ویسا ہی گہرا سکوت' جیسا اس سے تھوڑی دیر پہلے میں نے محسوس کیا تھا۔ ہوا بھی بالکل ٹھہری ہوئی تھی۔ ریت کا ایک ذرہ بھی جنبش نہیں کر رہا تھا۔ میری نگاہ پھر ادھر ادھر بھٹکنے لگی۔

ہر طرف ویرانہ ہی ویرانہ تھا اور اس عظیم اور اندھے ریگستان کا ویرانہ' اوپر آسمان ویران تھا اور نیچے زمین بے انتہا ویرانے میں ایک حقیر نقطے کی طرح ایک تودے کی آڑ میں پڑا ہوا ایک انسان میں نے دایاں ہاتھ پیٹ پر رکھ کر زور سے دبایا تو پیٹ کے اندر شدید تکلیف ہونے لگی اور اینٹھیں اور جلن' پیٹ کے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ ایک معدہ نہیں ایک تنور تھا جو دھڑا دھڑ جل رہا تھا اور اس کی آگ سے میرا سارا وجود تپ رہا تھا۔ ایک خوفناک سی لکیر حلق سے سینے تک اتر رہی تھی۔ کیا کروں؟ کدھر جاؤں؟ یہ کس گناہ کی سزا ہے؟ میں کیا کروں؟ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ آہ...... میں کیا کروں؟ میرے منہ سے بھی شاید یہ ہی آوازیں نکل رہی تھیں۔

بہرحال میرے پاس کوئی حل نہیں تھا ابھی اس مشکل کو ٹالنے کا۔ سوائے اس کے' کہ اس صحرائے اعظم میں کسی ایسے ریت کے طوفان کا انتظار کروں جو انہیں ٹیلوں میں میری قبر بنا دے۔ غالباً رات ہو گئی تھی۔ ریت ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ دن کی خوفناک دھوپ اور تپش نے بری طرح نڈھال کر دیا تھا۔ اگر بھوک' پیاس نہ ہوتی تو اس وقت یہ ٹھنڈی ریت زندگی کا ایک حصہ معلوم ہوتی' لیکن میں بھوک اور پیاس سے تڑپ رہا تھا اور مجھ پر نیم غنودگی کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس غنودگی کے عالم میں

نجانے کیا کیا کچھ خاکے زمین سے گزر جاتے تھے' پھر شاید آنکھیں نقاہت ہی کی وجہ سے بند ہو گ تھیں کہ کانوں میں ایک ہلکی سی آواز ابھری۔ مجھے یوں لگا جیسے گھنٹیاں بج رہی ہوں۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھا اور مجھے کچھ سائے سے چلتے پھرتے نظر آئے۔ ذہن بے شک ماؤف ہو رہا تھا' لیکن پھر بھی یہ سائے مجھے نظر آ گئے تھے۔ اونٹوں کا ایک قافلہ تھا جو ست روی سے رات کے وقت سفر کر رہا تھا۔ ایک دم ذہن کی قوتیں جاگ اٹھیں۔ اگر یہ لوگ مجھے دیکھ لیں تو شا میری زندگی بچنے کے کچھ امکانات پیدا ہو جائیں۔ بڑی ہمت کر کے اپنی جگہ سے اٹھا اور دونوں ہا اٹھا کر کھڑا ہو گیا' لیکن خوش قسمتی سے قافلہ اسی جانب آ رہا تھا۔ سالار قافلہ نے مجھے دیکھ لیا اور ا کے بعد انہوں نے اونٹ روک لئے' پھر بعد کے حالات مجھے یاد نہیں رہے کہ کیا ہوا تھا؟ البتہ جب حواس جاگے تو بدن میں کافی توانائی محسوس ہو رہی تھی۔ جگہ بھی اچھی تھی۔ میں کسی خیمے میں تھ آنکھیں کھول کر قرب و جوار کے ماحول کو دیکھا۔ لازمی طور پر میرا کچھ علاج کیا گیا تھا' کیونکہ م اپنی جسمانی قوتیں بحال نظر آ رہی تھیں۔ ویسے بھی روشنی پھوٹ آئی تھی' لیکن حیرت کی بات یہ تھی موسم ناخوشگوار محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسی وقت ایک عربی نوجوان خ میں داخل ہوا اور مجھے بیٹھے ہوئے دیکھ کر فوراً واپس پلٹ گیا۔ اس کے بعد ایک عمر رسیدہ شخص ا داخل ہوا۔ یہ غالباً کوئی امیر تھا۔ مسکراتا ہوا میرے پاس آیا اور مجھ سے انگریزی میں کہا۔

''خیریت سے ہو تم؟''

''جی محترم! مجھے یاد ہے کہ آپ نے میری زندگی بچائی تھی۔''

''وہاں...... صحرا میں کیا کر رہے تھے؟''

''بس مصیبت کا مارا تھا۔ حالات سے بھٹکتا ہوا وہاں جا پہنچا تھا۔''

''میں حکیم الناصر ہوں اور غزہ سے کہیں جا رہا تھا کہ تمہیں اس حال میں دیکھا۔''

''آپ نے میرے اوپر نہایت ہی عنایت اور رحم کیا ہے۔ میں آپ کا بے حد شکر گز ہوں۔''

''انسانی ہمدردی کا شکریہ ادا نہیں کیا جاتا۔ تم کیا اندرونی کیفیت محسوس کر رہے ہو؟''

''میرے بدن میں بے پناہ توانائی ہے۔ میں حیران ہوں کیونکہ میں جس عالم سے گزر رہا اس میں میری بہت بری حالت ہو گئی تھی۔''

''میں نے تمہیں ایک ایسی جڑی بوٹیوں کا عرق دیا ہے جو نیم مردہ جسموں میں جان ڈ دیتا ہے۔ میں نے کہا ناں میں حکیم ہوں۔ بہرحال تم بہتر حالت میں آئے مجھے خوشی ہے اور میرا خی ہے کہ اب تم بالکل ٹھیک ہو۔ کہاں جانا چاہتے تھے؟'' میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اسے کیا جوا دوں۔ وہ کہنے لگا۔ ''خیر ابھی ہمارا یہ قافلہ صناع جا رہا ہے تم چاہو تو ہمارا ساتھ دو۔ صناع پہنچ کر جہ چاہو جا سکتے ہو۔''

''بہت بہت شکریہ۔ آپ مجھے آبادی میں چھوڑ دیں۔'' میں نے کہا۔ حکیم الناصر نے اپنے غلاموں کو چند احکام دیئے اور اس کے بعد وہاں میری خاص دیکھ بھال کی گئی۔ میں نے باہر نکل کر دیکھا تو یہ ایک روایتی نخلستان تھا۔ اس سے پہلے کبھی سرزمین مصر کا رخ نہیں کیا تھا۔ یہاں بھی جن حالات کے تحت آیا تھا وہ بڑے سنسنی خیز تھے۔ ڈارون نے مجھے نجانے کیا بنا کر یہاں بھیجا تھا اور پھر جس شخص سے میری ملاقات ہوئی وہ بھی اپنی طرز کا ایک عجیب انسان تھا۔ یعنی عصرانی۔ جتنے ہنگامے یہاں ہوئے تھے' اس مختصر وقت میں ان سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ میں نے واقعی اگر اس سلسلے میں کام جاری رکھا تو پتہ نہیں کتنے لوگ میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر جائیں۔ ویسے تو میں خوش تھا کیونکہ ڈارون نے جو میرے لئے محل نما مکان خرید کر میرے نام کر دیا تھا' وہ اتنا شاندار تھا کہ کبھی خواب میں بھی اس کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ ساری باتیں اپنی جگہ میری فطرت میں ایک تبدیلی تھی۔ عام انسانوں سے ہٹ کر' لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں بالکل ہی کوئی مختلف انسان تھا۔ بہرحال سرزمین مصر کا یہ پراسرار ماحول پہلی بار میری نگاہوں کے سامنے آیا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میں وہاں اس ریگستان میں جس طرح مشکلات کا شکار ہوا تھا' وہ ایک کہانی جیسی حیثیت کا حامل تھا اور اب حکیم الناصر کا مل جانا' یہ ایک مہربان شخص تھا۔ یہ نخلستان بھی اپنی مثال آپ تھا۔ قدرت نے کس کس طرح انسانوں کی زندگی کیلئے انتظامات کیے ہیں یہ دیکھ کر قائل ہونا پڑتا تھا کہ قدرت کا عمل سب سے مختلف ہے' اور اس کے لئے انسان کو نجانے کتنی شکر گزاری کرنی چاہیے۔ یہ سب کچھ بہت ہی عجیب و غریب تھا۔ ایک چشمہ ریگستان میں پھوٹ رہا تھا جو کافی وسعت میں پھیلا ہوا تھا۔ اس کا پانی اس قدر شفاف تھا کہ یقین نہ آئے۔

حالانکہ چاروں طرف ریگستان پھیلا ہوا تھا اور ریت کے ٹیلے ہوا سے منتشر ہو کر اس چشمے کو بالکل ہی برباد کر سکتے تھے' لیکن ریت اس کی تہہ میں بیٹھی ہوئی تھی اور اس کا پانی اس طرح شفاف تھا جیسے موتی۔ یہ بھی قدرت ہی کا ایک عمل تھا' جو انسان کی سوچ سے بہت دور کی بات ہو سکتی ہے۔ غرض یہ کہ میں ان خیموں کو دیکھتا رہا۔ کسی نے میری طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ بس لوگ مجھے دیکھتے اور اس طرح شناسائی کا اظہار کرتے' جیسے میں ان کا ایک معزز مہمان ہوں۔ یہ بات بھی میں نے خاص طور پر محسوس کی تھی کہ یہ لوگ مہمانوں کو بڑا مقام دیتے ہیں۔

بہرحال دیکھوں کیا صورتحال ہوتی ہے۔ اب دیکھوں تو سہی کہ کیا سامنے آتا ہے۔ صناع نامی گاؤں قصبہ جو کچھ بھی وہ ہے' میں تو اس کے بارے میں نہیں جانتا تھا' لیکن وہاں پہنچنے کے بعد یہ دیکھوں گا کہ کیا صورتحال رہتی ہے۔ بہرحال یہ ایک دلچسپ کہانی تھی جس کا آغاز ہوا تھا۔ ایک طرف خواتین کے خیمے لگے ہوئے تھے اور وہاں کچھ پہرے دار موجود تھے۔ گویا اس طرف جانے کی اجازت نہیں تھی۔ کم از کم اتنی معلومات مجھے عربوں کے بارے میں ضرور تھی کہ ان کی حرم سرائیں ایک الگ ہی مقام رکھتی ہیں' لیکن رات کو جو کچھ ہوا وہ میری سوچ سے کہیں دور کی چیز تھی۔ گویا میری

پراسرار زندگی کا آغاز ہو گیا تھا۔ یا پھر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ سرزمین مصر کی پراسرار داستانوں نے مجھے اپنی جانب متوجہ کرلیا تھا۔

رات کو جبکہ موسم انتہائی خوشگوار ہو گیا تھا۔ شیخ حکیم الناصر نے رقص و موسیقی کی محفل برپا کی۔ مجھے بھی مدعو کیا گیا اور میں بھی وہاں عام لوگوں میں جا کر بیٹھ گیا۔ شیخ کے پاس اس کے خاص خاص رفیق موجود تھے۔ پہلے نقاب لگائے کچھ رقاصائیں رقص کرتی رہیں اور اس کے بعد ایک شعلہ کوندا اور میرے دل کی دنیا تہہ و بالا ہو گئی۔ وہ ایک رقاصہ تھی' جس نے خالص مصری لباس پہنا ہوا تھا اور چہرے پر نقاب بھی لگایا ہوا تھا' لیکن اسے دیکھ کر سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ انسان کیا کرے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ وہی لڑکی تھی جو مجھے صحرا میں نظر آئی تھی اور جس کے تعاقب میں' میں اس طرح دوڑا تھا کہ زندگی میں' میں نے کبھی اس طرح کسی کا تعاقب نہیں کیا تھا۔ وہ رقص کرنے کیلئے آئی اور یوں لگا جیسے چاند زمین پر اتر آیا ہو۔ کرنیں سمٹ کر انسانی بدن اختیار کر گئی ہوں۔ چاندنی رقص کر رہی ہو۔ خاص قسم کی موسیقی میں اس نے اپنے رقص کا آغاز کیا اور آہستہ آہستہ اس کے رقص کی رفتار تیز ہو گئی۔ وہ اپنی دھن میں ناچ رہی تھی اور دیکھنے والوں کے دل اس کے قدموں تلے کچل رہے تھے۔

خود حکیم الناصر محو حیرت تھا اور نجانے کس طرح اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک دو بار میری نگاہ اس پر پڑی اور میرا ذہن ڈانواں ڈول ہونے لگا۔ میرے دل نے کہا کہ کچھ بھی ہو اس سے ملنا چاہئے اور پوچھنا چاہئے کہ اس وقت ریگستان میں وہ کیا کر رہی تھی۔ رقاصہ جی توڑ کر ناچ رہی تھی اور اس کا لوچ دار بدن سو سو بل کھا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ تھک گئی اور اس کی رفتار سست پڑتی گئی۔ ناچ ختم ہو گیا اور لوگ مبارکباد دینے لگے۔ تالیاں بجانے لگے تو رقاصہ نے گھنگرو کھول دیئے اور انہیں ہاتھوں میں سمیٹ کر خیموں کی جانب چل پڑی۔ نجانے میرے جی میں کیا سمائی کہ میں بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ میں نے تمام اصول توڑ کر عورتوں کے خیموں کی جانب رخ کیا' جبکہ میں یہ دیکھ چکا تھا کہ حکیم الناصر کے حرم کی جو بھی خواتین تھیں' وہ نقاب لگائے حکیم الناصر کے پیچھے پردہ کیے ہوئے بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں تیز رفتاری سے خواتین کے خیموں سے گزر کر اس کا پیچھا کر رہا تھا' لیکن یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ لڑکی خواتین کے خیموں کی طرف نہیں رکی تھی' بلکہ وہاں سے آگے بڑھ گئی تھی۔

مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس نخلستان سے بھی باہر جانا چاہتی ہو' کیونکہ چند ہی لمحوں کے بعد وہ ریگستان میں نکل آئی تھی۔ مجھے شدید حیرت ہوئی اور اب تو مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی بہت ہی خاص معاملہ ہے اور یہ پراسرار لڑکی کسی خاص کیفیت کی حامل ہے۔ میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ جہاں تک بھی جائے گی میں اس کا تعاقب کروں گا۔ بے شک رات کا وقت تھا لیکن ریت میں ایک خوبی ہوتی ہے' چاندنی ہو نہ ہو اس میں ہلکی سی چمک ہوتی ہے۔ لڑکی مجھ سے آدھا گز کے فاصلے پر مسلسل چلتی جا رہی تھی۔ مجھے وہ وقت بھی یاد آیا' جب وہ دوڑ رہی تھی اور میں اس کا تعاقب کر رہا تھا' اور اس طرح دوڑ رہا تھا کہ شاید زندگی میں پہلے کبھی نہ دوڑا ہوں۔ وہ کہیں اس وقت بھی دوڑنا نہ

شروع کر دے' لیکن وہ اپنے انداز میں ایسی کوئی کیفیت نہیں رکھتی تھی۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ کئی بار میرا دل چاہا کہ بھاگ کر اس کے پاس پہنچ جاؤں۔ اسے روکوں' لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بھاگتے ہی وہ بھی بھاگنا شروع کر دے۔ ویسے دیکھوں تو سہی کہ آخر یہ ہے کون؟ اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنا نڈر ہونا کمال کی بات ہے۔ کوئی جوان لڑکی تو اس طرح ان ٹیلوں میں سفر کر نہیں سکتی' لیکن یہ کیسے اطمینان سے آگے جا رہی تھی۔ ریت کے پراسرار ٹیلے' مدھم روشنی دے رہے تھے' پھر ایک جگہ میں نے ایک بڑے سے اژدھے نما سانپ کو دیکھا' جو کسی طرف سے نمودار ہوا تھا اور تیز سرسراہٹ کے ساتھ لڑکی کے سامنے سے نکل گیا تھا۔ میرا دل ایک لمحے کیلئے ہول گیا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ کہیں سانپ لڑکی پر حملہ نہ کر دے' لیکن لڑکی اس بے خوفی سے آگے جا رہی تھی کہ مجھے اپنے اس خوف پر شرمندگی محسوس ہوئی۔ ریت پر طرح طرح کے جانور نظر آ جاتے ہیں۔ لڑکی چلتے چلتے کئی بار رکی بھی تھی' لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ایک طویل ترین سفر کرنے کیلئے تیار ہو۔ رکنے کے بعد پھر چل پڑتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک جگہ اترائی شروع ہو گئی اور جب لڑکی ڈھلوان میں اتری تو مجھے دوڑ کر اس کا پیچھا کرنا پڑا تاکہ وہ میری نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے' لیکن اس کے بعد میں نے جو کچھ دیکھا وہ میرے لئے بڑا عجیب و غریب تھا۔ وہ ایک احرام تھا جس کی جانب لڑکی نے رخ کیا تھا اور وہ ریت کے ٹیلوں کے بیچوں بیچ تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس جگہ صحرا میں یہ کیسا احرام ہے لیکن پھر مصر کی تاریخ میری یادداشت سے ٹکرائی۔

مجھے پتہ چلا تھا کہ زمانہ قدیم میں فرعون مصر اس طرح کے احرام تعمیر کرایا کرتے تھے اور ان کیلئے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہوتی تھی۔ ان کے مقبرے جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے محسوس کرلیا کہ لڑکی کا رخ اسی احرام کی طرف ہے۔ وہ اسی طرف جا رہی تھی۔ ایک لمحے کیلئے میں نے سوچا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اب مجھے یہ پتہ نہیں تھا کہ لڑکی کو میری آمد کے بارے میں معلوم ہوا ہے یا نہیں۔ بس وہ ایسے ہی چلی جا رہی ہے۔ بہرحال میں اس کا تعاقب کرتا رہا اور پھر میں نے اسے احرام کے قریب دیکھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان احرامین میں راستہ کہاں سے ہوتا ہے؟ لیکن چند ہی لمحوں بعد لڑکی اس احرام میں گم ہو گئی تو میرا دل جیسے کسی چراغ کی طرح بجھ گیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اسے کھو بیٹھوں۔

بہرحال میں نے یہ فاصلہ بھی دوڑ کر ہی طے کیا تھا اور پھر میں نے احرام میں وہ دروازہ دیکھا' جو کھلا ہی ہوا تھا۔ میرا دل نجانے کیوں خوشی سے اچھل پڑا۔ کم از کم اور کچھ نہیں' تو میں اندر تو جا سکتا ہوں۔ اب اس کے بعد جو کچھ بھی ہوگا' دیکھا جائے گا۔ چنانچہ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور اس کے بعد اس دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ ایک عجیب سی ٹھنڈک مجھے محسوس ہوئی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے وہاں کوئی ایئر کنڈیشنز چل رہا ہو۔ اتنا ٹھنڈا تھا وہ کہ طبیعت میں ایک عجیب سی فرحت کا احساس ہوتا تھا۔ میں ایک لمحے تک اندر داخل ہو کر اپنی جگہ پر رکا رہا اور پھر جب میری آنکھیں

تاریکی میں دیکھنے کی عادی ہوگئیں تو میں نے احتیاط سے قدم آگے بڑھائے۔ میں نے دیکھا وہاں بہت سے تابوت رکھے ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان چھوٹی چھوٹی دیواریں بنی ہوئی ہیں۔ ا مجھے نظر نہیں آئی تھی' لیکن پھر اچانک ہی میں نے ہیولے کو دیکھا' جو اس لڑکی ہی کا ہیولا تھا۔ وہ ا ٹوٹی پھوٹی چار چار فٹ کی دیواروں کے ساتھ چلتی ہوئی آخرکار ایک چبوترے کے پاس رک گئی' اس نے چبوترے کی تین ٹوٹی ہوئی سیڑھیاں عبور کیں اور اوپر پہنچ گئی۔ ہر طرف ایک خوفناک پھیلا ہوا تھا اور میرا دل صحیح معنوں میں دہشت سے دھڑک رہا تھا۔ حالانکہ میں کوئی بزدل انسان نہ تھا۔ میری دلیری ایک مثال کی حیثیت رکھتی تھی' لیکن یہاں ٹھنڈے ماحول میں میرے دل میں ا دہشت سی پیدا ہوگئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں یہاں تک آ تو گیا ہوں۔ کیا اب یہاں سے ز واپسی ممکن ہوگی۔ حکیم الناصر نے مجھے صناع تک پہنچانے کا وعدہ کیا تھا' لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا جتنا فاصلہ طے کر کے میں یہاں تک آیا تھا' اتنا فاصلہ طے کر کے میں وہاں تک جا سکوں گا یا نہیں پھر اس احرام کے اندر کا پراسرار ماحول' کہیں یوں نہ ہو کسی تابوت سے ایک ہاتھ نکلے اور مجھے تابو میں گھسیٹ لے۔ پتہ نہیں کیا ہوگا۔ یہ تو ایسی جگہ تھی جہاں پر دن میں آنے والوں کے دل ہ جائیں' نہ کہ یہ رات کا وقت' لیکن بہرحال میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک اس لڑکی کا راز معلوم نہیں ہوگا میں اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔

ایک لمحے کیلئے میرا دل چاہا کہ میں بھاگ کر لڑکی کے سامنے آ جاؤں۔ اسے آواز دوں' ا سے باتیں کروں اور اس کے بارے میں معلومات کروں اور پھر اس سے کہوں کہ وہ مجھے واپس دے۔ اکیلے واپس جانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ بہرحال میرے قدم بھی ان سیڑھیوں سامنے بڑھ گئے اور میں یہ فاصلہ طے کر کے اوپر پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ لڑکی کافی فاصلے پر گھٹنو کے بل بیٹھی ہوئی کچھ کر رہی ہے اور پھر اچانک ہی چبوترے پر تیز روشنی پھیل گئی۔ لڑکی نے شاید ک دیا روشن کیا تھا' لیکن یہ روشنی' میں نے زندگی میں کبھی ایسی روشنی نہیں دیکھی تھی۔ یہ روشنی خوب تیز سرخ تھی۔ اتنی تیز کہ میں دور دور تک دیکھ سکتا تھا اور پھر سرخ روشنی میں' میں نے اس لڑکی کو د جس کا رخ اچانک ہی میری جانب ہوگیا تھا اور میں نے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی تھی۔ بے پناہ...... اس قدر حسین مسکراہٹ کہ کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے بے ننھے ننھے دیئے روشن ہو گئے ہوں اور اس روشنی میں اس کا چاند جیسا طباق چہرہ خوب چمک رہا تھا پھر اچانک ہی اس کی مدھم آواز ابھری۔

''آؤ...... زرمناس میرے پاس آؤ۔'' مجھے نہیں پکارا گیا تھا' کیوں کہ میرا نام زرمناس نہ تھا' لیکن اس کی آنکھیں میری ہی طرف تھیں۔ نجانے کیا ہوا کہ میرے قدم خودبخود اس کی جا بڑھ گئے اور میں اس کے عین سامنے پہنچ گیا۔ لڑکی بدستور مسکرا رہی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے اس انگ انگ میں دیئے جل رہے ہوں۔ نجانے یہ روشنی کہاں سے آ رہی تھی۔ وہ پھر بولی۔ ''میر

ھچے کیوں آئے تھے؟''

''کون ہو تم؟ اس سے پہلے بھی جب میں صحرا میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا' تم ھے یہاں نظر آئیں تھیں اور میں نے تمہارا تعاقب کیا تھا۔''

''مجھے غور سے دیکھو اور خود فیصلہ کرو کہ میں کون ہوں؟''

''میں نہیں جانتا' لیکن تم اس کائنات کی سب سے حسین لڑکی ہو۔ پتہ نہیں آسمان سے اتری دیا زمین سے کونپل کی طرح پھوٹی ہو۔'' وہ آہستہ سے ہنسی اور بولی۔

''تمہیں یاد ہے یہ ہی الفاظ تم نے اس وقت کہے تھے' جب تم مجھے پہلی بار ملے تھے۔''

''نہیں اس وقت تو میرے اور تمہارے درمیان بڑا فاصلہ تھا۔ میں تمہیں پکڑ نہیں سکا تھا۔''

''میں اب کی بات نہیں کر رہی۔''

''تو پھر......؟''

''اس پھر کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔ اس لئے اس کا جواب نہ مانگو۔'' حسین لڑکی نے پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ وہ بے حد حسین تھی۔ اس کے چہرے میں ایسی کشش تھی کہ انسان سے دیکھے تو دیکھتا ہی رہ جائے' لیکن ایک بات میں نے چند ہی لمحوں میں محسوس کی کہ اس کی نگاہوں یں پختگی ہے۔ وہ الھڑ پن اس کے چہرے پر نہیں ہے' جو اس عمر کی لڑکیوں کے چہروں پر ہوتا ہے۔ س کے برعکس یوں لگتا تھا جیسے وہ دنیا سے بہت باخبر ہے اور اس کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے۔ س کی عمر' اس کا چہرہ' اس کی شخصیت متضاد کیفیتوں کی حامل تھیں۔ میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے مجھے اس سوال کا جواب مت دو مگر میں دوسرے سوالات تو کر سکتا ہوں؟''

''کرو......'' اس نے اطمینان سے کہا۔

''تم کہاں رہتی ہو؟''

''بہت سی جگہ پر...... یہاں بھی رہتی ہوں۔ اس مقبرے سے بھی میرا گہرا تعلق ہے۔''

''صحراؤں میں بکھرے ہوئے ریت کے ٹیلوں کے درمیان نظر آنے والے اس احرام سے تمہارا تعلق ہے۔''

''ہاں۔''

''مگر کیوں......؟''

''اس لئے کہ مجھے یہ جگہ پسند ہے۔''

''مگر یہاں تو کوئی انسان نہیں رہ سکتا۔ آبادیوں کو چھوڑ کر تم کیوں رہتی ہو۔ اکیلی رہتی ہو یا کوئی اور بھی تمہارے ساتھ ہے۔ یہ مقبرے یہ قبریں' یہ ٹوٹی پھوٹی دیواریں' یہ تو انسانوں کے رہنے کی جگہ نہیں ہوتیں۔''

''تم نہیں جانتے مجھے یہاں کوئی پریشانی نہیں ہوتی' بلکہ یہ جگہ تو بڑی پرسکون ہے۔ یہاں

رہنے والے بالکل شور نہیں کرتے۔ وہ سب آرام کی گہری نیند سوئے رہتے ہیں۔''

''تم اکیلی ہو......؟''

''ہاں۔''

''میرا مطلب ہے......؟''

''ہاں...... ہزاروں سال سے میں یہاں رہتی ہوں۔''

''کیا...... ہزاروں سال سے؟'' میں نے سوال کیا اور وہ مسکرا دی۔ اس نے اس بات کا جواب نہیں دیا تھا' پھر میں نے خود ہی کہا۔

''تمہارا نام کیا ہے......؟''

''آمنہ القراش۔''

''مصر ہی کی باشندہ ہو؟''

''ہاں۔''

''تم بہت خوبصورت ہو۔ میں نے تمہیں ناچتے ہوئے دیکھا تھا اور حیران ہو گیا تھا۔ نجا(نے) کیوں میرے قدم تمہارے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ جب تم یہاں رہتی ہو تو پھر اتنا سفر کر کے و(ہاں) کیوں گئی تھیں؟''

''تم سے ملنے' تمہیں یہاں لانے۔'' اس نے بڑی پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور (میں) حیران رہ گیا۔

''کیا مطلب' میں کچھ سمجھا نہیں؟ کیا تمہیں معلوم تھا کہ میں وہاں موجود ہوں؟''

''ہاں...... مجھے معلوم تھا۔''

''کیسے......؟''

''بہت سے سوالات ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی جواب ہی نہیں ہوتا۔''

''ٹھیک ہے مگر تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھیں؟''

''اس لئے کہ میرا ایک کام تم سے ہے اور تمہارا ایک کام مجھ سے ہے' اور ملاقات کا اس۔ اچھا موقع پھر نہیں ملنا تھا۔''

''تمہارا کام مجھ سے ہے اور میرا تم سے؟''

''ہاں......''

''انوکھی بات کر رہی ہو آمینہ! میں تمہیں نہیں جانتا اور نہ ہی میں نے تمہیں کبھی دیکھا ہے! بھلا میرا کوئی کام تم سے کیوں ہو سکتا ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے...... ایسی بات نہیں ہے زرمناس!''

''میں تمہیں ایک بات بتاؤں...... میرا نام...... زرمناس نہیں ہے۔ میرا نام تیمور ہے۔''

''اگر میں تمہیں زرمناس کہوں تو؟''

''کہنے کو تو کچھ بھی کہا جا سکتا ہے۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا۔''

''رفتہ رفتہ ہی سمجھو گے۔ ایک بات کہوں تم سے ذرا دیکھو اس خوبصورت ہار کو دیکھو' کیا یہ ہار تم نے کبھی کسی کو تحفے میں دیا ہے۔'' اس نے اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر ایک چمکتا ہوا خوبصورت ہار نکال لیا جس میں لعل شب چراغ گندھے ہوئے تھے۔ ایک دم سارا ماحول اس کی چمک سے منور ہو گیا تھا۔ میں نے اس قیمتی چیز کو دیکھا اور نہ سمجھنے والے انداز میں گردن ہلانے لگا اور پھر میں نے کہہ دیا۔

''میں نہیں جانتا کہ یہ سب کچھ کیا ہے؟''

''دیکھو...... اسے ہاتھ میں لے کر دیکھو۔ اس میں چھ لعل لگے ہوئے ہیں۔ چھ موتی مگر ساتویں کی جگہ خالی ہے۔'' میں نے غور سے اس ہار کو دیکھا اور اس میں واقعی چھ شب چراغ لگے ہوئے تھے اور ایک ایسی جگہ بنی ہوئی تھی جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ شاید اس میں سے کوئی موتی نکل گیا ہے۔

''شاید اس میں سے کوئی موتی نکل گیا ہے کہاں گیا اس کے ساتھ کا موتی؟'' میں نے بے اختیار سوال کر ڈالا۔

''تم نہیں جانتے...... ؟''

''مم...... مم...... مجھے کیا معلوم؟'' میں نے تعجب سے کہا۔

''آؤ...... پھر میں تمہیں بتاؤں کہ ساتواں موتی کہاں ہے؟ تمہیں شاید یاد نہیں رہا' ہم دونوں نے مل کر جو کچھ کیا تھا وہ ایک الگ چیز تھی۔ ہمارے سامنے ایک بہت بڑا کام تھا۔ ہم نے اسے ہلاک کر کے زمین میں گاڑ دیا تھا۔ جب تم نے اسے مارا تھا تو اس نے بچنے کی کوشش کی تھی اور اس کے ہار کا موتی ٹوٹ کر اس کی مٹھی میں بند رہ گیا تھا' پھر تم اسے تلاش کرتے رہے اور وہ تمہیں یاد بھی نہ آیا لیکن میں نے اسے تلاش کر لیا۔ یہیں پر اس چبوترے کے پیچھے وہ لاش دفن کی تھی اور حلام کو تخت پر بٹھایا تھا۔ تمہیں حلام یاد ہے۔''

''آمینہ!...... یہ ہی بتایا تھا ناں نام تم نے اپنا؟''

''ہاں...... کیوں؟''

''آمینہ! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نہ زرمناس ہوں اور نہ ہی میں نے تمہارے ساتھ (مل) کر کسی کو قتل کیا تھا۔ تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے یا پھر شاید تم مجھے بے وقوف بنا رہی ہو۔''

تو اس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور عجیب سے انداز میں بولی۔

''ٹھیک کہتے ہو تم...... بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ واقعی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ صدیوں کی گرد

تمہارے ذہن پر جم گئی ہے۔ تم سب کچھ بھول چکے ہو زرمناس، لیکن وقت لگے گا وقت تمہیں سب کچھ سمجھا دے گا۔ ہم وقت کا انتظار کریں گے۔ کوئی اتنے تعجب کی بات نہیں ہے آؤ میرے ساتھ۔'' اس نے کہا اور میں نے محسوس کیا کہ قدم بڑھانے میں میرے اپنے کسی ارادے کا دخل نہیں ہے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی غیر مرئی قوت مجھے اس سے باندھے ہوئے ہو۔ خوب صورت لڑکی مجھے چبوترے کی دوسری طرف کی سیڑھیاں اتار کر نیچے لے گئی۔ آخری سیڑھی کے اختتام پر مجھے ایک گڑھا نظر آیا۔ یہ گڑھا سیڑھیاں ٹوٹ جانے کی وجہ سے بن گیا تھا۔ یا نمایاں ہو گیا تھا۔ چلتے وقت آمنہ نے وہ سرخ روشنی کا چراغ بھی اٹھا لیا تھا جو پیتل کا بنا ہوا تھا اور کافی بڑا تھا، پھر اس نے روشنی اس گڑھے میں ڈالی اور لمحے کیلئے پھر میری کیفیت کچھ عجیب سی ہو گئی۔ گڑھے میں کچھ انسانی ہڈیاں اور ایک انسانی کھوپڑی نظر آ رہی تھی۔

''پہچانا اسے یہ حلام ہے جو چوبیس گھوڑوں کے سونے کے رتھ پر نکلتا تھا اور اس رتھ کے راستے میں آنے والے کی جان بخشی نہیں ہو سکتی تھی۔ کچھ یاد ہے؟''

''کب کی بات کر رہی ہو مجھے کچھ یاد نہیں آیا۔''

''اچھا ٹھہرو میں تمہیں کچھ اور دکھاتی ہوں۔'' لڑکی نے دیا گڑھے کے کنارے رکھ دیا اور پھر جھک کر گڑھے میں ہاتھ ڈال دیا، پھر پنجر کا ایک ہاتھ نکال لیا تھا۔ جس میں سوکھی ہوئی انگلیوں کے درمیان ایک موتی چمک رہا تھا۔ بلاشبہ یہ موتی اسی ہار کا گمشدہ موتی تھا۔ جس کی گمشدگی کے بارے میں اس نے ایک عجیب و غریب کہانی سنائی تھی۔ میری حیرتیں آسمان کو پہنچی ہوئی تھیں۔ آمنہ نے موتی نکال کر میرے ہاتھ پر رکھ دیا اور بولی۔

''اسے پہچانتے ہو؟''

''یہ شب چراغ ہے اور اسی ہار کا ایک ہیرا ہے۔''

''ہاں......شاید۔''

''مگر چھوڑو آؤ مجھے اس بات سے دلچسپی نہیں ہے کہ تمہیں کچھ یاد آتا ہے یا نہیں، مجھے تو بس اس کہانی سے دلچسپی ہے، جو صدیوں کے بعد زندہ ہوئی ہے۔''

''کون سی کہانی......؟''

''بتاؤں گی...... وقت آنے پر بتاؤں گی، لیکن ان لمحات کو یاد رکھنا اس موتی کو بھی یاد رکھنا بلکہ اسے اپنی جیب میں رکھ لو۔ یہ موتی ہی تمہیں آنے والے وقت کی یاد دلائے گا۔'' حسین لڑکی نے پراسرار انداز میں کہا۔ میں عجیب سی الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ اس لڑکی کا حسن بے پناہ مجھے یہاں تک کھینچ لایا تھا، لیکن اب اس نے جو کہانی مجھے سنائی تھی وہ ناقابل فہم تھی۔ بہر حال لڑکی وہاں سے واپس پلٹی اور بولی۔

''آؤ...... میں نے کہا ناں کہ تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے اور مجھے تمہارا ایک کام۔ میں تمہیں

ایک بات بتا دوں ذرا اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو۔'' میرا ہاتھ بے اختیار اس کی جانب اٹھ گیا۔ اس نے اپنا خوبصورت ہاتھ آگے بڑھایا اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں نے برف اپنے ہاتھ میں لے لی ہو۔ اتنا ٹھنڈا اور یخ بستہ ہاتھ لیکن نہایت ملائم جیسے دھواں، اس نے کہا۔

''میرے اور تمہارے درمیان یہ معاہدہ ہے کہ جو کچھ بھی کریں گے مل جل کر کریں گے۔ آنے والے وقت میں، ہمیں ایک نئی کہانی کو زندہ رکھنا ہے۔ ذرا اس چراغ میں جھانکو۔'' اس نے کہا اور میں نے بے اختیار اس چراغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بولی۔

''دیکھو یہ کیا ہے......؟''

اور پہلی بار میں نے اس چراغ میں جلتے ہوئے تیل کو دیکھا۔ میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اب اس سرخ روشنی کا راز پتہ چل گیا تھا۔ چراغ میں گاڑھا گاڑھا انسانی خون بھرا ہوا تھا اور اس کے اوپر ایک انسانی انگلی اس خون میں ڈوبی ہوئی رکھی تھی، جس کا اوپر حصہ آگ کی طرح روشن تھا۔ گویا وہ انگلی دیئے کی بتی کا کام دے رہی تھی۔ میری آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ سرخ روشنی کے سائے میرے بدن کی سرزشوں کو نمایاں کر رہے تھے۔ میں نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کیا ہے آمینہ؟'' اور آمنہ کے ہونٹوں پر وہی حسین اور پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''یہ میرا عہد ہے۔ جب تک میں اپنا یہ عہد پورا نہ کر لوں گی یہ دیا اسی طرح روشن رہے گا، لیکن میں ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ آنے والا وقت خود ہی تمہیں تفصیل بتائے گا۔''

''یہ خون کس کا ہے؟''

''میں یہ بھی نہیں بتا سکتی۔''

''تو تم نے مجھے یہ خاص طور پر کیوں دکھایا ہے؟''

''اس لئے کہ تم اپنے وعدے کا خیال رکھو۔''

''میں نے تم سے کیا وعدہ کیا ہے؟''

''یہی کہ تم میرا کام کرو گے۔''

''کیا کام ہے تمہارا؟''

''میں نے کہا نا کہ یہ ابھی تمہیں نہیں بتا سکتی، لیکن ایک بات میں تمہیں بتائے دے رہی ہوں کہ جو کام میں تمہارے سپرد کروں گی وہ تمہاری زندگی بھی بنا دے گا۔''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔''

''آ جائے گا...... آؤ۔'' اس نے کہا اور ایک بار پھر اس نے وہ سفر طے کیا جو چبوترے کے دوسری جانب تھا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اس حسین لڑکی کی چال بھی بڑی دلکش تھی۔ سرخ دیا اس نے چلتے وقت بجھا دیا تھا اور پھر وہ ایک تاریک سے دروازے کے سامنے رک گئی۔

''آؤ...... ذرا ہوشیار۔'' اس نے کہا۔

''یہ کون سی جگہ ہے......؟''

''فکر مت کرو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔'' اس نے کہا اور میں اس کے ساتھ وہ سیڑھیاں اترنے لگا' جونجانے کہاں تک جاتی تھیں۔ ایک لمبی سرنگ تھی جس میں ہم دونوں آسانی سے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ سرنگ میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی' لیکن لڑکی آسانی سے چلتی جارہی تھی۔ جیسے یہ سارے راستے اس کے اچھی طرح جانے پہچانے ہوں' اور وہ ان راستوں کے پیچ وخم سے اچھی طرح واقف ہو۔ یا رات کی تاریکیوں میں بھی وہ اسی طرح دیکھ سکتی ہو' جیسے دن کی روشنی میں۔ ویسے یہ سرنگ اتنی زیادہ لمبی نہیں تھی' حالانکہ جتنا فاصلہ طے کر کے وہ یہاں تک پہنچے تھے اس طرح واپس جانے میں کافی وقت لگ جاتا' لیکن تھوڑی دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ہم ایک تازہ ہوا میں نکل رہے ہیں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ دوسری طرف تیز روشنیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

''یہ کون سی جگہ ہے؟'' میں نے تعجب سے پوچھا لیکن جواب نہیں ملا۔ میں نے پلٹ کر کہا۔ ''آمنہ یہ کون سی جگہ ہے؟ ہم کہاں ہیں؟'' لیکن وہاں کسی کا پتہ نہیں تھا اور خاص طور سے وہ جگہ جہاں سے میں باہر نکلا تھا سب کچھ غائب ہوگیا تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لئے غور کیا تو میں نے محسوس کیا کہ میں باقاعدہ شہر میں کھڑا ہوں۔ میرے قرب و جوار میں روشنیاں بکھری ہوئی ہیں اور سب سے بڑی روشنی اس نیون سائن کی تھی جس پر میرے ہوٹل کا نام لکھا ہوا تھا۔

''میرے خدا...... میرے خدا!!'' میرا دل چاہا کہ میں بے ہوش ہو جاؤں۔ یہ سب کیا ہے' اتنا لمبا سفر یہ ساری کہانیاں جو ادھر سے ادھر بکھری ہوئی تھیں' سب کی سب ایک دم ختم ہوگئیں۔ میں اس ریگستان سے نجانے کہاں سے کہاں پہنچا اور اس کے بعد مجھے آمنہ ملی جس نے مجھے زرمناس کے نام سے مخاطب کیا۔ آہ...... میں کیا کروں؟ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں اپنے ہوٹل کی جانب قدم بڑھاؤں اور تھوڑی دیر کے بعد میں ہوٹل کے پاس پہنچ گیا۔

حالانکہ میرا حلیہ بہت خراب ہو رہا تھا' لیکن کسی نے میری جانب توجہ نہیں کی اور میں اس ہوٹل میں داخل ہوگیا۔ اپنے کمرے میں پہنچنے کے بعد میرا دل چاہا کہ میں بے ہوش ہو جاؤں۔ اس وقت دماغ اس طرح چیخ رہا تھا کہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ یہ سب کچھ ناقابل فہم' ناقابل یقین۔ آہ...... کیا واقعی جو کچھ ہوا ہے وہ بالکل صحیح ہے؟ یا پھر یہ کوئی خواب ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ تھوڑا سا غسل کرلوں۔ بدن کی جو کیفیت تھی اس سے کوئی فرار حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل نے مجھے صحیح معنوں میں زندگی سے روشناس کرایا' لیکن اس وقت میری سب سے بڑی آرزو تھی کہ میں گہری نیند سو جاؤں۔ ایک ایسی نیند جو مجھے ایک سکون بھری زندگی عطا کرے۔

❁❁❁

اور یہ حقیقت ہے کہ بعض اوقات دل سے جو کچھ مانگا جائے وہ مل جاتا ہے۔ شاید اتنی گہری نیند میں کبھی کبھی ہی سویا ہوں گا۔ جب جاگا تو یوں لگا جیسے دوبارہ پیدا ہوا ہوں۔ ایسا ہی پرسکون تھا میں۔ اور یوں لگتا تھا جیسے مجھے زندگی میں کبھی دقت پیش نہ آئی ہو۔ طبیعت پر ایک خوشگوار سی کیفیت بھی طاری تھی۔ بہرطور اپنی جگہ سے اٹھا۔ تھوڑی دیر تک بستر پر پاؤں لٹکائے بیٹھا سوچتا رہا کہ کیا کرنا ہے۔ جو واقعات مجھے پیش آئے تھے وہ درحقیقت ایک خواب کی مانند تھے۔ ایسا ہی لگتا تھا جیسے میں نے کوئی خواب دیکھا ہو' لیکن خواب اس طرح نہیں دیکھے جاتے۔ ان کا اپنا ایک انداز ہوتا ہے' اور ایک طریق کار بھی۔ دفعتاً ہی مجھے ایک خیال آیا اور میں نے اپنے لباس میں ہاتھ ڈالا' اور اس وقت میرے بدن میں ایک عجیب سی سنسناہٹ دوڑ گئی' جب میں نے دیکھا کہ وہ چمکدار موتی جسے لعل چراغ کہا جاتا تھا اور وہ جو اس ہار میں سے ایک تھا' اور جو انتہائی عجیب وغریب انداز میں مجھے ملا تھا' میرے پاس موجود تھا۔

میں نے اسے ہتھیلی پر رکھا اور غور سے دیکھنے لگا۔ ایسی حسین چیز زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ایک عجیب سی کشش تھی اس میں' اور اس سے منسوب جو داستان تھی وہ بھی ناقابل یقین۔ آمنہ القراش اور میں خود زرمناس اور وہ عجیب وغریب کہانی' جونجانے کیا حیثیت رکھتی تھی۔ کیا سرزمین مصر؟ کیا قاہرہ کے گلی کوچے ہر انسان کو ایک پراسرار کہانی بخش دیتے ہیں یا پھر میں بلاوجہ ہی زرمناس بن گیا تھا۔ مجھے اپنے آپ پر ہنسی آنے لگی۔ اچھا خاصا ایک جدید دنیا کا باسی تھا اور ڈارون نے مجھے جس کام کیلئے مخصوص کیا تھا اور جس کے عوض مجھے ایک شاندار زندگی حاصل ہو رہی تھی بھلا ایسا آدمی قاہرہ کا زرمناس کیسے ہوسکتا ہے؟ ماضی قدیم کی کوئی داستان کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ سب تو ایک کہانی ہی کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ میں نے ذہن کو جھٹکا۔ ایک بار پھر غسل خانے میں جا کر غسل کیا اور پھر اس کے بعد باہر آکر روم سروس کو ناشتے کیلئے کہا۔ عصرانی مارا جا چکا تھا' اور اب اس کے بعد میرے راستے بند تھے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اب مجھے آگے کیا کرنا ہے۔ مجھے تو یہاں پر تمام تر ہدایات عصرانی ہی سے ملتی تھیں' لیکن بڑا مسئلہ ہوگیا تھا یہ۔ بہرحال انتظار کر رہا ہوں' دیکھتا ہوں آگے کیا ہوتا ہے۔ ڈارون نے بہت سے معاملات اپنے ہاتھ میں رکھے تھے۔ اب اس سلسلے میں جو کچھ بھی ہوگا' اسے ڈارون ہی طے کرے گا ورنہ میرے لئے مشکل نہیں تھا کہ قاہرہ میں خاصا وقت گزاروں اور

اس کے بعد یہاں سے نکل جاؤں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک لمبے قد و قامت کا مالک ویٹر ناشتے کی مطلوبہ اشیاء لیے ہوئے اندر داخل ہوا۔ نجانے کیوں ایک نگاہ دیکھنے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ وہ کوئی پڑھا لکھا آدمی ہے اور اس کے چہرے پر کوئی ایسی خاص بات ہے جو عام ویٹروں کے چہروں پر نہیں ہوتی۔ میں نے اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ اس نے ناشتے کی ٹرالی ایک طرف سرکائی اور اس کے بعد واپس پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ میں ایکدم محتاط ہو گیا۔ دروازہ بند کرنے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ویٹر نے رخ تبدیل کیا اور پھر سر خم کر کے بولا۔

''حیران نہ ہوں جناب! میں آپ کے سامنے اس وقت ڈارون کا نام لوں گا۔'' میں نے سنجیدگی سے گردن ہلائی اور بولا۔

''آگے آ جاؤ۔''

''جی سر!''

''کوئی ہتھیار ہے تمہارے پاس؟''

''جی سر بہت کچھ ہے۔''

''سب کچھ نکال کر سامنے رکھ دو۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا اور ویٹر نے مجھے اعتماد دلانے والے انداز میں اپنی جیب سے تمام چیزیں نکال کر میز پر رکھ دیں' لیکن یہ کچھ عجیب و غریب چیزیں تھیں۔ ایک گول بٹن جیسی چیز جس کی تعداد تین تھی۔ اس کے علاوہ بھی کچھ اور ناقابل فہم چیزیں۔

''یہ کیا ہے؟''

''اسلحہ۔''

''کیا مطلب......؟''

''اجازت دیجئے کہ آپ کو تفصیل سے سب کچھ بتا دوں۔ بیٹھنا چاہتا ہوں کیونکہ میرا عہدہ کافی بڑا ہے۔''

''بیٹھو......'' میں نے کہا اور وہ میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

''میں نے بمشکل تمام یہاں کے ایک ویٹر کی شکل اختیار کی ہے اور یہ شکل اختیار کیے ہوئے مجھے بارہ گھنٹے سے زیادہ نہیں گزرے' جو ویٹر میری جگہ تھا' اسے میں نے بارہ گھنٹے کیلئے اپنا قیدی بنا لیا ہے۔''

''ہوں۔''

''مسٹر ڈارون نے مجھے بھیجا ہے' چونکہ یہ بات ان کے علم میں آ چکی ہے کہ عصرانی کو قتل کیا جا چکا ہے۔''

''ٹھیک ہے تمہاری بات کی سچائی کا ثبوت؟''

''یہ ٹیپ'' اس نے کہا' اور بالکل پتلا سا کیسٹ نما بکس نکال لیا۔ اس میں سارا میکینزم

موجود تھا۔ اس نے ایک بٹن دبایا اور بکس میرے سامنے رکھ دیا۔ اس سے جو آواز ابھری' وہ سو فیصدی ڈارون ہی کی تھی۔ ڈارون کہہ رہا تھا۔

''مسٹر تیمور! عصرانی کی موت کا مجھے افسوس ہے' لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہمارے دشمن بھی ہماری ہی طرح اپنی بقاء چاہتے ہیں اور اپنی بقاء کیلئے انسان سب کچھ کرتا ہے۔ چنانچہ انہیں تھوڑا بہت تمہارے بارے میں علم ہو گیا ہے۔ تمہیں فی الحال مصر ہی میں قیام کرنا ہے۔ بس تھوڑی سی جگہ تبدیل کرنا ہو گی' لیکن وہ بھی ضرورت کے تحت اور ذرا سا ایکشن میں آنا ہو گا کیونکہ ہم اپنے دشمن کو بہترین شکست سے دوچار کرنا چاہتے ہیں۔ عصرانی بے شک مر چکا ہے لیکن ہمارا دشمن خاص' جو مصر ہی میں ہے اور جس کا نام ناصر حمیدی ہے' ہزار آنکھوں سے ہماری نگرانی کر رہا ہے۔ مزے کی بات یہ ہی ہے کہ اس کی نگرانی کے باوجود ہمیں اپنے کام میں کامیابی حاصل ہو۔ یہ ہی ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ آپ کو کچھ وقت کیلئے ایک اور شہر جانا ہے جو چھوٹا سا شہر ہے' اور پورٹ ہنی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

یہ شہر اس وقت ہماری توجہ کا مرکز ہے اور ہمیں یہاں کچھ کام سرانجام دینے ہیں۔ جن کی اطلاع آپ کو وقتاً فوقتاً ملتی رہے گی۔ میں اپنی آرگنائزیشن کے ایک خاص فرد کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ یہ آپ کو مطلوبہ چیزیں پہنچا دے گا۔ آپ اس پر شبہ نہ کیجئے گا۔ آپ کی کارکردگی ہمارے لئے تسلی بخش ہے اور ہم جانتے ہیں کہ آخرکار آپ ہمارے مقصد کی تکمیل کرنے میں بہترین معاون ثابت ہوں گے۔ ٹیپ ختم ہو گیا تو اس شخص نے اسے اٹھا کر واپس جیب میں رکھ لیا اور پھر بولا۔

''میں جانتا ہوں کہ لمحہ لمحہ دشمن ہماری نگرانی کر رہا ہے' لیکن مسٹر ڈارون نے آپ پر بھرپور بھروسہ کیا ہے۔ اب میں آپ کو ان چیزوں کے بارے میں بتائے دیتا ہوں۔ یہ تین بٹن بظاہر معمولی سے بٹن ہیں۔ آپ اپنے لباس میں انہیں کسی بھی وقت اس طرح لگا سکتے ہیں۔ یہ نمایاں نہ ہوں تو کوئی شخص کبھی بھی شک نہیں کر سکے گا' کیونکہ یہ صرف ڈیکوریشن بٹن محسوس ہوں گے' لیکن درحقیقت یہ انتہائی مہلک اور طاقتور بم ہیں اور اس طرح یہ دوسری چیزیں بھی بظاہر آپ کو معمولی سی پنسل ٹارچ نظر آنے والی چیز دکھائی دے رہی ہے' لیکن اس کا یہ بٹن دبا کر دیکھئے' جس دیوار کی طرف رخ کر کے اس کا بٹن دبائیں گے وہ کم از کم تین فٹ کی گولائی میں اپنی جگہ چھوڑ دے گی اور چیتھڑے چیتھڑے ہو جائے گی۔ براہ کرم اس کا یہاں تجربہ نہ کیجئے گا' اسی طرح کی یہ دو چیزیں اور ہیں۔ یہ آپ کی حفاظت کیلئے بہت ضروری ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی بیلٹ ہے' جسے آپ اپنے جسم کے کسی بھی حصے پر باندھ سکتے ہیں اور یہ دوسری چیزیں اس میں محفوظ ہو سکتی ہیں۔ اس نے ایک بیلٹ نکال کر میرے سامنے کرتے ہوئے کہا' پھر بولا۔

''مسٹر ڈارون نے یہ چیزیں آپ کو کسی بھی ایمرجنسی کیلئے استعمال کیلئے بھیجی ہیں۔ آپ براہ کرم ان سے فائدہ اٹھائیے۔ مجھے یہ ساری چیزیں بڑی دلچسپ محسوس ہوئی تھیں' لیکن ظاہر ہے

میں فوری طور پر ان کا تجربہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس شخص نے کہا۔

''میرے لئے اور کوئی حکم ہو تو فرمائیے۔ ناشتہ بالکل بے ضرر ہے۔ ان چیزوں کو اپنی حفاظت میں لے لیجئے گا۔ وہ نہایت ادب سے مجھ سے بات کر رہا تھا۔ میں نے بہرحال اس کی باتوں کو تسلیم کیا' اور اس کے بعد وہ واپس چلا گیا تو میں اچنبھے سے ان تمام چیزوں کو دیکھنے لگا۔ واقعی بہت کمال کی چیزیں تھیں۔ اس کے بعد میں نے موقع کی نزاکت کو ذہن میں رکھتے ہوئے انہیں اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ وہ بٹن سب سے زیادہ خوشنما تھے۔ انہیں میں نے اپنی جیب پر لگا لیا اور کسی کے فرشتوں کو بھی شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ صرف یہ ایک آرائشی بٹن نہیں ہیں' پھر ان بٹنوں کا ایک اور استعمال میرے علم میں آیا۔ اس وقت جب میں ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو چکا تھا اور ان تمام چیزوں پر غور کر رہا تھا۔ اچانک ہی ایک بٹن کا رنگ سرخ ہو گیا اور میں حیرت سے چونک پڑا' لیکن چند ہی لمحات کے بعد اس کے اوپر کا ڈھکن کا اوپر اٹھ گیا اور پھر اس سے ایک آواز ابھری۔

''ہیلو...... ڈیئر تیمور کیسے ہو؟'' میری آنکھیں حیرت سے پھٹ گئی تھیں۔ بٹن کا ڈھکن اٹھا تھا تو اس کے اندر سے ایک مشینری نظر آئی تھی۔ ''حیران نہ ہوں یہ ایک بہت ہی جدید ترین ٹرانسمیٹر ہے۔ جس سے میرے اور تمہارے درمیان رابطہ رہے گا۔ اس کے اوپر نیچے دو سپیکر لگے ہوئے ہیں۔ درمیان میں یہ جو کالا شیشہ نظر آ رہا ہے یہ کیمرہ ہے۔ میں اس وقت تمہارے کمرے میں بھی دیکھ رہا ہوں اور تمہاری صورت بھی لیکن افسوس تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔''

''مسٹر ڈارون؟''

''ہاں......''

''یہ تو بڑی کمال کی ایجادات ہیں۔ مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ یہ تینوں ہلکے بم ہیں۔''

''بالکل ایسا ہی ہے' لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کی مشینری میں اور بھی بہت کچھ ہے۔ جیسا میں نے تمہیں بتایا۔''

''ہاں...... واقعی یہ تو بڑی عجیب چیزیں ہیں۔''

''ضرورت کے تحت اس طرح کی چیزیں تمہیں ملتی رہیں گی۔ ہماری تنظیم کا ایک سائنس ڈیپارٹمنٹ بھی ہے جو ہم لوگوں کیلئے اس طرح کی ایجادات کرتا رہتا ہے۔''

''جی۔''

''تو تمہیں پورٹ ہنی کے بارے میں تھوڑی بہت تو بتا دی گئی ہوں گی۔ مزید کچھ رپورٹ مجھ سے لو۔ ابھی تمہیں مصر ہی میں رہنا ہے اور یہیں اپنے سارے کام سرانجام دینے ہیں۔ میں تمہارے سپرد جو ذمہ داری کر رہا ہوں' اس کے پس منظر میں بھی ناصر حمیدی ہی ہے۔ تمہیں بہت احتیاط سے اپنے کام کرنے ہیں اس لئے کہ مصر میں اس کے اثر رسوخ بہت زیادہ ہیں۔ ویسے تو وہ آدھی سے زیادہ دنیا میں اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہے' لیکن چونکہ خود مصری نژاد ہے' اس لئے یہاں اس کے

اختیارات بہت زیادہ ہیں' پھر اس کے بعد ڈارون مجھے میرے آئندہ کے اقدامات کی ہدایت دیتا رہا۔ کافی دیر تک اس سے گفتگو رہی اور میں نے ذہنی طور پر اپنے آپ کو اس کی ہدایات کے مطابق کام کرنے کیلئے تیار پایا۔ میرے اور اس کے درمیان گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور اب مجھے اس کی ہدایت کے مطابق کام کرنا تھا۔ جس کو کرنے کیلئے میں بخوشی تیار تھا۔ بے شک عصرانی مر چکا تھا' لیکن پھر بھی ابھی بہت سے کام تھے' جو اس سلسلے میں کرنے تھے اور آخر کار میں نے اپنے آپ کو اس کیلئے تیار کر لیا۔

بڑے شاندار پوائنٹس تھے' جن پر مجھے کام کرنا تھا اور اس کے بعد میں تیار ہو گیا۔ مجھے ایک شخص کے بارے میں ہدایت کی گئی تھی' جس سے مجھے پورٹ ہنی میں ملنا تھا اور یہ شخص ایک طرح سے یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ میرا نیا ساتھی اور معاون تھا اور اس کا نام حمادی تھا۔ حمادی بھی مقامی باشندہ تھا اور اسی تنظیم ہی کا ایک کارکن۔ بہرحال میں تیار ہو گیا اور اس کے بعد وہ کار بھی مجھے فراہم کر دی گئی' جس سے مجھے قاہرہ سے پورٹ ہنی تک کا سفر کرنا تھا۔ آج کل موسم گرما چل رہا تھا اور مصر کے اطراف ریگستانوں سے بھرے ہوئے تھے' لیکن بہرحال تمام تر تیاریاں کرنے کے بعد میں پورٹ ہنی چل پڑا۔

شاندار کار ریگستان کے درمیان سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی چوڑی پختہ سڑک پر فراٹے بھرتی ہوئی جا رہی تھی۔ اب تک راستے میں کسی نے روک ٹوک نہیں کی تھی۔ اندازے کے مطابق مجھے شام ڈھلے تک پورٹ ہنی تک پہنچنے کی پوری توقع تھی۔ جگہ جگہ مختلف سرکاری عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ ان میں مختلف کام ہو رہے تھے۔ اہرامین تو مصر کی سرزمین کا حصہ تھے۔ اچانک ہی اس طرح نمودار ہو جاتے تھے کہ انسان کی توقع سے بھی باہر ہو۔ پہلا مسئلہ پیش آیا' اور مجھے پتہ تھا کہ مجھے اس مسئلے میں کیا کرنا ہے۔ حالانکہ مجھے اتنی معلومات فراہم نہیں کی گئی تھیں' لیکن یہ بتا دیا گیا تھا کہ اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو ختم کرنا میری ذمہ داری ہے۔ میں نے سڑک پر ایک جگہ ایک فوجی کو مشین گن لئے کھڑے ہوئے دیکھا۔ اس سے کوئی سو گز دور دو فوجی اور کھڑے ہوئے تھے۔ اس تنہا فوجی نے تو مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ ان دو فوجیوں میں سے ایک فوجی بھاگ کر سڑک کے دوسری طرف آ گیا اور دونوں نے مجھے بیک وقت رک جانے کا اشارہ کیا۔ بائیں ہاتھ پر ایک ریتیلی جگہ ایک فوجی ٹرک کھڑا ہوا تھا جس میں کئی فوجی نظر آ رہے تھے' اور کچھ فاصلے پر ایک سیڈان کار کھڑی ہوئی تھی' جس کے قریب ایک فوجی افسر ڈرائیور کی نشست پر سر ڈالے کسی سے بات کر رہا تھا۔ میں نے اطمینان کے انداز میں کار روک دی تو پہلے فوجی نے مجھ سے سوال کیا۔

''اسلحہ ہے تمہارے پاس؟''

''نہیں جناب!'' میں نے فوراً جواب دیا۔

''براہ کرم آپ نیچے اتر آئیے۔'' وہ فوجی بولا' اور میں نے ایک شریف انسان کی حیثیت

سے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور اتر کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں کار کی تلاشی لینے لگے۔ وہاں کچھ ہوتا تو ملتا۔ میرا محافظ ریوالور ہولسٹر کے اندر میری بغل کے اندر موجود تھا اور باقی تمام چیزیں بھی میرے پاس موجود تھیں۔ خاص طور سے وہ بٹن جو میرے لئے ایک شاندار کام سرانجام دے سکتے تھے۔ فوجیوں نے کار کی تلاشی لی اور اس کے بعد اس انداز میں پیچھے ہٹ گئے، جیسے میری طرف سے مطمئن ہو گئے ہوں۔ میں خوش اخلاقی سے اس سے اجازت لے کر کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ ابھی میں نے کار کا سیلف لگایا ہی تھا کہ ایک اور افسر لپک کر قریب آ گیا۔

”کیا اس کی تلاشی لے لی؟“ اس نے دونوں ساتھیوں سے پوچھا۔

”کار کی تلاشی لے لی ہے جناب!“

”اور اس کی......؟“

”وہ......وہ......وہ......“

”ٹھیک ہے۔“ اس نے کہا اور پیٹی سے پستول نکال لیا اور پھر اس نے مجھے سیٹ سے پشت لگانے کیلئے کہا۔ میں نے اڑتی ہوئی نظر گردوپیش پر ڈالی اور جوابی کارروائی کیلئے تن کر بیٹھ گیا۔ ایک ہاتھ میں نے دروازے سے باہر لٹکا دیا۔ اس نے آگے کو جھک کر دونوں ہاتھ آگے کی طرف بڑھائے تو میں نے الٹا ہاتھ پوری قوت سے اس کے منہ پر مارا اور میرا ہاتھ اس کی آنکھ پر پڑا۔ وہ تڑپ کر پیچھے ہٹا تو جلدی سے میں نے کار کو گیئر میں ڈال کر پوری رفتار سے اسے آگے دوڑا دیا۔ وہ دونوں فوجی چیختے چلاتے کچھ دور میرے پیچھے دوڑے اور پھر انہوں نے اپنی مشین گنیں سنبھال لیں۔ میری توقع کے مطابق ان کا نشانہ خطا ہوا اور ٹرک میں بیٹھا ہوا ایک فوجی وہیں ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اپنی کار سڑک کے قریب روکی اور پھرتی سے ڈرائیونگ کا دروازہ کھول کر اس کے نیچے رینگ گیا۔ میں نے لائن آف ایکشن تیار کر لی تھی اور پہلے سے سوچ لیا تھا کہ اگر میرے ساتھ کوئی سختی ہوئی تو مجھے کیا کرنا ہے۔ نیچے زمین پر لیٹے ہی میں نے پھرتی سے اپنے بدن کو جنبش دے کر آگے بڑھایا اور پھر میں نے اپنے ریوالور سے ان پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ وہ اپنے بچاؤ کیلئے ادھر ادھر بھاگنے لگے، لیکن میرا رخ اس سیڈان کار کی طرف تھا اور لمحوں کے اندر میں اس کار کے پاس پہنچ گیا، پھر میں نے اس کا اگلا دروازہ کھولا۔ ڈرائیور کی سیٹ پر ایک لڑکی کو دیکھا۔ میں نے ریوالور اس کی پسلی سے لگا کر اسے کار چلانے کو کہا اور خود جلدی سے اس کے برابر بیٹھ گیا۔ لڑکی نے کسی قدر خوفزدہ انداز میں مجھے دیکھا۔

”جلدی کرو کیوں زندگی کھونے کو تیار بیٹھی ہو۔ تمہارے منہ پر ایک لات مار دوں گا اور نیچے جا گرو گی۔ کار تو میں چلا ہی لوں گا۔“ میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ لڑکی نے لحظہ بھر کو وحشی شیرنی کی طرح خوفزدہ انداز میں میری طرف دیکھا اور پھر جلدی سے سیڈان سٹارٹ کر کے ایکسیلیٹر دبا دیا اور کچھ ہی لمحوں کے بعد کار سڑک پر آ گئی۔ پیچھے سے گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی، لیکن ٹرک

میری کار میں پیچھا کیا جانے کا فوری امکان نہیں تھا۔ لڑکی کے ہاتھ سٹیئرنگ پر تھرتھر کانپ رہے تھے۔ میں نے اس کا بغور جائزہ لیا۔ کافی حسین نوخیز لڑکی تھی۔ چہرے کے نقوش اور سیاہ لمبے بالوں کی وجہ سے مقامی ہی نظر آتی تھی اور بیش قیمت لباس سے بڑے گھرانے کی لگتی تھی۔

”کیا نام ہے تمہارا بے بی؟“ میں نے بڑے پیار سے اس سے پوچھا۔

”سونیا......“ اس کے حلق سے کپکپاتی ہوئی آواز نکلی۔

”کہاں رہتی ہو؟ میرا مطلب ہے کس شہر میں۔“ میں نے پوچھا۔ اس نے جواب نہیں دیا۔

”اس فوجی اڈے پر کیا کرنے آئی تھیں؟“ میں نے دوسرا سوال کیا، لیکن اس نے مجھے جواب نہیں دیا تھا۔ ”دیکھو میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ بس کار کی رفتار کم نہیں ہونی چاہئے یہ دیکھو...... میں یہ اپنا پستول واپس رکھ رہا ہوں۔“ میں نے یہ کہہ کر پستول ہولسٹر میں رکھ لیا اور پھر اس سے کہا۔ ”چلتی رہو......چلتی رہو۔ سب سے پہلی بستی کون سی آئے گی؟“۔

”شیوانہ۔“ وہ آہستہ سے بولی۔

”پیچھے دیکھو کیا ہمارا پیچھا کیا جا رہا ہے؟“ میں نے سوال کیا اور لڑکی عقب نما آئینے میں دیکھنے لگی، پھر بولی۔

”ہاں۔“

”اوہ......“ میں نے بھی سر پیچھے موڑ کر دیکھا۔ ایک کار ہمارے تعاقب میں چلی آ رہی تھی۔ اس کا فاصلہ کافی تھا۔

”کار روک دو۔“ میں نے کہا۔

”کیا......؟“ وہ بوکھلا کر بولی۔ شاید وہ سمجھ رہی تھی کہ میں پیچھے آنے والی کار والوں سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔

”جلدی کرو۔“ میں نے شدید غصے کے عالم میں کہا اور اس نے کار روک دی۔ میں نے فوراً ہی عقبی طرف کا دروازہ کھولا اور بھاگ کر دوسری طرف آ گیا۔ لڑکی کو میں نے زور سے برابر کی سیٹ پر دھکا دیا اور وہ جلدی سے دوسری طرف پہنچ گئی۔ میں سٹیئرنگ پر بیٹھا اور میں نے کار چلا دی، اور اس کے بعد ظاہر ہے کار کی رفتار بڑھ جانی چاہئے تھی۔ میں ایکسیلیٹر دبائے جا رہا تھا اور کار طوفانی فراٹے بھر رہی تھی، لیکن اچانک ہی سامنے سے ایک سیاہ رنگ کی کار نمودار ہوئی اور سڑک کے درمیان کھڑی ہو گئی۔ یہ صورتحال انتہائی خوفناک تھی۔ آگے کار، پیچھے کار۔ ادھر میری کار کی رفتار آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ اگر میں اسے کچے میں ڈالتا تو اس کے الٹ جانے کا خطرہ تھا۔ اچانک ہی مجھے داہنی سمت ایک سڑک اس سڑک سے اترتی ہوئی نظر آئی اور اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں کار کو پھرتی سے اس سڑک پر اتار دوں۔

یہ بالکل اتفاقیہ بات تھی، ورنہ سچی بات ہے کہ میرے پاس کوئی طریق کار نہیں رہا تھا۔ میں

نے کار تھوڑی سی آگے بڑھائی تھی کہ ایک دم یوں لگا کہ جیسے سڑک کا کام ہو گیا ہو۔ میرے حواس ساتھ چھوڑنے لگا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سڑک مکمل نہ ہوئی ہو اور آگے جا کر ختم ہو گئی ہو۔ اگر ایسا ظاہر ہے کہ کار کے ٹکڑے ہو جائیں گے لیکن تھوڑا سا اور آگے بڑھا تو سڑک نیچے جاتی ہوئی نظر اور میں نے سکون کی سانس لی۔ آگے ڈھلان تھا' جس میں سڑک گم ہو گئی تھی' لیکن ڈھلوان اختتام پر ایک باقاعدہ آبادی نظر آ رہی تھی۔ یہ ایک اچھا موقع تھا جو مجھے ملا تھا۔ ویسے بھی اب شا گئی تھی اور بتیاں آہستہ آہستہ روشن ہوتی جا رہی تھیں' جو کوئی بھی شہر تھا کافی گنجان لگتا تھا۔ مکا ایک دوسرے سے لگے ہوئے تھے' لیکن سڑکیں کشادہ تھیں۔

جیسے ہی میں نے کار اس طرف ڈالی تھی پیچھے سے آنے والی کار اور آگے والی کار بھی سی ہو کر اس کار کے پیچھے چل پڑی تھی' لیکن اب مجھ پر ہاتھ ڈالنا مشکل کام تھا۔ چنانچہ میں نے دو طرف مکانوں والی سڑک پر کار روک دی۔ اگر میں ان لوگوں کی نگاہوں سے چھپنے کی کوشش کر ایک عذاب مول لے لیتا' چنانچہ میں پھرتی سے پچھلی طرف سے کار کے نیچے گھس گیا۔ چند سیکنڈ بعد سامنے سے سیاہ رنگ کار آئی اور نکڑ پر کھڑی ہو گئی۔ پانچ ہی منٹ کے بعد پیچھے رہنے والی کار گئی اور ہماری کار کے پیچھے رک گئی۔ اس کار سے تین آدمی نیچے اترے تھے اور پھرتی سے آ بڑھے۔ اس وقت ان کے چہرے تو نظر نہیں آ سکتے تھے' لیکن ان کے پاؤں نظر آ رہے تھے۔ تی سادہ لباس میں تھے اور ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے لمبے فوجی بوٹ پہن رکھے انہیں کار سے اترتا دیکھ کر سیاہ کار سے بھی تین آدمی اترے اور اس کے بعد تلاشی لینے لگے۔ وہ لو غالباً اس لڑکی سے باتیں کر رہے تھے۔ ان کا لہجہ تحکمانہ تھا اور دونوں مقامی زبان میں باتیں کر ر تھے' پھر وہ لوگ ان مکانوں کی طرف دوڑ گئے جو آس پاس نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے چیخ و پکار مچا رکھی تھی اور مکانوں کے آس پاس سے مقامی لوگ لمبے لمبے لبادوں میں ملبوس جمع ہوتے جا ر تھے۔ وہ مکانوں میں مجھے تلاش کر رہے تھے۔ کسی کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ میں کار کے چھپا ہوا ہوں۔ بہرحال صورتحال کا فائدہ اٹھا کر میں سرکتے سرکتے کار کے نیچے سے نکلا۔ اس طر کوئی نہیں تھا۔ سب لوگ ہماری اور کالے رنگ کی کار کے گرد پھیلے ہوئے تھے۔ میں ایک لمحے تک سوچتا رہا' اور اس کے بعد اپنی جگہ سے اٹھا اور ٹہلنے کے انداز میں پیچھا کرنے والی کار کی طرف بڑھا

اچانک ہی مجھے اسی لڑکی کی آواز سنائی دی' جس نے کار ڈرائیو کی تھی۔ وہ رہا...... وہ رہا یہ آواز تیر کی طرح میرے کانوں میں اتری تھی اور اس کے بعد میرے پاس اس کے علاوہ اور کو چارہ کار نہیں تھا کہ اپنی جان بچانے کیلئے بروقت وہ بٹن استعمال کروں' جو مجھے خاص طور سے د گئے تھے اور جن کی تعداد تین تھی۔ میں نے پھرتی سے ایک بٹن اپنے لباس سے نکالا اور اپنے کرنے والی کار میں پھینک کر بھاگ کھڑا ہوا۔ صرف ایک یا ڈیڑھ سیکنڈ لگا تھا۔ اس کے ساتھ بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز کے ساتھ ایک انتہائی خوفناک دھماکہ ہوا اور چیخ و پکار کے ساتھ بھگ

مچ گئی۔ میں نے بھاگنے کے بجائے چلنا شروع کر دیا تھا۔ بازار کھلے ہوئے تھے اور سڑکوں پر کافی آمدورفت تھی۔ حیرت کی بات تھی کہ ڈارون کے فراہم کیے ہوئے اس انوکھے اسلحے کے استعمال کا فوراً ہی وقت آ گیا۔

ایک چھوٹے سے بٹن کی اس قدر تباہ کاری بھی میرے تصور میں نہیں تھی۔ بہرحال اب میں نے لوگوں کو جائے حادثات کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں پُراطمینان انداز میں چل رہا تھا' پھر میں نے ایک طرف دیکھا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ کافی فاصلے پر مجھے سڑک کے کنارے ایک ٹیلی فون بوتھ نظر آیا تھا۔ ڈارون نے مجھے حمادی کے ٹیلی فون نمبر بھی دیئے تھے۔ میں نے حمادی کو وہاں سے فون کیا اور کہا۔

''مسٹر حمادی کیا یہ آپ بول رہے ہیں؟''

''کون صاحب!''

''میں نے پوچھا کیا آپ مسٹر حمادی بول رہے ہیں۔''

''ٹائیگر کے نام سے آپ کو روشناس کرایا گیا ہو گا۔ میں ٹائیگر ہوں اور مجھے آپ کی فوری مدد چاہیے۔ زمانہ قدیم کی سب سے انوکھی تھیوری' جس شخص نے پیش کی' اس نے مجھے آپ کے بارے میں تفصیل بتائی تھی۔''

''کس نمبر پر فون کروں تمہیں؟ اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا اور میں نے ٹیلی فون کے کارڈ پر لگا ہوا نمبر اسے بتایا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

''یہ سب طے شدہ پروگرام کے تحت تھا۔ میں انتظار کرتا رہا اور پھر چند ہی لمحات بعد فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

''ٹائیگر۔''

''ہیلو...... حمادی کیا تم اپنے اطراف سے اچھی طرح واقف ہو؟''

''''نہیں مسٹر حمادی۔''

''ٹھیک ہے تم ایسا کرو جس جگہ تم موجود ہو' اس جگہ کی سچویشن بتاؤ۔ ویسے میں جہاں تک ٹیلی فون نمبر کے حوالے سے معلومات حاصل کر چکا ہوں تو یہ جگہ این اسکولٹر کہلاتی ہے۔ چھوڑو اگر تم اس جگہ ہو تو یہ بتاؤ کہ کیا سامنے بلیو لائٹ ریسٹورنٹ موجود ہے۔''

''بلیو لائٹ۔'' میں نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک جگہ مجھے بلیو لائٹ کا نیون سائن نظر آ گیا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔''

''ٹھیک ہے یہاں سے نکل کر دو بلاک جاؤ گے تو تمہیں ایک سفید رنگ کی بلڈنگ نظر آئے گی۔ اس پر گرین ولاز کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ اندر جانے کا راستہ دائیں طرف چل کر چند قدم ہے۔

سیدھے اندر چلے جانا۔ وہاں تمہیں ایک اکیڈمی نظر آئے گی۔ جس پر گرین اکیڈمی لکھا ہوا ہے۔ اُ اکیڈمی میں تمہیں ایک انسپکٹر جس کا نام شیمونہ ہے ملے گی' اس سے کہنا کہ تمہیں حمادی نے بھیجا ہے۔"

"لیکن مسٹر حمادی!"

"پلیز جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔"

"اوکے!" میں نے کہا اور ٹیلی فون آفس سے باہر نکل آیا۔ ابھی میں چند ہی قدم چلا تھ سڑک کے اس پار ایک سٹور پر نظر پڑی۔ ایک دراز قد اور میلے کپڑوں والا آدمی سٹور سے نکلا اور پاتھ پر چلنے لگا۔ میں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی' لیکن ایک بلاک تک وہ میرے ساتھ چلتا ر میں ذرا چونکا اور پھر میں ایک سٹور میں داخل ہو گیا۔ وہاں سے میں نے ایک شیونگ کریم اور وغیرہ خریدا اور جب میں باہر نکلا تو وہ ایک مخالف فٹ پاتھ پر ایک سٹال کے سامنے کھڑا ہوا جب میں آگے بڑھا تو وہ بھی چل پڑا۔ دوسرا بلاک پار کر کے میں ملبوسات کے ایک شوکیس کے رکا اور چور نظروں سے اسے دیکھا تو وہ بھی جو ایک شوکیس کی طرف رخ کیے کھڑا ہو گیا تھا۔ اب کوئی شک نہ رہا کہ وہ میرا پیچھا کر رہا ہے۔ سامنے ہی سفید رنگ کی بلڈنگ نظر آ رہی تھی' لیکن ا ایسے شخص کا پیچھا کرنا مجھے اس بلڈنگ میں داخل ہونے سے روک رہا تھا۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا مجھے کیا کرنا چاہئے کہ ایک کار اس آدمی کے قریب آ کر رکی اور اس میں سے ایک شخص دروازہ کھول باہر نکل آیا۔ یہ ایک بہترین موقع تھا کیونکہ یہ شخص اس شخص کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ میں پھرتی سے دوڑتا ہوا ایک سمت ایک گلی میں مڑ گیا اور اس گلی سے نکل کر اس سفید رنگ کی عمارت میں جس کا گیٹ تو دوسری جانب تھا' یعنی ادھر جہاں سے مجھے اندر داخل ہونا تھا لیکن گلی میں اسی سفید عمارت کا ایک چھوٹا گیٹ نظر آ رہا تھا جو لوہے کا تھا۔ میں اس میں سے اندر داخل ہوا تھا تو سامنے پتھر کے ز نظر آئے' جن کے اختتام پر ایک راہداری شروع ہو جاتی تھی۔

راہداری جہاں ختم ہوتی تھی وہاں لکڑی کا ایک زینہ تھا۔ میں نے اس پر قدم رکھا ہی تھا باہر کا آہنی گیٹ کھڑکھڑایا۔ میں نے جلدی سے آدھا زینہ طے کیا اور رک گیا۔ وہی میلے کچیلے کپڑ والا آدمی راہداری میں آ گیا تھا۔ میں دیوار سے لگ کر اس کے زینے پر آنے کا انتظار کرنے لگا میں نے دیکھا وہ وحشت زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا ہے۔ پتہ نہیں یہ احساس اس کمبخت کو ک ہوا کہ میں اس عمارت میں گھس آیا ہوں' لیکن جگہ ایسی تھی کہ میں چھپ بھی نہیں سکتا تھا اور ایک لمحے کے اندر جب وہ میرے قریب پہنچا تو وہ مجھے دیکھ کر چونک پڑا۔ اس نے برق رفتاری سے سے چاقو نکال لیا اور زینے پر اس طرح سے قدم رکھا جیسے مجھے مرغی کی طرح ذبح کر ڈالے گا' ظاہر ہے اب اس نے مقابلے کیلئے مجبور کر دیا تھا۔ چنانچہ میری ٹھوکر اس کی ٹھوڑی پر پڑی۔

اس غیر متوقع حملے سے اس کی سٹی گم ہو گئی۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے میں نے اس کے ہا

پر لات رسید کی اور چاقو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا' البتہ میں یہ فیصلہ کرنا چاہ رہا تھا کہ میں اس کا کیا علاج کروں۔ اگر وہ بھاگ جاتا ہے تو نجانے کس کس کو بتا دے گا کہ میں کہاں ہوں اور اگر اسے ختم کر دوں تو معاملہ خراب ہو جائے گا۔ اچانک میں نے اس کے ہاتھ میں دوسرا چاقو دیکھا۔ گویا وہ پوری تیاری کر کے آیا تھا۔ میں نے پھرتی سے نیچے اتر کر اس کی کلائی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے اس کا سر پکڑ کر دیوار سے ٹکرا دیا۔

مجھے قطعاً یہ احساس نہیں تھا کہ یہ ضرب اتنی کاری ہو گی۔ اس کا سر سینے پر جھک گیا تو میں سمجھا کہ اسے چوٹ سخت آئی ہے' لیکن اسے گرتے دیکھ کر فوراً ہی یہ اندازہ ہوا کہ وہ مر چکا ہے۔ اب ایک اور مشکل آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی لاش کا کیا کیا جائے۔ گیٹ سے باہر تو پھینک نہیں سکتا تھا۔ وہاں بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ آخر کار ایک ترکیب سوجھی۔ اس کا بازو پکڑا اور گھسیٹتا ہوا اوپر کی منزل پر لے چلا۔ پہلی منزل پر زینے کے بلب کے سوا پورا اندھیرا اور سناٹا تھا۔ اس منزل پر غالباً دفاتر تھے' جو سر شام سے ہی بند ہو جاتے تھے' پھر میں لاش کو گھسیٹتا ہوا دوسری منزل پر پہنچا تو وہاں بھی دروازے سے صرف ایک روشنی اور موسیقی کی آوازیں آ رہی تھیں اور اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ ہی وہ جگہ ہے جہاں مجھے آنا ہے۔ میں نے لاش کو تیسری منزل پر لے جانے کیلئے بڑی مشقت کی۔ اوپر پہنچا تو وہ کھلی چھت تھی اور چاروں طرف بلڈنگوں میں روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ نیچے جھانک کر دیکھا تو گیٹ سے کچھ فاصلے پر کار کے قریب تین آدمی کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک وہ ہی تھا' جو کار سے نیچے اترا تھا۔ میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ لاش کو ایک کونے میں ڈالا اور اتر کر میوزک کلاس کی جانب چل پڑا۔

دروازہ کھولنے پر پندرہ بیس چھوٹی چھوٹی لڑکیاں' چھوٹے گدے دار سٹولوں پر بیٹھی ہوئی نظر آئیں۔ ایک نوعمر لڑکی پیانو بجا رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے ہاتھ روک لیا۔ ساری لڑکیاں سر گھما کر مجھے دیکھنے لگیں۔ میں آگے بڑھا اور پیانو بجانے والی لڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن اس وقت ایک آواز نے مجھے مخاطب کیا۔

"ہیلو...... ہیلو ادھر دیکھو۔" میں نے آواز کی طرف سر گھمایا تو داخلی دروازے پر ایک بہت ہی خوب صورت صحت مند مصری عورت بہت دلکش انداز سے کمر پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔

"کیسے آنا ہوا؟" اس نے کہا۔

"مس مجھے آپ ہی کے پاس آنا تھا۔ معافی چاہتا ہوں لیکن آپ تنہائی میں مجھے تھوڑا سا وقت دیں تو میں آپ کا شکریہ ادا کروں گا۔"

"آؤ......" یہ کہہ کر وہ واپس اسی دروازے کی طرف مڑ گئی۔ جس سے برآمد ہوئی تھی۔ میں فوراً دروازے کے پیچھے پہنچ گیا۔ ادھر ایک آفس روم تھا جو خاصا چھوٹا تھا۔ نہ اس میں کوئی کھڑکی تھی نہ روشن دان۔ فرنیچر کے نام پر وہاں ایک پرانی میز' کرسی اور ایک الماری ہی رکھی تھی۔

''ہاں بولو...... کیا بات ہے؟'' اس نے کھڑے کھڑے کہا۔

''مجھے مسٹر حمادی نے بھیجا ہے۔ انہوں نے مجھ سے آپ کے بارے میں کہا تھا اور یہ کہ مجھے چھپنے کیلئے جگہ درکار ہے۔ میرے جان کے لاگو دشمن بلڈنگ کے باہر کھڑے ہیں۔

''حمادی......'' وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولی' پھر فوراً ہی اپنی جگہ سے ہٹی اور اس نے الماری کھولی۔ اس سے ایک لمبا چوغا اور خاص قسم کا مصری اقال باہر نکالا اور اسے میری طرف اچھالتے ہوئے بولی۔ ''فوراً یہ لباس تبدیل کرلو۔ اپنے کپڑے اتار دو۔ فوراً اگر تم نے ایک منٹ دیر کی تو ذمہ دار خود ہو گے۔''

''میرے کپڑے۔''

''مل جائیں گے تم دیر کر رہے ہو۔ میں رخ تبدیل کر لیتی ہوں یا ٹھہرو میں دوسرے کمرے میں جا رہی ہوں۔ وہ اسی کمرے سے متصل ایک اور کمرے میں داخل ہو گئی۔ اس کے علاوہ اور چارہ کار نہیں تھا کہ میں یہ مصری طرز کا لباس پہن لوں۔ میں نے اپنا لباس اتارا اور اپنے سر پر رو وغیرہ باندھ لیا۔

''گڈ...... آؤ۔ میرے ساتھ۔'' اس نے کہا اور اس کے بعد مجھے یہاں سے نکال کر دو سمت لے گئی۔ یہاں ایک تنگ و تاریک راہ داری نظر آ رہی تھی۔ اگر کمرے کے بلب کی روشنی ا نہ پڑتی تو جاننا ہی مشکل تھا کہ کیا جگہ ہے۔

''یہاں سے نیچے اتر جاؤ۔ باہر نکلو گے تو ایک گلی ملے گی' گلی کے آخری سرے پر جا دائیں طرف مڑ جانا۔ تین بلاک کے بعد میرا گھر ہے جس کا نمبر 12 ہے۔ یہ رہی چابی۔ کپڑے لیتی آؤں گی۔'' اس نے چابی مجھے تھما دی۔ بلڈنگوں کے پچھلے حصے سے آنے والی روشنی کافی تھی۔ بلا دقت اس تک پہنچ گیا۔ جب میں سڑک پر آیا تو وہ نسبتاً سنسان تھی۔ نمبر 12 پرانی طرز کا ایک عج سا دو منزلہ مکان تھا۔ اس میں لوہے کے آگے پیچھے دو گیٹ لگے ہوئے تھے اور ان کے درمیان صر دو فٹ کا فاصلہ تھا اور مکمل تاریکی تھی' البتہ تاروں کی روشنی میں چھوٹے سے لان میں لگے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ چابی سے پہلا گیٹ تو کھل گیا' لیکن دوسرا نہ کھل سکا۔ میں جلدی سے اندر جانا چا تھا تاکہ کوئی مجھے دیکھ نہ لے۔ مجھ پر جھنجلاہٹ طاری تھی کہ عقب سے قدموں کی آواز سنائی دی میں چونک کر ایک سمت ہو گیا۔ میرا ہاتھ پستول پر جا پڑا تھا' لیکن پھر میں نے دیکھا کہ وہی بھا بھر کم عورت تھی۔ اس وقت اس کے چہرے پر ایک خوشگوار تاثر نظر آ رہا تھا۔

''تم مجھے میلا کہہ سکتے ہو۔ مجھ سے محبت کرنے والے میرا یہی نام لیتے ہیں۔ لاؤ یہ مجھے دو۔'' میں نے چابی اسے دی تو اس نے اس سے دوسرا گیٹ کھولا پھر بولی۔ ''دروازہ اندر سے کرلو۔'' اس نے پہلے گیٹ کے بارے میں کہا اور تالا لگا دو۔'' میں نے تالا لگایا تو اس نے چابی سے لے لی اور دوسرے گیٹ سے اندر داخل ہو کر دوسری طرف سے اس کا تالا لگا دیا۔

میں اس کی وجہ سمجھ نہیں پایا تھا۔ وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ ''دیکھو تمہیں پناہ دے کر کتنا بڑا خطرہ مول لے رہی ہوں' لیکن اس کس کی کوئی قیمت ہونی چاہئے کیا سمجھے؟'' تمہارا لباس میرے پاس موجود ہے۔ یہ مت سمجھنا کہ میں نے اس میں سے کچھ چرا لیا ہے لیکن معاوضہ تو معاوضہ ہوتا ہے ناں کیا کہتے ہو؟'' اس نے کہا اور پھر ہنس پڑی۔

میں حیران رہ گیا تھا۔ بہت چالباز عورت ہے۔ واقعی میں پنجرے میں بند تھا اور خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا۔ اس نے میری بے بسی کا بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ حالانکہ میں کچھ اور ہی سمجھا تھا۔ میں نے کہا۔

''میرے پاس اس وقت بہت زیادہ رقم نہیں ہے اگر تم وہ معاوضہ چاہتی ہو تو میں تمہیں بعد میں ادا کر دوں گا۔''

''چلو خیر ٹھیک ہے دیکھیں گے' البتہ مجھے تم سے جو بھی ضرورت ہو گی' میں تم سے بغیر کسی تکلف کے مانگ لوں گی۔'' اس نے بھرپور نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ تب پہلی بار مجھے ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوا اور میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس کی اس طلب کا کیا جواب دوں کیونکہ باقی سب کچھ تو ہو چکا تھا' لیکن میں ان راستوں کا راہی نہیں بن سکا تھا۔ اس نے گیٹ کھول دیا اور میں اس کے ساتھ مکان میں داخل ہو گیا۔ دوسری منزل پر صرف ایک کمرہ تھا' لیکن کافی بڑا تھا۔ اس میں بیڈروم' کچن' اٹیچ باتھ سب کچھ ہی تھا۔''

''ہاں جی! اب آپ یہ بتایئے کہ آپ کا حمادی سے کیا تعلق ہے؟''

''وہ اب تک میرے لئے صرف ایک نام ہے۔ میں اس سے اب تک نہیں ملا۔''

''ایک بات بتاؤ گے؟''

''ہاں۔''

''کیا ہو تم......؟''

''مطلب......؟''

''کسی ملک کیلئے کام کر رہے ہو۔ میرا مطلب ہے جاسوس وغیرہ؟'' میں ہنس پڑا اور پھر میں نے کہا۔

''نہیں۔''

''پھر کون ہو تم؟''

''ایک مفرور ہوں' سزا سے بچنے کیلئے ایک فراری مجرم پناہ کی تلاش میں آیا ہوں۔ مجھے حمادی سے ملنے کو کہا گیا تھا۔''

''کیا تمہیں اس بات کا احساس ہے کہ تم پوری طرح میرے قابو میں ہو۔ میں تمہارے ساتھ جو سلوک چاہوں' کر سکتی ہوں۔ میں نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ عجیب عورت تھی اس کی

آنکھوں کی وحشیانہ چمک میں نے خاص طور سے محسوس کی۔ ایک لمحے تک تو میں کچھ فیصلہ نہیں کر سکا لیکن اس کے بعد میں نے آہستہ سے کہا۔

''دیکھو جب تم نے مجھے پناہ دی ہے اور حمادی نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے تو میرا خیال ہے کہ تمہیں میرے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیئے۔''

''اچھے سلوک ہی کی تو بات کر رہی ہوں۔ ہر شخص کی دو ہی طلبیں ہوتی ہیں دولت اور...... اور......'' وہ عجیب سے انداز میں ہنس پڑی' پھر بولی۔ ''آؤ ذرا میرے پاس آؤ۔'' میں دو قدم آگے بڑھا تو اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''دیکھ رہے ہو ادھر۔''

''کیا......؟''

''اس کمرے میں صرف ایک بیڈ ہے' لیکن کتنا بڑا ہے یہ۔ دو افراد آرام سے سو سکتے ہیں اور دیکھو یہ کچن ہے' چلو آؤ کھانا تیار کرنے میں میری مدد کرو۔''

''تم عجیب میزبان ہو' مہمانوں سے اس طرح کے کام کراتی ہو۔''

''فضول باتیں مت کرو۔ میں کوئی میزبان نہیں ہوں۔ میں تو بس۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی' میں بستر پر بیٹھ گیا اور وہ مجھے دیکھتی رہی' پھر بولی۔

''میں کھانا بناتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ کام میں لگ گئی اور پھر کوئی آدھے گھنٹے کے بعد اس نے کمرے کے واحد میز پر سینڈوچز اور کافی رکھ دی اور مجھے کھانے کو کہا۔ ''کھانے کے بعد انسان آرام کرتا ہے کیا سمجھے؟''

''جی۔''

''باہر کی فضا معمول کے مطابق ہے لیکن ایک لمحے کے اندر خراب ہو سکتی ہے۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہی اور اس کے بعد کہنے لگی۔ ''چلو سونے کی تیاریاں کرو۔'' اور خود لباس تبدیل کرنے کیلئے ایک طرف بڑھ گئی' پھر بولی۔ ''تمہارے پاس تو دوسرا کوئی اور لباس ہے ہی نہیں۔ زنانہ لباس پہنو گے؟ میرے کپڑے تمہارے بدن پر فٹ آئیں گے۔''

''نہیں شکریہ میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے کہا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر بستر پر دراز ہو گیا۔ وقت نے عجیب و غریب صورتحال سے دوچار کر دیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ خوفناک عورت نجانے رات کو میرے ساتھ کیا سلوک کرے گی' لیکن بڑی عجیب بات تھی وہ بستر پر لیٹی اور چند لمحوں کے اندر اندر سو گئی۔ جیسے بہت زیادہ تھکی ہوئی ہو اور یہ خاصی دلچسپ صورتحال تھی۔ میں تو کچھ اور سمجھا تھا' البتہ میں جاگتا رہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیئے۔ کبھی کبھی تو دل یہ چاہتا کہ خاموشی سے سب لوگوں سے کنارہ کشی کر کے اپنی اس زندگی میں واپس لوٹ جاؤں۔ ڈارون نے مجھے جو راستہ دکھایا تھا' وہ تھا تو بہت دلکش' لیکن اس میں خطرات بہت زیادہ تھے۔ پہلے ہی مرحلے میں ایک عجیب و غریب عذاب میں گرفتار ہو گیا تھا۔ مجھے نہ جانے کیوں اس وقت آمنہ یاد آ رہی تھی

کیا حسین عورت تھی اور کیا عجیب و غریب لمحات مجھ پر گزرے تھے۔

صحیح معنوں میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ قاہرہ یا مصر فرعونوں کا یہ ملک اور شہر مجھے اپنے آپ سے روشناس کرا رہا تھا۔ میں زرمناس کہاں تھا؟ بہر حال صبح سورج طلوع ہونے سے پہلے میری آنکھ کھل گئی۔ نجانے رات کے کس حصے میں سو گیا تھا۔ وہ میرے برابر میں سو رہی تھی اور بڑی بے فکری سے سو رہی تھی۔ جیسے اسے یہ احساس ہی نہ ہو کہ اس کے قریب ایک غیر آدمی سو رہا ہے۔ میں آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھا اور واش روم میں چلا گیا۔ واش روم سے فراغت حاصل کر کے میں کچن میں گیا۔ کچن میں تمام چیزیں دیکھیں۔ کافی تیار کی اور کپ لے کر دریچے میں جا کھڑا ہوا۔ نیچے ایک چھوٹا سا لان تھا جس کے گرد چھ فٹ کی دیوار تھی۔ سامنے صاف شفاف سڑک تھی جس کے چار مکان اور دکانیں تھیں۔ سارا شہر سویا ہوا لگ رہا تھا۔ دو ایک دودھ سپلائی کرنے والی ویگنیں گزر گئیں۔ میں اس پراسرار میزبان کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ چند ہی لمحوں میں وہ میرے اوپر مسلط ہو چکی تھی اور اس کا عدم تعاون میرے لئے مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔ اس نے رات کو جو رویہ میرے ساتھ اختیار کیا تھا اس سے کم از کم مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ حمادی کے اختیار میں نہیں ہے۔ حمادی نے بے شک مجھے ان حالات سے بچنے کیلئے اس کے پاس بھیج دیا تھا۔ وہ جانتی ہو گی کہ حمادی کس طرح کا انسان ہے اور ان دونوں کے درمیان یقیناً اعتماد کی فضا ہو گی ورنہ حمادی واقعی مجھے یہاں نہ بھیجتا۔

پھر اس نے میرے ساتھ ایسی گری ہوئی حرکت کیوں کی تھی؟ کیا ایسی خصلت کی عورت میرے اور حمادی کیلئے خطرناک نہیں ہو سکتی۔ یہ ساری صورتحال تھی اور اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ مجھے اپنے آپ کو کسی کی تحویل میں نہیں دینا چاہیئے۔ چاہے وہ ڈارون ہو' حمادی ہو' چاہے پھر یہ عورت جو ابھی تک میرے لئے گمنام تھی۔ ایک لمحے کے اندر میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا اور میں نے سوچا کہ ذرا اس کے قرب و جوار کا جائزہ تو لیا جائے' لیکن چند ہی لمحوں کے بعد وہ انگڑائی لے کر اٹھی۔

''ہیلو......''

''صبح بخیر' کیا خیال ہے ناشتے کے بارے میں کیا کہتی ہو؟''

''ناشتہ' سنو میں کوئی دولت مند عورت نہیں ہوں۔ تمہارے پاس کچھ رقم ہو تو میرے حوالے کرو۔''

''ہاں رقم تو میرے پاس ہے اور ایک بات اور کہوں تم سے اور میں یہ ضرور کہوں گا کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ میں نے تم سے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل سچ ہے اگر تم رقم چاہتی ہو تو میں تمہارے لئے اچھی خاصی رقم مہیا کر دوں گا۔''

''ہاں تم یقین کرو وقت نے مجھے یہ ہی سکھایا ہے کہ اپنے ہر کام کی قیمت وصول کرو۔'' اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں اس وقت بھی تمہارے پاس اچھی خاصی رقم مہیا کر دوں گا۔ چلو اب ناشتے وغیرہ کی تیاریاں کرو۔" وہ اٹھی اور باتھ روم میں چلی گئی۔ میں نے اس مختصر وقفے سے فائدہ اٹھا کر میز کی درازیں دیکھ ڈالیں۔ ان میں کچھ بھی نہیں تھا۔ دیوار گیر الماری کے اوپر دوائیں اور ناکارہ چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ بس اس سے زیادہ موقع نہیں مل سکا۔ باتھ روم سے نکل کر اس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور بالوں کو سنوار کر ناشتے کا سامان لینے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد البتہ میں نے الماری کی ایک ایک چیز دیکھ ڈالی۔ ایک پلاسٹک کے چھوٹے سے البم کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر چیز نہ ملی۔ اس البم میں اس کے مختلف پوز تھے۔ ایک تصویر میں وہ ایک بوڑھی عورت کے ساتھ تھی، جو اس کے خدوخال سے ملتی جلتی تھی اور شاید اس کی ماں ہوگی۔ ایک تصویر میں وہ دو آدمیوں کے درمیان کھڑی تھی۔ وہ دونوں درمیانی عمر کے مقامی لوگ تھے۔ ان کے چہروں سے درشتگی اور کرختگی ٹپکتی تھی۔ اس حسین خوبصورت عورت سے ان کا میل نہیں لگتا تھا۔ یہ ہی بات دیکھ کر میں نے ان دونوں آدمیوں کے چہروں کو ذہن نشین کر لیا کہ شاید کہیں ان سے ملاقات ہو جائے۔

پھر میں نے اس کے بیڈ کی طرف توجہ دی اس کے گدے کے نیچے بھی کچھ نہیں ملا۔ اب میری نظر شیلف پر مرکوز تھی۔ جس میں موسیقی کے بارے میں کوئی درجن بھر کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے بہت سی کتابوں کو الٹ پلٹ کیا تو ایک موٹی سی کتاب میں ایک اکاؤنٹ بک ہاتھ لگی اور میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس اکاؤنٹ بک میں اس کے بیلنس میں بہت بڑی رقم تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کوئی معمولی عورت نہیں تھی، لیکن وہ بتا چکی تھی کہ اسے دولت سے محبت ہے۔ بہر حال اس کا مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک مجرمانہ ذہن کی عورت ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق جرائم پیشہ افراد سے بھی ہو۔ اب اس کی شخصیت میرے لئے مزید توجہ کا باعث بن گئی تھی۔

وہ ہاتھوں میں لفافے لے کر لوٹی تو میں بیڈ پر نیم دراز تھا۔ جلدی سے میں نے اس کے ہاتھ سے لفافے لیے اور میز پر رکھے۔ وہ ڈبل روٹی، پنیر اور انڈے وغیرہ لائی تھی۔ اس کے بعد بھی وہ تھوڑی دیر تک ناشتہ کرنے میں مصروف رہی اور پھر ہم ناشتہ کرنے بیٹھ گئے، پھر میں نے اس سے کہا۔

"ایک بات بتاؤ گی؟"

"پوچھو۔"

"یہاں کی سب سے باخبر شخصیت کس کی ہوگی؟" میں نے کافی کا گھونٹ بھر کر کہا۔

"کیا مطلب؟" اس نے بھنویں سکوڑ کر پوچھا۔

"کوئی ایسا شخص جو یہاں کی جگہوں اور لوگوں کو بخوبی جانتا ہو۔"

"ایک ایسا شخص میں اس کے بارے میں بتا سکتی ہوں تمہیں۔" اس نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"بتاؤ......؟"

"یہاں سے تھوڑا سا آگے جا کر سڑک کے کنارے اخبارات اور رسائل کا ایک سٹال ملے گا وہ اس سٹال کا مالک ہے۔"

"کیا نام ہے اس کا؟" میں نے سوال کیا اور وہ چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔

"مگر تم اس کے بارے میں کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"بس ایسے ہی۔ میں تمہیں ساری صورتحال بتا چکا ہوں۔"

"حمادی نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔ تم اپنے رابطے مجھ سے کیوں نہیں رکھتے۔"

"کیا تم مجھے اس آدمی کا نام بتانا پسند کرو گی؟"

"اس کا نام ہیرس ہے۔ دیسی عیسائی ہے۔ بلا کا یادداشت والا انسان ہے۔ ہمیشہ سے یہاں رہتا ہے، بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ اس کے باپ دادا بھی یہیں پیدا ہوئے ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"گڈ...... ہیرس۔" میں نے کہا۔

"ہاں...... ہاں...... ہیرس، ہیرس، ہیرس۔ پتہ نہیں تم کس طرح کے انسان ہو؟"

"چلو ٹھیک ہے لیکن کیا وہ دوسروں کے کام آ سکتا ہے؟"

"ایک بات بتاؤ۔"

"بولو۔"

"وہ پیدائشی اندھا بھی ہے۔"

"کیا......؟"

"ہاں لیکن اس سے پورے مصر کے بارے میں جو پوچھو گے وہ بتا دے گا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر اب مجھے اجازت دو۔"

"اگر حمادی تمہارے بارے میں پوچھے تو؟"

"تو کہہ دینا یہاں سے چلا گیا۔"

"واپس نہیں آؤ گے؟"

"کیا مطلب......؟"

"اگر چاہو تو رات کو سونے کیلئے آ سکتے ہو۔" اس نے کہا۔

"فون ہے یہاں؟"

"نہیں فون نہیں ہے۔ سکول میں البتہ فون ہے اگر تمہیں کہیں سے فون کرنا ہے تو سات کے سکور میں ہے۔"

"ٹھیک، بہت شکریہ! تم نے واقعی میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔" اور جواب میں وہ آہستہ سے ہنس پڑی، پھر بولی۔

''میں جانتی ہوں تم نے میرے بارے میں کیا سوچا ہوگا' لیکن انسان کی سوچیں ہی تو اسے بیوقوف ثابت کرتی ہیں۔''

''میں اس کی بات کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ واقعی یہاں میں اس سے پورا پورا اتفاق کرتا تھا۔ رات کو میں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ایک غلط عورت ہے' لیکن پوری رات وہ میرے ساتھ ایک ہی بیڈ پر سوتی رہی اور اس کے اندر کوئی ایسی تبدیلی نہیں ہوئی۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں سے باہر نکل آیا۔ اس نے چلتے ہوئے مجھ سے کہا۔

''اگر ضرورت محسوس کرو تو آ سکتے ہو' میں تمہیں خوش آمدید کہوں گی۔'' میں اس سے رخصت ہو کر نیچے سڑک پر آیا اور جنرل سٹور کو تلاش کرتا ہوا آگے پہنچ گیا۔ وہاں سے میں نے حمادی کو فون کیا تو اس کی آواز سنائی دی۔

''کون......؟''

''میں تمہیں وہی حوالہ دوں گا' جو میں نے رات کو دیا تھا؟'' میں نے کہا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو تم؟ کون ہو تم؟ میں تمہیں نہیں جانتا۔'' حمادی کی آواز ابھری۔

''کیا آپ مسٹر حمادی بول رہے ہیں؟'' میں نے حیران ہو کر کہا۔

''نہیں میرا نام حمادی نہیں ہے سوری۔'' یہ کہہ کر اس نے فون رکھ دیا اور یہ خیال میرے ذہن میں بجلی کی طرح کوندا کہ اس وقت وہ تنہا نہیں تھا۔ کوئی اس کے پاس تھا ضرور اور اسے اداکاری کرنا پڑی۔ اب میرا اس سے ذاتی طور پر ملنا بالکل مناسب نہیں تھا۔ میں اس عورت کے بتائے ہوئے پتے پر چلتا ہوا وہاں پہنچ گیا جہاں ہیرس کا سٹال نظر آ رہا تھا۔ وہاں اس وقت اخبار اور رسائل قرینے سے رکھے ہوئے تھے اور اس کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر کا شخص آنکھوں پر کالے شیشوں کی عینک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ میں آگے بڑھا تو اس نے دور سے خوش دلی سے ہانک لگائی۔

''خوش آمدید ہر اخبار ر رسالہ موجود ہے۔'' میں نے اس کے ہاتھ میں ایک نوٹ دیا تو وہ اسے ہاتھوں سے ٹٹولنے لگا۔

''یہ تو کافی بڑا نوٹ ہے۔'' اس نے کہا۔

''ہاں۔''

''مگر کوئی اخبار رسالہ اتنی قیمت کا نہیں ہے اور میرے پاس چھوٹے نوٹ بھی نہیں ہیں۔'' اس نے کہا۔

''مجھے اخبار نہیں کچھ اور چاہئے۔'' میں نے آگے جھک کر کہا اور ایک اخبار اٹھا کر اس کی سرخی پڑھنے لگا۔

''کیا چاہئے......؟''

''مجھے معلومات درکار ہیں۔ پتہ چلا ہے کہ تم چلتے پھرتے انسائیکلوپیڈیا ہو۔'' اس نے ہنس کر

اپنے بدنما دانتوں کی نمائش کی اور بولا۔

''کس کا پتہ چاہئے؟''

''حمادی نامی ایک شخص ہے' اس کا فون نمبر میں نے بتایا۔''

''اوہ......اس کا پتہ بتانے کا معاوضہ جانتے ہو کیا ہے؟''

''کیا......؟''

''بیس ڈالر......امریکن ڈالر۔''

''ہوں۔''

''لاؤ......اگر پتہ معلوم کرنا چاہتے ہو تو پیسے دو۔'' اس نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور میں نے اس پر بیس ڈالر کا نوٹ رکھ دیا۔ اس نے ریک کے پیچھے سے ایک بکس نکال کر وہ نوٹ اس کے اندر رکھ دیا اور بکس کو اس کی جگہ رکھ کر بولا۔

''تمہارے دائیں سمت ایک پرانا اسٹوپا ہے۔ بہت ہی پرانا اسے نوادرات کی شکل حاصل ہے۔ اس میں ایک سیاح کی طرح چلے جاؤ اور اچھی طرح اطمینان کر کے کہ کوئی تمہیں دیکھ نہیں رہا اس کے پیچھے چلے جاؤ۔ ادھر ایک پرانی قربان گاہ ہے' جہاں تمہیں ایک خشک حوض ملے گا۔ بچ بچا کر اس میں اتر جاؤ اور مین ہول میں گھس جاؤ۔ وہ مین ہول تمہیں سیدھا حمادی کے مکان کے لان میں پہنچا دے گا۔ ایک بار پھر میرا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جو کچھ وہ بتا رہا ہے وہ مذاق کی حیثیت تو نہیں رکھتا۔ ایسی بھی کوئی جگہ ہو سکتی ہے جہاں اس طرح کی قیام گاہ ہو۔ شاید اس نے میری کیفیت کو بھانپ لیا اور ہنس کر بولا۔

''نہیں وسوسے میں نہ پڑو۔ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور کیسے بول سکتا ہوں میں اور سٹال یہاں برسوں سے لوگوں کی خدمت کر رہے ہیں۔''

''شکریہ ہیرس......اگر تم نے صحیح پتہ بتایا ہے تو میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں۔'' میں نے کہا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

تھوڑے سے فاصلے پر جانے کے بعد مجھے وہ سٹور نظر آ گیا جس کا اس نے مجھے حوالہ دیا تھا۔ میں جب اندر داخل ہوا تو وہاں چند بزرگ آدمی بیٹھ کر خوش گپیوں میں مصروف نظر آئے۔ ان کے سوا وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں تلاش کرتا ہوا اس قربان گاہ کی طرف چل پڑا۔ قربان گاہ کے علاوہ مجھے خشک حوض بھی نظر آ گیا۔ ویسے جگہ بڑی؛ عجیب و غریب تھی' وہاں ایک وحشت برس رہی تھی۔ عمارت واقعی بہت ہی پرانی تھی اور یقینی طور پر فرعونوں کے دور کی ہوگی۔ اس کی اپنی بھی کوئی تاریخ ہوگی۔ وہاں موجود بوڑھے مجھے عجیب و غریب محسوس ہو رہے تھے۔ بہرحال میں ٹہلنے کے انداز میں آگے بڑھتا ہوا خشک حوض کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں آس پاس کوئی چرندہ پرندہ بھی نہیں تھا۔ میں نے ایک لمحے کیلئے ادھر ادھر دیکھا اور اس کے بعد حوض میں اتر گیا۔ وہ صرف میری کمر تک گہرا تھا اور اس کے

عین وسط میں مین ہول تھا۔ میں نے اس کا ڈھکن اٹھایا تو زنگ آلود لوہے کا زینہ نظر آیا اور میں نے اس پر پاؤں رکھ دیا۔ مجھے دس زینے اترنے پڑے۔ مین ہول کیا تھا' ایک اچھی خاصی سرنگ تھی' البتہ مجھے جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔ میں گھپ اندھیرے میں چلتا رہا۔ یہ سرنگ شیطان کی آنت کی طرح لمبی تھی کہ ختم ہونے میں ہی نہیں آتی تھی۔ خدشہ بھی تھا کہ کہیں میرے ساتھ کوئی دھوکہ تو نہیں کیا گیا۔ تاریک سرنگ مجھے موت کے منہ میں تو نہیں لے جا رہی۔ یہ سرنگ ایل کی شکل میں تھی۔ خدا خدا کر کے سامنے ایک دھندلی روشنی نظر آئی اور میری جان میں جان آئی۔ میں قریب پہنچا تو وہ مین ہول کا سرا تھا۔ روشنی اس کے جالی دار ڈھکن سے آ رہی تھی' اور پھر وہی زینے زنگ آلود زینے کے تھے میں نے اوپر چڑھ کر دونوں ہاتھوں سے زور لگایا تو ڈھکن کھل گیا اور میں نے تازہ ہوا میں دو چار لمبی سانسیں لے ڈالیں۔

اب میری طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی۔ باہر نکل کر دیکھا تو ایک وسیع و عریض لان تھا۔ ہر طرف سبز گھاس اور خوشنما پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ قسم قسم کے قد آدم درخت قرینے سے کھڑے ہوئے تھے۔ سامنے ہی نیچے چھتوں کی دو منزلہ عمارت تھی' لیکن اس کے چاروں طرف لوہے کے لمبے گرل لگے ہوئے تھے۔ اس کے اندر جانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ لگتا مکان بھی برسوں سے ویران پڑا ہوا ہے۔ بڑی عجیب و غریب بات تھی۔ بلاشبہ مصر کے بہت اسرار تھے لیکن یہاں اس شہر میں یہ بڑی عجیب و غریب جگہ تھی۔ پورٹ ہنی تھا اس کا نام' میں نے یہ نام سنا بھی نہیں تھا۔

بہر حال میں ادھر ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک آواز میرے کانوں میں گونجی اور میں اچھل پڑا۔

''راستہ پیچھے سے ہے۔ میں نے برق کی طرح گردن ادھر ادھر گھمائی لیکن کوئی نظر نہیں آیا کہ اچانک ہی پھر وہی آواز سنائی دی۔ ''میں نے کہا پچھلے گیٹ سے اندر آ جاؤ' اور سنو میرے لیے پانی لیتے آنا۔ جگ میز پر رکھا ہوا ہے۔ ایک لمحے تک تو میرے جسم کے اندر ایک عجیب سی سنسناہٹ ہوتی رہی۔ وہ جو کوئی بھی ہے' بڑا بے فکر اور عجیب و غریب انسان ہے۔ میرے اس طرح یہاں تک پہنچنے پر اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ مجھ سے پانی منگوا رہا تھا اپنے لئے۔

بہر حال میں مکان کے عقب میں پہنچا تو لوہے کا گیٹ نظر آیا۔ اسے کھول کر میں اندر داخل ہوا تو سامنے کچن تھا۔ بڑا صاف ستھرا اور چمکدار اور میز پر بہت سے حسین برتن رکھے ہوئے تھے ساتھ ہی بڑا سا خوبصورت ایک جگ بھی رکھا ہوا تھا' لیکن اس جگ میں پانی کے بجائے شراب بھری ہوئی تھی۔ گویا اس شخص کا مطلب پانی کے بجائے شراب تھا۔ میں نے جگ اٹھایا اور زینے کی جانب چل پڑا۔

اوپر پہنچا تو ایک کشادہ اور آرام دہ فرنیچر سے آراستہ کمرہ تھا' جس میں ایک طرف دریچوں

کی قطار تھی اور وہیں پر ایک بھاری بھرکم جسم کا مالک طرب ایک دریچے کے سامنے میری طرف پشت کیے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں دوربین تھی اور وہ دریچے سے باہر بڑے انہماک سے دیکھ رہا تھا۔

''پانی آ گیا ہے جناب!'' میں نے قریب جا کر کہا اور شراب میز پر رکھ کر خالی گلاس میں اسے انڈیلا۔

''شکریہ۔'' اس نے ایک ہاتھ سے گلاس اٹھایا اور اسے دو لمبے لمبے گھونٹوں میں خالی کر دیا۔ اس نے پلٹ کر میری جانب دیکھا بھی نہیں تھا۔ دوربین بدستور اس کے دوسرے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی' پھر اس نے ہنستے ہوئے میری جانب رخ کیا اور بولا۔

''ہر ایک کا کوئی نہ کوئی مشغلہ ہوتا ہے مسٹر تیمور! میرا مشغلہ پنچھی دیکھنا ہے لو...... تم بھی دیکھ لو۔'' اس نے ہنستے ہوئے دوربین مجھے تھما دی اور ایک انگلی سے سامنے اشارہ کیا۔ سب کچھ ہی عجیب و غریب انداز میں چل رہا تھا۔ اس سے پہلے کا کردار بھی کون سا کم تھا یعنی عصرانی جو میری نگاہوں کے سامنے مارا گیا اور اس کے بعد ڈارون نے ایک اور نیا کردار میرے سامنے پیش کیا تھا اور جن حالات کا میں شکار ہو گیا تھا' وہ واقعی توقع کے بالکل برعکس تھے۔

ڈارون نے جس طرح مجھے میرے وطن کے ایک علاقے میں ایک شاندار محل دیا تھا وہ تو خیر سچی بات یہ ہے کہ میرے لئے بڑی حیثیت کا حامل تھا' لیکن اس کے بعد یہ جو واقعات پیش آ رہے تھے' انہوں نے میری اور میرے دماغ کی چولیں ہلا دی تھیں۔ مکان کے کھلے دریچے سے سامنے کا منظر دکھائی دیا اور یہ منظر ایسا نہیں تھا' جسے خوشی سے دیکھا جا سکتا۔

''دنیا ہے' پتہ نہیں یہاں کیا کیا کچھ ہو رہا ہے۔ خیر چھوڑو۔ میں تمہیں اپنے بارے میں ایک بات بتا دوں میں ایک بیمار آدمی ہوں۔ میرا سینہ کھوکھلا ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر نے مجھے دمہ اور پھیپھڑوں کا عارضہ بتایا ہے۔ سب ہی مجھ پر ترس کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بے یار و مددگار حمادی کو بے کسی سے نہیں مرنے دیں گے۔ مجھے اس پراسرار جگہ رکھا گیا اور معقول پنشن کے علاوہ ہر قسم کی طبی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ چلو خیر چھوڑو یہ بات بھی ختم کرتے ہیں اور شاید مجھے دورہ پڑنے والا ہے۔ جب تک نہ پڑے میری بات سنو کیا سمجھے؟'' بات صرف اتنی سی ہے کہ میرا ایک مخبر تھا' جس کا نام ڈینی پارک تھا۔ ڈینی پارک بڑے کام کی چیز تھا' لیکن اسے قتل کر دیا گیا۔ آج کیا ہے اسے قتل' اس کے بغیر میں تمہیں فلور اس تک تمہیں پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ فلور اس کے بارے میں جانتے ہو ناں۔''

''نہیں' میں نہیں جانتا۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔ اب تو میرا بھی دل چاہ رہا تھا کہ جوتا اتار کر اپنے سر پر اتنا پیٹوں کہ پھر کچھ سوچنے سمجھنے کی قوتیں باقی نہ رہیں۔ کہاں کہاں کی فضول باتیں میرے علم میں لائی جا رہی تھیں' جن کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس نے کہا۔

''جانتے ہو ڈینی پارک کو کس نے قتل کیا؟''

"کس نے؟"

"پولیس کے ایک دستے نے اسے بری طرح پیٹا اور وہ مر گیا' لیکن میں تمہیں ایک بات بتاؤں وہ پولیس کے دستے نہیں ہیں بلکہ قاتلوں کا ایک گروہ ہے اور اس کا سربراہ رابیل شوری ہے' کون ہے؟ رابیل شوری۔ رابیل شوری بے شمار افراد کا قاتل ہے۔ سرکاری طور پر بھی اسے تحفظ حاصل ہے اور وہ حکومت کیلئے بڑے بڑے کام کرتا رہتا ہے۔ اس نے اپنے جاسوسوں کا جال بچھا رکھا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں' وہ یہ جانتا ہے کہ اسے نہ صرف میرے بارے میں بلکہ تمہارے بارے میں بھی علم ہے۔ یقیناً وہ خاموشی سے تمہارے پیچھے لگا ہوا ہوگا' اور جیسے ہی اسے موقع ملے گا' وہ تمہیں آ دبوچے گا۔"

"تم ڈیپی پارک کے بارے میں بتا رہے تھے۔"

"تم خوفزدہ نہیں ہوئے...... خیر چھوڑو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ وہ فلوراس کا آدمی ہے اور فلوراس کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر حکومت مصر کی طرف سے ایک بڑے انعام کی پیشکش ہے' اس لئے اس نے رابیل کو ایک خاص قسم کا سرٹیفکیٹ دے رکھا ہے۔ کچھ ایسے نشانات کے ساتھ جیسے پانچ کونوں والا ستارہ جس پر فرعون چہارم کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ یہ ستارہ وہ اس شخص کو دے دیتا ہے کہ وہ اسے شہر میں لئے پھرے اور فلوراس کے آدمی اس کے پاس ستارہ دیکھتے ہیں تو اسے گرفتار کر کے فلوراس کے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ اس طرح فلوراس سے ملنے کا متمنی فلوراس تک پہنچ جاتا ہے۔"

"ڈیپی پارک کو کس طرح پکڑا گیا؟" میں نے سوال کیا۔

"کل رات اس نے وہ ستارہ یہاں لانا تھا' جو میں تمہیں دینے والا تھا۔" حمادی نے افسردگی سے کہا۔

"تو تمہیں یہ فکر لگی ہے کہ اس نے رابیل کو سب کچھ بتا دیا ہوگا۔"

"یقیناً یہ ہی بات ہے۔" اس نے کہا اور اچانک ہی اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا تمہارے خیال میں مجھے اس طرح مرنا چاہئے کہ تمہارے ناخن کھینچ لئے جائیں' میرا سر پچکا دیا جائے اور جسم کے سارے بال جلا دیئے جائیں۔ اگر انہوں نے ڈیپی پارک کی زبان کھلوا لی ہے اور ڈیپی پارک نے انہیں بتا دیا ہے کہ مجھے فلوراس کے بارے میں معلوم ہے تو میرا یہ ہی حشر ہوگا۔"

"اور وہ ستارہ اب کہاں ہے؟"

"تم شاید پاگل ہو گئے ہو۔ ایسے حالات میں اس ستارے کے بارے میں پوچھ رہے ہو۔ بیوقوف انسان اگر اپنے آپ پر بہت زیادہ اعتماد ہے تو اس بات کو دل سے نکال دو۔ وہ تمہاری لاش کو بھی اس قابل نہیں چھوڑے گا کہ تمہارے ساتھی تمہیں دفنا سکیں۔"

"ستارہ اب کہاں ہے؟ کیا اس کا جواب دو گے؟"

"میں نہیں جانتا۔ سمجھے میں نہیں جانتا۔" اسی وقت صدر دروازے کی گھنٹی بجی اور اس نے کہا۔ "ملازمہ آ گئی ہے۔ تمہارے پاس یہاں سے نکلنے کیلئے صرف تیس سیکنڈ ہیں' جس راستے سے آئے ہو' اسی سے چلے جاؤ اور ٹھہرو یہ دوربین ساتھ لے جاؤ یہ تمہارے کام آئے گی۔" میری سمجھ میں بات تو نہیں آئی تھی' لیکن میں نے تھوڑی سی تفصیلات اس سے معلوم کیں اور اس کے بعد وہاں سے چل پڑا۔

ان تفصیلات میں ایک شخص ہیلمٹ تھا' جس کے بارے میں اس نے مختصر انداز میں بتایا تھا۔ صحیح معنوں میں میرے دماغ کی چولیں ہلی جا رہی تھیں۔ ایک کے بعد ایک کردار' ایک کے بعد ایک کردار اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کہاں رکوں' لیکن رکنا بے کار ہی تھا۔ وقت خود بخود میرے راستے متعین کر رہا تھا۔ میں اس ہیلمٹ سے ملا۔ چالیس سال کی عمر ہو گی اور وزن تقریباً تین سو پونڈ ہوگا۔ اس نے خالی نیکر اور پھولدار شرٹ پہن رکھی تھی۔ گنجے سر پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے اور نیلی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ اس سے مل کر مجھے ایک بڑا عجیب سا احساس ہوا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا کرتا ہے تو اس نے کہا۔

"تم اس کباڑ خانے کو نہیں دیکھ رہے؟" اس نے اپنی دکان کی پرانی اشیاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کے انداز میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

"کیا تم ہوش میں ہو؟"

"مطلب کیا ہے تمہارا؟ اور تم کون ہو؟ اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"کباڑ خانے کی دکان میں زیادہ سے زیادہ کیا مل سکتا ہے؟"

"تمہیں چاہئے کیا؟"

"ستارہ......" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"کیسا ستارہ...... میرے پاس کوئی ستارہ نہیں ہے۔"

"وہ جس کے پانچ کونے ہوتے ہیں اور جس کے درمیان فرعون چہارم کی تصویر ہوتی ہے۔"

"پتہ نہیں کیا بکواس کر رہے ہو۔ یہ کباڑ خانے کی دکان ہے کوئی نوادرات کی نہیں۔"

"سنو مجھے ستارہ چاہئے اور وہ تمہیں مجھے دینا ہے اور دوسری بات میں تمہیں بتاؤں کہ مجھے تمہارے پاس ڈیپی پارک نے بھیجا تھا اور اسی نے تمہارا پتہ بتایا تھا۔" وہ تھوڑی دیر گم سم بیٹھا ہوا سوچتا رہا' پھر اٹھا اور تھیلے کی طرح ڈولتا ہوا ایک کونے میں گیا جہاں گتے کے ڈبوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ اس نے ایک ڈبے میں ہاتھ ڈال کر اخبار نکال کر باہر پھینکے پھر کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز نکالی۔ اسے کھولا تو وہ تقریباً ایک فٹ لمبا تابوت نما بکس تھا۔ کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا پھر اس کے بعد اس نے بکس کھول کر میرے سامنے کر دیا۔ اس میں ایک ستارہ رکھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے اس نے کہا۔

"بیچارہ ڈینی پارک۔" وہ اسے جس حالت میں یہاں ڈال گئے تھے تم اسے و تمہارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ میں نے ساری زندگی کسی جانور کے ساتھ بھی ایسا وحشیانہ نہیں دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے باقاعدہ آنسو بہنے لگے تھے۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ ہوئے کہا۔

"تم مجھے اپنے غم میں برابر کا شریک رکھو۔ میرے دوست! اس کی قسمت میں یہ ہی تھا۔" میں نے ہمدردی سے کہا۔

"ستارہ کام ہوتے ہی لوٹا دینا۔" اس نے رخسار پر بہتے ہوئے آنسو ہتھیلی کی پشت پونچھتے ہوئے کہا۔ "یہ ڈینی پارک کی میرے پاس امانت ہے۔"

"تم بے فکر رہو میں لوٹا دوں گا۔" میں نے اس ستارے کو اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھا اس کے بعد میں وہاں سے پلٹ پڑا۔ اب مجھے تھوڑا بہت سمجھ آ گیا تھا اور تھوڑی دیر بعد میں اسی پر پہنچ گیا تھا' جہاں میرا دوست اندھا جاسوس تن کر بیٹھا ہوا تھا۔

"میری رقم واپس کر دو۔" میں نے کہا۔

"ضرور...... ضرور میں سچے سودے کا قائل اور لین دین میں کھرا ہوں۔ اس نے ہاتھ کر ریک کے پیچھے سے اپنا وہی چرمی بکس نکالا اور ٹٹول کر دو نوٹ میری طرف بڑھا دیئے۔ دو ہاتھ سے اس نے چھڑی سٹال کے نیچے سے نکالی جونہی میں نے نوٹوں کو چھوا اس نے چھڑی کو جھٹکے سے میری طرف بڑھایا۔ ایسے موقعوں پر میری پھرتی قدرتی ہوتی ہے۔ چنانچہ میں ایک جھک گیا اور چھڑی کو پکڑ لیا۔ اچھا ہوا جو اس کا سرا میرے ہاتھ نہ آیا اور میرا ہاتھ اس کے درمیان پر پڑا کیونکہ اس کے سرے پر اندر سے ایک پتلے پھل کی تیز چھری باہر نکل آئی تھی جیسے خنجر کی انی ہے۔ اس نے چھڑی میں سپرنگ لگا رکھا تھا' جس سے چھری باہر آ جاتی تھی۔ اس نے زور لگا کر میرے ہاتھ سے چھڑانا چاہی لیکن میں نے اسے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ ہم دونوں میں کھینچا ہونے لگی۔ وہ اسے چھین نہ سکا اور کرسی پر گر کر زمین پر لڑھک گیا۔ ستارہ میری جیکٹ سے نکل اخبارات پر گر گیا تھا۔

"یہ زیادتی برداشت نہیں کی جائے گی۔" میری پشت سے ایک بھاری آواز ابھری۔ نے پلٹ کر دیکھا تو ایک وردی میں ملبوس آدمی نظر آیا۔ اس کے بازو پر اوورکوٹ تھا اور میں سمجھ گیا اس نے ریوالور چھپا رکھا ہے۔ اس دوران کئی راہگیر بھی جمع ہو گئے تھے اور وہ بڑبڑاتے ہوئے لعنت ملامت کر رہے تھے۔

"چلو...... میرے ساتھ پولیس سٹیشن چلو۔" میں خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑا۔ نے دیکھ لیا تھا کہ اس وقت قرب و جوار کے لوگ میرے خلاف ہو گئے ہیں۔ ہم فٹ پاتھ پر چلنے جس پر ہاکر، فرائی گوشت اور چوزے بیچنے والوں اور بھنی ہوئی مکئی کی تھال لیے ہوئے بیٹھی

مقامی عورتوں کا قبضہ تھا۔ تیل کے چولہوں اور چربی کی ملی جلی بو بہت ناخوشگوار تھی۔ اس سے مجھے ایک خیال سوجھا اور اچانک ہی میں نے ایک ایکشن کر دیا۔ میں نے حلق سے اس طرح کی آواز نکالی جیسے مجھے قے ہو رہی ہو۔ وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور پھلوں کے سٹال پر جا گرا۔ سارے پھل فٹ پاتھ پر تتر بتر ہو گئے۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو سیبوں پر پاؤں پڑا اور وہ پھسل کر فٹ پاتھ پر ڈھیر ہو گیا۔ اسی وقت اس نے میرا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔

اور میں نے جھکائی دے کر اس کا نشانہ خطا کر دیا اور اس کے سینے پر ایک لات جڑ دی اور وہ چاروں شانے چت زمین پر گر پڑا تھا' اور اس کے بعد دلیری اور بہادری دکھانے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے دوڑ لگا دی تھی اور میں نے محسوس کیا کہ کافی افراد میری جانب دوڑ لگا رہے ہیں' لیکن پھر سامنے کی ایک عمارت کی جانب چل پڑا۔ عمارت کچھ عجیب و غریب ساخت کی تھی۔ دروازے کے بجائے میں کھڑکی سے اندر کودا اور دوڑتا ہوا پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ اب میں ایک بازار میں تھا۔ یہاں اچھی خاصی ہنگامہ آرائی تھی۔ دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان خریداری ہو رہی تھی۔ لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے۔ یقیناً یہ پورٹ ہنی کا کوئی پسماندہ بازار تھا۔ میں جلدی سے ایک دکان کے بڑے مجمعے کا رخ کر کے اس طرف چل پڑا! اور پھر میں نے دکان میں داخل ہو کر بڑے شیشوں والی ایک عینک اور ایک خاص قسم کی ٹوپی خریدی۔

اور اس کے بعد پھر اس جگہ پہنچ گیا' جہاں اس وردی والے شخص سے دو دو ہاتھ ہوئے تھے۔ وہاں ہجوم بدستور موجود تھا اور وردی والا شخص بھی وہیں موجود تھا۔ میں ایک دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور دیکھنے لگا کہ اب وہ کیا کرے گا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اس اندھے سٹال والے کے پاس پہنچا۔ میں بھی اس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس نے اخبارات پر گرا ہوا ستارہ اٹھا لیا۔ ایک لمحے تک اسے دیکھتا رہا پھر اسے اپنے اوورکوٹ میں رکھ لیا۔ مجھے اس وقت بڑی افسردگی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ واقعی میرے ہاتھ سے ایک قیمتی چیز نکل گئی تھی۔ اگر میں پھرتی سے کام لے کر اس ستارے پر قبضہ جما لیتا تو فلورا سے ملنے کا موقع ہاتھ سے نہ جاتا۔

بہرحال میں نے سوچا کہ ستارہ اس شخص کے پاس نہیں رہنا چاہیے' اور وہ مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہے۔ جب وہ وہاں سے چلا تو میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا جا رہا تھا اور کوئی ایک سو گز جا کر وہ گلی میں مڑ گیا۔ میں بھی درمیان میں فاصلہ رکھ کر اس گلی میں مڑ گیا۔ لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے مجھے پکڑے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ وہ ایک دو منزلہ مکان کے سامنے کھڑا ہوا اور گھنٹی بجائی اور دروازہ فوراً ہی کھلا اور وہ اندر چلا گیا۔ میں مکان کے سامنے سے گزرتا چلا گیا تھا' پھر کافی دور جا کر میں واپس پلٹا۔ مکان پر ایک پرانی لکڑی کی تختی لگی تھی' جس پر ایک عالم کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ یہ کوئی ستارہ شناس تھا' جس نے اپنے دروازے پر ہر انسان کی مشکلات کا حل دینے کا بورڈ لگا رکھا تھا۔ میں نے سوچا کہ مجھے اس مکان میں جانا چاہیے۔ اسی وقت میری نگاہ مکان کے

ساتھ کوئی دو فٹ دور گلی پر پڑی۔ اس گلی نے اس مکان کو دوسرے مکان سے ملا رکھا تھا۔ دو
طرف بھی ویسی ہی گلی نظر آئی۔ میں کچھ فیصلہ کیے بغیر اس گلی میں داخل ہو گیا۔ وہ مکان کے ساتھ
کر ختم ہو گئی تھی اور میں مکان کے عقبی حصے میں پہنچ گیا تھا۔

پچھلے حصے میں گیلری تھی' جس کے درمیان میں ایک چھوٹا سا لوہے کا گیٹ لگا ہوا تھا۔ ا
لمحے تک میں نے سوچا اور پھر اسے کھول کر سیدھا مکان میں داخل ہو گیا۔ اس کمرے میں کاٹھ کباڑ
ہوا تھا اور سامنے ہی دروازہ تھا۔ میں نے اسے دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ میں اندر چلا گیا۔ اندر گھ
اندھیرا تھا اور میری آنکھیں ابھی تاریکی سے مانوس بھی نہیں ہوئی تھیں کہ مجھ پر ایک رسی کا جا
آ گرا۔ میں خود کو چھڑانے کیلئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا' لیکن پیچھے سے مجھے کسی نے بڑی زور کا دھکا
تھا اور میں اوندھے منہ جا پڑا۔ شکر ہوا کہ موٹی رسی ہونے کی وجہ سے زیادہ چوٹ نہیں آئی۔

اور پھر اچانک ہی کمرے میں تیز روشنی ہو گئی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے وہی شخ
کھڑا ہوا تھا' جس سے میرے دو دو ہاتھ ہوئے تھے۔

''ہوں...... بہت تیز معلوم ہوتے ہو۔ چلو اسے آزاد کر دو۔'' اس کے کہنے پر کئی ہاتھوں
مجھے مل کر جال سے آزاد کیا اور میں نے دیکھا کہ میں چار پانچ افراد کے نرغے میں ہوں' لیکن حیرا
کی بات یہ تھی کہ ان کے جسموں پر بھی ویسی ہی وردی تھی' جبکہ یہ نہ تو مقامی پولیس کی وردی تھی اور
ہی مصری فوجی تھے' پھر یہ وردی کیا حیثیت رکھتی تھی۔ بہر حال اس سلسلے میں فوری طور پر معلوما
حاصل کرنا تو ایک مشکل کام تھا۔

''چلو اسے دوسرے کمرے میں لے چلو۔'' اس شخص نے حکم دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے دوسر
افراد اس کے ماتحت ہوں۔ وہ مجھے دھکیلتے ہوئے دوسرے کمرے میں لے گئے۔ جہاں میز کے سا
ایک آدمی گھومنے والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پشت میری جانب تھی۔ آہٹ سن کر اس نے کر
گھمائی اور میرے سامنے چوڑے چکلے شانے اور مضبوط جسم کا ایک درمیانہ آدمی آ گیا۔ جس
چشمہ لگایا ہوا تھا۔

''کیا بات ہے......؟''

''یہ ہی وہ بک سٹال والا آدمی ہے۔'' وردی والے شخص نے کہا۔

''اچھا...... اچھا...... گڈ...... تو یہ ہے۔''

''ہاں۔''

''کچھ پوچھا اس سے۔''

''نہیں...... کچھ دیر پہلے اس نے مجھ پر حملہ کیا تھا اور میرا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک پہنچ آیا تھا
اسی کے پاس سے یہ ستارہ برآمد ہوا ہے۔'' وردی والے شخص نے ستارہ میز پر رکھ دیا اور کرسی پر بیٹھے
ہوئے شخص نے اسے اٹھا لیا اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا' پھر مجھ سے بولا۔

''یہ تو بڑی معمولی سی چیز ہے' اس کی تو کوئی اہمیت نہیں ہے۔ تم کون ہو؟''

''کوئی بھی نہیں۔'' میں نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

''نہیں کچھ نہ کچھ تو ہو۔ چلو ٹھیک ہے تم یہاں کیوں آئے ہو؟ تم کو کس کام پر مامور کیا گیا
ہے؟''

''جناب عالی! میرا یہاں آنا کسی خاص مقصد کے تحت نہیں ہے۔ میں تو بس۔''

''اچھا چلو چھوڑو' یہ بتاؤ پورٹ ہنی کس لیے آئے ہو؟''

''سیر و سیاحت کیلئے۔ میں مصر کی تاریخ سے دلچسپی رکھتا ہوں۔ پہلے قاہرہ گیا تھا اور قاہرہ
سے گھومتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں۔''

''کیا کام کرتے ہو؟'' اس کا انداز مذاق اڑانے والا سا تھا۔

''بس...... سیر و سیاحت۔''

''بغیر پیسوں کے......؟'' اس نے سوال کیا۔

''ہاں ہر جگہ میرے بینک کھلے ہوئے ہیں۔ میں اپنے ہاتھوں کی صفائی سے پیسہ کماتا
ہوں۔'' اچانک ہی اس نے غراہٹ کے ساتھ ایک آواز نکالی اور سانپ کی طرح پھنکار کر کہا۔

''اس بکواس کو ختم کرنے میں کتنی دیر لگاؤ گے۔ کیا سمجھے؟ اس کے بعد اگر تم نے یہ بکواس کی
تو تمہیں اپنے انجام پر شرمندہ ہونے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ سیدھے ہو جاؤ اور یہ بتاؤ کہ رابیل سے
تمہارا کیا تعلق ہے؟''

''رابیل......؟ یہ نام میں نے آج ہی سنا ہے جناب۔''

''تمہارا کیا خیال ہے کہ کیا میں تمہاری بات پر یقین کر لوں گا۔ تمہاری اب تک کی کارروائی
اور خاص طور سے حمادی کی اقامت گاہ کے گرد منڈلاتے رہنا' میں تم سے ابھی تک دوستانہ طریقے
سے پیش آ رہا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو اور کون ہو؟''

''یقین کرو میں سیاح ہوں اور سیاحت کرتا پھر رہا ہوں۔''

''ہوں یہ ایسے نہیں بولے گا' اسے برہنہ کر دو۔''

''دیکھو میں تمہیں صرف ایک بات بتا سکتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں صرف ایک سیاح ہوں۔
تم میرے ساتھ کوئی برا سلوک کرو گے تو تمہیں خود افسوس ہو گا۔''

''میں بعد میں افسوس کر لوں گا لیکن تمہیں افسوس کرنے کا موقع نہیں دوں گا۔ چلو اس کی
تلاشی لو۔'' ان لوگوں نے میری تلاشی لینا شروع کر دی۔ اس کے بعد اس نے وردی والے کو حکم دیا۔

''اپنے آدمیوں سے کہو اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیں۔''

''باندھنے کی کیا ضرورت ہے' یہ یہاں سے نکل نہیں پائے گا۔''

''تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے تم سے؟ اور سنو اس جگہ کوئی خون ریزی نہیں ہو گی' کوئی

گولی نہیں چلے گی' جو بھی ہوگا' اس جگہ سے دور ہوگا۔تم سے جو میں نے کہا ہے وہ کرو۔'' اس شخص نے اپنے آدمیوں کو بلایا اور میرے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ دیئے گئے۔اس کے بعد اس نے کہا۔

''بس اب تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔'' چند منٹوں کے بعد وہاں صرف ہم تینوں رہ گئے۔

''اب میں جو کام کہنے والا ہوں' اس پر بلاچون و چرا عمل کرنا اور فضول بکواس مت کرنا۔'' اس نے اپنے وردی والے ساتھی سے کہا اور اس نے میز کے نیچے ہاتھ لے جا کر گھنٹی بجائی اور کوئی منٹ کے بعد بغلی دروازہ کھلا اور ایک لڑکی اندر داخل ہوگئی۔

''جی پپا!'' اس نے ہیلمٹ سے کہا اور مجھ پر ایک اڑتی ہوئی سی نظر ڈالی۔

''اسے پہاڑوں پر لے جا کر چھوڑ آؤ۔'' کیا سمجھیں۔

''آپ کا مطلب ہے' میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں۔'' ہیلمٹ نے ہنس کر کہا۔

''تمہیں صرف کار چلانا ہوگی۔اس کی نگرانی میرا یہ آدمی کرے گا۔اسے صرف پہاڑوں کے درمیان چھوڑ آنا ہے۔''

''اوکے پپا!'' لڑکی نے عجیب سے لہجے میں کہا اور پھر اس نے ستارہ اٹھا کر وردی والے کو دیتے ہوئے کہا۔

''میں ایسی واہیات چیز کو اپنے پاس رکھنا پسند نہیں کرتا۔اسے اسی چور سیاح کے پاس رہنے دو۔'' اس نے معنی خیز نگاہوں سے اپنے آدمی کو دیکھا تو وہ ہنسنے لگا' لیکن لڑکی کے چہرے پر اندرونی کرب چغلی کھا رہا تھا۔میرے دونوں ہاتھ پیچھے باندھے ہوئے تھے۔کار میں بٹھا کر انہوں نے میرے دونوں ٹخنے بھی آپس میں باندھ دیئے' اور میں گٹھڑی بن کر رہ گیا۔وہ خطرناک آدمی میرے قریب بیٹھا ہوا تھا اور لڑکی کار چلا رہی تھی۔کار نے موڑ کاٹا تو اچانک لڑکی بول پڑی۔

''ایک کار ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔'' اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی میرے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور بولا۔

''رابیل۔''

''تمہیں یقین ہے کہ وہی ہے۔'' لڑکی کی آواز سے تھرتھراہٹ عیاں تھی۔

''یقیناً تمہارے پاس ریوالور ہے۔''

''ہے۔'' لڑکی بولی۔

''کار کسی موڑ پر دھیمی کر لو اور اتر جاؤ' میں اس زندہ لاش کو بھی نیچے پھینک دوں گا۔اسے گھسیٹ کر جھاڑیوں میں لے جانا اور گولی مار دینا میں کار میں آگے نکل جاؤں گا۔'' اس شخص نے بے رحمی سے کہا۔

''اور اگر رابیل تمہارے سر پر پہنچ گیا تو؟'' لڑکی نے تشویش سے کہا۔

''وہ میرا کیا کرے گا۔کار میں کوئی ہوگا نہیں۔میرا ریوالور اسی طرح بھرا ہوا ہوگا۔اس

کا الزام زیادہ سے زیادہ ڈیوٹی سے غیر حاضر رہنے کا ہے' جو ہے اور وہ کار بھی میری نہیں ہے' تمہارے پپا کی ہے۔

زیادہ کار بھی میری نہیں ہے' تمہارے پپا کی ہے۔زیادہ سے زیادہ ڈیوٹی سے غیر حاضر رہنے کا الزام لگے گا۔اچھا اب تیار ہو جاؤ۔'' لڑکی نے ایک موڑ کاٹا اور بریک لگا دیئے۔میرا ساتھی پھرتی سے دروازہ کھول کر نیچے اترا اور اس نے مجھے دھکیل دیا۔لڑکی بھی جلدی سے اتری اور اس نے مجھے ڈھلوان پر دھکیلنا شروع کر دیا۔وہ کافی طاقتور معلوم ہوتی تھی۔میں لڑھکتا ہوا سڑک کے دامن میں پہنچ گیا۔تو وہ بھی میرے پاس پہنچ گئی۔اس دوران وردی والا شخص کار لے کر جا چکا تھا۔لڑکی نے مجھے گھسیٹنا چاہا تو میں خود ہی لڑھکتا ہوا قریبی جھاڑیوں میں چلا گیا۔اسی وقت ایک کار تیزی سے سڑک پر سے گزر گئی۔چند سیکنڈ گزرے تو لڑکی نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے اعشاریہ بتیس کا ریوالور نکالا اور ہونٹ بھینچ کر میری طرف دیکھنے لگی۔اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ مجھے گولی ہی مار دے گی۔اچانک ہمارے سر پر سڑک پر ایک کار کے بریک لگنے کی آواز آئی اور پھر دروازے کھلے اور بند ہوئے۔کچھ لمحے خاموشی رہی پھر کئی قدموں کی دھمک ہم سے قریب تر ہوتی چلی گئی۔لڑکی نے ریوالور کا رخ میری طرف سے ہٹا کر اوپر کی طرف کر لیا۔

چند سیکنڈ گزرے ایک لمبا چوڑا آدمی ہاتھ میں ریوالور لیے ہماری طرف بڑھتا ہوا نظر آیا' اور لڑکی نے اس پر گولی چلا دی لیکن نشانہ چوک گیا اور وہ قریبی جھاڑیوں میں دبک گیا۔

''سنو......'' میں نے آہستہ سے کہا۔''کیوں اپنی جان کو خطرے میں ڈال رہی ہو۔میں تو مار ڈالا جاؤں گا لیکن تم بھی زندہ نہیں بچو گی۔مجھے کھول دو اور ہم دونوں کو جان بچانے کا موقع دو۔وہ کچھ نہ بولی۔اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔میں نے طنز سے کہا۔

''کیا یہ ہی کام ہے تمہارا؟ مجھے مروہ اور تمہارے ہاتھ میں ریوالور پانے والا کیا تمہیں بخش دے گا۔کیا میرے قتل کی وجہ معلوم نہیں کی جائے گی۔میرا یہ وار کام کر گیا۔لڑکی کے انداز میں ایک عجیب سی دھن پیدا ہوئی اور اس نے جیب سے چاقو نکالا اور میرے ہاتھوں اور پاؤں کی رسیاں کاٹ دیں۔میں نے ہاتھوں پیروں کو جھٹکا دیا اور اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھا۔اسی وقت اوپر سے آواز آئی۔

''ہتھیار ڈال دو...... ورنہ......''

''ہم کس طرف سے نکلیں۔'' میں نے لڑکی سے سرگوشی کی اور اس نے بھی اسی طرح جواب دیا۔

''یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک احرام ہے جو خاصا پرانا ہے اگر ہم اس طرف نکل جائیں تو بچ سکتے ہیں چونکہ وہاں بڑے پیچیدہ راستے ہیں۔''

''آؤ......'' اسی وقت اوپر سے آواز آئی۔

''میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ خود کو ہمارے حوالے کر دو...... ورنہ...... چاروں طرف سے گولیاں چلیں گی اور تم چھلنی ہو جاؤ گی۔'' لڑکی ایک طرف رینگنے لگی اور میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ہمارے قرب و جوار کی جھاڑیاں چار فٹ سے کم کی نہیں تھیں اور زمین پر گھاس تھی' اس لئے ہمارے

رینگنے سے کسی قسم کی آواز کا خطرہ نہیں تھا۔ کچھ دور جانے کے بعد خشک نالہ جو دو فٹ گہرا تھا ہم اس میں اتر گئے۔ اب رینگنے میں دقت ہونے لگی۔ میں پوری طرح مستعد تھا' لیکن لڑکی کے حلق سے بار بار سسکی نکل جاتی تھی۔ نالے میں مٹی کے ڈھیلے بھی تھے اور اس کے ہاتھ چھل رہے تھے۔

اچانک ہی پیچھے سے فائرنگ ہونے لگی اور کئی گولیاں ہمارے سروں پر سے گزر گئیں۔

''احرام یہاں سے کتنے فاصلے پر ہے؟''

''زیادہ دور نہیں ہے' لیکن پھر بھی تھوڑا سا فاصلہ ہے۔'' گولیاں چلتی رہیں اور ہم آگے بڑھتے رہے' پھر فائرنگ اچانک بند ہو گئی' اور خطرے کا احساس بڑھ گیا' ممکن تھا کہ دشمن کو ہمارے بارے میں علم ہو گیا ہو' اور وہ گھات لگا کر ہمیں پکڑنا چاہتا ہو۔ میں نے اپنا خیال لڑکی پر ظاہر کیا تو اس نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ آخر کار یہ نالہ ختم ہوا اور ٹیلے شروع ہو گئے۔ ہم نے اٹھ کر کپڑے جھاڑے اور ٹیلوں کے پیچھے ہو گئے۔ لڑکی نے اپنی دونوں ہتھیلیاں دکھائیں ان میں خراشیں پڑ گئی تھیں۔ ایک جگہ سے کھال بھی اتر گئی تھی اور وہ بار بار گھٹنے پر اسے سہلا رہی تھی۔

بہر حال یہ ٹیلے ہمارے لئے محفوظ پناہ گاہ تھے۔ ہم کوئی دو فرلانگ گئے تو پہاڑی کے دامن میں ایک بڑا سا احرام دکھائی دیا۔ یہ ہی وہ احرام ہے جس میں ہمیں داخل ہونا ہے' لیکن اس میں داخل ہونے کیلئے ہمیں اس نالے کے نیچے نیچے رینگ کر جانا پڑے گا۔

''کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور ہم جھک کر آگے بڑھنے لگے۔ تھوڑے فاصلے کے بعد دہانہ بلند ہو گیا تھا اور مزید آگے بڑھنے پر ہم اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔ احرام کی چھت ہمارے سر سے تقریباً چار فٹ بلند ہو گی۔ اسی اثنا میں میری نظر ایک گیس لیمپ پر پڑی جو ایک [illegible] کے پیچھے رکھا ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی کچھ اور ایسی چیزیں جن میں تابوت وغیرہ کے ٹکڑے نظر آ رہے تھے۔ اگر میں اس لیمپ کو حاصل کر کے روشنی کر دوں تو اس احرام کی تاریکی سے ہمیں نجات مل سکتی ہے' البتہ یہ خوف بھی تھا کہ یہاں سے نکلنے والی روشنی کہیں باہر نہ دیکھ لی جائے۔ اچانک ایک آواز ابھری۔

''خوش آمدید...... خوش آمدید......'' آواز اس قدر زور دار اور اعتماد سے بھرپور تھی کہ ہم دونوں اچھل پڑے۔ لڑکی بے ساختہ مجھ سے چمٹ گئی۔ میں نے آگے بڑھ کر گیس کا لیمپ اٹھایا اور اس سمت میں دیکھا جدھر سے ہم داخل ہوئے تھے۔ وہ ایک طویل قامت شخص تھا جو عربی لباس پہنے ہوئے کھڑا تھا' لیکن اس کے کھڑے ہونے کے انداز سے یہ پتہ چلتا تھا کہ وہ انتہائی چاک و چوبند اور تندرست آدمی ہے۔ اس کے پیچھے چار آدمی رائفلیں تانے کھڑے ہوئے تھے۔ وہ آگے بڑھا اور میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

''میرا نام زرغام ہے۔ عالی زرغام! اور میں عظیم فلوراس کا دست راست ہوں۔ ہمیں آپ کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے اور واقعی ہمیں آپ کی ضرورت تھی جناب! آپ کی آمد کا بے

شکریہ۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ میرا مذاق اڑا رہا ہے یا پھر سنجیدہ ہے' لیکن ایک نام سن کر مجھے اعتماد سا ہوا تھا یعنی فلوراس۔ فلوراس سے میں ملنا چاہتا تھا۔

''ہاں...... تو میرے معزز مہمان! آپ ہمارے لیے ایک بہترین تحفہ لائے ہیں۔ میری مراد ایک عظیم شخص کی صاحبزادی یعنی رابیل کی بیٹی فرزینہ سے ہے۔ ایک دم ایک عجیب سا جھٹکا لگا تھا میرے ذہن کو۔ یہ لڑکی رابیل کی بیٹی ہے۔ فرزینہ نام ہے اس کا۔ ادھر میں نے فرزینہ کو کپکپاتے ہوئے دیکھا تھا۔ جس انداز میں زرغام نے یہ بات کہی تھی اس سے لگتا تھا کہ وہ کوئی خطرناک ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے کہا۔

''ہمیں ایک عظیم باپ کی پری پیکر بیٹی کی مہمان نوازی پر فخر رہے گا۔ گھبراؤ مت' ہم تمہارے باپ کو تمہارے یہاں آنے کی اطلاع دے دیں گے۔ انہیں بھی فخر ہو گا کہ تم فلوراس کی حفاظت میں ہو۔'' فرزینہ کی تھرتھراہٹ اور بڑھ گئی۔ میری طرح شاید وہ بھی زرغام کا مقصد سمجھ گئی تھی۔ اسے یرغمال بنایا جا رہا تھا اور اس کے ذریعے رابیل سے کوئی بڑی سودے بازی کی جانے والی تھی۔

''فرزینہ کی عزت افزائی میرے لئے بھی باعث توقیر ہے۔ کیا ہمیں مسٹر فلوراس سے ملاقات کا شرف بخشیں گے؟''

''میں معذرت چاہتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ باہر پولیس آپ کو شکاری کتے کی طرح تلاش کرتی پھر رہی ہے۔'' اسے اس لڑکی سے کوئی سروکار نہیں ہے وہ صرف آپ کو ساتھ لے جائے گی۔ اس صورت میں اگر میں آپ کو باہر لے جاؤں گا تو یہ بے وقوفی ہو گی۔ اس لئے لڑکی صرف ہمارے ساتھ جائے گی۔'' اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور ایک رائفل بردار میری طرف رائفل اٹھائے آگے بڑھا۔ زرغام نے ایک جھٹکے سے فرزینہ کو مجھ سے جدا کیا اور اسے ایک طرف کھڑا کر دیا' لیکن میرے لئے یہ ایکشن کا موقع تھا۔ میں نے رائفل بردار کو گولی چلانے کا موقع نہیں دیا اور اس پر چھلانگ لگا دی۔ اس غیر متوقع حملے سے اس کے قدم اکھڑ گئے اور رائفل میرے ہاتھ میں آ گئی۔ تین رائفلوں سے فوراً دھماکے ہوئے' لیکن میں اس کیلئے تیار تھا اور اپنے گھٹنوں کے بل جھک کر ان کے نشانے خالی کر چکا تھا' البتہ گولیوں سے چھت کے برادے زمین پر گرنے لگے۔ میں نے پیچھے ہٹ کر فرزینہ کی ٹانگیں پکڑیں اور اسے خود پر گرا لیا۔

''رک جاؤ' رک جاؤ۔'' زرغام دھاڑا اور اس کے دونوں آدمیوں نے رائفلوں کا رخ اوپر کی طرف کر لیا۔

''تمہارے لیے یہ لڑکی بیش قیمت شکار ہو تو ہو لیکن میرے لئے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں اسے ختم کر دوں گا' چاہے میری جان بھی کیوں نہ چلی جائے۔'' میں نے یہ کہہ کر ایک رائفل بردار پر گولی چلا دی اور وہ چیخ مار کر گر پڑا۔

''لڑکی کو ہمارے حوالے کر دو اور یہاں سے نکل جاؤ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔'' زرغا[م] نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں فلوراس سے ملنا چاہتا ہوں۔ اپنے آدمیوں سے کہوں رائفلیں پھینک دیں ورنہ میر[ی] دوسری گولی کا نشانہ یہ لڑکی ہوگی اور میں نے محسوس کیا کہ زرغام سوچ میں ڈوب گیا ہے' پھر اس [نے] دونوں آدمیوں سے رائفلیں پھینک دینے کیلئے کہا اور انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔

''اب تم سب دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ اور زرغام تم مجھ سے میرے معاملے کی با[ت] کرو۔'' میں نے کرخت لہجے میں کہا اور وہ اپنے باقی تین آدمیوں کے ساتھ اپنی جگہ سے ہلا۔ تو م[یں] نے انہیں اسے دیوار سے لگ کر کھڑے ہونے کو کہا۔ جس کے قریب ڈائنامیٹ کے بکس رکھے ہو[ئے] تھے۔

''تمہاری پوزیشن بھی کچھ اچھی نہیں ہے۔ باہر نکلتے ہی پکڑ لئے جاؤ گے اور ممکن ہے گولی ما[ر] دی جائے۔ بہتر ہے میری شرائط پر اپنی جان بچا لو اور لڑکی کو میرے حوالے کر دو اور میں تمہیں با حفاظت جہاں چاہو گے پہنچا دوں گا۔ آسانی سے سرحد پار بھی کروا دوں گا۔''

''مجھے فلوراس سے ملوا دو۔ اسی کے سامنے لڑکی کا فیصلہ ہوگا۔ بصورت دیگر میں تم سب [کو] بھون ڈالوں گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ تم ڈائنامیٹ کے قریب کھڑے ہو۔'' میرے ان الفاظ پر زرغا[م] اور اس کے ساتھیوں کے تو جیسے ہوش ہی اڑ گئے۔ سب ایک ساتھ بولنے لگے۔ تینوں آدمی اس [سے] جھگڑنے لگے کہ وہ میری بات کیوں نہیں مانتا۔ ایک تو کہنے لگا کہ وہ میرے ساتھ مل جائے گا او[ر] فلوراس سے اس کی شکایت کرے گا کہ اس نے ہٹ دھرمی سے اپنی اور اپنے آدمیوں کی جان گنوائی۔ باقی دونوں ساتھیوں نے بھی اس کی حمایت کی۔ یہ دیکھ کر زرغام نے کہا۔

''ٹھیک ہے لیکن فلوراس کے سامنے جو کچھ ہوگا' وہ تمہارے ساتھ جو بھی سلوک کرے گا م[یں] اس کا ذمہ دار نہیں ہوں گا۔''

''تم اس کی فکر مت کرو تم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے۔''

''چلو......'' اس نے کہا اور میں نے ان سب کو ایک قطار میں چلنے کو کہا۔ زرغام لیمپ اٹھا [کر] آگے آگے ہو لیا۔ اس کے پیچھے اس کے آدمی ایک کے پیچھے ایک چلنے لگے اور میں رائفل سنبھا[لے] اس کے پیچھے تھا' اور اس کے پیچھے فرزینہ۔

کوئی سیدھا راستہ نہیں تھا۔ ہم کبھی دائیں مڑتے' کبھی بائیں' کبھی جھک کر چلتے' کبھی تن [کر۔] سیلن اور مٹی کی ناگوار بو کی وجہ سے میری طبیعت خراب ہونے لگی تھی' جگہ بھی ناہموار تھی اور چلتے [ہوئے] دقت بھی ہو رہی تھی' لیکن اس احرام نما جگہ میں کوئی اتنی بڑی سرنگ بھی ہوگی' اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ ویسے بھی میں ابھی مصر کے احراموں سے اتنا واقف نہیں تھا۔ کوئی آدھے میل تک یہ سفر کیا گیا۔ وقت بھی کافی لگ گیا لیکن دہانے یا اس کے باہر نکلنے کے راستے کا کوئی پتہ نہیں تھا' البتہ خدا خدا کر

کے ہلکی سی روشنی نظر آئی' پھر میں نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر ہم قریب گئے تو ہم نے دیکھا کہ وہ باہر جانے کا راستہ تھا' لیکن اتنا تنگ کہ جسم کو سکوڑے اور خراشیں کھائے بغیر نہیں نکلا جا سکتا تھا۔ سب سے پہلے زرغام بڑی کوشش کر کے باہر نکلا اور مجھ سے آنے کیلئے کہا۔

لمحے بھر کو میں شش و پنج میں پڑ گیا کہ فرزینہ کو تنہا چھوڑ دوں تو زرغام کے ساتھی کہیں گڑبڑ نہ کر دیں' لیکن مجھے ان کا زرغام سے جھگڑنا یاد آ گیا اور پھر میں بے فکر ہو کر جوں توں کر کے دہانے سے باہر نکل آیا۔ تازہ ہوا کے جھونکوں نے طبیعت کو بحال کیا' لیکن ساتھ ہی اوس پڑ گئی کیوں کہ اس وقت ہم ایک چٹان پر کھڑے تھے اور نیچے کوئی پچاس فٹ کی گہرائی میں دریا بہہ رہا تھا۔

''آہ...... ہم غلط جگہ نکل آئے۔ باہر نکلنے کے کئی راستے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں آخری موڑ پر سیدھا چلے جانا چاہیے تھا۔'' بڑی عجیب سی صورتحال پیش آ گئی تھی اس نے کہا۔

''تم مشورہ دو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

''میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں بے شمار گالیاں دوں' لیکن چلو واپس چلو۔'' اور اس کے بعد ہم اسی سرنگ میں واپس داخل ہو گئے۔ زرغام نے بھی اپنے آدمیوں سے مڑنے کیلئے کہا تھا۔ قطار اسی طرح بنی کہ آگے وہ تینوں' پیچھے لڑکی اور پھر میں۔ جگہ اتنی تنگ تھی کہ میں زرغام کو اپنے آگے نہیں لا سکتا تھا۔ حقیقت یہ ہی تھی کہ مجھے اس سے کوئی خدشہ بھی نہیں تھا۔ ہم چلتے رہے اور جب ہم اس موڑ پر پہنچے جہاں بقول زرغام کے سیدھا چلا آنا چاہیے تھا تو اچانک ہی زرغام نے مجھے رسی کے مضبوط شکنجے میں جکڑ لیا۔ اس نے بڑی ہوشیار سے پھندا ڈالا تھا کہ میرے دونوں ہاتھ سینے سے چپک کر رہ گئے اور رائفل دھری کی دھری رہ گئی۔ اس نے چلا کر ایک نامعلوم لفظ کہا اور اس کے ساتھ ہی بجلی کی تیزی سے پیچھے پلٹی اور سب سے آگے والے نے خنجر نکال کر فرزینہ کے سینے سے لگا دیا اور دوسرے نے ہاتھ بڑھا کر رائفل میرے ہاتھ سے لے لی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اپنی پسلی پر خنجر کی نوک محسوس ہوئی تھی۔

زرغام نے ایک وحشیانہ قہقہہ لگایا تھا۔

''میرا نام زرغام ہے اور میں تنظیم کا کمانڈو ہوں۔'' اس نے قہقہے کی گونج میں کہا۔ میں ایک لمحے کیلئے سکتے میں رہ گیا تھا۔ چوٹ ہو گئی تھی اور صورتحال ایسی ہی تھی کہ مجھے شکست کھانا پڑی تھی۔

زرغام بولا۔

''اب اپنے بھیانک انجام کیلئے تیار ہو جاؤ۔ تمہیں وہ سزا ملے گی' جو تم زندگی بھر یاد رکھو گے۔'' میرے پاس تو کوئی جواب نہیں تھا۔ خاموشی سے چلتا رہا۔ فرزینہ لاش کی مانند چل رہی تھی۔ اس کی دلی کیفیت مجھ سے پوشیدہ نہیں تھی۔ کچھ دور جا کر جگہ کشادہ ہو گئی اور ایک آدمی رائفل لئے ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ ہم قریب گئے تو اس نے اٹھ کر زرغام کو سلیوٹ کیا۔ آگے بڑھے تو ایک محراب سا دروازہ نظر آیا۔ ہم اس میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک ڈھلان سا تھا' جس کے

سرے پر ایک اور دروازہ تھا۔ اس پر دو رائفل بردار کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی زرغام کو سلیوٹ کیا اور مجھے' فرزینہ کو ان کے پاس چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ فرزینہ مجھ سے لگ گئی تھی۔ اس کا سینہ پھول پچک رہا تھا۔ زرغام چند سیکنڈ کے بعد باہر آیا اور اس نے ہمیں اندر چلنے کو کہا۔ یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا' فرق یہ تھا کہ دیواریں بڑے ناہموار پتھروں کی تھیں اور ان پر کلی وغیرہ نہیں تھی۔ اس طرح چھت کی روشنی کے لئے گیس لیمپ روشن تھے۔ کمرے میں نصف درجن کے قریب آدمی موجود تھے' جو سب کے سب مسلح تھے۔ لوہے کی ایک بڑی سی بغیر دروازے والی میز کے گرد دس بارہ لوہے کی کرسیاں بکھری ہوئی تھیں۔ کمرے کے درمیان ایک ستون بھی تھا' جس کے سرے پر ایک بہت بڑا لوہے کا ہک لگا تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ دیواروں کے ساتھ لکڑی کے بکس اوپر تلے رکھے ہوئے تھے۔ ان میں یقیناً ڈائنا بم اور دستی بم تھے چونکہ اوپر ڈینجر کے نشانات بنے ہوئے تھے۔ اسی وقت زرغام کی آواز نے مجھے چونکا دیا وہ کہہ رہا تھا۔

"جنرل فلوراس سے ملنا اتنا آسان کام نہیں ہے اس کے لئے تھوڑی سی تکلیف ہوگی اس وقت تو ہم ایک مشن پر جا رہے ہیں' واپس آ کر جنرل سے ملنے کا تمہارا انتظام کیا جائے گا۔ یہاں تمہاری خدمت کے لئے ایک ملازم موجود ہے' یہ بڑا خدمت گزار ہے۔" یہ کہہ کر وہ ایک بڑی مکروہ ہنسی ہنسا اور اپنے آدمیوں سے کوئی لفظ کہا۔ دو آدمی مل کر کہیں سے رسی لے آئے اور سب نے مل کر مجھے ستون سے باندھ دیا۔ انہوں نے فرزینہ کو کرسی پر بیٹھا کر باندھ دیا۔

"اب تم آرام کرو۔" یہ کہہ کر وہ سارے کے سارے کمرے سے باہر نکل گئے' پھر ایک آدمی کہیں سے نکل کر سامنے آیا۔ اس کا آدھا چہرہ جھلسا ہوا تھا اور پورے چہرے پر زخموں کے کئی نشان تھے۔ قدم کوئی ساڑھے تین' چار فٹ ہوگا۔ کمر جھکی ہوئی تھی' لیکن انتہائی لمبا چوڑا تھا۔ فرزینہ اسے دیکھ کر ضرور ڈر گئی ہوگی۔ میں نے بھی ایسا بھیانک آدمی پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں شراب کی بوتل تھی' اس نے پہلے میرے گرد چکر لگایا پھر فرزینہ کی طرف گیا اور اس نے بھیانک قہقہہ لگایا۔ اس کے قہقہے کی گونج کمرے میں گونجی اور مجھے جھرجھری سی آ گئی' نجانے فرزینہ کا کیا خیال ہوا ہوگا۔

"آؤ میرے ساتھ دوستی کا جام پیو' کیا کہتی ہو لڑکی۔" میں نے سر گھما کر دیکھا تو وہ فرزینہ کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ارادے خطرناک دیکھ کر میں اپنے ستون سے بندھے ہوئے ہاتھوں کی رسی کو ستون سے رگڑنے لگا۔ وہ بوتل کو فرزینہ کے منہ سے لگانے کی کوشش کر رہا تھا اور فرزینہ دائیں بائیں سر گھما رہی تھی۔ اچانک کہیں سے دو آدمی آ ٹپکے اور مجھے ستون سے ہاتھ رگڑتے ہوئے دیکھ لیا' وہ شور مچاتے ہوئے میری طرف آئے۔ پستہ قامت بھی ان کا شور سن کر پلٹا۔ پھر تینوں نے رسی کا سرا ایک ستون کے ہک میں اچھال کر ایک پھندا سا بنایا اور دوسرے کو میرے کمر کے گرد باندھ کر مجھے فضا میں لٹکا دیا گیا' پھر وہ بولا۔

"یہ میرے ساتھ دوستی کا جام نہیں پی رہی۔ بونے نے نشے بھری آواز میں کہا۔"

"نہ پیے تمہاری بلا۔"

"مگر میں اسے ضرور پلاؤں گا۔" یہ کہہ کر وہ جھومتا ہوا فرزینہ کی طرف بڑھا۔ "دیکھتا ہوں کیسے نہیں پیتی۔" اس نے قریب جا کر فرزینہ کے بال پکڑے تو وہ زور سے چیخ پڑی' پھر اس نے دوبارہ کوشش کی تو وہ رونے لگی۔ باقی دونوں آدمی ہنس رہے تھے۔

"فلورانس تمہیں معاف نہیں کرے گا کتو۔" فرزینہ نے روتے ہوئے کہا۔

"دیکھا جائے گا' اس وقت تو مجھے جنت کی سیر کرنے دو۔"

"نہیں تم ایسے مت کرو' تمہیں اندازہ ہے کہ تمہاری اس بات پر زرغام اور فلورانس دونوں ناراض ہو جائیں گے۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں' میں موت سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی شیطان سے۔" اس نے کہا اور ایک بار پھر لڑکی کے ساتھ بدتمیزی کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ بات میرے لئے ناقابل برداشت تھی۔ میں نے ایک ایڑی ستون سے ٹکا کر اپنے جسم کو آگے دھکیلا اور جھولتا ہوا کوئی ایک گز تک دور چلا گیا' پھر زور لگا کر واپس ہوا اور پھر دوبارہ اس طرح کیا اور اس طرح ان تینوں پر جا گرا' ایک تو زمین پر گر گیا اور دوسرے کی گردن پر میرا گھٹنا ٹکا تو وہ بلبلا اٹھا۔ میرے ہاتھ بھی آزاد تھے اور ٹانگیں بھی' بے وقوفوں نے مجھے لٹکا کر سمجھ لیا تھا کہ میں بے بس ہو گیا ہوں' لیکن اس کے جھولے نے مجھے پیچھے کھینچ لیا۔ اس اثنا میں تینوں سنبھل چکے تھے اور میری طرف دوڑ پڑے۔ میں بے اختیار جھول رہا تھا۔ رکنا میرے اختیار میں نہیں تھا' البتہ ان کے ہاتھ مجھ تک نہیں پہنچ پا رہے تھے۔ جھولتے جھولتے میں نے ایک آدمی کے منہ پر اتنی زوردار لات رسید کی کہ وہ چیخ مار کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ دوسری پینگ میں نے اس پستہ قامت کی گردن میں حمائل کر دی اور قینچی لگا دی۔ رسی کے کھنچاؤ سے کمر میں شدید درد اٹھا' لیکن رسی بھی ٹوٹ گئی اور میں اس بونے سمیت دھم سے آ گرا......

دونوں آدمی مجھ پر جھپٹے اور میں نے دونوں کے منہ پر ایک ایک گھونسہ ٹکا دیا۔ رسی کا خاصا بڑا ٹکڑا ٹوٹنے کے بعد خاصا میرے جسم کے ساتھ رہ گیا تھا۔ میں نے اسے ہنٹر کی طرح گھمانا شروع کر دیا۔ جس سے دونوں میں سے کسی کی بھی قریب آنے کی ہمت نہ پڑی اور پھر دونوں آدمی مسلسل کوشش میں تھے اور ادھر بونا میری ٹانگوں کے قینچی میں جکڑا ہوا تھا اور خود کو آزاد کرانے کی کوشش کر رہا تھا' لیکن اس وقت میں جانتا تھا کہ میری زندگی موت کا دارومدار میری فتح پر ہے۔ میں نے اس کی گردن پر کراٹے ٹائپ کا ہاتھ مارا اور وہ بے سدھ ہو گیا۔ میں جلدی سے بھاگ کر فرزینہ کے پاس پہنچا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ میں نے اسے کھول دیا تھا اور اس کے بعد ہم باہر کی طرف دوڑتے ہوئے چلے گئے۔ ان لوگوں کو میں نے اس طرح ناکارہ کر دیا تھا کہ یہ لوگ فوری طور پر میرا تعاقب نہیں کر سکتے۔ کچھ آگے جا کر دو راستے ہو گئے تھے۔ ایک وہ تھا' جہاں سے ہم آئے تھے اور دوسرے

راستے کے بارے میں ہمیں کچھ صحیح طرح معلوم نہیں تھا' لیکن وہ اتنا تنگ تھا کہ میں اور فرزینہ ایک ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ چنانچہ میں آگے ہو گیا' لیکن چھت نیچے ہوتی چلی گئی تھی۔ ہمیں لیٹ کر آگے بڑھنا پڑا۔ پتھر چبھ رہے تھے اور ہم انچوں کے حساب سے کھسک رہے تھے اور رہ رہ کر فرزینہ کی سسکیاں نکل جاتیں اور وہ رو بھی رہی تھی' لیکن بہرحال ہمیں یہاں سے واپس نکلنا تھا۔ سر پر یہ خطرہ بھی منڈلا رہا تھا کہ کہیں زرغام واپس نہ آ گیا ہو اور ہمیں نہ پا کر کہیں ہمارے پیچھے نہ چل پڑے۔ اس کے علاوہ یہ بھی یقین نہیں تھا کہ ہم باہر جا نکلیں گے۔ ہم کتنی دیر تک اس طرح چلے آ رہے تھے اور وقت گزرتا رہا۔ اب ہمارے سانس تقریباً اکھڑنے لگے تھے۔ آخر سخت تاریکی' دھول مٹی میں بدلتی گئی' جس سے اندازہ ہوا کہ دہانا قریب آ رہا ہے۔ اس سے میری ہمت بندھی اور میں نے فرزینہ کو بتایا کہ منزل قریب آ رہی ہے۔ آخرکار ہم دہانے پر پہنچ گئے اور رینگ کر باہر نکلے تو وادی میں موجود تھے۔ فرزینہ واقعی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس کا لباس جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا اور ہاتھوں کی ہتھیلیاں چھل گئی تھیں۔ میرا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔ بہرحال ہم باہر آ کر زمین پر لمبے لمبے لیٹ گئے۔ اچانک ہی فرزینہ کی ہنسی کی آواز سنائی دی اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ ابھی ہم لوگ سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ ایک آواز سنائی دی۔

"ویری گڈ...... ویری گڈ۔" ادھر دیکھا تو پہاڑ کی ایک دراز میں ایک شخص کھڑا نظر آیا' لیکن اسے قریب سے دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ وہ مرد نہیں عورت ہے' مزید غور کیا تو ایک لمحے کیلئے دماغ بھک سے اڑ گیا۔ یہ میلا تھی' وہی کاروباری عورت' جس سے میرا واسطہ موسیقی کی کلاس میں ہوا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک گھوڑا کھڑا ہوا تھا۔

"مجھے تمہارے دوست نے بھیجا ہے۔ وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ اپنے دوست کے بارے میں تو تمہیں اندازہ ہو ہی گیا ہوگا کہ وہ کون ہو سکتا ہے؟"

"تم' تمہیں' بس میں کیا بتاؤں۔" میں نے کہا اور وہ میرے قریب آ گئی۔

"یہ بتاؤ کہ تم۔" یہ کہہ کر میں نے اچانک ہی اس کی گردن پکڑ لی اور وہ گھبرا سی گئی تھی۔

"بڑے آرام سے میں تمہاری گردن دبا کر تمہیں ختم کر دوں گا اور تمہاری لاش کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔"

"سنو' میری بات تو سنو' تم جانتے ہو کہ مجھے کس نے یہاں بھیجا ہے' میری مراد رابیل سے ہے۔"

"ہاں' میں جانتا ہوں' چلو ٹھیک ہے آگے بڑھو۔" میں نے کہا اور وہ خاموشی سے آگے چل پڑی۔ میں نے فرزینہ کا ہاتھ پکڑا اور اس کے پیچھے چل پڑا۔ ہم پہاڑی سے اترے تو سڑک پر ایک ٹرک نظر آیا۔ وہاں کوئی آدمی موجود نہیں تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ لڑکی اس ٹرک سے آئی تھی لیکن گھوڑا' بہرحال میں نے اس پر توجہ نہیں دی۔ میلا نے ٹرک سنبھال لیا۔ راستہ خاموشی سے کٹا اور پھر

میں نے فرزینہ سے کہا۔

"ہاں ڈیئر اب تم بتاؤ۔"

"مجھے کسی بھی جگہ اتار دو میں چلی جاؤں گی۔ پلیز اس کے علاوہ اور کچھ مت کرو۔ میں ویسے ہی کافی نروس ہو رہی ہوں۔" میں نے گردن ہلائی اور وہ ٹرک سے اتر کر چل پڑی۔ بہرحال اب اس کے بعد اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں تھی کہ میں حمادی کی طرف چلا جاؤں۔

میں آخرکار اس جگہ پہنچ گیا جہاں حمادی سے ملاقات ہوئی تھی۔ حمادی اس وقت کافی بری حالت میں تھا۔ کار میں اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ گال پچکے ہوئے تھے' چہرہ زرد تھا اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے۔ میں خاموش ہو گیا۔ اس نے مجھے دیکھا اور پھر ایک طرف اشارہ کرنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد اس کی حالت بہتر ہو گئی' پھر اس نے کہا۔

"کیا تم الائی کو جانتے ہو؟ احمد الائی کی بات کر رہا ہوں۔"

"یہ کون ہے؟"

"بہت بڑا عذاب اور ایک تنظیم سے تعلق رکھتا ہے۔"

"مگر ہمارا اس سے کیا تعلق......؟"

"وہ ہمارے حالات بدل سکتا ہے' کیا سمجھے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ میں ڈارون سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھو جو صورتحال ہو گئی ہے وہ تمہاری ہی پیدا کی ہوئی ہے۔ اب میں ذرا تفصیل سے تم سے بات کرتا ہوں...... عصرانی صرف تمہاری وجہ سے قتل ہوا' تم جانتے ہو ڈارون دنیا بھر میں کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ وہ ایک ایسا عمل کرے' جس سے حالات اس کے قبضے میں چلے جائیں' لیکن شاید اس نے تمہیں مناسب تربیت نہیں دی' جگہ جگہ تمہاری غلطیوں سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔"

"میں ڈارون سے ملنا چاہتا ہوں مسٹر حمادی' آپ اس کیلئے انتظام کریں کیونکہ ڈارون نے مجھ سے کہا تھا کہ عصرانی کے بعد آپ یہاں میرے مددگار ہوں گے۔"

"ہاں لیکن......"

"بہت سے سوال ہیں' جن میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں کسی جانور کے قبضے میں ہوں یعنی زرغام کی بات کر رہا ہوں' وہاں سے زندہ نکلنے میں مجھے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے' میں بتا نہیں سکتا آپ کو اور آپ نے آرام سے لڑکی کو مجھے بلانے کیلئے بھیج دیا۔"

"دیکھو میں نے کہا نا کہ ایسے بہت سے معاملات ہیں جو تم نے خود الجھائے ہیں۔ اب انتظار کرو میں خود مسٹر ڈارون سے ملنے کے بعد تمہیں اطلاع دوں گا اور اس دوران اگر تم چاہو تو میلا کے ساتھ رات گزار سکتے ہو۔" میں نے گردن ہلا دی اور میلا مجھے اپنے ساتھ اپنے مکان پر لے گئی۔

اس نے اب پہلے کے مقابلے میں بہتر رویہ اختیار کیا تھا۔ یہاں آنے کے بعد سب سے پہلے غسل خانے میں نہانے کیلئے چلا گیا۔ ابھی میں باہر تھا کہ لائٹ آف ہو گئی' لیکن نجانے کیوں' م چھٹی حس نے مجھے احساس دلایا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے' میں نے شاور چلنے دیا اور گیلے بدن پر کپڑے کر گھٹنوں کے بل غسل خانے سے باہر نکل آیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ میں نے آنکھیں پھا دیکھا تو ایک ہیولا سا بیرونی دروازے کے پاس کھڑا نظر آیا۔ میں پوری احتیاط کے ساتھ آگے بڑ اسی وقت سڑک پر سے گزرتی ہوئی کار کی روشنی دروازے کے ساتھ کی دیوار پر پڑی اور میں نے لباس میں ملبوس ایک جسم کو دیکھا۔ شاید وہ میرے غسل خانے سے باہر نکلنے کا منتظر تھا۔ اچانک ہی نے برق رفتاری سے کسی چھپکلی کی طرح رینگ کر اس کی پنڈلی پکڑ لی اور اسے اپنی طرف گھسیٹا۔ سے ایک جسم میرے ساتھ آ گرا۔ ایک نسوانی چیخ بلند ہوئی اور میں نے لپک کر سوئچ آن کر دیا۔ یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوئی کہ وہ میلا ہی تھی۔

''میلا کیا کر رہی تھی یہاں......؟''

''تمہیں بے وقوف بنانے آئی تھی' بنے یا نہیں بنے؟''

''تم اپنی بتاؤ' کیا کہتی ہو تم اس معاملے میں؟''

''جو کچھ بھی ہے بچ گئی' تم' ورنہ' نجانے کیا ہو جاتا تمہارے ساتھ۔''

''چلو ٹھیک ہے' آؤ آرام کرتے ہیں۔''

''تم جانتی ہو کہ میرے آرام کرنے کا طریق کار مختلف ہے۔'' میں نے کہا۔

''اب کیا ارادہ ہے بتاؤ......؟''

''صبح کو دیکھیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔ بہرحال دوسرے دن مجھے میلا نے خصوصی طا پر احمد الائی سے ملایا' وہ مجھے ساتھ لے کر ایک خاص عمارت میں پہنچی تھی اور مجھے اندر جانے کیلئے تھا۔ میں آگے بڑھ کر اس کے کمرے تک پہنچ گیا' جہاں میری ملاقات احمد الائی سے ہوئی تھی' لیک میں نے دیکھا احمد الائی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی ناک کے سرے پر خون بہہ رہا تھا' ماتھے بھی خون کی لکیر تھی۔ اسے گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ گولی اس کے سر کی پشت پر لگی تھی۔ میں وہا سے آگے نکلنے کے لئے جلدی سے چل پڑا۔ میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ عمارت دوسری منزل پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک گولی زن سے میرے سر پر سے گزر گئی۔ یہ گولی بھی سائلنس لگے ہوئے ریوالور یا رائفل سے چلائی گئی تھی۔ میں نے پھرتی سے اپنے آپ کو محفوظ کیا اور پھر سنبھل سنبھل کر زینے پر قدم رکھ کر اوپر چڑھنے لگا۔ دوسری منزل خالی تھی اور فرش گرد سے اٹا ہوا تھا' تیسر اور آخری منزل پر بھی کوئی نہیں تھا۔ میں نے ریوالور ہاتھ میں نکال لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ قاتل یہیں چھپا ہوا ہے۔ ایک رائفل مجھے فرش پر پڑی ہوئی نظر آئی۔ اس کے ساتھ سائلنسر اور دوربین فٹ تھی یقیناً قاتل یہ قتل کرنے کے بعد فرار ہو گیا تھا۔ بہرحال وقت میرا راستہ متعین کر رہا تھا۔ اچانک مجھ

ایک شخص نظر آیا جو ربڑ سول کے جوتے پہنے ہوئے ایک طرف دوڑ رہا تھا۔ میں نے اس پر چھلانگ لگائی تو اس نے دروازے تک پہنچ کر مجھ پر گولی چلا دی۔ اپنے دراز قامت ہونے کے باعث وہ لمبے لمبے قدم بڑھتا ہوا جا رہا تھا۔ میں اس کا پیچھا کرنے لگا۔ تھوڑے فاصلے پر ریل کی پٹڑیاں نظر آئیں۔ ایک مال گاڑی کچھوے کی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ شخص بندر کی سی پھرتی سے ایک ڈبے میں چڑھ گیا۔ میں نے بھی اس کا تعاقب کیا اور اسی ڈبے کے پائیدان پر پاؤں رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ جب میں نے ایک ہاتھ ڈبے کے فرش پر رکھا تو اس نے اچانک سامنے آ کر میرے چہرے پر لات ماری۔ میں نے چہرہ تو بچا لیا لیکن اس کی لات کی ضرب میرے کندھے پر پڑی تھی۔ میرا ایک ہاتھ فرش کے کنارے سے چھوٹ کر لٹک گیا اور دوسرے ہاتھ سے میں نے دروازے کے ہینڈل کو پکڑنے کی کوشش کی۔ اس نے مجھے مارنے کیلئے پھر ٹانگ اٹھائی' لیکن اب میں خود اس کے اس حملے کیلئے تیار ہو چکا تھا۔

چنانچہ میں نے خالی ہاتھ سے اس کا ٹخنہ پکڑ لیا اور زور سے کھینچا تو وہ توازن قائم نہ رکھ سکا' لیکن وہ غضب کا پھرتیلا تھا' پھر وہ گولی چلانے ہی والا تھا کہ میں نے ہینڈل کو پکڑ کر پوری طاقت سے چھلانگ لگائی اور اس پر گر گیا' لیکن وہ بھی کم طاقتور نہیں تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے میرا گلا پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے فرش کو سہارا بنایا اور میرے اوپر آ گیا۔ اس نے مجھے بری طرح دبوچ لیا تھا۔ اس کا ہیٹ اب اس کے سر پر نہیں تھا۔ مفلر بھی گردن سے نیچے لٹک رہا تھا اور اس کا چہرہ پوری طرح میرے سامنے تھا۔ لمبا چہرہ' پچکے گال اور اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے ہوس ٹپک رہی تھی۔

بہرحال میں نے دونوں ہاتھ اس کے شانے پر رکھے اور پوری قوت سے اس کو دھکا دیا۔ اس کا بدن پیچھے کی طرف جھکا اور میں پینترا بدل کر اٹھ گیا' لیکن فوراً ہی اس نے میری ٹانگوں پر وار کیا اور میں گرتے گرتے بچا۔ اگر میں دروازے کا ہینڈل نہ پکڑ لیتا تو سیدھا پٹڑیوں پر جا گرتا۔ میرا سارا دھڑ باہر لٹک رہا تھا اور میں ہینڈل پکڑے جھول رہا تھا۔ میری ٹانگیں بار بار پائیدان سے ٹکرا رہی تھیں۔ اچانک اس نے غراتے ہوئے غوطہ لگایا اور میرے ہاتھ میں اس کے سر کے بال آ گئے۔ اس سے وہ گھٹنوں کے بل گرا۔ اس سے یہ کیفیت تھی کہ میں نے ایک ہاتھ سے ہینڈل کو پکڑ رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں کو۔ میں اسے کھینچ کر گاڑی سے گرانا چاہتا تھا۔ اچانک ہی خودکار دروازہ جھٹکا لگنے سے بند ہو گیا اور میں چلتی ہوئی گاڑی سے نیچے آ گرا۔

گاڑی کی رفتار اگر سست نہ ہوتی تو میرا جسم پہیوں سے کچل گیا ہوتا۔ بہرحال یہ سب کچھ بہت جلدی سے ہو گیا تھا۔ میرے ہوش بحال ہوئے تو میں سکتے میں رہ گیا۔ میرے ہاتھ میں اس آدمی کا سر تھا۔ دروازہ بند ہونے سے اس کی گردن کٹ گئی تھی۔ دھڑ گاڑی میں رہ گیا تھا۔ بالوں پر میری گرفت مضبوط ہونے کی وجہ سے سر میرے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔ مجھے شدید کراہت کا احساس ہوا

اور میں نے اسے دور اچھال دیا اور وہیں پڑیوں کے درمیان پڑا رہا۔ اچانک ہی مجھے ایک آواز دی۔

"ویری گڈ...... ویری گڈ...... ویری گڈ......" میں نے دیکھا تو ایک لمبے چوڑے بد آدمی میرے پیچھے کھڑا مجھے تعریفی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "تم نے بہت زبردست کیا ہے۔ چلو اٹھو' فلوراس تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" میں نے کچھ حیل و حجت کی تو اس نے پستول لیا اور اس کے بعد مجھے اس کی ہدایت پر عمل کرنا ہی پڑا۔ اس کے بعد ہم اسی پتھریلے کمرے میں جہاں مجھے اور فرزینہ کو قید رکھا گیا تھا۔ اب یہاں ایک آدمی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور دو درجن کے قر مسلح آدمی زمین پر نیم دائرے کی شکل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں سے فلوراس ان سے ہاتھ ہلا باتیں کر رہا تھا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ خاموش ہو گیا۔ اس کی عمر انتیس سال سے زیادہ نہیں ہو کافی خوش شکل آدمی تھا۔ میرے ساتھ آنے والے نے اسے سلیوٹ ماری اور اس سے کہا۔

"یہ حاضر ہے چیف!" فلوراس اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور مجھ گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور بولا۔

"معافی چاہتا ہوں کہ تمہیں تکلیفیں اور پریشانیاں اٹھانا پڑیں۔ دراصل میرے ساتھی جان نچھاور کرتے ہیں اور میری بھلائی کیلئے حد سے گزر جاتے ہیں۔ جب میں سکول میں پڑھاتا یہ میرے شاگرد تھے۔ اب یہ مجھے باپ کا درجہ دیتے ہیں۔" میں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ کے چہرے پر ملائمت اور ذہانت تھی۔ اس نے کہا۔ "جو ہونا تھا ہو چکا' مجھے خوشی اس بات کی ہے سے ملاقات ہو گئی۔ آؤ......" اس نے یہ کہہ کر میرا ہاتھ پکڑا اور دوسری کرسی پر بٹھا لیا۔

اس کے آدمی اس سے دور جا بیٹھے تھے۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے میری نظر لکڑی کے ایک بکس پڑی اور وہیں جم کر رہ گئی۔ اس کی نگاہوں نے میری نگاہوں کا تعاقب کیا اور بولا۔

"اس بکس میں دنیا کا اہم ترین راز موجود ہے۔"

"خیر چھوڑو! اب یہ بتاؤ کہ میں تمہارے لئے اور کیا کر سکتا ہوں؟" میں نے سوال کیا۔

"بڑا کام ہے۔ میں سیدھا سیدھا ڈارون کا نام لوں گا۔ ڈارون دنیا کا عظیم ترین شخص اور وہ خوفناک آدمی' جس نے دنیا کو اپنی مٹھی میں لینے کا فیصلہ کر لیا ہے' لیکن اس طرح کہ وہ دنیا انتہائی خطرناک ثابت ہو۔ یعنی ناصر حمیدی اس کی بات کر رہا ہوں میں۔ سارا کھیل ناصر حمیدی کا ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے اگر وہ ہو جائے تو یوں سمجھ لو کہ انتہائی خوفناک صورتحال پیدا ہو جائے کائنات میں اتنی غربت پھیل جائے گی کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا اور تم جانتے ہو کہ غریب اس اٹھ کھڑا ہوتا ہے' جب اس کی قوت برداشت جواب دے جاتی ہے۔ جب فاقہ کشی اس کے دروازے پر دستک دیتی ہے تو وہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اپنی زندگی کی بقاء کیلئے اپنی اولاد کی بقاء وہ کدال اور پھاوڑہ پھینک کر بندوق ہاتھ میں اٹھا لیتا ہے۔

"بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ یہ بات میں دل سے تسلیم کرتا ہوں۔" اچانک ہی اس نے ادھر ادھر دیکھا اور بولا۔

"تم لوگ جاؤ' میں اور مہمان تنہائی میں باتیں کرنا چاہتے ہیں۔" سارے لوگ ایک ایک کر کے وہاں سے چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد فلوراس کہنے لگا۔

"اصل میں تمہیں بہت سی باتوں کا علم نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ......" ابھی اس کا یہ جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ گولی کی آواز گونجی اور اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ وہ ایک لمحے کے اندر موت کی آغوش میں جا سویا تھا' لیکن گولی کی آواز سے کان میں بھگدڑ مچ گئی۔ میں نے اضطراری طور پر ریوالوار نکال لیا۔ یہ میری غلطی تھی۔ بعید نہ تھا کہ یہ لوگ مجھے ہی فلوراس کا قاتل نہ سمجھ بیٹھتے۔ اچانک ایک آواز کان میں پڑی۔

"اے...... تیمور پاشا...... تم ادھر آ جاؤ۔" میں نے چاروں طرف دیکھا مگر کوئی نظر نہیں آیا۔ آواز پھر آئی۔ "میز کے نیچے دری ہٹاؤ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں جلدی کرو۔" میں جلدی سے میز کے نیچے گھسا اور دری ہٹائی تو دیکھا کہ ایک سرنگ تھی۔ کوئی بیس فٹ کے فاصلے پر ہلکی سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ گویا سرنگ اتنی ہی طویل تھی' لیکن مجھے رینگ کر اس میں سے گزرنا پڑا۔ میں اس کے دہانے پر پہنچا تو باہر سے ایک ہاتھ آگے بڑھا۔ میں اسے تھام کر باہر نکلا۔ یہ ایک چار دیواری تھی' جس پر چھت نہیں تھی اور میرے سامنے وہی لمبا چوڑا آدمی کھڑا ہوا تھا۔

"یہاں سے نکل چلو ورنہ تمہیں یہ لوگ مار ڈالیں گے۔" مجھے چار دیواری سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس آدمی نے کمر سے ایک رسی کھولی اور اس کے ایک سرے کا پھندا بنا کر نوکیلے پتھروں کی دیوار پر پھینکنے لگا۔ تھوڑی سی کوشش سے پھندا دیوار سے اٹک گیا اور وہ پھرتی سے اوپر چڑھ گیا۔ میں نے اوپر چڑھ کر دیکھا کہ ہمارے دونوں طرف کھنڈرات بکھرے ہوئے تھے۔ سامنے جنگل تھا۔ ہم اب کی بار باآسانی باہر کود گئے اور دائیں طرف کے کھنڈرات کی طرف چل پڑے۔

"فلوراس کو قتل کر دیا گیا ہے' لیکن تمہیں جس نے طلب کیا ہے وہ ایک ایسی شخصیت ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"میں بالکل نہیں جانتا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"آؤ میرے ساتھ۔" اس نے کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم نے سامنے سے دو آدمیوں کو آتے دیکھا۔ یہ مصری تھے۔ ایک تنومند اور لمبے قد کا مالک تھا اور دوسرا درمیانے قد کا اور تیس سال کے لگ بھگ تھا۔ انہوں نے ایک بڑی سی مرسیڈیز کار کا دروازہ کھولا اور اس کے بعد ان میں سے ایک نے کہا۔

"آؤ بیٹھو......"

''لیکن آخر تم لوگ......؟''

''بیٹھو پلیز! باقی ساری باتیں بعد میں......'' اس نے کہا اور میں بحالت مجبوری اس گیا۔ کار سٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی تھی۔ قاہرہ کے گلی کوچے' جن سے اب مجھے کافی واقفیت ہ گئی تھی میری نگاہوں کے سامنے آ گئے۔ کار نے خاصا طویل سفر طے کیا تھا اور یہ نجانے کون تھا' جہاں وہ جا کر رکی تھی' لیکن جس عمارت کے سامنے وہ جا کر رکی تھی' وہ نہایت عالیشان تھی۔ مصر کے قدیم طرز تعمیر کا ایک حسین ترین نمونہ' جدید اور قدیم کا امتزاج۔ وہ بہت ہی خو عمارت تھی۔ ان لوگوں کے ساتھ میں کار سے نیچے اتر گیا۔ لمبے چوڑے بدن کا مالک شخص احترام کے ساتھ مجھے لئے ہوئے اندر داخل ہوا۔ عمارت کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ایک دروازے کے سامنے رکا اور ایک دروازہ کھول کر اس نے مجھ سے کہا۔

''اندر تشریف لے جایئے جناب!''

''لیکن تم نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟''

''آپ کو اندر جا کر سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔'' اور میں شانے ہلا کر اندر داخل ہ طرح کے خطرات مول لے لیے تھے میں نے' لیکن کرتا بھی کیا۔ ایک عجیب وغریب چکر میر تھا۔ جس جگہ مجھے پہنچایا گیا تھا' وہ بہت ہی خوبصورت اور جدید طرز کا ڈرائنگ روم تھا۔ ا صوفے پڑے ہوئے تھے کہ ان کی قیمت کا تعین بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں تھکے تھکے سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ جن حالات سے گزر کر آیا تھا' انہوں نے مجھے تھکا دیا تھا۔ ویسے حالا طرح کے گزر رہے تھے کہ کچھ سمجھ میں ہی نہ آئے' پھر ایک شخصیت اندر داخل ہوئی اور میری ایک لمحے کیلئے بند سی ہو گئیں۔ وہ آمنہ تھی۔ سو فیصدی آمنہ کی کسی شبہے کی کوئی گنجائش ہی نہ اس وقت وہ ایک انتہائی جدید لباس میں موجود تھی اور بالکل ایک ماڈرن لڑکی نظر آ رہی تھی۔ ہونٹوں پر ایک شناسائی کی مسکراہٹ تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میرے عزیز دوست زرمناس!'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی ۔ صورت دیکھتا رہا۔

''تمہیں حیرانی ہوئی ہو گی۔ شاید غصہ بھی آ جائے کہ میں کس طرح تمہارے معا مداخلت کر لیتی ہوں' لیکن زرمناس سرزمین مصر پر تمہاری آمد میری ہی آرزوؤں کا نتیجہ ہ جانتے زرمناس! کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔''

''کاش میں تمہیں تمہارے اصل نام سے پکار سکتا۔''

''آمینہ! میرا اصل یہی نا ہے۔''

''مگر میرا نام زرمناس نہیں ہے۔''

''کیوں ضد کرتے ہو؟ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ تمہارے ذہن پر ماضی کی گرد جم

نہ تم سو فیصدی زرمناس ہی ہو۔''

''میں نے کہا ناں کہ میں تمہیں عقل نہیں دلا سکتا۔ کیا کروں میری مجبوری ہے۔'' وہ خاموشی ے مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔

''اچھا بتاؤ کچھ پینے کیلئے منگواؤں تمہارے لئے۔''

''اگر ممکن ہو تو صرف پانی۔'' اس نے قدیم ملکاؤں کے سے انداز میں تالی بجائی اور اس بار دو افراد اندر داخل ہوئے وہ قدیم مصری لباس میں ملبوس تھے' اور ان کا انداز غلاموں جیسا تھا۔

''صندل کا شربت لاؤ...... اور جلدی۔'' صندل کا شربت انتہائی خوبصورت جگ میں آ گیا' ر میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر کئی گلاس پی ڈالے۔ اس وقت ذہن اسی کیفیت کا شکار تھا۔

''مجھے دیکھ کر حیران ہو رہے ہو گے' لیکن کیا کریں جیسا دیس ویسا بھیس۔'' مجبوریوں نے ے یہ رخ اختیار کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ زرمناس میں تمہیں سچ بتا رہی ہوں اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتا تی ہوں کہ تم کس طرح یہاں تک آئے ہو؟ بولو جاننا چاہو گے لیکن تم جس طرح بھی یہاں آئے ہو ے مقصد کی تکمیل تمہاری ذمے داری ہے۔ اچھا یہ بتاؤ ساتواں موتی تمہارے پاس موجود ہے۔''

''ہاں وہ میرے پاس ہے۔''

''بس اس کی حفاظت کرنا۔ وہ تمہاری زندگی کا ایک حصہ ہے اور تم اس سے الگ نہیں ہو ۔ میں تمہیں بتاؤں کہ اگر تم اس ساتویں موتی کو دریائے نیل میں بھی پھینک دو گے تو جب تمہیں ں آئے گا وہ تمہارے پاس ہو گا۔ اس وقت تک جب تک کہ تم اس مقصد کی تکمیل نہیں کر لیتے۔ ا کیلئے کائنات سرگرداں ہے۔''

''بولتی رہو۔ تمہارے الفاظ میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہے اور نہ ہی میں جانتا ہوں کہ تمہارا مقصد کیا ہے؟''

''آہ...... کاش محبت کے رشتوں سے میں تمہیں وہ سب کچھ سمجھا پاتی۔ ویسے میں تمہیں ایک ت بتا دوں زرمناس! یہ ساتوں منزلیں طے کیے بغیر تم بھی ان حالات سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔''

''ابھی تم نے ایک بات کہی تھی۔''

''کیا......؟''

''کہ تم مجھے بتا سکتی ہو کہ میں کس طرح یہاں تک پہنچا۔''

''ہاں...... زرمناس میں جانتی ہوں کہ ابھی میرے اور تمہارے درمیان اعتماد کا رشتہ قائم نے میں خاصا وقت لگے گا۔''

''یہ تو ہے۔ مجھے ابھی تم پر کوئی اعتماد نہیں ہے۔ تم لوگ کیا کر رہے ہو اور مجھ سے کیا کام لینا ہتے ہو؟ یقین کرو میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتا۔ ہاں یہ ایک الگ بات ہے کہ میں عجیب وغریب چنوں میں جکڑا ہوا ہوں۔ تو میں تم سے کہہ رہا تھا کہ تم بتاؤ کہ میں یہاں کس طرح پہنچا۔''

"جہانگیر پاشا کے بیٹے تیمور پاشا وقت اس طرح تبدیل ہوتا ہے۔ بعض شخصیتوں کو پ
قوتیں اپنا مشیر خاص مقرر کر لیتی ہیں۔ تم ہمارے ہمدرد ہو اور اس تک تم ہی ہمیں پہنچا سکتے ہ
تک پہنچ کر ہم حیات ابدی حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ مت سمجھا کہ میں تمہیں کسی غلط راستے پر لے
ہوں۔ دیکھو ہر منزل تک پہنچنے کیلئے ایک سیڑھی ہوتی ہے اور بعض لوگوں کو اس سیڑھی کے طور پر
دیا جاتا ہے۔ وہ تمہارا منتظر ہے' وہ جس نے بڑی معصوم سی زندگی گزاری ہے اور...... وہ......
منزل تک پہنچنے کیلئے کوئی راستہ نہیں پاتا۔"

"وہ......کون ہے......؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آشونا......"

"خوب......گویا ایک نیا نام سامنے آیا۔"

"وہ بھی ماضی قدیم کا ایک کردار ہے' لیکن موجودہ وقت میں اسے آشونا کے نام س
جاتا ہے۔ ماضی قدیم کا یہ کردار آشونا ہی تھا' لیکن آج اس کا نام بدلا ہوا ہے۔"

"آج اس کا نام کیا ہے؟"

"سادان...... سادان نام ہے اس کا۔"

"خوب...... آشونا...... سادان' ماضی قدیم کا ایک کردار۔ مگر بات پھر گول کر گئیں تم
ہی چالاک معلوم ہوتی ہو۔" میں نے اب اپنے حواس پر قابو پا لیا تھا۔

"تو پھر سنو۔ اس انداز میں تمہیں اس شخص کے پاس پہنچایا گیا جس کا نام ڈارون ہے
کے بارے میں تفصیل بتانا بےکار ہے۔ یہ نام بتا دیا کافی ہے۔ ڈارون نے تمہیں دنیا کا امیر ک
بنانے کا وعدہ کیا اور آخر کار تم مختلف حالات اور حادثات سے گزرتے ہوئے مصر پہنچ گئے۔
تمہیں جن کرداروں سے واسطہ پڑا ان کے بارے میں بھی میں تمہیں تفصیل بتا سکتی ہو
چھوڑو۔ ایک آدھ نام بتا دیتی ہوں جیسے نصرانی' فلوراس وغیرہ۔ یہ سب کہانی کا ایک حصہ ہیں
ناصر حمیدی کے خلاف کام پر آمادہ کیا' لیکن تمہارا اصل مسئلہ وہ ہی نہیں ہے۔ میں تمہیں ایک
دوں تم جن دو قوتوں کے درمیان پھنسے ہوئے ہو انہیں ابھی بہت دیر تک نہیں سمجھ پاؤ گے۔
سے ایک قوت ڈارون ہے' جسے تم چاہو کچھ بھی کہہ لو۔ وہ تمہارے لئے کچھ بھی بن جائے لیکن
یہ ہے کہ ڈارون کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ ناصرف زندگی کے خلاف وہ تمہاری شاندار قو
فائدہ اٹھانا چاہتا ہے' لیکن وقت تمہارے لئے کچھ اور ہی کہانی مقرر کر چکا ہے۔ تم جن واقعا
گزر چکے ہو وہ بہت دلچسپ ہیں۔ بے شک تمہارے لئے' لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ تمہارا ا
کچھ اور ہی ہے اور تم دنیا کے کسی بھی گوشے میں جا کر چھپ جاؤ تمہیں اسی اصل کام کی جان
لوٹنا پڑے گا۔"

"زبردستی۔"

"نہیں اسے زبردستی نہ کہو بلکہ وقت تمہیں خود کھینچ کھانچ کر اس منزل تک لے آئے گا۔
تمہیں وہ ساتوں مقاصد پورے کرنے ہیں' جس کے بعد سادان اپنی منزل تک پہنچ سکے گا۔"

"گویا...... میں سادان کا غلام ہوں۔"

"نہیں غلام بالکل نہیں ہو۔ تم یہ سمجھ لو کہ تم سادان کے رہنما ہو۔"

"عجیب بات ہے یہ سادان کون صاحب ہیں اور میں بلاوجہ ان کا رہنما کیسے بن گیا؟ یار!
ایک بات بتاؤں تمہیں کیا نام بتایا تم نے چلو آمنہ ہی سہی۔ کھوپڑی مت گھماؤ میری' اگر میری کھوپڑی
گھوم گئی تو تمہاری اور تمہارے سادان کی ایسی تیسی۔" وہ بے اختیار میری بات پر مسکرا پڑی اور مجھے
یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ واقعی اسی دنیا کی ایک فرد ہو اور جو کچھ وہ کر رہی ہے وہ محض ایک ڈرامہ ہو۔

"یہ ایک حقیقت ہے آمنہ کہ میں نے ایک عجیب وغریب زندگی گزاری ہے۔ تم نے مجھے
میرے ماضی کے بارے میں جو کچھ بتایا اس نے مجھے بے شک حیران کیا ہے' لیکن پھر بھی میں اتنا
ضرور بتا دوں گا تمہیں کہ میں اس وقت تک اپنی زندگی پر بوجھ رکھتا ہوں جب تک بات میرے مزاج
کے مطابق ہو۔"

"دیکھو میں یہ نہیں کہتی کہ تم کسی بھی سلسلے میں مجبور ہو۔ یا مجبور کیے جا سکتے ہو' لیکن بعض کام
ایسے ہوتے ہیں' جنہیں انسان ناپسند کرتے ہوئے بھی پسند کرنے لگتا ہے اور اپنی خوشی سے انہیں
سرانجام دیتا ہے۔ میں تم سے بھی یہ ہی بات کہہ رہی تھی کہ بہرحال میں تمہیں یہ ہی مشورہ دیتی ہوں
کہ ذمہ داری تاریخ نے تمہارے شانوں پر رکھ دی ہے۔ اس کی تکمیل کر لو ورنہ پراسرار روحیں تمہارا
تعاقب کرتی رہیں گی۔ تم اپنی اس کوٹھی میں بھی سکون کا وقت نہیں گزار سکو گے جو ڈارون تمہیں دے گا
جبکہ اس بات کا بھی تم یقین کر لو کہ ڈارون نے جو ذمے داری تمہارے سپرد کی ہے وہ اتنی آسان نہیں
ہے۔ اس کے لئے تمہیں بڑے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔"

"خدا کی پناہ...... تم یہ بھی جانتی ہو۔" میں نے کہا اور وہ سنجیدہ ہو گئی پھر بولی۔

"میں تم سے آخری بات کہنا چاہتی ہوں تیمور پاشا! جو کہانی چل رہی ہے اس میں کوئی
تبدیلی نہ میرے لئے ممکن ہے اور نہ تمہارے لئے۔ تم چاہے کتنا ہی حالات سے فرار اختیار کرو۔ وقت
تمہیں گھیر گھار کر اسی جگہ لے آئے گا جو تمہارے لئے منتخب کر لی گئی ہے۔ اس لیے تیمور پاشا میری مانو
تو وہی کرو جو تمہارے حق میں بہتر ہو۔ سادان سے تم ملو گے تو وہ تمہیں متاثر کرے گا۔ اس کی کہانی
بھی بڑی عجیب وغریب ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں سادان سے مل لینا چاہئے۔"

"میں اس سے کہاں مل سکتا ہوں؟"

"اس کا بندوبست میں کروں گی۔" وہ بولی اور اچانک ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ بہت جلد تم سے دوسری ملاقات ہو گی۔" وہ کچھ عجلت سے
اٹھی تھی کہ میں خود بھی حیران رہ گیا۔ ایسا لگا تھا جیسے اسے کسی خاص چیز نے متاثر کیا ہو۔ بہرحال اس

کے بعد میں اس عمارت سے باہر نکل آیا۔ مرسڈیز مجھے لے کر چل پڑی اور تھوڑی دیر کے بعد
میری اس رہائش گاہ پر چھوڑ دیا گیا جہاں میں مقیم تھا۔ یہ ساری باتیں ناقابل فہم تھیں۔ بڑے پرا
واقعات سے میرا سامنا پڑا تھا' اور میں' جس نے زندگی بڑے عجیب وغریب انداز میں گزاری تھ
رنگون شاہ اور دوسرے لوگوں نے مجھے جو آتش فشاں بنایا تھا' اب وہ آتش فشانی یہاں تک آ گئی تھ
اپنے کمرے میں آرام کرتے ہوئے میں حالات و واقعات پر غور کرنے لگا۔ لعل شب چراغ میر
پاس موجود تھا اور جب بھی میں اسے دیکھتا مجھے یوں لگتا جیسے کچھ کہانیاں میرے ذہن میں اتر
ہوں۔

میں نے آنکھیں بند کرلیں اور اس سوچ میں ڈوب گیا کہ اب اصولی طور پر مجھے ایک فی
کر لینا چاہئے۔ ڈارون مجھ سے چاہتا تھا کہ میں ناصر حمیدی کے خلاف بھرپور مہم میں حصہ لوں
سرزمین مصر کے یہ احرام جن میں زندگی ہی الگ تھی مجھے دوسرے راستوں کی طرف متوجہ کر رہے
اور مجھے فیصلہ کرنا تھا' پھر میں نے ایک فیصلہ کر ہی لیا۔ کچھ بھی ہو جائے مجھے آمنہ کی بات مان
چاہئے ورنہ یہ پراسرار قوتیں میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔ مجھے کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا۔ آخرکار یہ آ
فیصلہ کر لینے کے بعد میں نے سوچا کہ میں آمنہ سے اپنی آمادگی کا اظہار کر دوں' لیکن ایک دم
بھونچکا سا رہ گیا۔ میں نے سوچا کہ وہ عمارت تو میرے ذہن کے کسی گوشے میں نہیں ہے جہاں
لے جایا گیا تھا' نہ ہی میں نے آمنہ سے رابطے کا کوئی اور ذریعہ پوچھا۔ یہ ساری باتیں کیسے ممک
سکتی ہیں۔

میں کیسے اسے اپنے بارے میں یہ بات بتاؤں گا کہ میں اس کی خواہش پر آمادہ ہو گیا ہو
یہ ایک سوچنے والی بات تھی۔

❁❁❁

دوسرے دن کوئی ساڑھے گیارہ بجے کے قریب میرے دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے
ہولت بھری آواز میں کہا۔
"کون ہے آ جاؤ......؟" آنے والوں کو ایک لمحے کے اندر میں نے پہچان لیا تھا۔ ان میں
ے ایک وہی تھا' جو پچھلے دن مجھے مرسڈیز میں بٹھا کر لے گیا تھا۔ میں جلدی سے سنبھل گیا۔ اس
ت اس شخص کے انداز میں بڑا احترام تھا۔ اس نے گردن خم کر کے کہا۔
"نیچے گاڑی تیار کھڑی ہے جناب عالی! اگر آپ تیار ہونے میں کچھ وقت لینا چاہیں تو......"
"صرف پانچ منٹ...... کیا وہی کل والی مرسڈیز ہے؟"
"جی...... عالی مقام!" اس شخص نے گردن خم کر کے کہا۔
"انتظار کرو میں پہنچ رہا ہوں۔" پھر میں نے تیاری میں زیادہ وقت نہیں لیا تھا اور نیچے جا کر
رسڈیز کے پاس پہنچ گیا۔ دو افراد تھے' وہی جو کل مجھے ملے تھے۔ ان میں سے ایک نے ڈرائیونگ
یٹ سنبھالی ہوئی تھی۔ دوسرے نے آگے بڑھ کر میرے لیے دروازہ کھولا۔ جب میں اندر بیٹھا تو وہ
رائیور کے برابر میں بیٹھ گیا اور مرسڈیز چلنے کیلئے سٹارٹ ہوگئی۔ میں ایک عجیب سی کیفیت محسوس
کررہا تھا۔ آخرکار ہم قاہرہ کے ایک پررونق اور دولتمند لوگوں کے رہائشی علاقے میں پہنچ گئے۔ جس
ظیم الشان کوٹھی کے احاطے میں مرسڈیز رکی تھی وہ معمولی نہیں تھی۔ اس کا لان ہی انتہائی شاندار تھا۔
ن کے بیچوں بیچ ایک وسیع وعریض سوئمنگ پول تھا۔ ملازم قسم کے لوگ ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔

عمارت کے مرکزی دروازے پر مجھے آمنہ نظر آئی۔ وہ ایک مالکہ جیسی شخصیت سے کھڑی
برا انتظار کر رہی تھی۔ میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے بڑے پیارے انداز میں میرا استقبال کیا اور
جھے لے کر آگے بڑھ گئی۔ دروازے کے دوسری جانب ایک طویل راہداری تھی۔ جس میں سرخ
الین بچھا ہوا تھا۔ دیواریں بھی سرخ پتھر سے بنی ہوئی تھیں۔ یہ عمارت مصری طرز تعمیر کا ایک حسین
اہکار تھی اور اس میں مصر کی قدیم و جدید شناخت جھلک رہی تھی۔ میں اس کوٹھی کے ماحول سے
بے حد متاثر ہوا۔ ایک عجیب سا احساس میرے ذہن پر طاری ہو گیا۔ آمنہ مجھے لئے ہوئے ایک
کمرے میں آ گئی۔ یہ کمرہ بھی قابل دید تھا۔ شاید یہ بیڈروم تھا' لیکن بہت وسیع اور نہایت حسین فرنیچر
سے آراستہ۔

"یہ تمہارا ہے؟"

"کیا......؟" میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"میرا مطلب ہے تمہارا رہائشی کمرہ۔"

"میرا......؟"

"ہاں......"

"لیکن آئینہ......؟"

"اصل میں بات وہ ہی ہے کہ تم نے صورتحال کو صحیح طور پر نہیں سمجھا' جبکہ میں نے تمہ
طرح سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا......؟" میں نے سوال کیا۔

"زرمناس تم ہمارے لئے بہت بڑی حیثیت رکھتے ہو۔ تم نے اس بات کو دل سے تسلیم
کیا۔"

"وجہ ہے ناں اس کی۔" میں نے کہا۔

"یہ ہی ناں کہ تم کہو گے کہ تم زرمناس نہیں ہو۔"

"چھوڑو ان باتوں کو' اب تو میں زرمناس بننے کیلئے ادھر آ گیا ہوں' ویسے یہاں اور کون
رہتا ہے؟"

"ملازم ہیں۔"

"نہیں میرا مطلب ہے تمہارے علاوہ۔"

"ملازم......" اس نے کہا اور ہنس دی' پھر جلدی سے بولی۔ "نہیں ان کے علاوہ کوئی او
ہے۔"

"تمہاری خوابگاہ کہاں ہے؟"

"اس کمرے کے برابر۔" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ بہرحال میں کیا کہہ سکتا ہوں اس بارے میں۔"

"دیکھو ہر کام رفتہ رفتہ ہی ہوتا ہے۔ تم نے اپنے آپ کو زرمناس تسلیم نہیں کیا' لیکن عا
بات ہے کچھ وقت کے بعد تم اپنے آپ کو زرمناس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہو گے۔"

"جادوئی قوتوں کے زیر اثر اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"نہیں...... یہ جادوئی قوتیں نہیں ہیں۔ تمہاری زندگی کا ایک مشن ہے جو تمہیں سرانجا
ہے۔"

"میری زندگی میں تو نجانے کتنے مشن آ گئے ہیں؟"

"ڈارون کی بات کر رہے ہو ناں۔"

"دیکھو ایک بات کہوں تم سے' ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو کہ وقت سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ وقت وہ سب سے بڑی قوت ہے' جس کے آگے سب کچھ بیکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وقت سے جھگڑا نہ کرو تو بہتر ہو گا۔"

"ٹھیک ہے' میں نے خود کو وقت کے حوالے کر دیا ہے۔"

"اور میں تمہیں یہ بات بھی بتاؤں زرمناس کہ وقت کے فیصلے ہی ٹھیک ہوتے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ تم ڈارون کے زیر اثر ہو اور تم نے اس سے بہت سی امیدیں وابستہ کر لی ہیں' لیکن یقین کرو وقت تمہارے بارے میں جو بھی فیصلہ کرے گا وہی بالکل ٹھیک ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ تم ڈارون کیلئے بھی کارآمد رہو اور ادھر اپنی منزل کی جانب بھی بڑھتے رہو۔ میں تمہیں بتاؤں گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

بہرحال میں اس عمارت میں مقیم ہو گیا۔ میرے لئے لباس وغیرہ تیار کرائے گئے اور سچ مچ مجھے ان لباسوں میں زرمناس ہی بنا دیا گیا۔ میں زیادہ تر آمنہ کے ساتھ ہی وقت گزارتا۔ اس نے مجھے صحیح معنوں میں احرام مصر' ابوالہول' اصوان اور مصر کی سب قابل ذکر جگہوں کی سیر کرائی۔ اس نے مجھے دریائے نیل میں میلوں کشتیوں کا سفر کرایا۔ بس کبھی کبھی وہ کہیں چلی جاتی تھی' لیکن دوسرے ہی دن واپس آ جاتی۔

"زرمناس اگر خود کبھی تمہارے دل میں کبھی کوئی خیال ہو تو مجھے اس بارے میں بتاؤ۔"

"خیالات تو بہت سے ہیں میرے دل میں۔ تم نے مجھ سے سادان کا تذکرہ کیا تھا۔ میں سادان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"میں نے کہا ناں تھوڑا سا وقت کا انتظار کرنا ہو گا۔ اس کے بعد ہی تمہاری ملاقات سادان سے ہو سکتی ہے۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموشی اختیار کر لی تھی' پھر نجانے کتنے دن گزر گئے اور ایک دن اس نے مجھ سے کہا۔

"تم سادان سے ملنے کیلئے تیاری کر لو۔" میرے ذہن پر ایک عجیب سا احساس طاری ہو گیا۔ بہرحال اس نے مجھے تیار کیا اور اس کے بعد مجھے لے کر چل پڑی۔ ایک اور عمارت میں داخل ہو کر ہم لوگ ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ اس نے کہا۔

"میں سادان کو بلا کر لاتی ہوں۔" جس عمارت میں ہم لوگ داخل ہوئے تھے' وہ بھی بے حد خوبصورت تھی۔ ایک کشادہ اور خوبصورت عمارت' پھر اس نے مجھے سادان سے ملایا اور اسے دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ درحقیقت یہ تو آسمانی مخلوق ہی معلوم ہوتا تھا' حسن و جمال کی ایک ایسی تصویر میں نے تمام زندگی نہیں دیکھی تھی۔ اس زمین کی مخلوق ہی نہیں لگتا تھا۔ سرخ و سفید رنگ' بھرا بھرا چہرہ' بڑی بڑی نیلی آنکھیں' کشادہ پیشانی جس پر سنہرے گھنگھریالے بالوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ یونانی سنگ تراشوں کا کمال لگتا تھا وہ۔ ایک بار نظر ڈالو تو ہٹائے نہ ہٹے۔ میں اسے دیکھ کر ساکت رہ گیا۔

آمنہ نے اس سے میرا تعارف کرایا۔

''سادان یہ زرمناس ہیں۔''

''میں آپ کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں جناب! آپ میرے راہنما بنیں گے۔''

''ہاں...... کیوں نہیں تم تو واقعی بہت پیاری شخصیت کے مالک ہو۔''

''اور آپ بھی مجھے بہت پسند آئے۔'' سادان نے کہا۔ کافی دیر تک میں سادان کے ساتھ رہا۔ آمنہ نے کہا۔

''سادان ہم لوگ چلتے ہیں۔''

''زرمناس اتنے اچھے ہیں کہ میرا ان سے جدا ہونے کو دل نہیں چاہتا۔''

''بہت جلد ہم لوگ ساتھ ساتھ سفر کریں گے۔'' واپسی میں' میں نے کہا۔

''سادان کے بارے اگر تم نے کچھ اور نہ بتایا آمنہ تو میں الجھن میں ہی رہوں گا۔''

''مختصر سی کہانی میں سنائے دیتی ہوں تمہیں اس کے بارے میں۔ سادان میرا آقا زادہ ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

''ہاں وہ بچپن سے میرے والد کی کفالت میں تھا اور میرے والد نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا کہ اس کی عمر اس وقت صرف پانچ سال تھی۔ جب میرے والد اسے لے کر یہاں آئے تھے۔ اس وقت ہمارے مالی حالات اچھے نہیں تھے۔ میرے والد کسی بہت ہی دولت مند شخص کے پرسنل سیکرٹری تھے۔ اس دولت مند شخص کے بارے میں انہوں نے یہ بتایا تھا کہ وہ ایک قدیم نسل سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا دیوتا مانا جاتا ہے۔ وہ ایک بہت بڑی حیثیت کا مالک تھا۔ موت کے وقت اس نے اپنے بیٹے کو میرے والد کی تحویل میں دیتے ہوئے کچھ ہدایات بھی دی تھیں۔ جس کے بارے میں یقین کرو مجھے بھی نہیں معلوم۔

ہاں...... میرے والد جب اس بچے کے ساتھ آئے تھے تو ان کے پاس ایک قدیم طرز کا چوبی صندوق تھا۔''

''مجھے ایک بات بتاؤ آمینہ......''

''کیا......؟''

''بظاہر تو تم زمانہ قدیم کے بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ فراعنہ کے دور کی ایک روح کی حیثیت سے مجھ سے متعارف ہوئی ہو' لیکن اب تم ایک اور کہانی سنا رہی ہو۔''

''یہی تو اصل کہانی ہے' جس کی حقیقت تمہیں بعد میں پتہ چلے گی۔ بالکل اسی طرح جس طرح آج تم اپنے آپ کو تیمور پاشا کہتے ہو۔ میں بھی اس دور کا ایک نیا کردار تھی لیکن جب مجھے ماضی کے احرام میں داخل ہونا پڑا تو پتہ چلا کہ میرا تعلق تو ماضی کی ایک عظیم داستان سے ہے' اور یہاں

میں دوہری شخصیت کا شکار ہوگئی۔ یعنی اس عظیم داستان کا ایک کردار اور موجودہ دور کی جریرہ۔''

''جریرہ......؟''

''ہاں......''

''یہ ایک نیا نام میرے سامنے آیا ہے۔''

''میں نے تمہیں بتانا مناسب نہیں سمجھا۔''

''لیکن کیوں......؟''

''اس لئے کہ میں جریرہ نہیں ہوں بالکل اسی طرح جس طرح تم تیمور پاشا نہیں ہو۔'' اس نے کہا اور میں نے غراہٹ بھرے انداز میں کہا۔

''میں تسلیم نہیں کرتا۔''

''وقت تمہیں تسلیم کرائے گا۔''

''میں کبھی تسلیم نہیں کروں گا۔''

''یہ بات وقت پر چھوڑ دو۔''

''مجھے چیلنج کر رہی ہو؟''

''نہیں......''

''تو پھر......؟''

''میں تم سے ہر طرح کا تعاون کرنا چاہتی ہوں۔ کہیں بھی ایسا نہیں چاہتی کہ تم اپنے آپ کو میرا مدمقابل سمجھو۔ تو میں تمہیں بتا رہی تھی کہ وہ ایک بہت بڑی شخصیت کا مالک تھا۔ موت کے وقت اس نے اپنے بیٹے کو میرے والد کی تحویل میں دے کر چند ہدایات دی تھیں۔ بہرحال جب میرے والد اس بچے کے ساتھ گھر میں آئے تھے تو ان کے پاس قدیم طرز کا ایک چوبی صندوق بھی تھا۔ یہ صندوق ہمارے پاس محفوظ ہے۔ والد صاحب نے اس بچے کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا۔ وہ اس کے ساتھ بڑی عزت و احترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔ شروع شروع میں یہ بچہ بھٹکا بھٹکا سا رہا' لیکن ہماری محبتوں نے اسے سنبھال لیا۔ زندگی گزرتی چلی گئی اور اس وقت تقریباً اس کی عمر نو سال کے قریب ہوگی' جب میرے والد پر نمونیہ کا شدید حملہ ہوا اور ان کی زندگی کی کوئی امید نہ رہی۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری وقت میں مجھے ساوان کے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔''

''آمنہ سادان ہمارے پاس کسی کی امانت ہے۔ ہمارے بدلے ہوئے حالات سادان ہی کے مرہون منت ہیں۔ یہ تمام دولت انہیں کی ہے' لیکن یقین کرو کہ میں نے اپنے آقا کی یہ دولت ان کی مرضی کے بغیر استعمال نہیں کی۔ میرے آقا نے مرتے وقت مجھے یہ نصیحت کی تھی کہ میں اس بچے کو اپنی تحویل میں لے لوں اور اس کی پرورش کروں۔ جب یہ پچیس سال کا ہو جائے تو یہ چوبی

صندوق اس کے حوالے کر دوں اور اس وقت کا انتظار کروں' لیکن موت مجھے مہلت نہیں دے رہی کہ میں اپنے آقا کا حکم اپنے ہاتھوں سے بجالاؤں۔ تم میری بیٹی ہو اگر میرا کوئی بیٹا ہوتا تو مجھے اتنا تردد نہ ہوتا۔ بہرحال یہ امانت میں تمہارے سپرد کیے جا رہا ہوں۔ آمنہ ہم دوہری زندگی کے مالک ہیں۔ اصل میں ہم ماضی کے کچھ کردار ہیں' جو حال میں جی رہے ہیں' لیکن یہ حال ہماری اصل نہیں ہے۔ ہماری اصل ماضی ہی ہے۔ تم اس وقت کو ابھی نہیں سمجھ پاؤ گی' لیکن وقت تمہیں سب کچھ سمجھا دے گا سمجھیں۔''

''صندوق تہہ خانے میں موجود ہے اور اس کی چابی بھی اس کی پشت میں موجود ہے۔ جب سادان پچیس سال کا ہو جائے تو یہ چابی اس کے حوالے کر دی جائے۔ اس سے پہلے اس صندوق کو کبھی نہ کھولنا یہ میری وصیت ہے' اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنے باپ کی وصیت کا احترام کروگی۔ اس صندوق میں ایک عجیب وغریب زندگی کے راز چھپے ہوئے ہیں اور ان رازوں کا قبل از وقت افشا ہو جانا خود تمہاری زندگی کیلئے خطرناک ہوسکتا ہے۔ میرے والد صاحب اس دنیا سے چلے گئے۔ میں ان کی ایک ایک بات کو ذہن میں محفوظ کیے ہوئے تھی۔ بہرحال میں وقت گزار رہی تھی اور پھر...... پھر..... مجھے معاف کرنا کچھ ایسے معاملات بھی ہیں' جو میں تمہیں ابھی نہیں بتا سکتی کیونکہ یہ بھی ایک پابندی ہے۔ بہرحال جریرہ نے اپنے آپ کو آمنہ کے روپ میں محسوس کیا اور مجھ پر ماضی کے راز کھلتے چلے گئے۔

''اور اس کے بعد وقت گزرتا چلا گیا اور میں یہاں تک آ گئی ہوں۔''

''تعجب کی بات ہے آمینہ..... تعجب کی بات ہے۔ کیا تم مجھے وہ صندوق دکھانا پسند کروگی۔''

''ہاں کیوں نہیں۔'' اس نے کہا اور اسی رات وہ مجھے لے کر اس تہہ خانے میں گئی اور میں نے اس پراسرار چوبی صندوق کو دیکھا' جس میں نجانے کیا کیا راز پوشیدہ تھا۔ بہرحال وقت آ گیا تھا اور یہ لمحات گزر چکے تھے۔ سادان کی عمر پچیس سال کی ہونے والی تھی۔ وہ حسن و جمال کا پیکر تھا' بہت کم اسے اس عمارت سے باہر نکالا جاتا تھا۔ آمنہ نے بتایا کہ لاتعداد لڑکیاں اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ اسے جب بھی باہر نکالا جاتا ہے طرح طرح کے واقعات جنم لینے لگتے ہیں۔ میں نے اس بات سے پورا پورا اتفاق کیا تھا اور وقت کی آنکھیں دیکھ رہا تھا۔

بہرطور نہ جانے کیوں میں نے آمنہ کی ہر بات کو تسلیم کر لیا تھا' پھر میں نے اس سے کہا۔

''اب مجھے یہ بتاؤ آمنہ کہ ہمیں آگے کیا کرنا ہے؟''

''اس صندوق کو اب میں تمہارے ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں لیکن تمہیں ان عجیب وغریب حالات کا سامنا کرنا پڑے گا' جو تمہارے ذہن کو منتشر کر سکتے ہیں۔''

''آمنہ میں ان حالات کو سمجھنا چاہتا ہوں اور فی الحال میں ہر طرح کے کسی اور تصور سے دور

رہنا چاہتا ہوں۔ کیا تم اس سلسلے میں میری مدد کروگی؟'' میں نے کہا اور آمنہ نے بخوبی کہا۔

''ہاں ہم اس صندوق کو دیکھنے سے پہلے احرام سلابہ سے گزریں گے۔''

''احرام سلابہ کیا ہوتا ہے؟''

''تمہارے لئے وہ ایک طلسمی جگہ ہوگی' لیکن تاریخ مصر میں اس کا مقام بہت مختلف ہے۔''

''بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں' جنہیں میں بالکل نہیں سمجھ پاتا اور یہ بات بھی میری سمجھ سے باہر ہے۔ اس لئے میں اور کچھ نہیں کہوں گا۔'' اور یہ ہی درست بھی تھا۔ احرام سلابہ بھی صحرائے مصر کے ایک دور دراز علاقے میں تھا۔ ریت میں ابھرے ہوئے کوہان بھی دور سے کچھ بھی نظر نہیں آتے تھے' لیکن قریب جانے سے ان کی حقیقت کا کچھ اندازہ ہوتا تھا۔ احرام سلابہ تک ہم بالکل جدید طریقے سے ایک جیپ میں پہنچے اور اس کے بعد آمنہ نے جیپ رکوا دی۔ احرام میں ایک چھوٹا سا دروازہ بنا ہوا تھا۔ وہ مجھے ساتھ لئے ہوئے اس دروازے سے اندر داخل ہوگئی۔ معمول کے مطابق اندر کا ماحول سرد اور خاموش تھا۔ نیم تاریکی میں جگہ جگہ تابوت رکھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اس کی وسعت بھی اندر سے بے پناہ تھی۔ آمنہ مجھے ساتھ لئے ہوئے ایک دیوار جیسی جگہ پر پہنچی پھر اس نے کچھ کیا اور دیوار میں ایک خلا نمودار ہوگیا۔ آمنہ نے مجھ سے کہا۔

''وہ ساتواں موتی تمہارے پاس موجود ہے۔''

''ہاں.....نجانے کیوں میں اسے اپنی زندگی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔''

''یقین کرو..... یا نہ کرو..... وہ تمہارا محافظ ہے۔ کبھی کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہوا تو تمہیں اس کی افادیت کا اندازہ ہوگا۔''

''پتہ نہیں کیا ہوگا..... اور کیا نہیں ہوگا میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' میں نے کہا' لیکن آمنہ نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

اندر بھی ایک سرنگ نما جگہ تھی۔ جس میں داخل ہونے کے بعد ہم آگے بڑھتے چلے گئے اور پھر کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد آمنہ نے ایک سوراخ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''تم یہاں رکو مجھے ذرا اندر جانا ہے تاکہ آگے کا بندوبست کرسکوں۔'' میں اپنی جگہ رک گیا اور سنسنی خیز نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ دفعتاً ہی میرے اردگرد ایک سبز رنگ کا غبار سا چھا گیا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن ایک عجیب سا احساس میرے دل میں بیدار ہوگیا اور اس کے بعد میرا ذہن سوتا چلا گیا۔ میں کس کیفیت میں تھا اور مجھ پر کیا بیتی تھی؟ کچھ نہیں معلوم تھا' لیکن کس طلسم میں پھنسا تھا' میں کیا بتاؤں وہ عجیب سا ماحول تھا۔ میں ایک بستر پر لیٹا ہوا تھا اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرا بدن رسیوں میں جکڑ دیا گیا ہو' پھر کسی طلسم کا آغاز ہوگیا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور آنے والے وقت کا انتظار کرنے لگا۔ ماحول کا اس طرح تبدیل ہو

جانا میرے لیے انتہائی حیرت ناک تھا' لیکن یہ ہی سب ہو رہا تھا اور مجھے اسی کے درمیان گزر رہ تھی اور کر بھی کیا سکتا تھا' جو ہو رہا تھا اسی میں گزارہ کرنا تھا۔ بہر حال یہ ساری صورتحال بڑی نوعیت کی حامل تھی اور میں کافی الجھن محسوس کر رہا تھا' پھر کچھ ہونا تو تھا ہی اور جو ہونا تھا وہی آہٹیں ہوئی تھیں اور اس کے بعد کچھ افراد اندر داخل ہو گئے' لیکن ساری کی ساری شکلیں میری پہچانی تھیں۔ سب سے آگے ڈارون تھا' جو اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ میرے پاس آ رہا تھا۔

''خوب آرام کر چکے' اتنی گہری نیند بھی کم ہی لوگوں کو آتی ہے۔'' میں نے ایک سانس لی اور بھاری لہجے میں بولا۔

''ہاں...... اتنی گہری نیند واقعی بہت کم لوگوں کو آتی ہے۔'' میں بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا او محسوس ہوا کہ میرے اندر کوئی ایسی بات نہیں ہے جو پریشانی کا باعث ہو۔ بہر حال میں خاصا تھا اور ڈارون مجھے تنقیدی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا' پھر اس نے کہا۔

''کیا تم مجھ سے بات کرنے کے موڈ میں ہو؟''

''کیوں نہیں مسٹر ڈارون؟ ایسی کیا بات ہے؟'' میں نے کہا اور ڈارون ایک کرسی گھسی میرے سامنے بیٹھ گیا اور پھر اپنے ساتھ آنے والوں کی طرف رخ کر کے بولا۔

''آپ لوگ بخوشی جا سکتے ہیں۔ مجھے آپ کی ضرورت ہوگی میں آپ کو بلا لوں گا۔ ڈارون کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ ڈارون نے کہا۔

''اور مجھے یقین ہے مائی ڈیئر تیمور پاشا کہ تم اپنے اس مشن سے بددل نہیں ہوئے ہو مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ تمہاری اعلیٰ کارکردگی نے ان لوگوں کو ذہنی طور پر معطل کر دیا ہے۔ حمیدی بہت ہی خوفناک شخصیت کا مالک ہے اور جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ دنیا کے بیشتر م میں اس کے پنجے گڑھے ہوئے ہیں اور وہ کسی سے بھی خوف زدہ نہیں ہوتا' لیکن حقیقت یہ تمہاری کارکردگی نے اسے خوفزدہ کر دیا ہے۔ میرے سامنے تمہارے بارے میں ساری رپورٹیں رہتی ہیں مثلاً امرانی' یوگان' وارڈو اور ایلاس وغیرہ سب کے بارے میں مجھے تفصیلات معلوم ہیں اور یہ تمہاری اعلیٰ کارکردگی ہی ہے' جس نے ان لوگوں کو بدحواس کر دیا ہے اور تمہارے با میں نہایت سنجیدگی سے یہ سوچنے لگے ہیں کہ تم کوئی نہایت ہی خوفناک شخصیت ہو۔ ویسے اس با میں بھی تسلیم کرتا ہوں کہ تم جیسے خطرناک لوگ میں نے زندگی میں بہت کم دیکھے ہیں' لیکن میں یہ الفاظ پیار سے کہہ رہا ہوں اس لئے کہ اب تم ہم میں سے ایک ہو۔ تو میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ تمہاری طرف سے بالکل غافل نہیں ہوں' بلکہ تمہارے بارے میں میرے پاس بھی ساری رپ ہیں۔''

''کیا سمجھے؟'' میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ دل تو چاہا کہ فوراً پوچھوں کہ مسٹر ڈارو

آپ کو آمنہ اور زرمناس کے بارے میں معلوم ہے۔ میں اپنی اس خواہش پر قابو نہیں پا سکا اور میں کہہ ہی بیٹھا۔

''کیا واقعی آپ کو میرے بارے میں ساری رپورٹیں حاصل ہیں؟''

''ہاں...... کیوں نہیں۔ مگر تمہارے پوچھنے کا انداز بہت عجیب سا ہے۔ یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟''

''کیا آپ کو معلوم ہے مسٹر ڈارون کہ میں یہاں قاہرہ میں عجیب وغریب حالات کا شکار ہو گیا ہوں؟''

''عجیب وغریب حالات سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے میرے منہ پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا ہو۔ کوئی نادیدہ قوت مجھے وہ تمام تفصیلات بتانے سے روک رہی تھی۔ میں نے کئی دفعہ اس ہاتھ کو اپنے منہ سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن ہاتھ مضبوطی سے میرے ہونٹوں پر جم گیا تھا اور اس کے بعد میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ ڈارون مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر اسی طرح گزر گئی اور اس کے بعد ڈارون نے کہا۔ ''تم کچھ بتا رہے تھے......''
میں نے بمشکل اپنے اوپر قابو پا کر کہا۔

''میں یہ ہی بتا رہا تھا کہ اس دوران کئی انوکھے کردار میرے سامنے آئے لیکن ایک خا
بات یہ ہوئی کہ ان کا صفایا ہوتا چلا گیا۔''

''خود بخود نہیں میری جان...... خود بخود نہیں اگر تم فلوراس کی بات کر رہے ہو تو ان لوگوں
یہ ہی مناسب سمجھا کہ فلوراس کو تمہارے ساتھ نہیں ہونا چاہئے اور اس کے بعد انہوں نے اسے را
سے ہٹا دیا' لیکن اس کے بعد جانتے ہو تم کہ کیا ہوا؟''

''بھلا میں کیسے جان سکتا ہوں؟''

''ناصر حمیدی بھی بہت زیادہ محتاط ہو گیا اور اس نے اپنی ایک بڑی قوت' جو اس کے نزد
بڑی اہمیت کی حامل ہے تمہارے بارے میں چھان بین کرنے کیلئے لگا دی ہے۔ وہ جاننا چاہتا ہے
وہ شخص کون ہے جو یہاں اس کے منصوبوں کو ناکام بناتا چلا جا رہا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ نا
حمیدی مصر پر اپنا اقتدار قائم کر کے یہاں سے اپنے کاموں کا آغاز کرنا چاہتا ہے۔ اس کے پاس بہ
سے خوفناک منصوبے ہیں اور ہمارا مشن یہ ہی ہے کہ ہم ان منصوبوں کو ناکام بنائیں۔''

''میں وہ تمام کام کر رہا ہوں مسٹر ڈارون جو میرے سپرد کیے گئے ہیں۔ میں نے کبھی
سے گریز نہیں کیا۔''

''بے شک ایسی ہی بات ہے اور اس چیز نے ہمیں تم پر بے پناہ اعتماد دلا دیا ہے۔''

''خیر اب مجھے کیا کرنا ہے۔''

''یہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس نے یہاں بہت سے ایسے کام کر لئے ہیں' جن کے بار
میں خود حکومت مصر تک کو نہیں معلوم۔ بہر حال میں تمہیں بتاؤں کہ اس وقت جو ہمیں تفصیلات ملی
وہ یہ ہیں کہ یہاں ایک صحرائی علاقہ ہے' جسے شہابہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ راغل شہابہ۔ یہ
کوئی ایسی جگہ نہیں ہے' جس کی کوئی اہمیت ہو' لیکن وہاں اس کے عظیم الشان صحرا میں موجود احرا
کے نیچے سنا گیا ہے کہ اس نے ایک دنیا آباد کر رکھی ہے۔ تمہیں وہاں جا کر تفصیلات معلوم کرنی
راغل شہابہ چھوٹا سا شہر ہے' لیکن اب اپنی اہمیت کے لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل' البتہ وہاں ک

کیلئے تمہیں زمینی ذریعے کے بجائے خلاء سے جانا ہوگا۔''

''خلاء سے......؟''

''ہاں رات کی تاریکی میں تمہیں ایک خاص طیارہ راغل شہابہ لے جائے گا' اور وہاں تمہیں پیراشوٹ کے ذریعے نیچے جانا ہوگا۔ اس جگہ کا تمام تر نقشہ تمہارے سپرد کر دیا جائے گا' تاکہ تمہیں اپنا کام کرنے میں آسانی ہو۔'' اور اس کے بعد ڈارون مجھے مزید تفصیلات سمجھاتا رہا۔ اس نے بتایا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں اس وقت ذہنی طور پر بالکل سادہ ہو گیا تھا اور صرف ڈارون کے کہنے کے مطابق کام کر رہا تھا۔ جیسے اس کے علاوہ اور کوئی بات میرے ذہن میں آ ہی نہ ہو' البتہ جب ڈارون چلا گیا تو اچانک ہی میرے ذہن پر تاریک سائے منڈلانے لگے۔ مجھے یوں لگا جیسے کچھ انگلیاں میرے ذہن کو ٹٹول رہی ہوں' اور اچانک ہی میرا ہاتھ لعل شب چراغ پر پہنچ گیا' اور دوسرے ہی لمحے مجھے آمنہ یاد آ گئی۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھا' لیکن ماحول یونہی تھا' جس میں ڈارون سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں حیرت سے گہری گہری سانسیں لے کر خاموش ہو گیا۔ کیا کرتا...... کیا نہ کرتا۔ زندگی جن الجھنوں میں پھنس گئی تھی' ان سے نکلنا بہت ہی مشکل کام تھا۔ لیٹے لیٹے نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک لڑکی اندر داخل ہو گئی۔ دراز قامت اور خوبصورت شکل وصورت کی مالک تھی۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''مسٹر تیمور پاشا!...... آیئے آپ کو راغل شہابہ کی سیر کرا دی جائے۔'' میں خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ لڑکی مجھے ایک کمرے میں لائی' جہاں ایک بڑی سی سکرین لگی ہوئی تھی اور پروجیکٹر موجود تھا۔ لڑکی پروجیکٹر کے پیچھے چلی گئی۔ مجھے بیٹھنے کیلئے کرسی دی گئی تھی' پھر میں راغل شہابہ کی تفصیل جاننے لگا اور ڈاکومنٹری کے ذریعے مجھے وہاں کی ایک ایک چیز سے روشناس کرایا جانے لگا۔ میں ذہنی طور پر اس پوری کارروائی کیلئے تیار ہو گیا تھا۔ وقت گزرتا رہا اور مجھے ضروری امور سے گزارا جاتا رہا' اور پھر ایک گاڑی مجھے لے کر خفیہ ایئر پورٹ کی جانب چل پڑی۔ پتہ نہیں مجھے یہاں کون کون سی ضروریات سے گزارا گیا' اور اس کے بعد میں اس مخصوص طیارے کی نشست پر بیٹھ کر تاریکی میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ چاند کی ابتدائی تاریخیں تھیں۔ کہیں آسمان بادلوں سے چھپا ہوا تھا۔ اگر آسمان پر چاند ہوتا بھی تو نظر نہ آتا۔ زمین و آسمان بالکل تاریک پڑے ہوئے تھے' اور میں اس تاریکی میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔ میرے ذہن میں بہت سے خیالات تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آمنہ اب میرے ذہن سے دور نہیں تھی' اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ پراسرار غیر مرئی قوتیں میرے ساتھ ہوں۔ لعل شب چراغ کو میں اپنے آپ سے ایک لمحے کیلئے جدا نہیں کرتا تھا' اور یہ بھی ایک ایسا عمل تھا' جس کے بارے میں کچھ کہنا بالکل بے معنی تھا۔

بہر حال میں نہیں جانتا تھا کہ آنے والا وقت میرے لئے کس حیثیت کا حامل ہو۔ سوچیں ہی سوچیں تھیں' جو ذہن پر مسلط تھیں۔ غرض یہ کہ سفر طے ہوا اور مجھے اطلاع دی گئی کہ راغل شہابہ اب

زیادہ دور نہیں ہے۔ میں نے اپنی پشت پر بندھے ہوئے تھیلے پر غور کیا۔ وہ سارا ضروری
میں موجود تھا' جو اس مہم میں استعمال ہونے والا تھا۔ پیراشوٹ میرے سینے سے بندھا ہوا
کے علاوہ وہ نقشہ بھی میرے ذہن میں تھا جو راغل شہابہ کا نقشہ تھا۔ تھوڑا سا چہرہ بھی تبدیل
میرا' جس سے میں ایک کسان جیسا لگنے لگا تھا۔ آخر کار جہاز نے ایک ہلکا سا جھٹکا لیا اور
کہ اب جہاز سے نیچے کودنے کا وقت آ گیا ہے۔ جہاز کا معاون پائلٹ میرے قریب آ کر
اس نے سرگوشی میں مجھے بتایا کہ بس چند لمحوں کا وقت رہ گیا ہے' اور اس کے بعد وہ دروا
قریب پہنچ گیا۔ اس نے طیارے کا دروازہ کھولا تو ہواؤں کے شور سے کان پڑی آواز نہ سنا
میں اپنی سیٹ سے اٹھ گیا۔ معاون کی نگاہ مجھ پر جمی ہوئی تھی اور وہ میرے چہر
لے رہا تھا۔ طیارے میں جلتی ہوئی سرخ روشنی میں اس کا چہرہ بہت تھکا ہوا محسوس ہو رہا تھا
میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ دروازے سے آنے والی ہوا
غبارہ بنائے ہوئے تھی۔ ہرچند کہ اس مہم کی مناسبت سے میرے جسم پر چست کپڑے تھے
نہ جانے کہاں کہاں سے ان میں بھر گئی تھی۔ میں نے اس وقت ایک ہاتھ سے جہاز کے در
ہینڈل اور دوسرے ہاتھ سے پیراشوٹ کی ڈوری تھام رکھی تھی۔ اچانک ہی معاون پائلٹ
کندھے پر ہاتھ رکھا اور میں نے طیارے کے دروازے سے فضا میں چھلانگ لگا دی۔ ہوا
دے کر مجھے طیارے کی عقبی سمت میں اچھال دیا۔ نیچے گرتے ہوئے میں نے گنتی گننا شروع
ایک' دو' تین اور پھر میں نے پیراشوٹ کھولنے والی ڈوری کھینچ دی۔ اس کی ڈوریاں تیزی
گئیں اور مجھے ایک زبردست جھٹکا لگا اور میں ہوا میں تیرنے لگا۔ ہوا کا شور کان کے پردے
دے رہا تھا' لیکن آہستہ آہستہ یہ شور کم ہوتا جا رہا تھا' اور پھر یہ کافی حد تک کم ہو گیا۔ میری
میں آگے پیچھے جھول رہی تھیں۔ میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں لیکن اب بھی تاریکی کے
دکھائی نہ دیا۔ ایک اندھا کنواں جس میں میں سفر کر رہا تھا۔

بہرحال سفر جاری رہا۔ جہاز مجھے تاریک فضائی راستے میں چھوڑ کر نگاہوں سے او
تھا اور اس کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی' لیکن تھوڑی دیر کے بعد نیچے مدھم مدھم سی
آئی۔ یہ طویل و عریض ریگستان تھا جس میں پھیلی ہوئی ریت میں قارون کا خزانہ چمک رہا تھا
باریک باریک ذرات' جن کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہیں۔ یہ ذرات تا
بھی چمکتے ہیں۔ میں آہستہ آہستہ نیچے اترتا رہا۔ ہواؤں نے مجھے سنبھالا ہوا تھا۔ وسیع و عریض
میں نیچے اترنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی اور چند ہی لمحوں بعد میرے لانگ بوٹ کی ایڑیاں
سے زمین سے ٹکرائیں اور اسی لمحے پیراشوٹ زمین پر گر پڑا اور میں اس کے ساتھ یونہی تین
تک کھنچتا چلا گیا' لیکن میں نے زمین سے اٹھنے میں بھی دیر نہیں لگائی تھی۔
پیراشوٹ ایک لمحے میں میرے بدن سے علیحدہ ہو گیا اور میں اپنے کپڑے جھاڑ

نے لگا۔ اس کے بعد میں نے گرد و پیش میں نگاہ دوڑائی۔ تاحد نظر ریت کے ٹیلے چھوٹے
اموں کی مانند بکھرے ہوئے تھے' البتہ تھوڑے فاصلے پر مجھے ایک سفید ناگن نظر آ رہی تھی۔ یہ غالباً
سڑک تھی جو نجانے کس مقصد کیلئے بنائی گئی تھی۔ اس وقت فضا میں ہر طرف گرمی تھی۔ چند ہی
میں میرا بدن پسینے میں ڈوب گیا' اور سب سے بڑی بات جو ہوئی وہ ایک عجیب سی آواز تھی' جس
وعیت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

بہرحال میں کچھ دیر تک سوچتا رہا اور اس کے بعد اپنے ذہن میں ترتیب دیئے ہوئے نقشے
مطابق میں نے آگے قدم بڑھا دیئے۔ آسمان پر اب بھی بادلوں کے ٹکڑے سفر کر رہے تھے' اور
کا نام و نشان کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں آہستہ آہستہ سڑک کی جانب بڑھنے لگا' اور تھوڑی ہی دیر
میں ایک ایسی جگہ پر پہنچ گیا' جہاں یہ سڑک دو راستوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ اب مجھے بائیں جانب
تھا۔ وہ نقشہ میں نے اپنی ذہانت سے اپنے ذہن میں ترتیب دے لیا تھا۔ حالانکہ ڈارون نے مجھ
کہا تھا کہ اگر میں چاہوں تو نقشہ اپنے پاس رکھ سکتا ہوں۔ دوسری چیزوں کی طرح اس کی بھی
ت کروں اور وہ کسی اور کے ہاتھ نہ لگنے پائے' لیکن بہرحال کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ میں آگے
رہا اور پچاس گز تک مسلسل چلنے کے بعد بائیں سمت مڑ گیا۔ ادھر ریت کافی بھربھری تھی اور
اس میں دھنسنے لگے تھے۔ جس کی وجہ سے راستہ کافی دشوار گزار ہو گیا تھا' لیکن بہرحال مجھے چلتے
تھا' پھر تھوڑی دور جانے کے بعد ایک کھلی سی جگہ میں ایک چبوترہ سا بنا ہوا دکھائی دیا' اور میں نے
کے قریب پہنچنے میں کسی عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس سے ایک فٹ دور رہ کر میں نے اسے اپنی
سے چھوا۔ یہ غالباً ایک محفوظ جگہ بنائی گئی تھی۔

مجھے اس کے بارے میں بھی بتا دیا گیا تھا۔ اس جگہ کی دوسری جانب گہرائیاں تھیں اور ان
ئیوں کو احتیاط سے عبور کرنا تھا کیونکہ وہ کافی گہری تھیں۔ میں آگے بڑھتا چلا گیا اور اب
ے کے مطابق مجھے ایک نخلستان نظر آنا چاہیے تھا۔ اس تاریکی میں میری آنکھیں عادی ہوتی جا
یں اور میں نخلستان کی تلاش میں دور دور تک نگاہیں دوڑانے لگا۔

پھر کافی فاصلہ طے ہو گیا اور اس کے بعد تاریکی میں مجھے کچھ سائے سے نظر آئے۔ یقیناً یہ
ں کی شاخیں تھیں اور میں نے صحیح راستہ اختیار کر لیا۔ کافی لمبی جگہ تھی اور بھربھری ریت پر سفر
تے ہوئے میری ٹانگیں لرزنے لگی تھیں۔ بہرحال میں نخلستان تک پہنچ گیا اور یہاں پہنچنے کے بعد
ڑا ہو گیا۔ جو کچھ مجھے بتایا گیا تھا مجھے اس کے مطابق عمل کرنا تھا' پھر اچانک ہی مجھے ایک
ہٹ سی سنائی دی۔ اس کا مطلب ہے کہ یہاں کوئی موجود ہے' اور پھر ایک آواز ابھری۔

"تم جہاں ہو وہیں ٹھہر جاؤ۔ اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش مت کرنا۔"

میں ایک دم ساکت ہو گیا۔ خطرے کا احساس ہوتے ہی میرے عضلات تن گئے تھے' پھر
ں کی چاپ سنائی دی اور آواز پھر آئی۔

''میری طرف گھومو۔'' مجھے محسوس ہوا کہ وہ جو کوئی بھی تھا' میری دائیں طرف آ
بہرحال چند لمحوں کے بعد میں نے اسے دیکھا' وہ ایک بوڑھا اور پستہ قامت آدمی تھا۔
غریب سی شکل تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر پلکیں جھپکا رہا تھا۔ چند لمحے ایسے ہی گزر گئے پھر اس نے کہا
''ہم دونوں ایک دوسرے سے ان کا نام نہیں پوچھیں گے' کیونکہ نام کی گنجائش نہیں
پھر اتنا ضرور کہا جائے گا کہ میری ذمے داری ہے کہ میں تمہیں مطلوبہ جگہ تک لے جاؤں۔''
''تم مجھے میری منزل تک پہنچاؤ گے اور اس کیلئے میں زمانہ قدیم کی اس تھیوری کا حوا
گا' جس کا تعلق بندروں سے ہے۔'' یہ کوڈ ورڈ تھے' اور اس کے بعد شاید اسے میری جانب سے
ہونا تھا۔ چنانچہ دوسری بار جب وہ بولا تو اس کی آواز میں بڑا اطمینان تھا۔ اس نے کہا۔
''ٹھیک ہے۔ آ جاؤ میرے ساتھ ساتھ' اور سنو یہ جگہ بہت خطرناک ہے۔ یہ مت
یہاں ہم دونوں محفوظ ہیں۔ سمجھ لو یہ دشمنوں کا علاقہ ہے اور دشمن کسی بھی وقت ہمارے سا
ہے۔ ان علاقوں کی بڑی زبردست دیکھ بھال ہوتی ہے۔ یقیناً تمہیں بہت کچھ بتا دیا گیا ہوگا۔
''یہ بھی بتایا گیا تھا مجھے کہ ہمیں بہت زیادہ گفتگو نہیں کرنی ہے۔''
''یہاں سے حالات چینج ہو جائیں گے۔ ان درختوں کے ختم ہوتے ہی جنگل کا سلسلہ
ہو جاتا ہے اور اس جنگل میں کانٹے دار جھاڑیاں پائی جاتی ہیں' جو تمہیں زخمی بھی کر سکتی ہیں۔''
''میں خیال رکھوں گا۔''
''آ جاؤ۔'' اس نے کہا اور پھر بولا۔ ''میں بوڑھا آدمی ہوں کوشش کرنا کہ مجھ سے
رہو۔'' میں اس کے ساتھ ساتھ چل پڑا' اور پھر مجھے بھی وہ جھاڑیاں اور درخت نظر آ
ریگستان کا سلسلہ ختم ہوتے ہی شروع ہو جاتے تھے۔ بہرحال بوڑھے آدمی کے قدموں کی
سنائی نہیں دے رہی تھی۔ جھاڑیوں کے کانٹے اور درختوں کے پتے میرے جسم سے ٹکرا
پیروں میں تو لانگ بوٹ تھے' لیکن چہرے پر کوئی ایسا حفاظتی ماسک نہیں تھا کہ میں اپنے چ
کانٹے دار جھاڑیوں سے زخمی ہونے سے محفوظ رکھ سکتا۔ بہرحال کوشش کر رہا تھا کہ میرا
ہونے پائے۔ میں کافی فاصلہ طے کر چکا تھا اور پورے جسم سے پسینے کی دھاریں پھوٹ رہ
بوڑھے نے مجھے چونکایا۔
''کیا تم بہت زیادہ تھک گئے ہو۔ تمہاری رفتار بہت سست ہے؟''
''وہ جگہ کتنی دور ہے جہاں ہمیں پہنچنا ہے؟''
''بس اب ہم قریب آ رہے ہیں۔'' میں آگے بڑھ کر بالکل اس کے قریب پہنچ
ختم ہونے کے بعد اب ایک وسیع خطہ زمین دکھائی دیا۔ جہاں سے جھاڑیاں اور درخت
دیئے گئے تھے' اور پھر جھونپڑیاں بنا کر ایک چھوٹے سے گاؤں کی شکل دے دی گئی تھی۔
بلا آواز اس گاؤں کی طرف بڑھے اور تھوڑی دیر کے بعد ایک جھونپڑی کے پاس پہنچ گئے۔

لمحے کیلئے رکا اور اس کے بعد اس نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ جھونپڑی کی گنبد نما چھت میں مدھم لالٹین کی روشنی پھیل رہی تھی۔ وہاں صرف ایک میز رکھی تھی اور کرسی جیسی کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی۔ زمین پر بھی کوئی چیز نہیں تھی۔ لالٹین کے گرد پروانے منڈلا رہے تھے' اور ایک عجیب سا ماحول پیدا ہو رہا تھا۔ نیچے مرے ہوئے کیڑوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ بہرحال میں نے بھی ادھر ادھر دیکھا۔ تھکن سے بری طرح نڈھال ہو رہا تھا۔ میں نے کہا۔

''کیا کہتے ہو؟ تمہارا کوئی نام تو ہوگا؟''

''تم مجھے نمبر 4 کہہ سکتے ہو۔''

''ٹھیک ہے۔ شکل سے بھی تم نمبر چار لگ رہے ہو۔'' میں نے مدھم لہجے میں کہا' لیکن بوڑھے نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں' پھر میں نے اپنا سامان پیٹھ سے اتار کر میز پر رکھا اور بوڑھے کی طرف مڑا۔

''ہاں...... اب بولو کیا کہتے ہو تم۔'' میں نے لالٹین کی روشنی میں غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کے گندمی چہرے پر برگد کے تنے کی مانند لاتعداد جھریاں تھیں اور اس کی نگاہ مجھ پر جمی ہوئی تھی۔

''بولو اب کیا کرنا ہے نمبر چار۔''

''ٹھہرو۔ ایک منٹ۔'' اس نے کہا' اور جھونپڑی کی ایک دیوار کے پاس پہنچ گیا' پھر اس نے کونے میں کھڑی ہوئی چٹائی کو اٹھا کر زمین پر بچھایا اور پھر بولا۔

''آج رات تمہیں یہیں پر آرام کرنا ہے۔ صبح ہوتے ہی نمبر 16 یہاں آئے گا اور وہ تمہیں کھنڈرات تک لے جائے گا۔''

''تم لوگ پیدائشی نمبری ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

''یوں ہی سمجھ لو۔''

''نہیں میرا مطلب ہے نمبر چار' نمبر سولہ۔ تم لوگوں کے نام نہیں ہوتے۔''

''ہوتے ہیں لیکن ہمیں ایک دوسرے کے نام بتانے کی اجازت نہیں ہے۔'' میں گہری سانس لے کر فرش پر بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھ گیا۔ بوڑھے نے کہا۔

''میں چلتا ہوں تم یہیں آرام کرو۔'' اور میری بات سنے بغیر وہ جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔ میں نے اس چٹائی کو اپنا بستر بنا لیا۔ ٹانگیں پسار کر اس پر لیٹنے کے بعد میں نے ایک گہری سانس لی اور سوچ میں ڈوب گیا۔

یہاں تک تو کوئی خطرہ پیش نہیں آیا تھا' لیکن ڈارون نے مجھے جو تفصیلات بتائی تھیں وہ بڑی سنسنی خیز تھیں اور ان تفصیلات کے تحت بڑا مسئلہ بننے والا تھا۔ خاصا وقت اس طرح گزر گیا اور میری آنکھوں میں نیند قبضہ جمانے لگی۔ کیا چیز ہوتا ہے انسان بھی۔ کبھی وہ ریشمی بستر پر بھی چین کی نیند نہیں سو پاتا' اور کبھی اس طرح کے جھونپڑوں میں بھی اسے نیند آ جاتی ہے' لیکن یہ نیند میرے لئے بڑی ہی

پرسکون ثابت ہوئی تھی۔ بہرحال دوسری صبح جب سورج طلوع ہوا تو میری آنکھ کھلی۔ چٹائی پر سو… کی وجہ سے میرے جسم میں اینٹھن پیدا ہوگئی تھی۔ فرش پر ہزاروں کی تعداد میں کیڑے مرے پڑ… تھے۔ یہ سب لالٹین میں جل کر زمین بوس ہوئے تھے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دروازے پر آہٹ ہوا… میں نے اس طرف دیکھا۔ نمبر چار اندر آ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔

''کیا تمہاری نیند پوری ہوگئی؟''

''ہاں سولہ نمبر کہاں ہے۔ کیا وہ آ گیا؟''

''آئے گا لیکن ذرا دیر میں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں تمہارے لئے ناشتے کا بندوبست کرتا ہوں۔ آؤ تم بھی باہر آ جاؤ۔''

اس کے ساتھ جھونپڑی سے باہر آ گیا۔ جھونپڑیاں ایک دائرے میں بنی ہوئی تھیں اور ان کے درمیا… بچے کھیل رہے تھے۔ گویا یہاں باقاعدہ آبادی تھی۔ جبکہ رات کو مجھے کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ ا… بچوں نے مجھ پر کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ بدستور اپنے کھیل میں مصروف رہے۔ ایک جھونپڑی کے قریب… چولہا جل رہا تھا اور اس پر سیاہ رنگ کی ہانڈی چڑھی ہوئی تھی۔ ہانڈی میں کچھ پک رہا تھا۔ مجھے دو… سے سنسناہٹیں سنائی دے رہی تھیں' پھر میں نے تین بوڑھی عورتوں کو دیکھا' جو اس چولہے کے قریب… بیٹھی ہوئی تھیں۔ ہر جھونپڑی کے عقب میں ایک باغ جیسی جگہ تھی اور اس باغ میں بھی لوگ نظ… رہے تھے' اور اس وقت ہوا میں نمی تھی اور سورج دھند میں چھپا ہوا تھا۔ یہ گاؤں بے شک بہت چھوٹا… لیکن ایک عجیب سی کیفیت کا اظہار کرتا تھا۔ اس کے چاروں طرف ہرا بھرا جنگل اور قد آدم درخت… کھلی آبادی کو گھیرے ہوئے تھے۔ میں چار نمبر کے ساتھ آگ کے قریب پہنچا تو اس نے کہا۔

''یہاں کی زندگی بہت مختلف ہے۔ تم محسوس نہیں کر سکتے کہ ہم کس طرح یہ زندگی گزار ر… ہیں۔ بہرحال یہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ بڑا سنسنی خیز ہے۔'' ہم آگ کے قریب پہنچ گئے۔ عورتوں… ابھی ہمارا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ بلکہ وہ ہمیں دیکھ کر وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔ چار نمبر نے لکڑی… دو پیالے اٹھا کر لکڑی ہی کے چمچے سے ابلے ہوئے چاول اس میں ڈال دیئے۔ ایک پیالہ اس نے لیا اور دوسرا میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے کہا۔

''ان بچوں اور عورتوں نے میری طرف ذرا بھی توجہ نہیں دی۔ کیا خیال ہے تمہارا؟''

''پتہ نہیں۔'' اس نے کہا اور ایک جھونپڑی کے سائے میں بیٹھ گیا' پھر اس نے اپنے پیا… میں انگلی ڈبو کر منہ میں ڈالی۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں نے مٹی ملا ہوا پانی منہ ڈال لیا ہو۔ بوڑھا کہنے لگا۔

''ایسا مت کہو کہ انہوں نے تمہاری آمد کا نوٹس نہیں لیا ہے۔''

''پتہ نہیں چل رہا۔''

''وہ جانتے ہیں کہ تم کون ہو؟ اور یہاں کیوں آئے ہو؟ تم چند گھنٹوں کے بعد یہاں

…اؤ گے اس لئے کوئی تم پر توجہ نہیں دے رہا۔''

''ہوں۔ یہاں تم کیا خطرہ محسوس کرتے ہو؟'' اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا اور …نے جنگل پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

''تم نہیں جان سکتے' اور نہ ہی تمہیں جاننے کی ضرورت ہے۔ کیا سمجھے؟''

''تمہارا تعلق اسی گاؤں سے ہے؟'' وہ چاول کھاتا ہوا بولا۔

''میں اس گاؤں کا سردار ہوں اور میں نے پی ایچ ڈی کیا ہے۔''

اس کے ان الفاظ پر میں نے اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ اس کے انداز میں فخر جیسی کیفیت …۔ بہرحال اس کے بعد میں نے اور کچھ نہیں کہا' پھر وہ شخص آ گیا جسے نمبر سولہ کہا گیا تھا۔ یہ بھی …پستہ قامت آدمی تھا۔ وہ بہت اعتماد سے قدم رکھتا ہوا ہماری طرف آ رہا تھا۔ اس کا سر شانوں …چپکا ہوا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ گردن کے بغیر ہو' البتہ وہ جوان آدمی تھا۔ وہ نزدیک آیا تو چار …اس سے بڑی گرمجوشی سے ملا اور پھر اس نے میرا اس سے تعارف کرایا۔ سولہ نمبر مجھے دیکھتا رہا …ں اس نے مجھ سے ہاتھ نہیں ملایا تھا۔

''راغل شہابہ اس گاؤں سے کتنے فاصلے پر ہے؟'' میں نے اس سے سوال کیا۔

''تمہیں یقیناً بتا دیا گیا ہوگا۔ میں تمہاری راہنمائی کرنے کیلئے تیار ہوں۔ چلو تیاری کرو۔''

…نے ناگواری سے اپنا سامان کاندھے پر اٹھایا' اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ …ؤں بھی آ گیا جس کا اس نے تذکرہ کیا تھا۔ گھاس پھونس کے جھونپڑے ایک دائرے کی شکل میں …ے ہوئے تھے۔ جن پر ڈھلوان چھتیں تھیں۔ جنگل کا یہ حصہ صاف کر دیا گیا تھا۔ وہاں آ کر یہ ہی لگتا … جیسے اسے حفاظت میں رکھا گیا ہو۔ بہرحال ہم اس گاؤں سے بھی آگے بڑھ گئے اور کافی فاصلہ …لے کر لیا گیا۔ راغل شہابہ نامی شہر میں مجھے جو کچھ کرنا تھا وہ کافی خطرناک تھا۔ وقت تیزی سے گزرتا …ا۔ راستے میں کھانے پینے کی چیزیں مہیا ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ شام ہوگئی مگر ہمارا سفر ختم نہیں …ا۔ بری طرح اکتاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے کہا۔

''مجھے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ جس جگہ میں اتروں گا اس جگہ سے مجھے اتنا فاصلہ پیدل طے کرنا …ے گا۔'' سولہ نمبر ایک خرد ماغ آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ خشک لہجے میں بولا۔

''جہاں تمہیں یہ تمام تفصیل بتائی گئی تھی' وہاں کے بارے میں' میں بھی کچھ نہیں جانتا۔ کیا سمجھے؟ لیکن ابھی یہ سفر بہت لمبا ہے۔ وہ لوگ تمہیں کسی ایسی جگہ اتارنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے جہاں سے تمہیں دیکھا جا سکے۔ تم نہیں جانتے کہ یہ جگہ کتنی خطرناک ہے۔'' بہرحال اس کے بعد …س نے مزید کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس شخص کا غیر دوستانہ رویہ مجھے محتاط کئے ہوئے تھا۔ ہم جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے رات گہری ہوتی جا رہی تھی اور تھوڑی دیر کے بعد ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا' لیکن سفر جاری رہا' اور صبح ہوتے ہوئے ہم اس جنگل کو عبور کر چکے تھے۔ اس نے کہا۔

''اب ہمیں ذرا احتاط رویہ اختیار کرنا ہوگا۔''

''مگر مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ مجھ سے تو یہ کہا گیا تھا کہ جس جگہ مجھے جائے گا وہاں سے میری صحیح طور پر راہنمائی ہو سکے گی۔''

''میں نے تمہیں بتایا ناں کہ آگے کے راستے بہت خطرناک ہیں اور جو لوگ تمہارے ہیں انہوں نے ان راستوں کو بہت عمدگی کے ساتھ محفوظ کیا ہوا ہے۔'' میرا منہ بگڑ گیا۔ اب اس ط تو میں ان لوگوں کیلئے کام نہیں کر سکتا تھا چنانچہ میں خاصا برا محسوس کرنے لگا' البتہ اس شخص سے کچ بالکل بیکار تھا۔ ابھی ہم لوگ سفر جاری رکھے ہوئے تھے کہ ایک بار پھر ہمیں جھونپڑیاں نظر آئیں بھی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا مگر حیرانی کی بات یہ تھی کہ یہاں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم آہستہ آ چلتے ہوئے ایک جھونپڑی کے عقب میں پہنچ گئے۔ جھونپڑی سے ایک ننھی سی بچی باہر نکلی اور کھیل میں مصروف ہو گئی۔ اسی وقت ایک تیرہ چودہ سال کی لڑکی ایک جھونپڑی سے بدحواسی کے عالم دوڑتی ہوئی باہر نکلی۔ اس نے جھپٹ کر اس بچی کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا اور دوبارہ جھونپڑی چلی گئی۔ میں سرکتا ہوا اس جگہ کے قریب آ گیا جہاں سولہ نمبر کھڑا ہوا تھا۔

''کیا بات ہے؟ کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' میں نے اس سے سوال کیا۔

''شاید......'' اس نے کہا' اور گاؤں پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگا۔ اچانک ہی جھونپڑی سے ایک عورت باہر نکلی اور ایک دم سولہ نمبر پر حملہ آور ہو گئی۔ اس کے ہاتھ میں درانتی اس نے سولہ نمبر کے سینے میں وہ درانتی گھونپ دی اور اسے اس طرح اٹھا کر ایک طرف پھینک د یقین نہ آئے' پھر اس کے فوراً بعد جنگل کی طرف سے رائفلوں کے چلنے کی آواز سنائی دی اور گولیاں میرے قریب سے سنسناتی ہوئی گزر گئیں۔ میرے پاؤں کے پاس دھول سی اڑی اور میں دوڑنا شروع کر دیا۔ مجھ پر چاروں طرف سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ جنگل سے آنے والی گولیاں ہی نہیں بلکہ یہاں پر موجود ہر شخص پر برسائی جا رہی تھیں اور مجھے چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ خطرناک بات تھی۔ میرا راہبر مر چکا تھا اور میں بڑی پریشانی کے عالم میں دوڑا چلا جا رہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک میں دوڑتا رہا' اور پھر میں نے ایک نخلستان جیسی جگہ دیکھی۔ یہاں چھوٹے چھوٹے درخت اور پانی کا ایک چشمہ موجود تھا۔ میں حیران تھا کہ یہ سارا کھیل ایک دم کیسے گیا۔ جو کوئی بھی یہاں تھا' اس نے مجھ پر حملہ کیوں کیا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھ تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے چاروں طرف سرسراہٹیں ہو رہی ہوں۔ گویا کچھ مسلح افرا تلاش کر رہے تھے۔ یہ صورتحال کافی سنگین تھی' اور مجھے اس سے نمٹنے کیلئے اب اپنی حکمت عملی بنا اور میں نے سوچا کہ فوری طور پر مجھے یہ جگہ تبدیل کر لینی چاہیے۔ چنانچہ میں نے برق رفتار ایک سمت چھلانگ لگا دی۔

اور...... اور تیز رفتاری سے دوڑنے لگا۔ مجھے یوں لگا جیسے کچھ لوگ میرا تعاقب کر

ہوں۔ ایک عجیب سا احساس تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ میں جان توڑ کر دوڑ رہا تھا اور میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں' پھر نجانے کتنی دیر تک میں دوڑتا رہا اور میرا سینہ دھونکنی بن گیا۔ جب دوڑنے کی ساری قوت ختم ہو گئی تو میں نے رکنا ضروری سمجھا' اور جہاں تھا' وہیں سینہ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ دیر تک اپنی سانسوں کو درست کرتا رہا' پھر نجانے کتنا وقت اسی طرح گزر گیا اور پھر جب میری کیفیت بحال ہوئی تو میں نے آنکھیں کھول دیں' لیکن آنکھیں کھول کر جو کچھ میں نے اپنے سامنے دیکھا اس نے مجھے شدت حیرت سے گھنگ کر دیا۔ نہیں میرا خیال ہے میں غلط فہمی کا شکار ہوں۔ ایسا ممکن نہیں ہے۔ یہ کسی طور نہیں ہو سکتا۔ میں اسی جگہ موجود تھا یعنی احرام سلابہ میں جہاں آمنہ مجھے چھوڑ کر گئی تھی۔

میری کیفیت اتنی ہی خراب تھی۔ جن حالات سے میں گزر چکا تھا وہ بہت ہی خوفناک تھے لیکن بہرطور میں زندہ سلامت تھا' ہوش و حواس میں تھا' اور یہ جگہ احرام سلابہ ہی تھی' پھر میں نے قدموں کی چاپ سنی اور دیکھا کہ آمنہ واپس آ گئی ہے۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی' پھر اس نے کہا۔

''اٹھو......''

''آمنہ...... میں...... میں۔''

''میں جانتی ہوں۔ تم جس مشقت سے گزر کر آئے ہو میں جانتی ہوں۔ آؤ۔ دوسری طرف بہت بہتر حالات ہیں۔'' میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور کچھ لمحوں کے بعد اس دروازے سے باہر نکل آیا۔ جس سے آمنہ چند لمحوں کیلئے باہر گئی تھی۔ دوسری طرف ایک وسیع و عریض کمرہ تھا' لیکن اس کمرے میں' میں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ وہاں سادان بیٹھا ہوا تھا اور پاس ہی ایک چوبی صندوق بھی رکھا ہوا تھا۔ سادان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ بہرحال آمنہ نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی اور بولی۔

''ٹھہرو میں تمہارے لئے کوئی پینے کی چیز لاتی ہوں۔'' جو مشروب اس نے مجھے پینے کیلئے دیا' وہ بھی بے مثال تھا۔ سادان خاموشی سے بیٹھا مجھے دیکھ رہا تھا۔ یہ جگہ جہاں صندوق رکھا ہوا تھا میں نے پہلی بار دیکھی تھی۔ یہاں ایک پراسرار خوشبو پھیلی ہوئی تھی اور اس کے تاریک گوشے میں دھوئیں کے مرغولے اٹھ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی کوئی غیر مرئی سے آوازیں بھی ابھر رہی تھیں۔ لباسوں کی سرسراہٹیں بھی نمایاں تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے لاتعداد روحیں تہہ خانے میں چکرا رہی ہوں۔ چمکدار آنکھیں دھوئیں کے مرغولوں سے جھانک رہی ہوں۔ میرے بدن میں ایک انوکھی سی ٹھنڈک سرائیت کر گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے کچھ انجانے ہاتھ میرے بدن کو چھو کر گزر رہے ہیں۔ بہرحال کافی دیر تک یہ کیفیت رہی۔ سادان بھی خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اس دوران وہ مجھ سے کافی مانوس ہو گیا تھا اور مجھ سے بہت خوش بھی تھا۔ اس نے محبت بھرے انداز میں مجھ سے کہا۔

"محترم زرمناس! آپ نے مجھے یہاں بلایا ہے۔" میں نے سوالیہ نگاہوں سے آمنہ کو
تو آمنہ نے کہا۔

"ہاں...... سادان وہ وقت آ گیا ہے کہ جب تمہیں وہ مقدس فریضہ سرانجام دینا ہے' ج
کیلئے تم جوان ہوئے ہو۔"

"آہ...... میں نے تو ہوش سنبھالنے کے بعد اس وقت کا انتظار کیا ہے۔ مگر تم نے مجھے
نہیں آ بینہ...... کہ وہ وقت آ گیا ہے۔"

"ہر کام اپنے وقت پر ہی مناسب ہوتا ہے۔ لو میں تمہیں ایک چیز دیتی ہوں۔" آمنہ نے
اور صندوق کے عقب میں پہنچ گئی' پھر وہاں سے اس نے وہ بڑی چابی نکالی' جو اس تالے کی تھی جو
صندوق میں پڑا ہوا تھا۔ اس نے یہ چابی سادان کو دی اور سادان نے لرزتے ہاتھوں سے یہ چا
اپنے ہاتھوں میں لی۔ ماحول میں ایک دم ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔ فضا میں سکوت پیدا ہو گیا۔ جیسے مقد
روحیں اس فرض کی تکمیل سے خوش ہوں۔ سادان نے کانپتے ہاتھوں سے صندوق کا زنگ آلود
کھولا۔ چوبی صندوق کے اندر ایک اور سنہری صندوق موجود تھا' جو کسی خاص دھات کا بنا ہوا تھا۔ ا
پر قدیم مصری نقوش کندہ تھے اور یہ نقوش ایک تحریر کے تھے' لیکن اس تحریر کو آسانی سے پڑھا نہیں
سکتا تھا' البتہ جب اس چھوٹے صندوق کو کھولا گیا تو سب سے اوپر ایک لفافہ تھا جس پر لکھا تھا۔

"میرے بیٹے سادان کیلئے۔" سادان نے وہ لفافہ نکال لیا اور وہ لفافہ میری طرف بڑھا
ہوئے کہا۔

"آپ اسے کھولیے اور پڑھیے۔"

"نہیں سادان یہ تمہارا حق ہے۔" میری آواز ابھری اور سادان خشک ہونٹوں پر زبان پھیر
لفافہ چاک کرنے لگا۔ اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ بخوبی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ نوجوان تھا' سمجھدار
اور ایک ایسے انوکھے راز سے واقف ہونے جا رہا تھا' جس کا تعلق اس کی ذات سے تھا۔ آخر کار کو
سا ایسا راز صندوق میں مقفل ہے' پھر لفافہ چاک ہوا اور ایک کاغذ اس میں سے برآمد ہوا' جس پر ایک
طویل تحریر تھی۔ سادان نے میری جانب دیکھا اور میں نے بڑے خلوص سے کہا۔

"یہ سب کچھ تمہاری امانت ہے' ساوان' اور تم آمنہ کے آقازادے ہو۔ چونکہ یہ سب
تمہیں کرنا ہے اس لئے تم اس سے پوری طرح بہرہ ور ہو۔"

"نہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ اس تحریر کو پڑھیں۔" سادان نے کہا اور آمنہ نے مجھے اشا
کر دیا۔ میں نے اس تحریر پر نگاہ ڈالی۔ لکھا تھا۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی میرا بیٹا سادان ہے اور یہ اس کیلئے ہے۔ اگر مو
اسے اس خط کو پڑھنے تک کی مہلت دے۔ میرے بیٹے اگر تمہاری زندگی تم سے بے وفائی نہ کر
تم اس خط کے کھولنے کے وقت پچیس سال کے ہو چکے ہو گے اور میری بے ہوش ہڈیاں منوں مٹی

اندر دب چکی ہوں گی۔ میرے شناسا میری شکل بھول چکے ہوں گے۔ میرے ملازم نے میرے وجود کو اس طرح ڈھکا ہو گا کہ اب میرا تصور بھی کسی کے ذہن میں موجود نہیں ہو گا۔ یہ خط ایک طویل عرصے بعد میری یاد کچھ لوگوں کے ذہنوں میں تازہ کر دے گا۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تم تو میری شکل سے آشنا بھی نہیں ہو گے' لیکن مجھے یقین ہے کہ میں تمہارے تصور کی منزل میں پہنچ جاؤں گا۔ گو میں مر چکا ہوں اور دنیا نے مجھے بھلا دیا ہے مگر کون جانے کہ موت کے بعد بھی میرا تعلق تمہاری اس دنیا سے ہو...... کیونکہ میں بھی تمہاری مانند زندگی کا ایک لمبا عرصہ اس عالم رنگ و بو میں گزار چکا ہوں۔ مجھے بھی اس سے محبت تھی' مگر میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جس وقت یہ خط تمہارے ہاتھ میں ہو گا میری روح تمہارے پاس ہو گی۔ مجھے محسوس کرنا' میرے عکس کو اپنے قریب سمجھنا' تم مجھے پا لو گے۔"

یہ انوکھی آواز تھی' انوکھا انداز تھا اور میں چونک پڑا۔ دفعتاً ہی مجھے فضا میں عجیب سی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ خوشبوؤں کے بھبکے اٹھنے لگے۔ بدن کو سردی کا احساس ہونے لگا۔ یہ تبدیلیاں وہم نہیں تھیں۔ میں نے سادان کو بھی بے چین محسوس کیا وہ خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا' پھر اس نے مجھے دیکھا اور پھر میں نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔ آمنہ بھی دوسری طرف سے اس کے پاس آ گئی اور اس کے کندھے پر دوسرا ہاتھ رکھ دیا' پھر میں نے اس سے کہا۔

"پڑھتے رہو ساوان...... پڑھتے رہو۔" سادان نے سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور میں صحیح معنوں میں اس وقت سب سے مشکل وقت سے گزرنے لگا۔ درحقیقت اس تہہ خانے میں اس وقت مجھے نجانے کون کون سی روحوں کا بسیرا محسوس ہو رہا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے در و دیوار سے چہرے ابھر رہے ہوں۔ قدیم ترین نقوش' جن کی شکلیں مصر کے قدیم باشندوں جیسی تھیں۔ ایسے نقوش جو میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ ساری کی ساری شکلیں اجنبی تھیں اور میں انہیں دیکھ رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ میرے شناسا ہوں' البتہ میں نے اپنی اس کیفیت کو چھپانے کی بھرپور کوشش کی تھی اور پھر سادان کے منہ سے آواز نکلی۔

"سرزمین مصر میں تمہارا قیام ایک طویل ترین قیام کے طور پر ہے۔ تمہاری نسلیں یہیں پر آباد تھیں اور شاید تمہیں یہ سن کر حیرانی ہو کہ تم دنیا بھر کی قدیم ترین نسلوں میں سے ایک کے جانشین ہو۔ تمہیں یقین نہیں آئے گا سادان کہ تمہارے رؤسا اعلیٰ تقریباً سترھویں پشت میں مصر کے مذہبی مقتدا اور یونانی نسل تھے۔ یہ نسل' نسل در نسل چلتی رہی اور تاریخ میں اس کی لاتعداد کہانیاں درج ہیں۔ ستائیسویں فرعون کے دور کا واقعہ ہے جس کو میں درج کر رہا ہوں۔ یہ واقعہ تمہیں تمہاری شناخت سے آگاہ کرے گا۔ یہ واقعہ میں نے قدیم ترین مصری زبان سے ترجمہ کیا ہے جو اس دور میں نہیں پائی جاتی' لیکن اگر میرے خاص دوست تمہارے پاس ہیں تو شاید تم ان بوسیدہ اوراق میں یہ تحریر پڑھ لو۔ یہ ہماری قدیم ترین روایات کے تحت محفوظ ہے۔ اصل میں مصر کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ پندرھویں اور سولہویں خاندان کے ماتحت سولہ سو اسی قبل مسیح میں مصر اجنبی فاتحین کے قبضے میں

رہا۔ یہ لوگ غالباً فلسطین اور ایشیائے کوچک سے آئے ہوئے تھے۔ سترہواں خاندان تھا مصر کا جس نے انہیں باہر نکالا اور نئی حکومت قائم کی۔ یہ حکومت پندرہ سو اسی سے پندرہ سو نوے قبل مسیح تک قائم رہی۔ اسی دور کا ایک بادشاہ اٹھارہویں خاندان کا بادشاہ تھا۔ اس نے فلسطین اور شام وغیرہ فتح کئے لیکن بعد میں یہ لوگ ایشیائی مقبوضات کھو بیٹھے اور ایک بار پھر مصر پر اجنبیوں کا تسلط ہو گیا۔ ہمارا چھبیسویں فرعون سے شروع ہوا اور اس کے بعد طویل عرصے تک ہمارے موجد اعلیٰ کا اقتدار قائم رہا۔ قدیم مصری تہذیب کے مطابق ہمارے موجد اعلیٰ کو لاتعداد اختیارات حاصل تھے اور حیات بعد الموت کا تصور رکھتا تھا۔ عالیشان مقبرے، ہنوق شدہ بدن محفوظ کر دیئے جاتے تھے۔ یہ بدن جن عمارتوں میں محفوظ کئے جاتے تھے انہیں احرام کہا جاتا ہے، جس میں روح کا ایک تصور ہمارے سامنے تھا۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مرنے کے بعد بھی زندگی قائم رہتی ہے اور انسان لافانی ہے۔ اس وقت ہمارے عبادتگاہوں میں کاہن معبودوں کے حکمران تھے، لیکن فرعون کی حکومتوں سے ان کا براہ راست تعلق ہوتا تھا، اور انہیں بادشاہ کی مانند اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ چھبیسویں فرعون کا بیٹا ایک شوخ اور لاابالی نوجوان تھا، جسے بچپن ہی سے شہنشاہت اور فرعون کے تقدس کا احساس دلایا گیا تھا، لیکن اس کا دل حسن و عشق کی چاشنی سے لبریز تھا۔ محل کی لاتعداد کنیزیں اس کی خدمت کیلئے حاضر رہتی تھیں، اور ان کے درمیان خوشی اور مسرت محسوس کرتا تھا، لیکن یوں ہوا کہ اس نے ایک مرتبہ عبادت کے دوران کاہن اعظم، بڑے کاہن اعظم کی بیٹی کو دیکھا، جو حسن و جمال میں یکتا اور آسمانوں سے اتری ہوئی کوئی دیوی معلوم ہوتی تھی، اور یہ اس سے دل ہار گیا۔ کاہن اعظم کی مقدس بیٹی معبد کی خاص پجارنوں میں سے تھی۔ جن کی شادی کبھی نہیں ہوتی اور جو تقدس کی بلندیوں کو چھوتی ہیں۔ یہ تقدس کاہنوں کی ملکیت تھا۔ اول تو ان کے خاندانوں میں شادیاں ہی بہت کم ہوتی تھیں، لیکن اگر کوئی لڑکی پیدا ہوتی تو اسے کبھی کسی سے منسوب نہیں کیا جاتا تھا۔ وہ کنواری ہی رہتی اور کنواری ہی مر جاتی تھی۔ اس کی روح کو آسمانوں کی بلندیوں پر صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ تو کاہن اعظم کی یہ بیٹی بھی تقدیس کے انہی مراحل سے گزر رہی تھی کہ فرعون کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ سرکش اور ضدی فرعون اس کی خلوتوں میں جانے کی کوشش کرنے لگا اور ایک بار عبادت کے بعد اسے اس کا موقع مل گیا۔ کیونکہ وہ عام لباس میں اور عام عبادت کرنے والوں کی مانند عید میں پہنچا تھا اور قطعی ان لوگوں میں شامل نہیں ہوا تھا، جو عظیم المرتبت لوگوں میں ہوتے ہیں۔ یوں اس کی جانب کسی کی توجہ نہیں ہوئی اور جب عبادت ختم ہوئی تو وہ ایک ایسی چٹان کی آڑ میں ہو گیا جہاں اسے واپسی پر کوئی نہ دیکھ سکے، لیکن اس کا مقدر یہ ہی تھا کہ جب ماحول سنسان ہو جائے تو نزدیک سے اناسیہ کو دیکھے۔ حسین اناسیہ معبد کی پہلی سرنگ کے آخری کمرے میں قیام پذیر تھی اور اس طرف کسی ذی روح کو داخلے کی اجازت نہیں تھی سوائے خادماؤں کے جو اناسیہ کیلئے مخصوص تھیں۔ اناسیہ کا دیوانہ فرعون ان رکاوٹوں کی پروا نہ کرتے ہوئے سرنگ میں داخل ہوا اور اس کے روبرو پہنچ گیا۔ نوجوان لڑکی جو عمر کے اٹھارہویں سال سے گزر رہی تھی ششدر

رہ گئی۔

اسے جو تعلیمات دی گئی تھیں ان کے تحت کسی مرد کا سایہ تک اس کیلئے ناجائز تھا، لیکن فرعون کے بلند و بالا قد، مردانہ وجاہت اور اس کی شربتی آنکھوں نے اناسیہ کو مسحور کر دیا اور اس نے خادماؤں کو حکم دیا کہ وہ سرنگ کے آخری حصے پر ٹھہریں اور یہ کسی کو ظاہر نہ ہونے دیں کہ وہ ہو رہا ہے جو نہیں ہونا تھا۔ یوں فرعون کی پذیرائی ہوئی اور اس کے بعد ان دونوں کی اکثر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ اناسیہ کے سینے میں محبت کا جوالہ مکھی پھوٹ پڑا۔ دونوں تنہائیوں میں ایک دوسرے کے ساتھی بن گئے، اور ان کے درمیان حسن و عشق کے مدارج طے ہونے لگے۔ حسین اناسیہ حسن و جمال کا نمونہ تھی تو فرعون کا بلند و بالا قد، اس کی مردانہ وجاہت پورے مصر میں یکتا تھی، اور خیال تھا کہ یہ عام لوگوں کا دور فرعون میں اس سے پہلے اتنا خوبصورت جوان پیدا نہیں ہوا۔ اناسیہ کو وہی جواب ملا اس محبت کا جو اس کے سینے میں تھا، لیکن دونوں ہی جانتے تھے کہ فرعون کے مقدس مذہب کی روایتیں انہیں کبھی یکجا نہیں ہونے دیں گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا یہ عشق کاہنوں اور بادشاہوں کے درمیان ایک عظیم جنگ کا پیش خیمہ نہ بن جائے سو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک رات مقرر کر لی جائے جب وہ یہاں سے نکلیں اور طویل و عریض زمین کے کسی گوشے میں پناہ گزیں ہو جائیں جہاں یہ روایتیں ان کا پیچھا نہ کر سکیں۔ نوجوان فرعون حکومت چھوڑنے کو تیار تھا اور اناسیہ اپنے تقدس کو، پھر یہ ہی ہوا کہ وہ موقع کی تاک میں رہنے لگے اور فرعون نے معلوم کر لیا کہ ایک تجارتی جہاز بہت جلد بندرگاہ سے روانہ ہونے والا ہے۔ اس نے اپنے کچھ خاص خاص غلاموں کی مدد سے دو ایسے افراد کا بندوبست کیا جو خاموشی سے مصر سے نکل جانا چاہتے تھے لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ کون ہیں اور یوں ہوا کہ جب جہاز کی روانگی کی رات آئی تو اناسیہ نے اپنی کنیزوں کو کسی کام سے بھیجا، اور خود سرنگ سے نکل کر اس جگہ پہنچ گئی جہاں اس کا محبوب اس کا انتظار کر رہا تھا، اور دونوں جہاز پر پہنچے اور جہاز نے اپنے لنگر اٹھا دیئے، اور وہ ایک طویل سفر پر روانہ ہو گئے۔ چالاک نوجوان نے ایسے انتظامات کئے تھے کہ جب تک جہاز سمندر میں دور تک نہ پہنچ جائے کسی کو شبہ بھی نہ ہو سکے کہ وہ اس جہاز سے فرار ہو رہا ہے۔

اور یہ ہی ہوا۔ اس وقت کا جو حکمران تھا، اس کو معلوم ہی نہ ہوا کہ نوجوان فرعون محل سے غیر حاضر ہے۔ یہ ہی کیفیت اناسیہ کے بارے میں بھی ہوئی تھی۔ اکثر وہ تنہائیوں میں دل بہلانے کیلئے دور تک نکل جاتی تھی۔ چنانچہ ان دونوں کو مصر سے دور نکلنے کا موقع مل گیا اور کوئی دشواری پیش نہیں آئی، لیکن اس وقت تک جب تک ایک مہیب سمندری طوفان نے انہیں نہ گھیر لیا۔ حالانکہ جہاز بہت بڑا تھا اور اس میں بہت سے لوگ سوار تھے، لیکن وہ طوفانی لہروں کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس کے بادبان پھٹنے لگے، مستول ٹوٹنے لگے اور عملے کے افراد زندگی اور موت کی کشمکش کا سوار ہونے لگے۔ وہ جہاز کے مسافروں کی ذمے داری سنبھالے ہوئے تھے، لیکن تقدیر اس جہاز کی تباہی طے کر چکی تھی۔ ہواؤں کا طوفان جہاز کو اس کی منزل سے نجانے کتنی دور لے گیا اور یہ اندازہ بھی نہیں ہو سکا کہ وہ

خوفناک چٹانیں کب جہاز کے نزدیک آ گئیں جو تاریک سمندر میں سر ابھارے کھڑی سوئی سے اپنے شکار کو دیکھ رہی تھیں۔ جہاز ان چٹانوں سے ٹکرایا اور پاش پاش ہو گیا۔ انسانی شور کے شور میں دب گیا۔ کسی کی آہ تک نہ سنائی دی۔ سمندر کی مہیب لہروں نے انسانی جانوں کو کچھ بچے اور کچھ نہ بچے' لیکن قدرت جن کو بچانا چاہتی تھی وہ بچ گئے اور ایک چوڑے تختے پر بھی خشکی سے جا لگے۔ وہ جگہ ایسی تھی کہ ریتلے ساحل دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور گھنے درخت جھنڈ آپس میں اس طرح دست و گریباں کھڑے تھے' جیسے کان سے کان ملائے سرگوشیاں کر ہوں۔ ان کے درمیان فٹ فٹ بھر لمبی مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے' اور ایسے زبردست جالے کہ اڑنے والے حشرات الارض کا تو ذکر ہی کیا چڑیا' فاختائیں اور دوسرے پرندے بھی ان پھنس کر اپنی جان نہیں بچا سکتے تھے' اور یہ خونی مکڑیاں لمحے بھر میں اپنے شکار کو چٹ کر جاتی جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہ ہو۔ ہاں کچھ چھوٹی چھوٹی ہڈیاں ان میں پھنس کر رہ جاتیں اور اپنے کہانیاں سناتی رہتیں۔ اس خوفناک ماحول میں وہ دونوں ایک دوسرے کی قربت میں آ گئے رہے اور پھر ایک رات ایک قبیلے نے انہیں قید کر کے اپنی ملکہ کے پاس پہنچا دیا۔ نجانے یہ مصر کا سا دور تھا۔ اس ملکہ کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور تھیں۔ اناسیہ نے جو کچھ اس ملکہ بارے میں لکھا انہیں الفاظ میں کہنا مشکل ہے۔

بہر حال وہ ایک پراسرار قبیلہ تھا جو تاریخ سے بہت پہلے کی حیثیت رکھتا تھا' پھر ایک زیارتگاہ کی چٹان پر اپنا چہرہ دکھانے آئی اور ان دونوں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ بیشا اپنی گردنیں کاٹ کر اس کے سامنے پیش کر دیتے۔ حسین ملکہ کا سارا وجود کالے رنگ کی جالیوں لپٹا ہوتا تھا' لیکن کیفیت یہ ہوتی تھی کہ کالے رنگ کی جالیوں میں سے سفید دودھیا رنگ چھلک کر تمام عالم کو منور کر دیتا تھا۔ چہرہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے روشن چاند پر تاریک قبر ڈال دی گئی اس حسین عورت کو غناتھا کا نام دیا گیا تھا' اور زمین کے اس خطے میں جو نامعلوم تھا کوئی یہ نہیں تھا کہ کون سا خطہ ہے' اور جہاں انسانی قدم شاید بہت کم پہنچتے ہیں وہ آج بھی اپنے اسی جاہ کے ساتھ حکمران ہے۔ اس کے بارے میں مقامی لوگوں کا تصور ہے کہ وہ براہ راست آسمانوں اتری ہوئی ہے۔ حسن و جمال کا ایسا بے مثال نمونہ کے انسان کی نظر اس پر ٹھہر نہ سکے۔ ایک ایک اپنی جگہ مکمل' یاقوت سے تراشے ہوئے ہونٹ اتنے سرخ کہ یاقوت کی چمک ان کے آگے ما جائے' رخسان ایسے کہ ان کیلئے لفظ ہی تلاش کرنے سے نہ ملیں۔ رنگ یوں جیسے چاند پر موم جام گیا ہو۔

بدن اتنا سڈول' اتنا حسین کہ سنگ مرمر کے مجسمے اس کی چکناہٹ اور تراش کے آ جھکانے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ حسن و جمال ایسا تھا کہ اسے دیکھ کر مر جایا جائے...... غناتھا کے جینے کا مقصد بھی ختم ہو جاتا تھا۔ خاص طور سے کسی مرد کیلئے' لیکن فرعون پر اس کا اثر نہیں ہوا تھا

وہ اناسیہ کا گھائل تھا اور ان کے درمیان روحانی رشتہ تھا۔ اس ملکہ نے فرعون کو اپنا حسن و جمال دکھایا اور اس بات پر حیران رہ گئی کہ یہ حسین نوجوان کیوں نہ کھو بیٹھا' اور اسے فرعون کی یہ ادا بھا گئی' اور اس نے فرعون کو حاصل کرنے کا اظہار کیا' لیکن پختہ کار نوجوان اپنی محبت میں مستحکم تھا۔ اناسیہ کو اس نے تمام روایات توڑ کر حاصل کیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس کے اس اقدام پر مصر کی حکومت شدید ترین بحران کا شکار ہو سکتی ہے۔ کاہنوں اور شاہوں کے درمیان شدید چپقلش پیدا ہو سکتی ہے جو شاید تاریخ بن جائے۔ ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اپنے آپ پر قابو میں رہا اور جب ملکہ نے اسے اپنی سحر افشاں مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا اور بولی۔

''اے نوجوان! پہاڑوں کی یہ ملکہ تیرا خیر مقدم کرتی ہے اور تیری زندگی کی ضمانت دیتے ہوئے تجھے یہ بتاتی ہے کہ تو ابدیت حاصل کرے گا۔ تجھے موت نہ ہوگی اور تو میرے ساتھ صدیاں گزارے گا' لیکن اس کیلئے شرط یہ ہی ہے کہ تو اس لڑکی کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دے جو میری لاعلمی کی وجہ سے تیری مالک بنی رہی ہے۔ ہاں یہ ہی ایک راہ ہے اس کیلئے کہ تو اسے موت کے گھاٹ اتار دے اور تو میرا بن جا۔'' فرعون نے نہایت متانت سے ملکہ کو دیکھا اور ادب سے بولا۔

''ویران علاقوں کی حکمراں بے شک تیرا حسن آسمانی ہے۔ تیری جیسی حسینہ کا تصور انسانی تصور میں کبھی نہ آیا ہوگا اور مشکل ہے کہ تیرے چہرے پر کوئی نگاہ جما سکے' لیکن تو یہ سمجھ لے کہ اناسیہ میری پہلی اور آخری محبت ہے۔ میں نے اس سے پہلے بھی کسی کو نہیں چاہا اور اس کے بعد بھی کسی کا نہیں ہو سکتا۔ یہ ازل اور ابد کے سلسلے ہیں' جو ٹوٹ نہیں سکتے۔ چنانچہ تو ہمیں آزاد کر کے ان جنگلوں میں زندگی بسر کرنے کی اجازت دے۔ یہ ہی تیری بڑائی ہوگی۔'' حسن و جمال کی یہ تمثیل اپنے حسن کی توہین برداشت نہیں کر سکی۔ یہ ہی کیا کم تھا اس کیلئے کہ اس نے خود اپنی زبان سے فرعون کو اپنی پیشکش کی تھی۔ چنانچہ اس کا ذہن طیش کا شکار ہو گیا۔ اس نے کہا۔

''باہر کی دنیا سے آنے والے نوجوان تو نے آج تاریخ کی توہین کی ہے۔ شاید ہی آج تک ہم نے کسی انسان کی خواہش کی ہو لیکن جب یہ الفاظ ہماری زبان سے نکل گئے تو وہ تاریخ بن جانے چاہئیں تھے' لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تیری روشن پیشانی کی گہرائیوں میں تاریکیاں چھپی ہوئی ہیں' اور ان الفاظ کے بعد بھلا تیری زندگی کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔'' اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اس نوجوان کو اتنے ٹکڑوں میں تقسیم کیا جائے کہ کوئی ان ٹکڑوں کا شمار نہ کر سکے' اور یہ ہی ہوا' فرعون کو قتل کر دیا گیا' اور اناسیہ کی دلخراش چیخیں آسمان کو چھونے لگیں۔ وحشیوں نے فرعون کے بدن کے اتنے ٹکڑے کئے تھے کہ واقعی زمین پر اس کے قیمے کا انبار لگ گیا تھا۔ وحشی ملکہ کو اس کی موت سے بھی سیری نہ ہوئی تو اس نے اناسیہ کی طرف دیکھا اور غمزدہ لہجے میں بولی۔

''اے عورت! تو ہی ہماری محبت کی توہین بنی ہے' اور یہ تو ہی تھی' جس کی وجہ سے یہ حسین نوجوان موت کا شکار ہوا ہے تو کیا تیری زندگی کسی طرح ممکن ہے؟ تجھے اس سے بھی زیادہ بدترین

موت کا شکار ہونا پڑے گا۔" اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور وحشی اناسیہ کو پکڑ کر ایک
کدے کے نزدیک لے گئے جو نجانے کب سے روشن تھا۔ آگ کے شعلوں نے قرب وجو
تمام ماحول کو آتش بنا دیا تھا اور زمین دور دور تک گرم تھی کہ اس پر پاؤں نہ رکھے جا سکیں، لیکن
ایک بوڑھے نے جو شیطانی قوتوں کا مالک تھا انہیں روک دیا اور ان سے کچھ کہا جسے سن کر تما
بھاگ گئے اور اناسیہ وہیں کھڑی رہ گئی۔ بوڑھا شیطان ایک بار پھر اناسیہ کو ملکہ کے روبرو لے
اس نے کہا۔

"ہمیشہ زندہ رہنے والی تیری زندگی قائم رہے۔ تیرا اقبال بلند اور تیرا حسن یونہی چ
سورج کی طرح پنپتا رہے۔ یہ لڑکی ماں بننے والی ہے اور ایک ایسی روایت کو توڑنے کا باعث
جو خونریزی کی بنیاد ہے۔ تو نے اگر اس کا خون بہا دیا تو یہ روایت اس سرزمین پر بھی قائم ہو جا
اور ہمیشہ یہاں خون بہتا رہے گا۔ میرا علم یہ ہی کہتا ہے، اور تو اس بات سے ناواقف نہیں ہے
بننے والی کسی عورت کو اس سرزمین پر قتل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ صدیوں تک یہاں عورتوں کے
بچے پیدا ہوں اور ہماری نسل گھٹتی رہے۔ یہ ایک بہت بڑی بیماری ہے، عظیم ملکہ، اور اس بیماری
بہتر ہے کہ ایسے یہاں سے نکال دیا جائے۔ ہم یوں کرتے ہیں کہ درختوں کے تنوں سے کاٹ کر
لکڑی کے درمیان خول کر کے اسے اس خول میں بٹھا دیا جائے اور پھر اسے اس خول سمیت
کے حوالے کر دیا جائے تو تیز ہوائیں اسے دور لے جائیں، اور کسی مناسب جگہ غرق کر دیں یوں
انتقام بھی پورا ہو جائے گا اور ہماری زمین بھی اس نحوست سے پاک ہو جائے گی۔"

چنانچہ اس ملکہ نے بوڑھے کی بات مان لی اور حکم دیا کہ اس لڑکی کو کسی ایسی جگہ قید
جائے جہاں سے یہ نکل نہ سکے اور اس کے بعد درخت کے تنے میں خول کر کے اسے اس میں
روانہ کر دیا جائے اور پھر ایسا ہی ہوا۔ اناسیہ جو اپنے محبوب کی جدائی کے بعد زندگی کو خود پر بھاری
تھی، درخت کے تنے کے خول کی کشتی میں بٹھا کر سمندر کے حوالے کر دی گئی تھی، لیکن سمندر
اس کی موت قبول نہیں کی تھی۔ لہریں اسے ایک تاریخ کی ترتیب کیلئے لئے جا رہی تھیں۔ اسے کچھ
نہیں تھا کہ کتنے دن اور کتنی راتیں وہ سمندر میں گزار چکی ہے اور کب درخت کا وہ تنا کسی خشکی پر
ہے۔ اسے جب ہوش آیا تو اس کے پہلو میں ایک حسین بچہ موجود تھا۔ اناسیہ نے اسے دیکھا ا
کے دل میں نئی زندگی جنم لینے لگی۔ اس نے زچہ گیری کے تمام لوازمات سے فارغ بچے کو اپنی آ
میں لے لیا۔ ایک حسین لڑکا جو اس کے محبوب کا ہمشکل تھا۔ اس کی ہو بہو تصویر اس کا خصوصی عکس
تصویر کو دیکھ کر اناسیہ کے دل میں نجانے کیا کیا خیالات پروان چڑھنے لگے۔ اس کا ذہن انتقا
آگ میں پھنک رہا تھا۔ وہ بے سہارا تھی اور اگر اسے کسی کا سہارا حاصل ہوتا اور وہ وحشیوں کی
زندگی سے محروم کر سکتی تو وہ کسی بھی قیمت پر اپنے محبوب کا انتقام لیتی، لیکن دنیا اس وقت اس
نگاہوں میں تاریک تھی۔ کوئی کچی دیوار بھی نہیں تھی، جس کا سایہ لے کر وہ کھڑی ہو سکتی۔ اس نے

کی روایات کو توڑا تھا، کاہن اعظم کی عظمت کو داغدار کر دیا تھا۔ فرعون کی تقدیس بھری روایات کو پامال کر دیا تھا۔ مصر میں اب اس کیلئے کوئی جگہ نہیں تھی لیکن یہ ننھا سا وجود اسے احساس دلا رہا تھا کہ اس کے انتقام کی کہانی آگے بڑھے گی اور اس نے اس وجود کو اپنا خون جگر پلا کر پروان چڑھانا شروع کر دیا۔

بچہ بڑا ہوتا چلا گیا، لیکن ابھی یہ عمر کی تیسری منزل میں تھا کہ ایک بحری جہاز اس خشکی کے کنارے آ لگا اور جہاز والوں نے اسے دیکھ لیا۔ ان میں وہ بھی تھے جو اناسیہ کے واقف کار تھے یعنی اسے کاہن اعظم کی بیٹی کی حیثیت سے جانتے تھے۔ انہوں نے اناسیہ کو مقدس عورت کا درجہ دیا اور اس کے بچے کو اپنی تحویل میں لے کر مصر کی جانب چل پڑے۔ یوں ایک عظیم نقصان سے دوچار ہو کر اناسیہ ایک بار پھر وطن پہنچ گئی جہاں اس کی کیفیت بہت مختلف ہو گئی تھی، اور پھر وہی ہوا جس کا اناسیہ کو شبہ تھا۔ اس کے بارے میں سب کو شبہ ہو گیا تھا کہ اس کو فرعون لے بھاگا تھا۔ کاہنوں نے احتجاج کیا اور اس مسئلے میں اتنی شدت پیدا ہو گئی کہ حکومت وقت متزلزل ہو گئی۔ مصری فوج نے اختیارات پر قبضہ کر لیا اور حکومت تبدیل کر دی گئی۔ شدید خونریزی ہوئی۔ ان تمام واقعات کے دوران اناسیہ کو مصر میں کوئی جگہ نہ مل سکی اور مصیبت زدہ یہ عورت اس بچے کو لے کر وہاں سے نکل آئی اور کسی اور جگہ پہنچ گئی۔

اس نے لڑکے کا نام بھی بدل دیا اور اس طرح اس کی عمر آگے بڑھنے لگی۔ وہ اپنے بچے کے ساتھ نوکری کرنے لگی لیکن آہستہ آہستہ اس کی حیثیت مستحکم ہوتی چلی گئی۔ بہرحال وقت آگے بڑھا۔ اناسیہ کی کہانی سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہی، اور یہ پورا خاندان وحشیوں کی اس ملکہ سے انتقام لینے کیلئے سرگرداں رہا۔ میرے دادا نے تجارت کا پیشہ اپنایا تھا۔ جب انہوں نے انتقال کیا تو میرے والد نے بھی یہی پیشہ اختیار کیا۔ والد کے انتقال کے بعد ان کا تمام ورثہ مجھے مل گیا۔ یہ دولت اس قدر تھی کہ اگر میں فضول خرچی بھی کرتا تو میری تمام عمر اس سے گزر سکتی تھی۔ میں نے کمانے کی کوئی فکر نہیں کی اور وہ انتقام جو خاندان در خاندان مجھ تک منتقل ہوا تھا لینے کیلئے سرگرداں ہو گیا۔ میں نے عظیم الشان تیاریاں کیں اور اس نقشے کی مدد سے ان علاقوں کی طرف چل پڑا جہاں وحشیوں کی وہ آبادی تھی، لیکن افسوس انجام اچھا نہ ہوا۔ میرا وہ جہاز تباہ ہو گیا اور مجھے واپس اپنے وطن آنا پڑا۔ جہاں میں نے شادی کر لی، لیکن میرے عزیز ساداں تمہاری ماں کی عمر نے بھی وفا نہ کی اور تمہاری پیدائش کے ایک سال کے بعد وہ اس دنیا سے چل بسی۔ مجھ پر تمہاری پیدائش کی ذمہ داری عائد تھی، البتہ تمہاری ماں کی موت کے بعد میں واپس مصر آ گیا اور یہاں میں نے نئی زندگی کا آغاز کیا اور یہ تمام تفصیلات تمہارے لئے محفوظ کر دیں تاکہ میرے بعد تم اب اس راز کے امین کہلاؤ، جو ہمارا صدیوں پرانا راز ہے۔ یہ ذمہ داری تمہارے کاندھوں پر بھی اسی طرح عائد ہوتی ہے، جو ہمارے مورث اعلیٰ ہمارے سپرد کر گئے تھے۔ انتقام ہمارا مسلک ہے اور اگر ہماری صدیوں پرانی ماں نے غلط نہ کیا تھا اور یہ تمام داستان

صرف داستان نہیں تھی تو وحشیوں کی اس وادی میں آج بھی وہ ملکہ حکمران ہے اور اسے ہلاک
میرے بعد تمہارا مسلک ہونا چاہیے۔''

میرے بچے تمہاری ماں کی موت کے بعد میری دنیا صرف تم تک محدود رہی ہے۔ اسے نہیں بھلا سکا ہوں۔ وہ مجھے ہر دم یاد آتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں تمہاری زندگی کے پچ سال تک تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ موت مجھے کب آدبوچے اس لئے خاندانی راز کو تم تک منتقل کر رہا ہوں۔ یہ سب کچھ تمہیں کرنا ہے اور میں تم پر بھروسہ کرتا ہوا خاندانی اناسیہ تمہارے سپرد کرتا ہوں' جو ہزاروں سال سے ہمارے آباؤاجداد کا ورثہ چلی آرہی بہرحال اب تم دیکھو کہ تم کیا کر سکتے ہو۔ خدا تمہارا مددگار اور محافظ رہے۔''

تمہارا باپ۔

سادان کی آواز بند ہوگئی۔ مجھے یہ احساس ہی نہیں رہا تھا کہ میں کہاں ہو۔ ایک عجیب ماحول میرے گردوپیش پھیل گیا تھا۔ وسیع و عریض علاقے میں بکھرے ہوئے پہاڑ گھنے درخت مصری کاہنوں کی آوازیں' فرعون کا دور میری آنکھوں کے سامنے آ گیا اور میں خود کو اسی ماحول محسوس کرنے لگا۔ سادان کے الفاظ گونج رہے تھے اور میرا ذہن ان الفاظ میں کھویا ہوا تھا۔ بہت دیر تک شدید سنسناہٹ کا شکار رہا۔ مجھے یہ محسوس ہوا جیسے میرے نزدیک کوئی اور بھی بیٹھا یہ داستان رہا ہو۔ دائیں طرف' بائیں طرف' عقب میں' سامنے اور چاروں طرف انسان ہی انسان پھیلے محسوس ہو رہے تھے۔ غیر مرئی انسان۔ جن کے جسموں کی سنسناہٹ سنی جا سکتی تھی لیکن انہیں نہیں جا سکتا تھا۔ سردی کا وہ احساس اب بھی میرے ذہن میں تھا اور وہ خوشبو اب بھی فضا میں ہوئی تھی۔ سادان نے لفافہ بند کیا اور بولا۔

''اب کیا کیا جائے؟''

''ابھی تو اور بھی بہت کچھ ہے اس صندوقچے کو دیکھو اس میں کیا ہے؟'' میں نے صندوق میں موجود ایک صندوقچے کی طرف اشارہ کیا۔ یہ آبنوسی صندوقچہ تھا اور جگہ جگہ سے ٹوٹا تھا۔ تاروں اور پتریوں سے اسے جڑا گیا تھا اور اتنا بوسیدہ تھا کہ نیچے کی لکڑی گھس گھس کر ٹوٹنے کے قریب ہوگئی تھی۔ اس صندوقچے کو کھولا تو اس میں سے ایک اور چاندی کی صندوقچی کوئی دس انچ اور چار انچ چوڑی نکلی۔ یہ بھی مصر کی ایک قدیم ساخت کی صندوقچی تھی۔ اس کے ڈھکن پر قدیم ساخت کی تصاویر بنی ہوئی تھیں اور یہ ہی تصاویر اس کے چاروں پایوں پر بھی تھیں۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی چابی بھی رکھی ہوئی تھی۔ سادان نے چابی کو صندوقچی میں ڈال کر اس کا تالا کھولا۔ حصے پر ایک عجیب قسم کی گھاس پڑی ہوئی تھی' جس کے بارے میں تمیز نہیں کی جا سکتی تھی کہ یہ کیا شاید یہ گھاس اس کے اندر موجود چیزوں کو بچانے کیلئے ڈالی گئی تھی۔ گھاس ہٹانے ایک اور تحریر نکلی جو چرم کی جھلی پر لکھی ہوئی تھی اور قدیم ہونے کی وجہ سے جا بجا ترخ چکی تھی۔ نیچے

تحریر کون سی صدی کی لکھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی نیچے موم جامے میں ایک اور چیز بھی موجود تھی۔ اسے کھولا تو اس کے اندر چمڑے کی جھلی کا بنا ہوا ایک بہت بڑا رول موجود تھا' جس پر ایک اور غلاف چڑھا ہوا تھا۔ یہ غلاف زرد رنگ کا تھا۔ کوئی نو انچ لمبا اور پانچ انچ چوڑا یہ رول کھول کر دیکھا تو اس میں قدیم یونانی زبان میں ایک تحریر لکھی ہوئی تھی' لیکن ایسی روشن تحریر جیسے کسی نے حال ہی میں لکھی ہو۔ نیچے مختلف قلموں سے بیشمار نام لکھے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی چھوٹی چھوٹی مختلف عبارتیں۔ میں نے سادان کی طرف دیکھا اور وہ میری طرف متوجہ ہوگیا۔

''کیا تم اس تحریر کو پڑھ سکتے ہو؟''

''ہاں یہ تحریر میرے لئے اجنبی نہیں ہے۔''

''دیکھو کیا لکھا ہے اس میں۔'' میں نے کہا اور سادان کی جانب متوجہ ہوگیا۔ اس کی آواز ابھری۔

''میں اناسیہ' کاہن اعظم مصر کی بیٹی اور فرعون مطلق کی زوجہ یہ تحریر میری جانب سے میرے بیٹے کیلئے ہے کہ میں تیرے باپ پر عاشق ہوئی اور تمام مذہبی قیود کیخلاف اس کے ساتھ مصر سے بھاگ گئی۔ ہم نے جنوب کی جانب دریاؤں کا رخ کیا اور ہم ایک جہاز پر چلتے ہوئے یہاں تک کہ ہم پر تین چاند چمکے اور چھپ گئے۔ سو ہم جہاز پر ہی تھے کہ طوفان نے ہمیں آلیا۔ جہاز سیاہ رنگ کی خوفناک چٹانوں سے ٹکرا کر تباہ ہوگیا اور ہم اس میدان میں جا کھڑے ہوئے' جس میں لاتعداد درخت سر ابھارے کھڑے ہوئے تھے۔ یہ میدان سورج نکلنے کی سمت واقع ہے' اور دریا کے پار عظیم الشان چٹانیں اس طرح کھڑی ہیں جیسے بلند و بالا مینار تراشے گئے ہوں اور یہاں پر مقامی لوگوں نے ہمیں گرفتار کر لیا' اور اس طرف لے گئے جہاں سمندر آسمان سے جا ملا ہے۔ وہ ہمیں لئے ہوئے طویل راہیں چلتے رہے۔ یہاں تک کہ دس بار سورج غروب ہوا اور نکلا۔ سو پھر انہوں نے ہمیں ایک پہاڑی سرنگ میں داخل کیا اور جب ہم سرنگ کے دوسری طرف نکلے تو وہاں ایک بہت بڑا شہر آباد دیکھا۔ یہ چٹانوں اور سرنگوں کا شہر ہے جن کو غیر آدمیوں نے کبھی نہیں دیکھا۔ یہاں وہ لوگ رہتے ہیں جو وحشت اور بربریت میں بے مثال ہیں اور ان کے طریقہ موت انوکھے ہیں۔ یہ لوگ لوہے کے ٹکڑوں کو سرخ کر کے زندہ لوگوں کے سروں پر رکھ دیتے ہیں۔ ان کی حکمران ایک عورت ہے۔ جو حسن و جمال میں یوں ہے کہ چاند کی مثال اسے نہیں دی جا سکتی۔ سورج کی روشنی اس کے چہرے پر مرکز ہے اور جس کا علم لامحدود ہے اور جو اتنی خوبصورت ہے جس کے آگے خوبصورتی کا تصور بے مقصد ہے۔

اس کا کہنا ہے کہ وہ صدیوں سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی اور یہ عورت تیرے باپ کو دیکھ کر اس پر عاشق ہوئی اور اسے اس نے اپنانا چاہا۔ اس نے اس سے یہ شرط رکھی کہ وہ مجھے قتل کر دے' لیکن وہ شریف انسان اس کے جال میں نہ آیا کیونکہ وہ مجھ سے محبت کرتا تھا۔ سچی محبت' اور اس نے

انکار کر دیا' پھر اس عورت کا انتقام شروع ہو گیا۔ وہ عورت جو انتہائی وحشت اور بربریت میں بے
تھی۔ اس نے تیرے باپ کے پورے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس طرح کہ اس کا کوئی ٹکڑا
نہ جوڑا جا سکے' لیکن اس کے بعد وہ خوب روئی اور آخر کار اس نے میری موت کا فیصلہ بھی کر لیا'
میں بچ گئی۔ وہ اس لئے مجھے قتل نہ کر سکی کہ میں ماں بننے والی تھی اور کاہن اعظم کا تقدس میرے
محافظ بنا اور وہاں انہوں نے مجھے درخت کے ایک کھوکھلے تنے میں بٹھا کر دریا کے سپرد کر دیا۔

اس کے بعد میں مصر پہنچی تو مجھے علم ہوا کہ وہاں کے حالات بدل چکے ہیں۔ یوں
پریشانیوں اور مصیبتوں کے درمیان مصر چھوڑنا پڑا اور اب میرے بیٹے میں تجھ سے درخواست کرتی
کہ تو اس عورت کو تلاش کر اور اگر تجھے وہاں کا راستہ معلوم ہو جائے تو تو جا اور اپنے باپ کے خون
بدلے میں اس عورت کو قتل کر دے اور اگر تو ڈرے یا اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے تو لازم
کہ تو اپنی اولاد کو اس کی وصیت کر جا' اور اگر اس کی اولاد بھی یہ کام نہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ
اولاد کو یہ وصیت کر جائے۔ یہاں تک کہ تیری نسل سے کوئی ایسا پیدا ہو جو میری روح کو سکون بخش
اور اس حیات ابدی کا پرچار کرنے والی عورت کو موت کی نیند سلا دے۔ ممکن ہے تجھے ان باتوں پر
نہ آئے' لیکن یہ تمام واقعات مجھ پر گزرے ہیں اور یہ سب میری آنکھوں دیکھی باتیں ہیں کہ میں
جھوٹ نہیں بولا تجھ سے اور تو ذمے دار ہے میری اس سچائی کا۔'' سادان رکا اور پھر وہ دستخطوں وا
حصے کو پڑھنے لگا۔ سب سے پہلے اناسیہ کے دستخط تھے۔ اور اس کے نیچے چھوٹی سی تحریر تھی۔

''دیوتاؤں کی مرضی نہ تھی کہ میں جاؤں۔ اب اپنے بیٹے کے سپرد کرتا ہوں۔'' اس کے
دوسرے لوگوں کے دستخط اور چھوٹی چھوٹی تحریریں تھیں۔ جن کا مقصد یہ ہی تھا کہ جو کام وہ انجا
دے سکے ان کا بیٹا اسے انجام دے۔ یہ مختلف زبانوں میں تحریریں تھیں' اور ان کا مقصد یہ ہی
سب نے اپنے بیٹوں کو نصیحتیں کی تھیں کہ وہ انتقام لیں اور یہ آخری خط سادان کے باپ کا تھا۔ یہ
بھی ختم ہو گئی اور درحقیقت ہم نے اپنے اردگرد ہزاروں روحوں کو نگراں پایا۔ یوں لگتا تھا جیسے اب
روحیں ہمارے درمیان آ موجود ہوئی ہیں' جو اس انتقام کو پورا نہ کر سکی تھیں۔ فضا میں عجیب عجیب
خوشبوئیں چکرا رہی تھیں اور ماحول اتنا سرد ہو گیا تھا کہ ہمارے بدن میں کپکپاہٹیں دوڑنے لگی
لیکن پھر آہستہ آہستہ سادان کی حالت بہتر ہونے لگی۔ شاید اس پر ان روحوں کا سایہ ہو گیا تھا
میری جانب دیکھ کر بولا۔

''ہم اپنا مقصد پورا کر چکے ہیں۔''

''کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟''

''میں نہیں جانتا کہ عمر میرا ساتھ دے گی یا نہیں لیکن میں اس سفر پر روانہ ہونے کا فیصلہ
چکا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کون میرے ساتھ ہو گا اور کون نہیں ہو گا لیکن یہ میرے اندر کی آواز
کہ میں یہ سفر کروں اور انتقام لینے کی کوشش کروں۔ میں نہیں جانتا کہ میں اس میں کامیاب ہو
نہیں لیکن بہرحال میں ان نقشوں کی مدد سے کوششیں کروں گا کہ اپنے باپ کے مشن کو پورا کروں۔
کامیاب نہیں ہوا تو کوئی ایسی بات نہیں ہے۔''

''اور تم......؟ جیسا کہ میں نے تم سے کہا۔ زرمناس کہ تم وہ ہو جو اس مقصد کی تکمیل کرو گے۔''

''میں تنہائی میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں آمینہ؟'' میں نے کہا اور اس نے سینے پر
ہاتھ رکھ کر گردن جھکا دی' پھر وہ سادان سے بولی۔

''اب تم...... آرام کرو...... میں جانتی ہوں کہ زرمناس تنہائی میں مجھ سے کیا بات کریں
گے۔ میں انہیں ان باتوں کا جواب دوں گی۔'' وہ بولی اور اس کے بعد ہم دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔
آمنہ مجھے ساتھ لئے ہوئے ایک کمرے میں آئی اور پھر گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لیتی ہوئی بولی۔

''اصل میں مجھے بس ایک چیز کا خدشہ ہے وہ یہ کہ تم ذہنی طور پر منتشر ہو۔ کوئی صحیح فیصلہ نہیں
کر پا رہے کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔''

''تمہارا یہ کہنا بالکل درست ہے۔''

''ویسے مجھے ایک بات بتاؤ۔ تم نے ماضی قدیم کا ایسا راز اپنے وجود میں شامل کر لیا ہے جو
انتہائی حیرت ناک ہے اور اب تم پر اس کی ذمہ داری بھی عائد ہو گئی ہے۔ میں نے تم سے پہلے ہی یہ
بات کہی تھی کہ بات صرف یہ نہیں ہے کہ تم ہی میرے کام آ رہے ہو۔ وہ سات موتی جس کا آخری
موتی تمہارے پاس ہے ہمیں ملیں گے اور جب سات موتیوں کی مالا مکمل ہو جائے گی تو تاریخ کا ایک
ایسا مسئلہ حل ہو جائے گا' جس کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ سوتا ہوا شیر جاگ پڑے گا۔
ہزاروں انسان جو صدیوں سے کسی کا انتظار کر رہے ہیں اپنی زندگی واپس پا لیں گے۔ میں تمہیں بالکل
ٹھیک بتا رہی ہوں۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ تم کتنے اہم انسان ہو۔ بہرحال ابھی میں کچھ نہیں کہوں
گی اس بارے میں مستقبل میں تمہیں ایسے ایسے کردار ملیں گے کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔ سب سے پہلے
تمہیں جو شخص ملے گا وہ اسی دور میں مل جائے گا اور وہی تمہیں دوسرا موتی پیش کرے گا۔''

''تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔''

''آہ...... پہلے تم سادان کا مسئلہ حل کر دو۔''

''مجھے تو یوں لگتا ہے کہ یہ مسئلہ حل کرتے ہوئے ہی میری زندگی گزر جائے گی۔''

''نہیں گزرے گی۔ میں تمہیں سچ بتا رہی ہوں اور یہ بھی بتا دوں گی تمہیں کہ تم دوہری
شخصیت سے گزر رہے ہو۔ تمہیں اس میں بھی شامل رہنا پڑے گا۔ آؤ۔ میں تمہیں ایک ایسی منزل پر
پہنچا دوں' جہاں تمہیں اپنے بارے میں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔'' وہ اس خوبصورت عمارت کے
ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی اور میں نے اس کمرے کو غور سے دیکھا۔ عجیب و غریب
ڈیزائن تھا اس کمرے کا۔ سامنے ہی ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا۔ وہ سیدھی اس دروازے کی جانب
بڑھ گئی' اور پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔

"چلو اندر چلو۔" وہ بولی اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا لیکن جیسے ہی میں اندر دا
ہوا کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی۔ وہ بھی ایک کمرہ ہی تھا۔ میں نے اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے
آواز سنی تھی لیکن میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا' البتہ تیز روشنی میں میں نے ڈارون کو دیکھا' جو ایک
خوبصورت میز کے پیچھے بیٹھا پیپر ویٹ گھما رہا تھا۔ اس کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔

"اور میں جانتا ہوں عظیم انسان کہ تمہیں مجھے یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی ہو گی۔ آؤ میرے
سامنے بیٹھو۔" اس نے کہا اور میں تھکے تھکے قدموں سے اس کی طرف بڑھ گیا۔ اس وقت واقعی مَیں
شدید حیران رہ گیا تھا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ ڈارون اور آمنہ کا کوئی ایسا گہرا تعلق نظر آ جائے گا۔ اب
تک تو احرام سلابہ میں ماحول بدلتا رہا تھا لیکن اب آمنہ باقاعدہ مجھے یہاں تک چھوڑ کر گئی تھی
ڈارون نے اپنے سامنے پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔

"بیٹھو......" میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا تو وہ بولا۔ "معذرت چاہتا ہوں کبھی کبھی
جیسے بڑے آدمی کو اس طرح بلاتے ہوئے مجھے بھی شرم آنے لگتی ہے۔"

"میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں' مسٹر ڈارون۔"

"ہاں...... بولو......"

"آمنہ القراش کو آپ کیسے جانتے ہیں؟"

"آمنہ القراش' کون آمنہ القراش؟"

"مصر کی وہ پراسرار حسینہ' جس نے میرا ذہنی توازن خراب کر دیا ہے اور جس نے مجھے
زرمناس کا نام دیا ہے۔" ڈارون کے چہرے پر حیرت کے نقوش بیدار ہو گئے۔ اس نے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔ مجھے کیا سمجھانا چاہتے ہو؟"

"وہ لڑکی کون ہے' جو مجھے یہاں چھوڑ کر گئی ہے۔"

"لڑکی؟" وہ حیرت سے بولا۔

"ابھی اس دروازے سے جس نے مجھے اندر داخل کیا ہے۔" اس بار میرا لہجہ غصیلا ہو گیا تھا۔

"کون سے دروازے سے؟" اس نے پلٹ کر میرے عقب میں دیکھا اور مجھے شدید غصہ
آ گیا۔

"میں اس دروازے کی بات کر رہا ہوں۔" میں نے اس دروازے کی طرف اشارہ کیا
جہاں سے آمنہ القراش مجھے چھوڑ کر گئی تھی' لیکن پھر میرے دیوتا کوچ کر گئے۔ وہاں تو ایک سپاٹ
دیوار تھی' کوئی دروازہ نہیں تھا۔

❁ ❁ ❁

ناقابل یقین' اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں۔
ارون خود حیران نظر آ رہا تھا' پھر اس نے کہا۔

"تم کون سے دروازے کی بات کر رہے ہو؟" میں نے ایک گہری سانس لی اور آہستہ سے
لہا۔

"جس کے بارے میں تم نہیں جانتے ڈارون۔"

"میں سمجھا نہیں ہوں۔" وہ بولا۔

"اور میں سمجھا بھی نہیں سکتا۔"

"تم کچھ الجھے ہوئے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ پچھلا عمل تمہارے لئے حیران کن ہو گا لیکن......
ا جن لوگوں سے ہمارا سابقہ ہے وہ بہت ہی آگے کے لوگ ہیں۔ ان کے مقابلے میں ڈٹے رہنا
ت بڑی بات ہو گی۔ آسان کام نہیں ہے' لیکن خیر اب جو وقت آنے والا ہے' وہ تمہارے لئے
ران کن ہو گا۔ میں نے تمہیں اسی لئے بلایا ہے کہ میں تمہیں تھوڑا سا آرام کرنے کا مشورہ دوں۔
ونکہ پچھلے دنوں کی مصروفیت نے تمہیں ذہنی طور پر تھکا دیا ہو گا۔"

"آپ نے مجھے بلایا تھا' مسٹر ڈارون۔"

"ہاں...... کیوں کیا تمہارے پاس میرا پیغام نہیں پہنچا۔ اس وقت تم میری طلبی پر ہی تو یہاں
ئے ہو۔"

"اور آپ نے کس کے ذریعے مجھے بلوایا تھا۔"

"اپنے آدمیوں کے ذریعے۔ اس طرح کے سوالات کیوں کر رہے ہو۔" میں خاموش ہو
یا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ڈارون کہنے لگا۔

"میرے کچھ مہمان آنے والے ہیں۔ تمہیں فی الحال آرام کرنا ہو گا۔ بہت جلد میں تمہیں
گے کی تفصیلات بتا دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی کرسی میں لگے ہوئے ایک بٹن کو دبایا اور ایک شخص
ر داخل ہو گیا۔ اس نے اندر آ کر گردن خم کی اور بولا۔

"جی۔"

"انہیں ان کے کمرے میں لے جاؤ اور دیکھو سیاگا اگر ہو تو اسے بتا دو کہ تیمور پاشا آ چکے

ہیں۔'' سیاگا میرے لئے نیا نام تھا۔ یہ کون ہے' کیا ہے؟ مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں
''لیکن سیاگا ایک مصری عورت ہے۔ ہمارے لئے بڑی کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ وہ ستارہ شناس
ہے اور مستقبل کی پیشین گوئیاں کرسکتی ہے۔ ویسے بھی اس کی عمر کے بارے میں کوئی صحیح اندازہ
لگایا جا سکتا۔ خیال یہ کیا جاتا ہے کہ اس کی عمر دوسوسال کے قریب ہے' لیکن یہ بھی ایک قیاس
البتہ تم اسے دیکھو گے تو کہہ نہیں سکو گے کہ اس کی عمر کتنی ہے۔ خیر...... جاؤ...... انہیں لے جاؤ۔''

میں خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا' لیکن میرے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ درحقیقت
طلسمات میں پھنسا ہوا تھا۔ شمالی علاقوں میں ڈارون نے میرے لئے جو اعلیٰ درجے کی رہائش
بنوائی تھی اور جس طرح مجھے اس کے تمام حقوق سونپ دیئے گئے تھے وہ میرے لئے بے شک
تھے' لیکن اس کے بدلے میں جس طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا ان سے بھی بس جان
رہی تھی' اور پھر کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان حالات سے نمٹنا کس طرح ممکن ہے۔ غرض یہ کہ میں
کمرے میں آ گیا جو ایک بہترین رہائش گاہ کے طور پر تھا۔ میں یہاں آرام کر رہا تھا کہ درواز
سے ایک عورت اندر داخل ہوئی۔ اس کے پورے چہرے پر جھریاں ہی جھریاں تھیں' لیکن اس
چال ڈھال سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ جھریاں مصنوعی ہیں۔ کیونکہ وہ انتہائی چست و چالاک تھ
اس نے اندر آ کر گردن خم کی اور بولی۔

''میرا نام سیاگا ہے۔''

''میں بزرگوں کا ہمیشہ احترام کرتا رہا ہوں۔ آیئے بیٹھیے مادام سیاگا۔'' وہ ایک آرام دہ
پر بیٹھ گئی۔

''میں تم سے ملنا چاہتی تھی اور اس کی بنیادی وجہ تمہارے بارے میں دیا گیا علم تھا۔''

''میرے بارے میں دیا گیا علم؟''

''ہاں...... میں ستاروں سے مدد لیتی ہوں اور وہ مجھے طرح طرح کے کرداروں
متعارف کراتے ہیں۔''

''ہاں...... مجھے ڈارون نے بتایا تھا۔''

''لیکن تمہارے بارے میں جو انکشافات میرے پاس ہیں' ڈارون کے فرشتے بھی ان تک
نہیں پہنچ سکتے۔''

''ٹھیک۔ چلئے آپ مجھے بتایئے آپ میرے بارے میں کیا بتا سکتی ہیں مادام سیاگا۔''

''تم کھنیشی ہو۔''

''جی' میرا خیال ہے۔ میرا نام تیمور پاشا ہے۔''

''میرا مقصد وہ نہیں ہے۔ کھنیشی' ایک خاص صفت ہوتی ہے' جس کی تفصیل میں خود
تمہیں نہیں بتا سکتی۔ اصل میں صورتحال یہ ہے کہ تم وقت کے ساتھ ساتھ چل رہے ہو۔ تمہاری شخصیت

دوہری ہوگئی ہے۔ ایک طرف تمہیں ماضی قدیم کی پراسرار روحیں اپنا آلۂ کار بنائے ہوئے ہیں' تو
دوسری طرف ڈارون تم سے کام لینا چاہتا ہے۔ تم دونوں ہی کیلئے کارآمد ہو۔ ڈارون کیلئے بھی اور ان
پراسرار روحوں کیلئے بھی۔ جونجانے کب سے تم سے آس لگائے ہوئی بیٹھی ہوئی تھیں کہ تم سرزمین
قاہرہ یا سرزمین مصر پر قدم رکھو اور وہ تمہیں اپنے مقصد کیلئے استعمال کر لیں۔'' میں چونک کر بوڑھی
سیاگا کی صورت دیکھنے لگا تھا۔ سیاگا وہ الفاظ کہہ رہی تھی' جن کا تعلق مجھ سے تھا۔ اس عورت کا وجود
ویسے ہی پراسرار تھا۔ میں نے فوراً اس سے کہا۔

''مادام سیاگا' آپ مجھ سے ملنا چاہتی تھیں؟''

''ہاں۔''

''کیوں؟''

''تمہاری الجھن دور کرنا چاہتی تھی میں۔''

''کسی کے کہنے سے؟''

''نہیں۔''

''پھر؟''

''میں نے بتایا ناں تمہیں کہ میرا تعلق ستاروں سے ہوتا ہے۔ ڈارون مجھے اپنی ماں کی طرح
سمجھتا ہے۔ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے وہ مجھ سے مشورہ کرتا ہے۔ یہاں مصر میں اور میں اسے صحیح
مشورہ دیتی ہوں۔ بہرحال تمہارے بارے میں' میں نے ابھی اس سے کوئی تذکرہ نہیں کیا' اور ایک
بات اور بھی کہوں تم سے تمہیں یقین دلانے کیلئے نہیں بلکہ ستاروں سے میرا معاہدہ ہے کہ اگر وہ مجھے
کوئی ایسی اجنبی بات بتا دیں گے جو عام لوگوں کے علم میں نہ ہو تو میں ان کے راز کو راز رکھوں گی۔ یہ
اس وقت میں تم سے کہنا چاہتی ہوں۔ تم اپنے بارے میں اگر مجھ سے کچھ پوچھنا چاہو تو پوچھو...... یا
پھر میں ہی تمہیں اپنے بارے میں بتائے دیتی ہوں۔ میرا مطلب ہے مختصراً۔ جو میں تمہیں بتا چکی
ہوں۔''

''میں سمجھ رہا ہوں' مادام سیاگا۔ آپ کو میری الجھن کا علم ہے۔''

''ہاں۔''

''تو پھر مجھے یہ بتایئے کہ کیا میں زرمناس ہوسکتا ہوں۔''

''یہ میں تمہیں نہیں بتاؤں گی۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ یہ بھی ماضی کا ایک راز ہے۔''

''مگر ایک بات میں آپ کو بتا دوں کہ میرا نام تیمور پاشا ہے اور میرے باپ کا نام جہانگیر
پاشا تھا۔ ہم لوگ ان پراسرار داستانوں کو تسلیم نہیں کرتے جن کا تعلق ہمارے مذہب سے نہیں ہے۔''

میں مانتی ہوں، لیکن کبھی کبھی تاریخ میں کوئی ایسا نقطہ آ کر پھنس جاتا ہے جس سے گریز ممکن نہیں ہوتا اور ایسا ہی اس بار بھی ہوا ہے۔"

"ایک طرف میں ڈارون کیلئے کام کر رہا ہوں اور دوسری طرف آمنہ القراش مجھے زرمان کہہ کر ایک مہم میں استعمال کرنا چاہتی ہے۔"

"ہاں...... میں جانتی ہوں، اور تم مجبوراً اس دوہری کیفیت کا شکار رہو گے۔"

"مگر میں کیسے کر سکتا ہوں۔ تم مجھے بتاؤ، مادام کہ یہ سب کچھ میں کیسے کر سکتا ہوں؟"

"کر سکتے ہو نہیں بلکہ کر رہے ہو۔"

"اچانک ہی وقت تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب وہ تھوڑی دیر پہلے مجھے اپنی رہائشگاہ کے ایک کمرے سے اندر پہنچا کر گئی ہے اور اس وقت میں ڈارون کی رہائشگاہ میں ہوں۔"

"ہاں...... وجہ ہے اس کی۔"

"کیا وجہ ہے؟"

"وقت۔ تم یہ سمجھ لو کہ آمنہ کیلئے تم جو کچھ کر رہے ہو وہ ماضی ہے اور حال کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ حال نہیں ہے اور اس وقت ماضی اور حال اس طرح گڈمڈ ہو گیا ہے کہ نہ تم ادھر کے بارے میں کوئی فیصلہ کن عمل کر سکتے ہو نہ ادھر کے بارے میں۔"

"مگر مجھے یہ بتاؤ، مادام سیاگا کہ کیا میں یہ سب کچھ کر سکوں گا؟"

"میں نے کہا ناں...... کر سکو گے نہیں، کر رہے ہو۔ اس لئے کہ تم کھنیشی ہو۔"

"اب مجھے کھنیشی کی تفصیل بتا دو۔"

"کھنیشی عام انسان نہیں ہوتا۔ اس کائنات میں تم جیسے چند ہی افراد ہیں، جو دوہری کیا بلکہ بعض اوقات چھ چھ شخصیات کے مالک ہوتے ہیں۔"

"وہ کہتی ہے کہ مجھے ساتوں موتی حاصل کرنا ہوں گے۔"

"یہ ضروری ہے اور تمہاری مجبوری بھی ہے۔ نجانے تمہیں ماضی کے کون کون سے دور کا سفر کرنا پڑے۔ تم کیا سمجھتے ہو کیا تم اس جال سے نکل جاؤ گے۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ تم کھنیشی ہو۔"

"ایسی تیسی کھنیشی کی، اگر میں نہ کرنا چاہوں تو کون مجھے روک سکے گا۔"

"ایسا مت سوچنا۔ ایسا بالکل مت سوچنا۔ تمہیں یہ سب کچھ کرنا ہے مگر ماضی میں جو کچھ ہے اس سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ جب تم سات موتیوں کی مالا اس کے گلے میں ڈال دو گے تو تم نہیں جانتے کہ کتنے انسانوں کا تم سے واسطہ رہے گا۔ بہت بڑا احسان کرو گے تم ماضی کے ایک ایسے دردناک دور پر، جس کے بارے میں دنیا بہت کم جانتی ہے۔"

"آہ...... تمہاری باتیں میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہیں۔"

"میں تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتی ہوں میرے بچے ہو سکے تو اس بوڑھی کی بات پر

یقین کر لو۔ ان ساری چیزوں سے بالکل نہ گھبراؤ۔ بڑے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑے گا تمہیں، لیکن ہوگا وہی جو ماضی میں ہو چکا ہے۔ صرف ایک باب تم کھولو گے اور وہ باب ہوگا سات موتیوں کی مالا کا۔ آپس میں بندھ جانا۔"

"گویا مجھے ماضی میں اور دور تک جانا پڑے گا۔"

"ہاں۔ یقیناً ایسا ہوگا۔ اچھا اب چلتی ہوں۔ ہو سکے تو اپنے آپ کو یہ سوچ کر مطمئن کر لو کہ تمہیں نقصان کہیں سے بھی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے، لیکن ایک بات اور بتاؤ؟"

"ہاں...... بولو۔"

"کیا تم مجھے دوبارہ بھی کبھی مل سکتی ہو؟"

"اگر تمہیں واقعی میری ضرورت ہوئی تو۔"

"کب اور کہاں؟"

"بھول جاؤ اس بات کو۔"

"کیا مطلب......؟"

"کوئی مطلب نہیں، اب میں چلتی ہوں۔" یہ کہہ کر بوڑھی بغیر کسی سلام دعا کے دروازے سے باہر نکل گئی اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتا رہا۔

بہرحال میں اب آرام کیلئے لیٹ گیا تھا۔ غالباً شام کے چھ ساڑھے چھ بجے تھے، جب میں جاگا، غسل کیا اور باہر نکل آیا۔ میں نے سامنے دیکھا جہاں میرا کمرا تھا۔ اس کے سامنے راہداری تھی۔ راہداری کے آخری سرے پر کوئی ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ نکل گیا لیکن اسے دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ یہ آمنہ تھی جو اس وقت ایک انتہائی جدید لباس میں ملبوس بے نیازی سے آگے بڑھ گئی تھی۔ میں ایک دم سے اپنی جگہ سے دوڑا۔ میں نے آمنہ کو کئی آوازیں بھی دی تھیں۔

راہداری کے آخری سرے پر پہنچا تو اس کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ میں دنگ رہ گیا تھا۔ بہرحال سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ ادھر ادھر دیکھا اور اس کے بعد واپسی کیلئے پلٹ آیا۔ یہ سارے کردار بڑے عجیب و غریب تھے اور بعض اوقات تو میری ذہنی قوتیں میرا ساتھ چھوڑنے لگتی تھیں۔ بیشک میں سرزمین مصر میں ایک پراسرار داستان کا کردار بن گیا تھا لیکن بڑا مشکل تھا سب کچھ، میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ سیاگا نے الگ ذہن خراب کر دیا تھا، اور ایک عجیب و غریب نام لیا تھا میرا۔ کھنیشی...... یہ کیا چکر ہوتا ہے۔

لیکن کوئی ایک چکر ہوتا تو سمجھ میں آتا۔ اب اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں کہ خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا جائے۔ سوچنا سمجھنا بالکل بے مقصد بات ہے۔ کچھ سوچو ہی نہیں۔ جو آگے کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ بہرحال بہت الجھن کے عالم میں، میں واپس آ گیا تھا۔ بعض

اوقات انسان اتنا بے بس ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش بھی کرے تو کچھ نہیں سمجھا پاتا۔ اس وقت یہ ہی کیفیت میری بھی تھی اور جب صورتحال یہ شکل اختیار کرے تو پھر ذہن میں ایک غصے کی کیفیت ابھرتی ہے اور اس وقت ہر چیز بے معنی ہو جاتی ہے۔ میں نے سوچا کہ اب مجھے آرام سے یہاں وقت گزارنا چاہیے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

آمنہ القراش اگر اس عمارت میں اس شکل میں موجود ہے تو اصولی طور پر اسے مجھ سے ملاقات کرنی چاہیے ورنہ کسی بھی لمحے میں اپنے آپ کو ان معاملات سے دستبردار قرار دے سکتا ہوں۔ پھر ڈارون نے مجھ سے دوسری ملاقات کی اور مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا۔

''کہو...... میرے دوست کیسا وقت گزر رہا ہے؟''

''ٹھیک ہے۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

''تم نے اس بوڑھی عورت سے ملاقات کی جس کا نام سیاگا ہے۔''

''ہاں۔''

''اس نے تمہیں مطمئن کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مجھے راغل شہابہ جو بھیجا گیا تھا اس کے بعد ان مقاصد کا کیا ہوا۔''

''ایک دم ہی اس میں تبدیلی پیدا کر دی گئی۔''

''کیوں......؟''

''وہ ہی بتانے کیلئے میں نے تمہیں یہاں اس وقت تکلیف دی ہے۔''

''میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''اصل میں اس قسم کے شبہات مل رہے ہیں کہ ناصر حمیدی کو تمہارے بارے میں علم ہوگیا ہے۔''

''میرے بارے میں؟''

''ہاں۔''

''ویسے تو وہ چند افراد جن میں عصرانی وغیرہ شامل ہیں قتل ہوئے۔ جس سے مجھے شک ہوگیا تھا کہ ناصر حمیدی کو کسی ایسے شخص کے بارے میں شبہ ہوگیا ہے جس کو خصوصی طور پر تیار کر کے ہم نے یہاں بھیجا تھا۔ مصر میں ناصر حمیدی کے جاسوسوں کی تعداد کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ کتنے ہیں، کون کون اس کیلئے کام کرتا ہے۔ یہ کچھ نہیں معلوم۔''

''جی۔''

''اور میں تمہیں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ ناصر حمیدی ان تمام لوگوں سے ایک ایک کر کے واقف ہو چکا ہے، جو اپنے جاسوسوں کے ذریعے اس کیخلاف کام کر رہے ہیں۔ اصل میں اس نے یہاں اتر

طرح اپنے پنجے گاڑے ہیں، اور مختلف شہروں اور چھوٹی چھوٹی جگہوں پر اس طرح اپنے مراکز قائم کر رکھے ہیں کہ صحیح طور پر اس کے بارے میں کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ صرف غور کیا جاتا ہے کہ اس وقت ناصر حمیدی کہاں ہے، اور کیا کر رہا ہوگا۔ وہ اپنی کارروائیوں میں مصروف ہے، اور دنیا والے سوچ بھی نہیں سکتے کہ یہاں بیٹھ کر وہ نہ صرف مصر کیخلاف بلکہ ساری دنیا کیخلاف بدترین کارروائیاں کر رہا ہے۔ مثلاً ایک شخص جس کے بارے میں ہمیں اندازہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے۔ یوں سمجھ لو کہ وہ ناصر حمیدی کے ہتھے چڑھ چکا ہے۔''

''وہ کون ہے؟''

''اس کے بارے میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ تم یہ سمجھ لو کہ وہ ایک انتہائی مہلک شخصیت ہے، اور اگر وہ ناصر حمیدی کے ہاتھ لگ گیا تو یوں سمجھ لینا کہ بہت ہی خطرناک صورتحال پیدا ہو جائے گی۔ اصل میں حکومت مصر کے چیدہ چیدہ لوگ یہ باتیں سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ناصر حمیدی خیر مصر کیلئے تو جس قدر خطرناک ہے وہ تو ہے ہی، لیکن یہاں بیٹھ کر وہ جو کارروائیاں کر رہا ہے ان کی بات اگر عام ہوگئی تو مصر کیخلاف بہت سارے مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔ بہرحال میں تمہیں اس کے بارے میں مختصر بتاؤں کہ وہ شخص بہت ہی اہم شخصیت کا مالک ہے۔''

''کون ہے؟ اور کیا نام ہے؟''

''حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کا اصل تعلق صحرائے گوبی سے ہے۔ یعنی وہ نسلاً منگول ہے۔ مگر اس کی ماں فرانسیسی تھی، لیکن کیونکہ اس کی ماں فرانسیسی تھی اس لئے وہ خاص منگول نہیں کہلا سکتا۔ اس کا نام ڈوگرا ہے۔ ایلس ڈوگرا۔''

''ٹھیک۔''

''ایلس ڈوگرا ایک ایسا شخص ہے کہ اس کی حیثیت الگ ہی ہے۔ وہ پی ایچ ڈی ہے اور اس نے الیکٹرونکس میں پیرو سے ڈگری لی ہے، پھر وہ فرانسیسی بحریہ سے وابستہ رہا اور زیر آب استعمال ہونے والے اسلحے پر ریسرچ کرتا رہا۔ جنگ عظیم میں اس نے لبریشن آرمی کا ساتھ دیا۔ بہرحال بہت ہی خوفناک شخصیت تھی اس کی، اور ایلس ڈوگرا کا نام جنگ عظیم کے دوران بڑی اہمیت کا حامل رہا تھا۔''

''ٹھیک...... پھر...... پھر کیا ہوا؟''

''پھر یہ ہوا کہ ایلس ڈوگرا اچانک ہی پیرو سے غائب ہوگیا ہے۔''

''پیرو سے؟''

''ہاں...... ان دنوں وہ پیرو میں ہی تھا اور اس کے بعد یہاں آ گیا اور یہاں کے ایک بہت ہی خوبصورت حصے میں مقیم تھا۔ اصل میں اسے بھی سرزمین مصر سے دلچسپی تھی، اور ہمیشہ سے تھی۔ اس سلسلے میں اس کی بہت سی ملاقاتیں دوسرے لوگوں سے ہوئیں، اور انہوں نے یہ بات بتائی کہ اس کے دل میں یہ تصور ہے کہ وہ زندگی کا بڑا حصہ میں مصر میں گزارے اور احرامین کے بارے میں تحقیقات

کرے۔ چونکہ وہ ایک فارغ زندگی گزار رہا تھا۔ بہر حال اسے یہاں مصر میں اغوا کر لیا گیا ہے اس قسم کے شواہد ملے ہیں کہ اسے ناصر حمیدی نے اغوا کیا ہے۔ تم یہ سمجھ لو کہ اگر وہ ناصر حمیدی کے ہاتھ لگ گیا ہے تو ایک خوفناک بحران پیدا ہو سکتا ہے۔''

''تو اب مجھے کیا کرنا ہے۔ کیا راغل شہابہ کی طرح ایک ناکام مشن۔''

''نہیں میرے دوست تمہیں دوبارہ راغل شہابہ ہی جانا پڑے گا۔''

''جس انداز میں پہلے میں نے وہاں تک کا سفر کیا ہے اور اس کے بعد جو صورتحال پیش آئی ہے وہ میرے لئے انتہائی ناخوشگوار ثابت ہوئی اور آپ یوں سمجھ لیں کہ اگر مجھے وہاں جانا بھی پڑا تو کم از کم سفر کی حد تک میں انتہائی برا محسوس کروں گا۔ چونکہ میں دوبارہ اس انداز میں وہاں نہیں جانا چاہتا۔''

''تم دوبارہ اس انداز میں وہاں نہیں جاؤ گے۔'' اچانک ہی میں نے سوچا کہ اگر آمنہ یہاں موجود ہے تو کیوں نہ اس سے بات کروں کہ جس انداز میں وہ احرام سلابہ سے مجھے کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ اس بار بھی مجھے راغل شہابہ پہنچا دے، لیکن یہ ایک احمقانہ خیال تھا۔ وہ میرے سامنے نہیں آئی تھی۔ پہلے بھی وہ ایک جدید شکل میں میرے سامنے آ چکی تھی، لیکن اس بار وہ مجھ سے ملی تھی۔ میں نے اس بات کو اپنے ذہن ہی میں رکھا، پھر میں نے ڈارون سے کہا۔

''مسٹر ڈارون! آج تک میں آپ کی مرضی کے مطابق کام کرتا رہا ہوں لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ سرزمین مصر میں میرے ذہن کیلئے الجھنیں ہی الجھنیں ہیں۔''

''میں جانتا ہوں اور ایک بات کا تمہیں پورا پورا حق دے رہا ہوں۔ وہ یہ کہ اگر تم یہ محسوس کرو کہ واقعی ہم تمہارے لئے وبال جان بنے ہوئے ہیں تو تم جب چاہو ہم سے علیحدگی اختیار کر لو۔ تم نے اب تک جو کچھ کیا ہے اور جس طرح ہم سے تعاون کیا ہے وہ اس بات کا حقدار ہے کہ مختلف علاقوں میں جو کچھ تمہارے سپرد کیا گیا ہے وہ تمہاری ملکیت ہے۔ تم باقی وقت چاہو تو وہیں گزار سکتے ہو۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' ڈارون کے ان الفاظ نے مجھے حیران کر دیا تھا۔ یہ شخص میرے ساتھ اس طرح شریفانہ عمل کرے گا میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ یہ لوگ جو اپنے اندر نجانے کیا کیا مقاصد رکھتے ہیں۔ یہ تو بڑے سخت مزاج ہوتے ہیں اور مجھے لازمی طور پر انہوں نے جس طرح استعمال کیا ہے وہ ان کی شخصیت کا عکاس ہے، لیکن اس وقت اس نے جس طرح مجھے یہ پیشکش کی ہے وہ ایک متاثر کن حیثیت کی حامل ہے۔

چنانچہ میرا رویہ بھی اس کے ساتھ نرم ہو گیا۔

''نہیں مسٹر ڈارون میں آپ کی خواہش کے مطابق کام کرنے کو تیار ہوں۔'' ڈارون خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔ اس کے انداز میں ایک انسیت بھرا انداز تھا۔ جس کو میں بخوبی محسوس کر رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

''حقیقت یہ ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس میں ایک اچھا جذبہ بھی شامل ہے۔ بہر حال تھوڑی سی تفصیل اور تمہیں بتائے دیتا ہوں۔ ایلس ڈوگرا کا ایک بیٹا بھی ہے جس کا نام ہینز ہے۔ ہینز کو اس بات کا علم ہے کہ اس کے باپ کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ خود بھی دشمن کی نگاہوں سے چھپتا پھر رہا ہے۔ میرا مطلب کہنے کا یہ ہے کہ تم کو فوری طور پر اس سلسلے میں مصروف عمل ہونا پڑے گا اور تم ایلس ڈوگرا کو تلاش کرو گے۔ اس سلسلے میں تمہیں مکمل معلومات عبداللہ ہارونی سے ملے گی۔''

''یہ عبداللہ ہارونی کون ہے؟''

''ہمارا ایک اہم کارکن۔ بہر طور تمہارا یہ سفر راغل شہابہ تک بذریعہ بس ہوگا۔ ایک مخصوص جگہ پہنچ کر تمہیں ٹیکسی لینا پڑے گی۔ یہ ایک مجبوری ہے کیونکہ ہم تمہیں ناصر حمیدی کی نگاہوں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ تمہارے لئے تمام بندوبست کر دیا جائے گا اور اس کے علاوہ ایک بار پھر تمہیں ساری تفصیلات سمجھا دی جائیں گی۔ میں نے دل میں آرزو کی کہ اگر تفصیلات سمجھانے کیلئے آمنہ میرے پاس آئے تو کیا ہی بات ہے، لیکن بہت تلاش کرنے کے بعد مجھے دوبارہ آمنہ کا کہیں پتہ نہیں چلا، لیکن میں اپنے آپ پر ہمیشہ بھروسہ کر سکتا ہوں۔ یہ بات کسی بھی طور نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ مجھے نظر آنے والی شخصیت آمنہ ہی کی تھی۔

بہر حال مجھے مختلف طریقوں سے بہت کچھ بتایا گیا۔ عبداللہ ہارونی سے ملاقات کے بارے میں بھی۔ عبداللہ ہارونی کی تصویر بھی مجھے دکھائی گئی۔ اس کے مختلف مشاغل پروجیکٹر کے ذریعے سکرین پر مجھے دکھائے گئے۔ راغل شہابہ شہر کے بارے میں بھی ساری تفصیلات بتائی گئیں۔ یہ کوئی چھوٹا موٹا شہر نہیں تھا بلکہ کافی بڑی حیثیت تھی اس کی، اور اس کے بارے میں ڈارون نے مجھے یہ بھی بتایا کہ یہاں ناصر حمیدی کے خاصے مفادات پوشیدہ ہیں جن کی تفصیل تو نہیں مل سکی ہے، لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ ناصر حمیدی وہاں اپنے خفیہ اڈوں پر خاصا وقت گزارتا ہے۔ یہ تمام باتیں مجھے بتا دی گئی تھیں، لیکن بستر پر دراز ہوتے ہوئے میں زرمناس، آمنہ اور ساداں وغیرہ کو نہیں بھول سکا تھا۔

اور یہ سوچتا رہتا تھا کہ پتہ نہیں وہ مہم کب شروع ہوگی۔ کیا مجھے دوبارہ اس میں الجھنا پڑے گا اور یہ فیصلہ کرنا بھی میرے لئے مشکل تھا کہ میں کون سے معاملے میں زیادہ خوش رہتا ہوں۔ ناصر حمیدی کیخلاف کارروائیوں میں یا پھر ساداں کے باپ کی وصیت۔ ارے باپ رے باپ کیا ہی انوکھی باتیں تھیں۔ کبھی قصے کہانیوں میں ایسی کسی عورت کا ذکر سنا تھا جو کہیں پہاڑوں میں پوشیدہ تھی اور اس نے حیات ابدی حاصل کر لی تھی۔ خود میرا ایسی کسی کہانی سے واسطہ پڑے گا ایسا کبھی سوچا بھی نہیں تھا، لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ سرزمین مصر نے مجھے اس طرح اپنے آپ میں جکڑ لیا تھا کہ جیسے کوئی معمولی سا کیڑا مکڑی کے جال میں پھنس جاتا ہے، اور دلچسپ بات یہ تھی کہ ہر ایک کا ایک دوسرے سے رابطہ ثابت ہو رہا تھا۔ اب اسی رہائشگاہ میں جہاں ڈارون نے مجھے بلوا لیا تھا میں نے پورے ہوش و حواس میں آمنہ کو دیکھا تھا۔ جو جدید ترین لباس میں ملبوس میرے سامنے سے گزری

تھی۔ یہ سب کوئی تماشا نہیں تھا بلکہ ایک سچائی' ایک حقیقت تھی۔ وہ یہاں کیا کر رہی ہے' یا پھر نظر آ رہی ہے تو دوبارہ میرے سامنے کیوں نہیں آئی۔ یہ تمام باتیں دماغ کو پگھلائے دیتی تھیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذرا سنسنی خیز تھی کہ بقول ڈارون کے ناصر حمیدی کو کسی ایسے شخص کے وجود کا اندازہ ہو گیا ہے جو ڈارون کی طرف سے اس کیخلاف کارروائیوں میں مصروف ہے۔

اس کا مطلب ہے کہ مجھے احتیاط بھی رکھنی پڑے گی۔ آخرکار وہ وقت آ گیا جب مجھے ایک بس کے ذریعے راغل شہابہ جانے کیلئے سفر کرنا پڑا۔ بس بہت ہی کھٹارہ قسم کی تھی اور میرے حلیے میں بھی کچھ ایسی ہی تبدیلیاں پیدا کر دی گئی تھیں کہ میں اس بس کی طرح کھٹارہ ہی ہو کر رہ گیا تھا۔ مقامی لوگ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ غریب لوگ بس میں سوار تھے اور ان میں بھانت بھانت کے لوگ تھے۔ تاہم میں اس بس کے ذریعے اس مطلوبہ جگہ تک پہنچا جہاں یہ بس جا کر ختم ہو جاتی تھی۔ جہاں سے مجھے کوئی ٹیکسی لینی تھی اور ٹیکسی بھی بالکل اسی انداز کی ملی جس میں ہارن کے علاوہ ہر چیز بولتی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور سے تمام معاملات طے ہوئے اور وہ مجھے لے کر چل پڑا۔

بہرحال جیسے تیسے ٹیکسی سٹارٹ ہوئی' پھر یہ سڑک تھی کہ بس ناقابل بیان۔ ایسی بری کہ ٹیکسی بھی جھٹکے لے لے کر سفر کر رہی تھی۔ آخرکار ٹیکسی ڈرائیور نے ایک جگہ جا کر بریک لگا دیئے۔ کافی فاصلے پر شہر کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس نے کہا۔

''سر! ہم آگے نہیں جا سکتے۔''

''کیوں بھائی؟''

''کیونکہ آگے کی سڑک بالکل ٹوٹی ہوئی ہے۔''

''تو پھر میں کیا کروں۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''یہاں سے آپ کو پیدل جانا پڑے گا۔ وہ جو جگہ نظر آ رہی ہے' وہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے مگر اس کے آگے کے حالات بالکل پرسکون ہیں۔'' ٹیکسی ڈرائیور سے تھوڑی سی جھک جھک کرنے کے بعد میں نے اس کو اس کا بل دیا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ میں یہ سفر پیدل کر رہا تھا اور میرا ذہن کافی خراب ہو رہا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کے کہنے کے مطابق آگے ایک چھوٹا سا قصبہ تھا' جس کی سڑکیں بے حد تنگ اور غلیظ تھیں۔ حالانکہ بات ایسی نہیں تھی کہ میں کوئی بہت زیادہ نفیس طبیعت کا مالک تھا۔ ہر طرح کی مشقت اٹھانا میں نے سیکھ لیا تھا' لیکن اس وقت زمین پر ایک گرد سی جمی ہوئی تھی' پھر تھوڑا سا آگے بڑھا تھا کہ ایک گلی نما جگہ نظر آئی اور مجھے وحشت سی ہونے لگی۔ اس گلی میں نجانے کہاں کہاں سے بہت سارے لوگ نکل آئے اور انہوں نے مجھے پیشکشیں شروع کر دیں۔ یہ پیشکشیں بڑی بھونڈی تھیں۔ کوئی کچھ کہہ رہا تھا' کوئی کچھ۔ بمشکل تمام میں نے ان سے پیچھا چھڑایا۔

مجھے ایک جگہ جو بتائی گئی تھی وہاں تک پہنچنے کیلئے قصبے سے باہر پھر سڑک کا سہارا لینا پڑا اور ایک ٹیکسی مجھے لے کر چل پڑی۔ مجھے جو تفصیلات بتائی گئی تھیں' اس کے مطابق اب میں راغل شہابہ

میں داخل ہو چکا تھا اور مجھے جس جگہ پہنچنا تھا وہ ایک کچی بستی کا ایک کچا مکان تھا۔ پوری ذمے داری کے ساتھ اپنی منزل کی جانب نگاہیں دوڑاتا ہوا میں اس جگہ پہنچ گیا اور پھر مجھے ایک گلی میں داخل ہونا پڑا۔ گلی میں داخل ہونے کے بعد میں نے ایک دروازے پر دستک دی اور تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھول دیا اور باہر جھانک کر دیکھا۔ اس شخص کا جسم ٹھوس اور چہرے پر موٹی موٹی مونچھیں۔ یہ خاصی عجیب سی شخصیت کا مالک تھا۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے اکھڑے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''بلیک روز۔'' میں نے کوڈ ورڈ دہرایا' جو مجھے بتا دیا گیا تھا اور دروازہ فوراً کھل گیا۔ اس شخص نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ ایک ہال نما کمرہ تھا جہاں میں نے قدم رکھا تھا۔ کمرہ تاریک تھا اور اس میں منشیات کا کثیف دھواں بل کھا رہا تھا۔ دیواروں سے پشت لگائے کئی افراد بیٹھے ہوئے چلم سے حشیش پی رہے تھے' یا پھر آبخوروں میں کچی شراب۔ میں دو قدم آگے بڑھا تو مجھے موسیقی کی سی آواز سنائی دی اور مجھے ساتھ لانے والے نے وہ دروازہ کھول دیا۔ جس کے دوسری جانب کا ماحول یہاں کے مطابق برا نہیں تھا۔ ویسے اس جگہ کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ فحاشی کا اڈہ ہے۔ یہاں منشیات بھی ملتی ہیں' انہیں استعمال کرنے کا ذریعہ بھی موجود ہے اور رقص و موسیقی کے علاوہ بھی شاید یہاں اور کچھ ہوتا ہوگا۔

بہرحال میں نے اندر قدم رکھا۔ بڑی روایتی سی موسیقی تھی۔ جس کا تعلق مصر کی اس خاص موسیقی سے تھا جو مصری کلبوں میں سنائی دے جاتی تھی۔ دف کا استعمال بھی کیا جا رہا تھا اور ہال کے بیچوں بیچ روشنی کا ایک دائرہ رقاصہ کا تعاقب کر رہا تھا۔ سپاٹ لائٹ میں رقاصہ کے تمام نشیب و فراز نمایاں تھے۔ مگر محفل شاید اپنے عروج پر نہیں پہنچی تھی۔ اس لئے اس کا جسم کپڑوں میں لپٹا ہوا تھا۔ وہ واقعی اس میں کوئی شک نہیں کہ انتہائی خوبصورت جسم کی مالک تھی اور موسیقی کی لے پر اپنے جسم کو تھرکا رہی تھی۔ ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ مونچھوں والے شخص نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''آپ کو کہاں بیٹھنا ہے' جناب!؟'' میں نے سرسری انداز میں ہال کا جائزہ لیا اور دروازے کے قریب ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''وہاں۔''

''آپ کیا پینا پسند کریں گے؟''

''قہوہ۔'' وہ ادب سے جھکا اور تاریکی میں غائب ہو گیا۔ میں لوگوں سے بچتے بچاتے دیوار کے قریب پہنچا اور ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ یہاں مجھے ایک شخص سے ملاقات کرنا تھی۔ اس ملاقات کیلئے یہ ماحول واقعی نہایت مناسب ہے۔ کیونکہ گرد و پیش سے لوگ ایک دوسرے کی جانب سے بالکل بے خبر رہتے ہیں اور کوئی کسی پر توجہ نہیں دیتا۔ یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ کوئی ہماری گفتگو سن لے گا۔ بہرحال ہال میں بیٹھنے کے بعد میری آنکھیں تاریکی میں دیکھنے کی عادی ہو گئیں تو میں نے ایک مرتبہ پھر اس جگہ کا

تفصیلی جائزہ لیا' اور ان جگہوں کو خاص طور پر ذہن میں رکھا' جہاں سے ہنگامے کے وقت فرا
سکتا ہو۔ وہ منشیات کے استعمال کا غیرقانونی کلب تھا اور پولیس کسی بھی وقت وہاں چھاپہ مار سکت
مجھے ایک ایک بات سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ بہرحال میں ان تمام چیزوں میں اس وقت دلچسپ
لے رہا تھا' لیکن رقاصہ کا حسین بدن خود بخود اپنی جانب متوجہ کر لیتا تھا۔ انسان بہرحال انسان
ہے۔ سو میری آنکھیں رقاصہ کے جسم کے پیچ و خم میں الجھنے لگیں۔ میں نے اس وقت اپنے ا
ایک عجیب سی کیفیت میں محسوس کیا۔ میں اپنی اس الجھن کا کوئی مطلب نہیں سمجھ سکا تھا۔ رقاص
کوئی ایسی بات ضرور تھی' جو مجھے کھٹک رہی تھی' لیکن یہ بات ابھی میرے ذہن تک نہیں پہنچ
میں یہ نہیں سمجھ پایا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ تب ہی مجھے ایک آواز سنائی دی۔

''مسٹر تیمور پاشا!'' میں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ ڈھیلے ڈھالے گندے اور بھد
لباس میں ملبوس ایک شخص نے مجھے مخاطب کیا تھا اور سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پرا
خیال آیا' اور اس نے اپنا چہرہ میرے قریب کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے پہچانو!'' اب میں نے اس کے چہرے پر غور کیا تو ایک دم سے چونک پڑا۔ یہ
عبداللہ ہارونی تھا۔ جس کی تصویریں اور چلتی پھرتی ویڈیو مجھے دکھائی گئی تھیں' اور اس کی ز
شناخت کرائی گئی تھی۔ وہ خاصی بڑی شخصیت کا مالک تھا۔

''اوہو...... تم۔''

''پہچان لیا ناں تم نے مجھے مائی ڈیئر تیمور پاشا۔ میں تمہارا کوڈ ورڈ نام لنگڑا بادشاہ کہہ
تمہیں مخاطب کر سکتا ہوں۔''

''ہاں...... یہ میں ہی ہوں۔''

''سگریٹ۔'' اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر مجھے پیش کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں شکریہ...... میں سگریٹ نہیں پیتا۔''

''یہ سادہ سگریٹ ہیں۔ ان میں کوئی نشہ آور چیز نہیں ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ کیا یہیں بات چیت کرنی ہے' یا کہیں اور چلنا ہے۔''

''فی الحال یہاں...... کیونکہ ہمارے لئے یہ ایک بہترین جگہ ہے اور خاص طور
ڈارون نے یہ جگہ منتخب کی ہے۔ آپ یہ سمجھ لیجیے مائی ڈیئر کہ ہمارا ہر کام ایک سسٹم کے تحت
ہے۔'' وہ خاموش ہو گیا کیونکہ اسی وقت ایک مصری نوجوان ٹرے میں قہوہ لے آیا تھا۔ اس نے
ادب سے ہمیں قہوے کی فنجان پیش کیں اور تاریکی میں آگے بڑھ گیا۔

''معاملہ انتہائی اہم اور رازدارانہ ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کب اور کس وقت کہیں سے
شخص نکل کر ہم پر گولیاں برسانا شروع کر دے۔ میں تمہیں پہلے سے اس بات سے آگاہ کر

ں کہ ہم دونوں ہی اس وقت دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ میں ان
نوں کی شناخت بھی نہیں رکھتا' لیکن مجھے یہ اطلاع دے دی گئی ہے کہ ناصر حمیدی ہزار آنکھوں سے
ں رہا ہے اور یہ اس کا اپنا علاقہ ہے۔ یہاں ہمیں ہر لمحے محتاط رہنا پڑے گا۔ اب دیکھیں ہم اپنی
فتگو کی تکمیل کر بھی پاتے ہیں یا نہیں۔''

''کیا تم مجھے خوفزدہ کرنا چاہتے ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہرگز نہیں۔ میں تمہیں صرف ہوشیار کرنا چاہتا ہوں۔ لو!'' اس نے کہا اور فنجان سے قہوے
ایک چسکی لی۔ میں نے بھی اپنا فنجان اٹھا لیا تھا۔ کچھ لمحے تک خاموشی طاری رہی اور اس کے بعد
نے کہا۔

''میں گفتگو کو مختصر کر کے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔ گزشتہ دنوں ایک انتہائی اہم شخص
ب ہو گیا ہے۔ اتنا اہم کہ ہم اس کی گمشدگی سے سخت پریشان ہیں۔ وہ ایک سائنسدان ہے اور اس
، پاس کچھ اس طرح کی چیزیں موجود ہیں کہ اگر وہ کسی غلط انسان کے ہاتھ لگ گئیں تو سمجھ لو کہ
ی دنیا خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ مزید یہ کہ اس وقت ناصر حمیدی مصری حکومت کیخلاف سرگرم عمل
۔ وہ جو کچھ بھی چاہتا ہے۔ یہ ایک سیاسی عمل ہے' لیکن اس کیلئے وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ بیحد
رناک ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اس کی یہ کاوشیں انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں' اور اگر
رحمیدی اس شخص پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا تو یوں سمجھ لو کہ مصری حکومت کیخلاف ایک
رناک عمل کا آغاز ہو جائے گا۔''

''ٹھیک...... کیا تم اس شخص کے نام کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟''

''ہاں...... اس کا نام ہے ایلس ڈوگرا' اور اس کے بیٹے کا نام ہینز ہے۔'' یہ بات پہلے ہی
ے علم میں لے آئی گئی تھی کہ ایلس ڈوگرا نامی شخص اغوا ہو گیا ہے اور وہ خطرناک آدمی ہے۔ اس
ں نے کہا۔

''ایلس ڈوگرا کے بارے میں یہ تفصیلات ہیں کہ وہ لیدون یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی ہے۔
رونکس میں اس نے پیرس سے ڈگری لی ہے' پھر 1934ء میں فرانسیسی بحریہ سے وابستہ رہا اور
ب استعمال ہونے والے اسلحے پر ریسرچ کرتا رہا۔ جب جرمنی اور فرانس کی جنگ ہوئی تو اس
فرانس کا ساتھ دیا' اور پھر لبریشن آرمی کی طرف سے لڑا۔ 1969ء میں ادارہ رینالڈ کا ڈائریکٹر تھا
بوں کیلئے سراغ رسانی بھی کرتا ہے۔ جنگ کے زمانے میں اس کا نام بڑا سننے میں آتا رہا ہے۔
عال یہ شخص ہے وہ جس کا نام ایلس ڈوگرا ہے' اور اب وہ اغوا ہو چکا ہے اور اپنی جگہ سے لاپتہ
۔ خیال یہ ہے کہ ناصر حمیدی نے اس پر ہاتھ ڈال دیا ہے۔''

''وہ کتنے عرصے پہلے اغوا ہوا؟''

''تین ماہ پہلے کی بات ہے کہ اس نے کام کی زیادتی سے اکتا کر تفریح کا پروگرام بنایا' اور

کسی دلکش مقام کی جانب چل پڑا۔ اس نے اس دلکش مقام کا تعین بھی کر لیا تھا' پھر ایک دن اس نے اپنے بیٹے کو الوداع کہا۔ اور......"

"پھر سے کہو......"

"میں نے کہا نا کہ اس نے اپنے بیٹے کو الوداع کہا...... اوہو' شاید تم اس کے بارے میں جاننا چاہتے ہو۔ سنو' اس کی بیوی مر چکی ہے اور اس کے بیٹے کی عمر چوبیس سال ہے۔ اس کے ساتھ ہی رہتا ہے' جس جگہ اسے جانا تھا وہ وہاں تک نہیں پہنچا۔"

"ہوں...... بہرحال اسے راستے میں ہی غائب کر دیا گیا۔"

"اس کا مطلب ہے سو فیصدی اغوا۔"

"اغوا کے دو روز بعد اس کے بیٹے کو ایک خط ملا اور وہ خط خود اسی کے ہاتھوں کا لکھا ہوا تھا۔ اس نے تحریر کیا کہ وہ خود کسی نامعلوم جگہ اتر گیا ہے۔"

"خط کہاں سے پوسٹ کیا گیا تھا۔"

"اسی علاقے سے جہاں اسے جانا تھا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ وہ خط جعلی تھا۔"

"جعلی نہیں تھا کیونکہ تحریر اسی کے ہاتھ کی تھی لیکن اس سے زبردستی لکھوایا گیا ہوگا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ خود کہیں غائب ہوا ہو اور اس کا بیٹا کیا نام بتایا تھا تم نے؟"

"ہینز......"

"اور اس کا بیٹا یہ سمجھ رہا ہو کہ اسے اغوا کیا گیا ہے۔"

"نہیں۔ کچھ عرصے کے بعد ہینز کو ایک دوسرا خط موصول ہوا' جس میں ایلس ڈوگرا... تھا کہ وہ اپنے موجودہ عہدے اور کام سے مطمئن نہیں ہے اس لئے سال' چھ مہینے تک مزا... کرے گا۔ اس نے یہ نہیں لکھا تھا کہ وہ کہاں ہے اور اپنے بیٹے سے کیسے رابطہ قائم کرے گا۔ بس اتنا ہی لکھا تھا۔"

"تو پھر؟"

"بس اسے یہ بات نہیں معلوم تھی کہ اس کے اغوا کے ملزمان کون ہیں' اور نہ ہی وہ ا... اشارہ کر سکتا تھا' لیکن ایک خاص عمل یہ ہے کہ اسے ناصر حمیدی نے اغوا کیا ہے۔ انداز ناصر حمیدی کا سا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ مائی ڈیئر عبداللہ ہارونی! آخر یہ مسٹر ڈارون جن کا تعلق خود مصر سے نہیں مصری حکومت سے زیادہ اس مسئلے میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

عبداللہ ہارونی نے جلدی سے اپنا قہوہ ختم کیا اور ہونٹوں کو خشک کرتا ہوا بولا۔

"آہ یہی تو وہ سوال ہے' جسے خود میرا دماغ بھی حل نہیں کر سکا' جبکہ میں نے ذاتی طور پر اسے بارے میں بہت کچھ سوچا ہے۔"

"گڈ...... بات واقعی غور کرنے کی ہے' لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود حکومت مصر نے مسٹر ڈارون سے اس بارے میں خواہش ظاہر کی ہو۔"

"سب کچھ ہو سکتا ہے' لیکن بظاہر اس کے آثار کہیں نہیں ملے۔ دیکھو یہ میری ذاتی گفتگو ہے اسے تم ڈارون کیلئے محفوظ مت کر لینا۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا سو فیصدی یہ کام ناصر حمیدی ہی کا ہے؟"

"بالکل کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

اس دوران رقاصہ بل کھاتی ہوئی ہمارے بہت قریب آ گئی۔ اس کے جسم کی خوشبو ہمارے ناک سے ٹکرا رہی تھی۔ رقاصہ کے ساتھ خاصی بدتمیزی ہو رہی تھی۔ نشے میں ڈوبے ہوئے لوگ اس پر دست درازی کر رہے تھے۔ عبداللہ ہارونی نے کہا۔

"بس تم یوں سمجھ لو کہ ہم ابھی تک اندھیرے میں ہیں۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ ایک اندیشہ یہ بھی ہے کہ اسے اغوا کرنے والے اس پر تشدد کر کے کہیں اس کی سائنسی معلومات تو حاصل نہیں کر رہے۔"

"اس کی معلومات کہاں تک خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔ ایک بار پھر مجھے بتاؤ۔"

"یوں سمجھ لو اگر اس کی زبان کھل جائے تو آدھی دنیا سخت تباہی کی زد میں آ سکتی ہے۔ اس نے خطرناک ترین ایجادات کی ہیں اور ان کے فارمولے اس نے اپنے ذہن میں محفوظ رکھے ہیں۔"

رقاصہ اب اتنے قریب آ گئی تھی کہ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک کھٹک سی ہونے لگی۔ مجھے ایک بار پھر یہ محسوس ہوا کہ اس رقاصہ میں ضرور کوئی عجیب بات ہے۔

"اچھا ایک بات بتاؤ۔ اس کے بیٹے کا کیا خیال ہے۔ کیا وہ بھی یہی سوچ رہا ہے کہ اس کے باپ کو اغوا کیا گیا ہے۔"

"یہ سوالات تم ان سے خود ہی کر سکتے ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ دشمن کی نگاہ سے بچنے کیلئے چھپتا پھر رہا ہے۔"

"ہینز......"

"ہاں! اور میں نے تمہیں یہاں اسی لئے بلایا ہے کہ تم اس سے ملاقات بھی کر لو۔"

"ویری گڈ۔"

رقاصہ نے اپنا چہرہ میرے چہرے کے بالکل قریب کر دیا۔ لوگ گہری گہری سسکیاں لے رہے تھے۔ رقاصہ کو گرفت میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔

"تو میں تمہیں یہ بتا رہا تھا کہ......" عبداللہ ہارونی نے کہا' لیکن نجانے کیوں میرا رخ ان دونوں سایوں کی طرف ہوگیا' جو ہمارے قریب پہنچ رہے تھے۔ نجانے کیوں مجھے یہ احساس ہوا کہ کوئی خطرناک عمل ہونے والا ہے۔ میری چھٹی حس نے اس بات کا اعلان کیا تھا اور یہ اعلان بالکل ٹھیک تھا۔ کیونکہ اچانک ہی ان دونوں نے اسٹین گنیں نکال لی تھیں اور اس کے بعد ٹرٹرٹرٹر کی آوازیں بلند ہوئیں۔ میں نے عبداللہ ہارونی کو زور سے دھکا دیا لیکن اس کی جان بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کے جسم سے خون ابل پڑا۔ وہ لہرایا اور ایک دھماکے سے فرش پر اوندھا گر پڑا۔ دوسرے برسٹ میں گولیاں اس کے سر پر پڑیں تو اس کا بھیجہ ٹکڑوں کی شکل میں باہر نکل کر ادھر ادھر منتشر ہوگیا۔ یہ برسٹ صرف اس پر ہی نہیں مارے گئے تھے بلکہ ان کا شکار میں بھی تھا' لیکن عبداللہ ہارونی کو دھکا دیتے ہی میں نے سانپ کی طرح اپنی جگہ سے رینگ کر جگہ تبدیل کر لی تھی اور اس ستون کی آڑ میں چلا گیا تھا' جو میرے عقب میں تھا۔ عبداللہ ہارونی کا خون فواروں کی شکل میں ابل رہا تھا اور اس کا بھیجہ جگہ جگہ چپک گیا تھا۔ اس کے جسم پر جیسے ہی پہلی گولی پڑی تھی' میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا' لیکن خون کی دھاریں میرے چہرے اور باقی جسم پر بھی پڑیں۔ اپنی جگہ تبدیل کرتے ہی میں نے پھرتی سے اپنا ریوالور نکال لیا اور پھر انتہائی دہشت کے عالم میں' میں نے مڑ کر فائر کیا۔ گولی دائیں طرف کھڑے ہوئے اسٹین گن بردار کے سر میں لگی اور اسے دوسرا سانس لینے کا موقع ہی نہ مل سکا البتہ دوسرا آدمی میری گولی سے بچ گیا تھا اور گولی اس کے کان کو چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔ اس نے فوراً ہی خطرہ محسوس کر کے فرش پر چھلانگ لگائی اور لیٹتے ہوئے بھی اسٹین گن کا ایک برسٹ میری طرف مارا۔ متعدد گولیاں ستون سے ٹکرائیں اور میرے چہرے پر پتھر کے ذرات اڑ کر لگے۔ اس شخص نے اپنے ساتھی کی لاش کھینچ کر سامنے کر لی اور اس سے ڈھال کا کام لینے لگا۔ میں نے ہال پر نگاہ دوڑائی۔ سپاٹ لائٹ کے علاوہ وہاں کم قوت والے صرف دو بلب روشن تھے۔ میں نے باری باری سب کو نشانہ بنایا۔ پہلی گولی ضائع گئی مگر بعد میں سب اپنے نشانے پر بیٹھیں اور ہال تاریکی میں ڈوب گیا۔ میں پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہوگیا۔ ہال میں چیخم دھاڑ مچی ہوئی تھی۔ جس کی سمجھ میں جو آرہا تھا' وہ منہ اٹھائے ادھر ہی بھاگا جا رہا تھا۔ سراسیمگی کی ان ملی جلی آوازوں میں ایک ڈ... سریلی آواز بھی شامل تھی۔ ہلکی ہلکی چیخیں...... میں اس طرف مڑا تو میں نے رقاصہ کو فرش پر ہاتھ پاؤں چھینکتے ہوئے دیکھا۔ اس کا جسم خون میں ڈوبا ہوا تھا لیکن یہ خون شاید اس کا اپنا نہیں تھا کیونکہ اس وقت وہ عبداللہ ہارونی کے بالکل قریب تھی عبداللہ ہارونی کے خون سے بہنے والی دھاریں اقرب و جوار کی ہر چیز کو بھگو رہی تھیں۔ میں نے قریب جا کر اسے بازو سے پکڑا اور اٹھا کر فرش پر بٹھا دیا۔

"یہیں بیٹھی رہو' اپنی جگہ سے جنبش مت کرنا۔" میں نے سرگوشی میں کہا۔ وہ آدمی جو بچ گیا تھا اور شاید معمولی سا زخمی ہوا تھا تاریکی کے باوجود گولیاں برسا رہا تھا۔ نشانہ میں ہی تھا لیکن میں اس کی گولیوں کا نشانہ نہیں بن سکا تھا اور وہ اندھیرے میں دیوانوں کے سے انداز میں فائرنگ کر رہا تھا۔

لاشیں گر رہی تھیں اور ہال کا فرش سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ جو لوگ گھبراہٹ میں ادھر آرہے تھے' اس شخص کی گولیوں کا نشانہ بنتے جا رہے تھے۔ اچانک ہی رقاصہ نے آگے بڑھ کر میرا بازو پکڑ لیا۔

"نکلو...... تمہیں خدا کا واسطہ یہاں سے نکلو۔" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

"رک جاؤ...... رک جاؤ میں اس طرح یہاں سے نہیں جا سکتا۔ میں اس آدمی کو زندہ پکڑنا چاہتا ہوں۔"

اچانک ہی میں نے اس کی طرف ایک فائر کیا تا کہ اسے میری پوزیشن کا علم ہو جائے اور وہ اپنا میگزین اس ستون پر خالی کر سکے۔ میری سکیم کامیاب رہی۔ میرے فائر کرتے ہی وہ گولیاں برسانے لگا۔ سٹین گن کی نال سے سرخ شعلوں کی ایک لکیر نکل رہی تھی۔ اس کی روشنی میں مجھے بھی اپنی سمت متعین کرنے کا موقع مل گیا اور میں نے اپنے عمل کا آغاز کر دیا۔ میں نے ایک گولی اس کے اس ہاتھ پر چلائی جس میں وہ سٹین گن پکڑے ہوئے تھا۔ اسی وقت رقاصہ نے سرگوشی کی۔

"سنو...... سنو پولیس...... پولیس آ گئی ہے۔" مجھے بھی پولیس کی کار کے سائرن کی آواز سنائی دی۔

"ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا چاہیے ورنہ......" رقاصہ نے کہا۔ گولیاں برسانے والے نے بھی غالباً پولیس سائرن کی آواز سن لی تھی۔ چنانچہ اس نے ستون پر آخری برسٹ مارا اور ہال میں خاموشی چھا گئی۔ میں جانتا تھا کہ اب وہ فرار ہونے کی کوشش کر رہا ہوگا۔ میں نے رقاصہ کا بازو پکڑا اور اٹھ کر دروازے کی طرف دوڑا تو اس نے کہا۔

"اس طرف نہیں۔ ہم سیدھا پولیس کی تحویل میں چلے جائیں گے۔ پلیز...... اس طرف' اس طرف پیچھے کے دروازے سے چلو۔ وہ گلی میں نہیں کھلتا۔"

"راستہ کہاں ہے؟"

"اس دیوار کے پیچھے۔" اس نے بائیں جانب کی دیوار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ہم لاشوں کو پھلانگتے ہوئے اور چیختے چلاتے اجسام کو پرے دھکیلتے ہوئے اس طرف بڑھے۔ اس وقت کوئی بھی کسی کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اگر پولیس کے ہاتھ لگ جاتے تو ظاہری بات ہے کہ زندہ بچنا مشکل ہو جاتا۔ چنانچہ میں رقاصہ کے ساتھ بے تحاشہ دوڑتا ہوا اس طرف بڑھا جدھر دیوار تھی۔ رقاصہ نے کہا۔

"اس دیوار میں ایک سوراخ ہے۔ اس میں ہاتھ ڈالنے پر تمہیں ایک کھوٹی ملے گی۔ اس کھوٹی کو پکڑ کر کھینچو۔" میں اس سوراخ کو تلاش کرنے لگا اور پھر رقاصہ کے انکشاف کے مطابق وہ کھوٹی مل گئی۔ اس نے کھینچا تو دیوار میں ایک خانہ ظاہر ہوگیا۔ وہ خانہ اتنا وسیع تھا کہ ایک آدمی بآسانی اس میں سے ہو کر دوسری طرف نکل سکتا تھا۔ پولیس کار کے سائرن اب کان پھاڑ رہے تھے۔ وہ غالباً اس کلب کے دروازے تک آ گئے تھے' پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آئیں اور یہ

آوازیں قریب آتی چلی گئیں۔

''جلدی پلیز' ورنہ یہ ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔'' ہم دونوں خانے سے داخل ہو کر اس تار جگہ پر آ گئے۔ دوڑتے قدموں کی آوازیں ہمارے قریب آ ئیں۔ میں نے خلا کی دوسری طرف میں ٹارچ کی روشنیوں کی آڑھی ترچھی لکیریں دیکھیں' پھر ایک پولیس مین اس خانے سے اندر گھسے تو میں نے پلٹ کر اپنے جوتے کی ٹھوکر اس کے پیٹ میں ماری اور اس کے حلق سے ایک آواز نکلی دوسری جانب ڈھیر ہو گیا۔ دوسرے لمحے خفیہ دروازہ خود بخود بند ہو گیا تھا۔ آگے جا کر سیڑھیاں تھ اور دبیز تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ جہاں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ رقاصہ کے قدموں کی آہ میری راہنمائی کر رہی تھی۔ سیڑھیاں ختم ہوئیں تو اس نے سرگوشی میں کہا۔

''اب ہمیں ایک سرنگ میں چلنا ہے۔ سرنگ زیادہ کشادہ نہیں ہے اس لئے احتیاط جھک کر چلو۔'' میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور اس سرنگ میں چلنے لگا۔ وہ یہاں سے کافی واق تھی۔ رقاصہ بولی۔

''اس سرنگ کے بارے میں کسی کو نہیں معلوم اس لئے ذرا اطمینان سے آگے بڑھو کی چھوٹی ہے اور سر میں چوٹ بھی لگ سکتی ہے۔''

''کیا وہ سٹین گن والے یہاں آ سکتے ہیں...... میرا مطلب ہے......''

''نہیں کوئی بھی نہیں آ سکتا۔ جھک جاؤ...... جھک جاؤ پلیز۔'' رقاصہ نے کہا اور م جانوروں کی طرح ہاتھ پاؤں سے گھسٹتا ہوا اس سرنگ میں چلنے لگا۔ رقاصہ بھی یہی عمل کر رہی تھ بدبو سے میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ شاید وہ سرنگ طویل عرصے سے استعمال نہیں کی تھی۔ اس لئے اس میں گرد و غبار اور مکڑیوں کے جالے بھی تھے۔ میرے ہاتھ پاؤں بھی اسی غلاظ میں لتھڑ گئے تھے۔

خدا خدا کر کے وہ سرنگ ختم ہوئی تو رقاصہ نے کہا۔

''اب اپنے ہاتھ بلند کر کے لوہے کا ڈھکن اٹھاؤ۔ ہم یہاں سے باہر نکلیں گے۔'' میں سیدھے ہوتے ہوئے تاریکی میں ہاتھ بلند کئے تو میرے فولادی ہاتھ ڈھکن سے ٹکرائے اور میں جسمانی توانائی کا زور لگایا اور ڈھکن کو اٹھا کر بائیں جانب دھکیل دیا۔ وہ کسی پتھریلی جگہ سے ٹکرا اس کا شور سا ہوا تھا' پھر میں نے اچھل کر بگریں پکڑیں اور اپنے جسم کو زور لگا کر اوپر اٹھایا۔ جب اس سرنگ سے باہر آئے تو بے پناہ ہانپ رہے تھے۔ تازہ ہوا کے جھونکے اس وقت نئی زندگی روشناس کرا رہے تھے۔ میں نے سرنگ کے دہانے میں ہاتھ ڈال کر رقاصہ کو باہر کھینچ لیا۔ ہم جہا نکلے تھے وہ ایک احاطہ تھا اور اس احاطے میں چاروں طرف زنگ آلود مشینی پرزے بکھرے ہو تھے۔

''کیا تم اس جگہ کے بارے میں جانتی ہو؟''

''ہاں......''

''کیا ہے یہ؟''

''کلب سے تھوڑا سا آگے یہ بحری جہازوں کا ایک شیڈ ہے اور یہ جہازوں کے پرزے بکھرے ہیں۔ پلیز ذرا ایک منٹ انتظار کرو میں اپنی سانسیں درست کر لوں۔''

''ٹھیک ہے۔ بہرحال تم یہاں سے بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔ میرے سوالات کے جواب دو۔''

''میں تمہارا احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔ تم نے میری زندگی بچائی ہے۔ ذرا مجھے دو منٹ دے دو۔'' وہ پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بولی اور میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ خود میرا سانس بھی دھونکنی بنا ہوا تھا۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد ہم ٹھیک ہو گئے تو میں نے کہا۔

''تمہارے خیال میں وہ حملہ آور کون ہو سکتے ہیں؟''

''لازمی بات ہے کہ وہ عبداللہ ہارونی کو قتل کرنا چاہتے تھے۔''

''تم عبداللہ ہارونی کو کیسے جانتی ہو؟''

''میں تو تمہیں بھی جانتی ہوں مائی ڈیئر تیمور پاشا۔'' اس نے کہا اور میں ششدر رہ گیا۔ ایک لمحے تک میرے منہ سے آواز نہیں نکلی' پھر میں نے اس سے کہا۔

''کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''میں نے کہا نا میں تمہیں بھی جانتی ہوں' بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ میں تمہیں بھی جانتا ہوں تو تم حیران رہ جاؤ گے۔'' اس بار اس کی آواز بدلی ہوئی تھی اور وہ مردانہ آواز میں بولی تھی۔

''کک...... کیا مطلب؟ کون ہو تم؟''

''میں ایک بدنصیب انسان ہوں' جو اپنی زندگی بچانے کیلئے طرح طرح کے سوانگ رچا رہا ہوں۔''

''کون؟''

''میرا نام ہینز ہے اور میں ایلس ڈوگرا کا بیٹا ہوں۔'' اس نے جواب دیا' اور ایک لمحے کیلئے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری کھوپڑی ہوا میں معلق ہو گئی ہو۔ اچانک ہی مجھے یہ یاد آیا کہ میں نے اس رقاصہ میں کوئی ایسی تبدیلی محسوس کی تھی جو ناقابل فہم تھی۔ وہ تبدیلی یہی تھی کہ وہ رقص کرتے وقت لڑکی نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے اعضاء میں عورتوں کی مانند دلکشی اور تھرک نہیں تھی۔ حالانکہ اس نے اپنے ہاتھوں اور پیروں پر بہت عمدہ قسم کی جھلیاں چڑھا رکھی تھیں اور مکمل طور پر ایک خوبصورت بدن کی مالک بنی ہوئی تھی' لیکن پھر بھی اس کے اندر وہ عورت پن نہیں تھا' اور اس کے انداز میں اور جسم میں وہ دلکشی نہیں تھی جو ہونی چاہیے تھی۔ میں حیرانی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس دوران اس نے اپنا میک اپ اتارنا شروع کر دیا تھا۔ نجانے کیا جتن کیے تھے اس نے عورت بننے کیلئے' پھر چند لمحوں کے بعد وہ

مردانہ روپ میں تھا۔ اس کے مصنوعی اعضاء قریب بکھرے ہوئے تھے اور انہیں دیکھ کر مجھے ہنسی آ
تھی۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

''میں تمہیں پہچانتا ہوں۔''

''کیسے؟''

''عبداللہ ہارونی نے مجھے ساری تفصیلات بتا دی تھیں۔ ہم لوگ یہاں اس کلب میں ا
ملاقات کرتے تھے۔ میں اپنی زندگی بچانے کیلئے یہاں چھپا ہوا تھا۔''

''اوہو...... عبداللہ ہارونی کی موت ایک بہت بڑا سانحہ ہے۔ مجھے اس سے بہت کچھ معلو
کرنا تھا جو نہیں معلوم کر سکا۔''

''وہ ایک بہت اچھا انسان تھا اور اس نے سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس طرح سنبھالا ہوا
کہ میرا باپ بھی مجھے اتنا ہی تحفظ دیتا۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ پھر بولا۔

''سٹین گن بردار نے اتنی گولیاں برسائیں کہ گولیاں میرے چہرے سے محض ایک ایک ا
کے فاصلے سے گزری تھیں۔ میرے باپ کی گمشدگی کے بعد وہ مجھ پر بہت مہربان تھا اور اسی نے
یہاں اس کلب میں رقاصہ بنا ڈالا تھا۔''

''مگر میں کیسے یہ یقین کرلوں کہ تم ہینز ہی ہو۔ یعنی الیس ڈوگرا کے بیٹے۔''

''اس کے بارے میں میں تم سے کیا کہوں بتاؤ۔ کہاں سے تمہیں اپنے بارے میں یقی
دلواؤں۔ ویسے میرے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اب اگر میں تم سے یہ سوال کر ڈالوں کہ کیا
مجھے یہ ثبوت دے سکو گے کہ تم درحقیقت تیمور پاشا ہو؟''

''میں ثبوت دے سکتا ہوں۔''

''مگر میں کوئی ثبوت نہیں چاہتا۔ بس عبداللہ ہارونی نے مجھے بتایا تھا کہ تمہاری ان
ملاقات ہونے والی ہے۔ ہم دونوں تمہارا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔''

''اور کوئی ایسی خاص بات۔''

''ہاں!'' اچانک ہی جیسے اسے کچھ یاد آیا۔

''بولو!''

''لنگڑا بادشاہ۔'' اس نے کہا اور اس بار مجھے ہنسی آگئی۔ یہ لقب مجھے ڈارون نے دیا تھا ا
اب یہ میرا کوڈ ورڈ بن گیا تھا۔

''ٹھیک ہے میرا خیال ہے میں تمہاری طرف سے مطمئن ہوں۔''

''اور میں آپ کی طرف سے۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں جناب کہ میں الیس ڈوگرا کا بیٹا
نہیں بلکہ آج کل ہم جس ایجاد پر کام کر رہے تھے میں اس کا پراجیکٹ انچارج بھی ہوں۔ آپ ا
سلسلے میں جو بھی معلومات حاصل کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔''

''تمہاری والدہ؟'' میں نے سوال کیا۔

''سولہ سال پہلے اس دنیا سے چلی گئی ہیں۔''

''کیا تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ تمہارے دشمن اب تم پر وار کریں گے۔ تمہیں اغوا
کرلیا جائے گا یا پھر ہلاک کر دیا جائے گا۔''

''میں یہ بات جانتا ہوں اور اسی لئے اپنی زندگی بچائے بچائے پھر رہا ہوں۔''

''آؤ...... یہاں سے چلتے ہیں۔ یہ جگہ کافی خطرناک ہے۔''

ہم شہر سے نکل کر سڑک پر آئے تو ہینز نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''اوہ میرے خدا تمہارا چہرہ تو خون سے رنگین ہو رہا ہے۔'' مجھے ایک دم یاد آ گیا کہ عبداللہ
ہارونی کا خون میرے چہرے پر براہ راست پڑا تھا۔ بہرحال ادھر ادھر دیکھ کر میں نے ایک ایسی جگہ
دیکھی جہاں پانی دستیاب تھا۔ اب یہ پانی کیسا تھا اس کا اس وقت خیال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میرے
چہرے پر خون خشک ہو کر چپک گیا تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے چہرہ صاف کیا اور کہا۔

''ہمیں غسل کئے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ نکلو یہاں سے اگر پولیس والے کی نگاہ ہم
پر پڑ گئی تو مشکل میں پڑ جائیں گے۔''

بہرحال کافی آگے جا کر ہم بائیں سمت مڑ گئے اور یہاں سے ایک گلی ایک بار کی جانب
جاتی تھی۔ اس کی نشاندہی بھی ہینز نے ہی کی تھی۔ ہم دونوں اسی گلی میں داخل ہو گئے۔ وہ گلی بھی
غلاظت سے پر تھی۔ جا بجا گندگی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ جس سے دم الٹا جا رہا تھا۔ گلی سڑی
سبزیاں اور ٹین کے خالی ڈبوں کی بہتات تھی۔

بہرحال اس بار کے بارے میں ہینز نے بتایا کہ یہ ایک بااثر شخص اختیاری کا ہے اور
اختیاری ہر طرح کے کام کرا لیتا ہے۔ وہ شہر بھر کی پولیس کو بھتہ دیتا ہے۔ پولیس، کسٹم وغیرہ اس کی
بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اختیاری کے بار میں داخل ہونے کیلئے بھی کچھ مخصوص ہدایات تھیں۔ کوئی بھی
شخص جب اس اڈے کے عقبی دروازے پر دستک دیتا تھا اور پھر اپنا نام بتاتا تھا تو دروازے میں لگی
ہوئی کھڑکی سے اس کی شناخت کی جاتی تھی اور اندر پہنچ کر اس سے دو تین سوالات بھی کئے جاتے
تھے۔ اس کے بعد اسے اندر آنے کی اجازت ملتی تھی۔ یہ مے خانہ دن رات کھلا رہتا تھا۔ بہرحال
جب ہم وہاں پہنچے تو دروازہ کھلا ہوا ہی ملا تھا۔ ویسے دروازے کی دوسری طرف کا حصہ تاریکی میں ڈوبا
ہوا تھا۔

''پتہ نہیں یہ دروازہ اس طرح کیوں کھلا ہوا ہے۔ یہاں آنے کیلئے تو بڑے احتیاطی
اقدامات کرنے ہوتے ہیں۔ بہرحال آؤ دیکھتے ہیں۔ ہمیں تو چاروں طرف خطرات ہی خطرات ہیں،
البتہ یہاں میرے کچھ ایسے شناسا موجود ہیں، جو میری مدد کریں گے بشرطیکہ وہ نظر آ جائیں۔'' ہینز
نے کہا اور ہم اندر داخل ہو گئے، لیکن ہینز نے اندر پہنچ کر دروازہ بند کر لیا تھا، پھر ہم نے اندر کا بلب

جلایا اور اس کے بعد ماحول کا جائزہ لیتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئے۔ اس دروازے سے داخل ہو کر ہم ایک راہداری میں پہنچے۔ وہاں ایک بڑا سا ڈرم رکھا ہوا تھا۔ ڈرم کی دوسری طرف ایک راستہ ہوا تھا۔ بہرحال میں اس راستے پر آگے بڑھا۔ اندر بھی تاریکی تھی، لیکن دوسری جانب سے ایک آوازیں آ رہی تھیں، جیسے کسی پر تشدد کیا جا رہا ہو۔ ہینز کے چہرے پر حیرت کے تاثرات پھیل گئے۔ وہ آگے بڑھا اور میرے قریب پہنچ گیا۔

"ضرور کوئی خاص بات ہے ورنہ یہاں آنے کا یہ طریق کار نہیں ہے۔" ہم دو قدم آگے بڑھے تو ایک طرف روشنی دکھائی دی شاید وہ کوئی دروازہ تھا۔ ایک بار پھر ایک آواز سنائی دی جیسے کوئی بری طرح چیخ رہا ہو اور اس کا منہ بند کر دیا گیا ہو۔ ہم دونوں آہستہ آہستہ قدموں سے اس دروازے کے قریب پہنچے تو اندر کا منظر انتہائی ہولناک تھا۔ ہینز کے منہ سے آواز نکلی۔

"مائی گاڈ...... مائی گاڈ۔"

ہم دونوں ہی نے اس شخص کو دیکھا، جس کا جسم بے لباس تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں ایک ستون سے بندھے ہوئے تھے۔ اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور آنکھیں لہولہان تھیں۔ غالباً آنکھوں پر بھی وحشیانہ تشدد کیا گیا تھا۔ اس کے قریب دو آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک جلتے ہوئے سگار سے اس کا بدن داغ رہا تھا۔ اختیاری کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا، لیکن پھر بھی مدہم مدہم آوازیں نکل رہی تھیں اور ان آوازوں کی کیفیت بڑی ہولناک تھی۔ اس کے قریب ہی ایک عورت کی لاش بھی پڑی ہوئی تھی۔ اس کا گلا کسی تیز دھار چیز سے کاٹا گیا تھا، اور اب محض ایک پتلی سی رگ سے اس کا سر کا تعلق قائم تھا۔ وہ دو آدمی جو اس پر تشدد کر رہے تھے، کچھ کہتے بھی جا رہے تھے۔ ہم دونوں نے سانس روک لئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"کتے کے بچے اگر تو اپنی زبان نہیں کھولے گا تو ہمیں اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہم تجھے موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔"

اختیاری کچھ نہیں بولا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے اس آدمی کی دھمکی بھی نہیں سنی ہو گی۔ کیونکہ اس وقت وہ موت و حیات کی کشمکش سے دوچار تھا۔ اسے اپنے گرد و پیش کی خبر کیسے رہ سکتی تھی۔ بس اس کے بعد میرے لئے رکنا مشکل ہو گیا۔ میں دو قدم پیچھے ہٹا اور پھر میں نے دروازے پر بھرپور ٹھوکر ماری۔ دروازہ جھنجھنایا اور پھر قبضوں سے علیحدہ ہو کر دوسری طرف جا پڑا۔ میں نے چھلانگ لگائی اور اڑتا ہوا کمرے میں پہنچ گیا۔ وہ دونوں پھرتی سے میری طرف مڑے مگر میں نے انہیں کوئی موقع نہیں دیا۔ میرے ریوالور نے دو شعلے اُگلے۔ ان میں سے ایک کی پیشانی لہولہان ہو گئی۔ وہ فرش پر گرنے سے پہلے ہی مر چکا تھا۔ دوسرا مجھ پر حملہ آور ہوا، مگر اس کیلئے میرے ذہن میں دوسرا منصوبہ تھا۔ میں نے جھکائی دے کر اس کا یہ وار روکا۔ اس شخص نے اپنے ریوالور کی طرف ہاتھ بڑھایا، مگر میں نے اسے بھی موقع نہیں دیا اور میرا زوردار ہاتھ اس کے شانے پر پڑا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ

چیخ نکل گئی تھی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے میرا جبڑا توڑنے کی کوشش کی، مگر میں نے پھرتی سے اس کا وار خالی دے کر اس کے پیٹ پر بھرپور لات ماری۔ میرا یہ حملہ وہ برداشت نہیں کر سکا تھا اور اس کے حلق سے کریہہ آوازیں نکلیں اور اس کے بعد وہ مضمحل ہو کر فرش پر گرا اور ساکت ہو گیا۔ میں نے اس کے قریب جا کر اس کے منہ پر تھپڑ مارا اور سخت آواز میں پوچھا۔

"ہاں اب تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گے۔" میں نے اس وقت ہینز کو بالکل فراموش کر دیا تھا۔ پتہ نہیں وہ میرے پیچھے تھا یا کہیں غائب ہو گیا تھا۔ میں نے اس کے منہ پر ایک دوسرا تھپڑ مارا اور کہا۔

"اگر تم جواب نہیں دو گے تو میں تمہیں اتنا ماروں گا کہ تمہارا بدن قیمہ قیمہ ہو جائے گا۔ اپنی زبان کھولو کتے کے بچے ورنہ تمہارا جو حشر میں کروں گا تم سوچ بھی نہیں سکتے۔" میرا لہجہ اتنا خونخوار تھا کہ وہ بری طرح خوفزدہ ہو گیا۔ خوف اس کی آنکھوں میں منجمد ہو گیا تھا۔ شاید اس نے محسوس کر لیا تھا کہ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے منہ چلایا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ہچکی لی اور بہت سا خون اگل دیا۔ اس کا بدن پھڑکا اور اس کے بعد ساکت ہو گیا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس نے اپنے دانتوں میں پہلے ہی سے کوئی زہریلا کیپسول دبا رکھا تھا، جسے اس نے خطرہ محسوس کرتے ہی چبا لیا ہے۔ میں نے جھلا کر اسے دھکا دیا اور اختیاری کی جانب بڑھ گیا۔ وہ ابھی گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ کراہ رہا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھوں اور پیروں کی رسیاں کھولیں اور اسے آزاد کر دیا۔ اسی وقت ہینز بھی قریب آ گیا تھا۔ اس نے ہینز کو دیکھا پھر کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا۔ ہینز ہمدردی سے اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کہا۔

"کون تھے یہ لوگ اختیاری کون تھے؟"

"پپ...... پتا نہیں...... مم...... میں نہیں جانتا۔" اس کی آواز مدہم ہوتی جا رہی تھی، پھر اسے اچانک ہی کھانسی آئی اور اس کے منہ سے خون کے لوتھڑے برآمد ہونے لگے۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا پھر پوچھا۔

"وہ...... وہ میری بیوی...... میری بیوی۔" اس کی آنکھیں ادھر ادھر گھومنے لگیں۔ یہ اندازہ ہوتا جا رہا تھا کہ اس کی بصارت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ یقیناً وہ زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ مرتے وقت اگر اسے اس کی بیوی کی موت کی اطلاع دی جاتی تو بلاوجہ اسے دکھ ہوتا۔ ہینز نے کہا۔

"تمہاری بیوی بے ہوش ہو گئی ہے، فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"میری بات سنو۔" اس نے کہا اور ہینز اس پر جھک گیا۔

"میں نے تم سے رابطہ قائم کیا اور اس کے بعد...... اس کے بعد ہارونی سے مجھے یہ پتہ چلا کہ تمہارے والد کو اغوا کر لیا گیا ہے اور پھر وہ لوگ اسے لے کر...... اسے لے کر۔" یکبارگی اس کا جسم بری طرح تھرتھرایا۔ اس کے منہ سے خون کی ایک موٹی دھار نکلی اور اس نے بمشکل کہا۔

"لی...... شا...... لی۔" اور اس کے بعد اس کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی اور ہاتھ پاؤں

بے ہنگم طور پر مڑ گئے۔ وہ مر چکا تھا۔ ہینز پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا اور پھر اچانک مجھے یاد آیا کہ مرنے سے پہلے ہارونی بھی اسی طرح کے کچھ الفاظ ادا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے منہ سے شا کی آواز میں نے صاف سنی تھی۔ اچانک ہی ہینز اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''بڑی عجیب بات ہو رہی ہے۔ بہت ہی عجیب بات ہو رہی ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔

''یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں، جنہوں نے اختیاری کو ہلاک کیا ہے۔

''کیا کہہ سکتا ہوں۔ ظاہر ہے کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ ویسے ایک بات بتاؤں یہاں ایک ایسا گروہ بھی کام کر رہا ہے جس کے بارے میں تصور کیا جاتا ہے کہ آج کل وہ ناصر حمیدی کے زیر اثر ہے۔ اس گروہ کو نیو ایج کہا جاتا ہے۔ یہاں وہ کافی کام کر چکا ہے۔ بہرطور ساری باتیں اپنی جگہ۔'' میں نے اس سے کہا۔

''اب یہ بتاؤ کہ ہم یہاں سے کہاں جائیں گے؟''

''اگر تم میرے ساتھ نکلو تو میں تمہیں ساری تفصیلات بتا دوں گا۔'' اس نے کہا اور اس کے بعد دونوں وہاں سے باہر آ گئے۔ اس سلسلے میں کسی طرح کی کوئی احمقانہ مداخلت ہمارے لئے ممکن نہیں تھی۔

وہ مجھے جس عمارت میں لایا وہ کافی خوبصورت تھی، لیکن اس نے عمارت کے تہہ خانے کا رخ کیا تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد ہم نے ایک غسل خانے کا رخ کیا۔ اچھی طرح نہانے دھونے کے بعد میں نے ہینز کے کپڑے پہنے اور اس کے بعد آرام کرنے لیٹ گیا۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ سو جایا جائے اور تھکن دور کی جائے۔

نیند اپنی مرضی کی مالک ہے۔ آئے تو اس طرح آ جائے کہ سونے والے کو پتہ بھی نہ چل سکے اور نہ آئے تو روٹھے محبوب کی طرح ترسا کر مار دے، لیکن مجھے اس وقت فوراً ہی نیند آ گئی حالانکہ دماغ بیحد منتشر تھا اور میں سکون چاہتا تھا، البتہ اسرار و رموز کی اس سرزمین کے سارے کھیل نرالے تھے۔ آنکھ وہاں نہیں کھلی تھی، جہاں سویا تھا۔ یہ تو کوئی اور ہی جگہ تھی اور اب مصر سے اتنی شناسائی ہو گئی تھی کہ قدیم و جدید مصر میں شناخت ہو سکے۔ میں دریائے نیل کے کنارے ویران ٹیلے میں تھا۔ ایک روز کے واقعات کے ساتھ کا طویل اور لامتناہی سلسلہ میری زندگی کے ایک بڑے حصے پر محیط ہو گیا تھا۔

❀❀❀

ایک دیدہ ور کی حیثیت سے میں اس وقت ایک ایسی جگہ موجود تھا، جسے میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، لیکن میں یہاں کے چپے چپے کا شناسا تھا۔

ہے نا عجیب بات......؟

''کون سی جگہ ہے یہ......'' میں نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

''نیر دوجانہ......'' میرے ہمزاد نے جواب دیا۔

''تو کون ہے؟''

''ہمزاد......''

''اس سے پہلے میری تجھ سے ملاقات نہیں ہوئی۔''

''اس وقت کہاں ہوئی ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''میں تو تیرے اندر سے بول رہا ہوں۔''

آہ......کیا طلسم ہے۔ کوئی میرے اندر بھی ہے۔ اس طرح تو میرے تین ٹکڑے ہوئے، ایک میں جو بھی ہوں، دوسرا وہ جو ڈارون کے قبضے میں ہے اور تیسرا تو جو میرے اندر ہے۔''

''لیکن......'' میرے ہمزاد نے کہا۔

''ہاں لیکن کیا؟''

''ہم تینوں ایک ہیں۔ جو دیکھے اسے یکجا ہو کر دیکھو۔'' چنانچہ میں نے ماحول پر نگاہ دوڑائی۔

سورج کا آتشیں گولہ مغربی پہاڑیوں کی جانب جھک رہا تھا۔ فضا کی تمازت کم ہو گئی تھی۔ شاہ خاور نے دن بھر اپنی عظمت و جبروت کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا اور خود کو ناقابل تسخیر بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن کمند ٹوٹ گئی تھی اور مغرب میں تاریکیوں نے منہ کھول دیا تھا۔ سہما ہوا سورج خود کو ان تاریکیوں میں ڈوبنے سے نہیں روک سکتا تھا اور تیزی سے ان کی جانب بڑھ رہا تھا، اور ہر دوجانہ میں اس کا عکس بے پناہ حسن کا حامل تھا۔

نہر کے ایک کنارے پر ہریالی پھیلی ہوئی تھی۔ گھاس اور دوسرے پودوں کی بہتات تھی۔ جبکہ دوسرا کنارہ بھوری ریت کے ٹیلوں سے آراستہ تھا۔ ہاں ان ٹیلوں میں وہ طاقتور جھاڑیاں بکثرت

اگی ہوئی تھیں، جنہیں پانی کی نمی کی پروا نہیں ہوتی اور نہ ہی اپنی بدنمائی کی۔ ہریالی والے علاقے
بعد دور تک ناہموار پتھروں والی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور ان کے اختتام پر سربلند پہاڑیوں کا
لامتناہی سلسلہ تھا، جس کی حد نامعلوم تھی۔ ہاں پہاڑیوں کے درمیان جگہ جگہ نخلستان نظر آتے تھے
نخلستانوں میں چھوٹی چھوٹی آبادیاں تھیں، جو بظاہر کسی کے زیر تحت نہیں تھیں لیکن علاقوں کی بنا پر
مختلف قبائل انہیں اپنی حد اور اپنی بستیاں سمجھتے تھے، اور کبھی کبھی ان کے سلسلے میں آپس میں ا
پڑتے تھے۔

بوڑھے لیکن قوی ہیکل چرواہے اسقافہ نے ایک نگاہ آسمان کی جانب ڈالی اور اپنی مو
مڑی ہوئی لکڑی اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے پانی کا برتن اور بھنے ہوئے چنوں کی تھیلی بھی اپنے لبا
میں لٹکے ہوئے تسموں میں پھنسائی، پھر اپنا عمامہ کھول کر اسے دوبارہ سر کے گرد لپیٹا۔ پوری طرح
ہو گیا تھا۔

قوی الاعضاء اسقافہ کی عمر کسی طور ستر سے کم نہ ہو گی، لیکن نہ تو اس کی آنکھوں میں بڑھا
کی دھندلاہٹ تھی اور نہ کمر میں زندگی کی تھکن سے پیدا ہو جانے والا خم۔ اس کے سر اور داڑھی
بال سفید تھے اور چوڑی کلائیوں پر بھی سفید بالوں کی بہتات تھی۔ ہاتھ انتہائی چوڑے اور ان
انگلیاں خوب موٹی تھیں کہ اگر کسی کے ہاتھ میں پنجہ ڈال دے تو مقابل کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔

اپنی تیاریوں کے بعد اس نے ہریالی میں سفید دھبوں پر نگاہ ڈالی جو اب شکم سیر ہو گئے
پھر اس نے منہ کے گرد دونوں چوڑے ہاتھوں کا حصار بنایا اور پھر اس کے منہ سے ایک تیز آواز نکل
ویرانوں میں پھیل گئی۔ دوسری اور پھر تیسری آواز نکلی۔

لیکن سفید دھبے پہلی آواز پر ہی متحرک ہو گئے تھے اور پھر وہ پورے ریوڑ کی شکل میں ا
طرح اس آواز کی جانب بڑھنے لگے جیسے آواز کی زنجیر میں بندھ گئے ہوں اور زنجیر ایک مخصوص سمت
کھینچ رہی ہو۔ بوڑھا چرواہا طمانیت آمیز نگاہوں سے ان بھیڑوں کو دیکھ رہا تھا، جن کی معصوم نگاہ
زمین کی طرف تھیں، اور وہ ایک دوسرے میں منہ گھسائے اس کی جانب چل رہی تھیں، اور پھر وہ ا
کے بالکل قریب پہنچ گئیں۔

اسقافہ ان کے درمیان فخر سے گردن اٹھائے ہوئے کھڑا ہوا تھا۔ وہ اس ویرانے کا شہنشاہ تھا
اور معصوم بھیڑیں اس کی رعایا، اس کی اولاد تھیں، اور پھر وہ ان کا شمار کرنے لگا۔ اس میں بھی اسے کمال
حاصل تھا۔ اس کی نگاہ میں ایک ہی رنگ اور ایک ہی شکل کی بھیڑیں الگ تھیں اور وہ ان میں سے ہ
بھیڑ کو بخوبی پہچان سکتا تھا۔

لیکن اچانک اس کی آنکھوں کا وہ سکون رخصت ہو گیا اور ان میں ایک ہلکا سا تردد پیدا ہو
گیا۔ اس نے ایک بار پھر بھیڑوں کا شمار کیا اور اسے یقین ہو گیا کہ ان میں ایک بھیڑ کم ہے۔ تب اس
کی پریشان نگاہیں دور دور تک بھٹکنے لگیں۔ بھیڑ کہاں ہے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ اس نے اسقافہ کی آواز

سنی ہو اور اس پر توجہ نہیں دی ہو۔ اسقافہ کی معصوم رعایا میں جذبہ بغاوت نہیں تھا۔ وہ اس سے مکمل
تعاون کرتی تھی، اور آج تک اسقافہ کو ان سے یہ شکایت نہیں ہوئی تھی، پھر بھیڑ کہاں گئی۔

ایک بار پھر اس نے منہ کے گرد بھونپو بنا کر آواز نکالی اور پھر مزید دوبار یہ آوازیں نکال کر
دھندلاتے ہوئے ماحول پر نگاہیں دوڑانے لگا۔ ممکن ہے، کہیں کوئی تحریک نظر آئے۔

لیکن چاروں طرف سکوت تھا۔ خاموش بھیڑیں تعجب سے اپنے رکھوالے کو دیکھ رہی تھیں۔
انہیں حیرت تھی کہ اب وہ کیوں انہیں پکار رہا ہے، لیکن اب اسقافہ کی قوت برداشت جواب دے گئی
تھی۔ ممکن ہے کہ وہ نہر میں گر گئی ہو یا پھر کسی گہرے گڑھے میں۔

شام ہو گئی تھی لیکن وہ کسی قیمت پر بھیڑ کو یہاں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس نے بھیڑوں
کے گلے کو وہیں چھوڑا اور پھر اس بھیڑ کی تلاش میں چل پڑا۔ چاروں طرف کی فضول جگہوں کا جائزہ
لینے کے بجائے وہ صرف ایسے حصوں کا جائزہ لے رہا تھا، جہاں سے بھیڑ واپس اس کے پاس نہیں پہنچ
سکتی تھی، لیکن بھیڑ کا کوئی نشان نہیں ملا۔ جن بھیڑوں کو وہ چھوڑ آیا تھا، ان کی طرف سے لاپروا تھا۔
کیونکہ وہ جانتا تھا کہ صابر بھیڑیں خاموشی سے اس کا انتظار کریں گی۔

بھیڑ کی تلاش میں وہ یہ بھول گیا کہ وہ کتنی دور نکل آیا ہے۔ دفعتاً ہی اسے گوشت بھننے کی
خوشبو محسوس ہوئی اور نجانے کیوں اس کے قدم رک گئے۔ اس کی قوت شامہ صحیح رخ کا تعین کرنے لگی
اور پھر اس کے قدم خود بخود اس جانب اٹھ گئے، جدھر سے خوشبو آرہی تھی۔ وہ چند قدم اور آگے بڑھا۔

تب اس نے روشنی دیکھی اور یہ روشنی آگ کی تھی اور اس کے گرد پانچ افراد بیٹھے ہوئے
تھے۔ جو چہرے اور لباس سے حشیما قبائل کے لوگ نظر آتے تھے اور وہ گفتگو کر رہے تھے، اور نجانے
کس بات پر قہقہے لگا رہے تھے۔ کبھی کبھی جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ یا تو ان کی گفتگو میں کسی کی تضحیک
کی جا رہی تھی یا پھر ایسی دلچسپ گفتگو تھی، جس پر یہ قہقہے لگائے جا رہے تھے، لیکن اسقافہ کو ان قہقہوں
سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو لکڑیوں پر ٹنگی ہوئی اس بھیڑ کو دیکھ رہا تھا جس کی کھال اتاری گئی تھی اور
اب اسے عرب کے مخصوص طریقے سے بھونا جا رہا تھا۔ ہاں نزدیک پڑی ہوئی کھال سے وہ اندازہ لگا
سکتا تھا کہ یہ اس کی گمشدہ بھیڑ ہے، جو ان غاصبوں نے ذبح کر ڈالی ہے۔

اسقافہ کے بدن میں غصے سے گرمی پھیل گئی۔ اس کی آنکھیں خون کبوتر کی طرح سرخ ہو
گئیں۔ اس کا دل چاہا کہ وہ ان پانچوں کے بدن کی کھال اتار کر انہیں اسی آگ میں ڈال دے۔ حشیما
کے وحشی درندے اخلاق و آداب سے قطعی نابلد تھے۔ ان کے ذہنوں میں انسانیت کا کوئی تصور نہیں
تھا، اور بقیہ قبائل کے سارے لوگ ان سے بے پناہ نفرت کرتے تھے۔ انہی میں اسقافہ بھی شامل تھا۔

لیکن زندگی کے طویل تجربے نے اسقافہ کے بدن کی گرمی سرد کر دی اور اس نے سوچا وہ تنہا
پانچوں کو زیر نہیں کر سکتا اور یہاں ان سے الجھ کر زندگی کا خطرہ مول لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، لیکن
وہ خاموشی سے واپس جانا بھی پسند نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس مسئلے کو یونہی چھوڑنے کیلئے تیار نہیں تھا۔ وہ

کچھ دیر کھڑا یونہی سوچتا رہا اور پھر تیز قدموں سے ان کی طرف لپکا۔

سو انہوں نے اس کے قدموں کی آواز سن لی' اور سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ انہوں نے غور سے اسے دیکھا اور ان کے چہروں پر بھی نفرت ابھر آئی کہ استافہ قبائل کے لباس سے ممتاز پہچانا جاتا تھا۔

بوڑھا استافہ ان کے عین درمیان میں جا کھڑا ہوا اور وہ کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

''میں اس بھیڑ کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔'' استافہ نے کہا۔

''اوہ حالانکہ تم خاصے عمر رسیدہ انسان ہو کیا تم بھیڑوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔'' ان میں سے ایک جوان نے بوڑھے استافہ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

''کیا یہ بھیڑ تمہاری تھی۔'' دوسرے نوجوان نے پوچھا۔

''ہاں......'' استافہ نے جواب دیا۔

''ممکن ہے یہ تمہاری ہو لیکن تقیہ کے احمق بوڑھے شاید تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ حشیما کے درمیان ایک حد فاصل ہے اور اس لکیر کو عبور کرنے کے بعد کوئی وہ چیز تقیہ کی نہیں رہتی جو اس طرف سے آئی ہو' اور اس وقت تم بھی ہماری حدود میں ہی ہو۔ ہم اگر چاہیں تو تمہیں بھی ذبح کر کے اسی طرح بھون سکتے ہیں۔'' تیسرے نوجوان نے کہا اور وہ سب ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے

''لیکن اخلاق کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ میں ایک بوڑھا چرواہا ہوں اور میری زندگی کا دارومدار اس پر ہے کہ میں صبح کی روشنی پھوٹتے ہی لوگوں کی بھیڑیں لے کر نکلوں' دن بھر انہیں چراؤں اور شام کو ان کے مالکوں کے پاس واپس بھیج دوں اور اس کے عوض وہ مجھے دو وقت کی روٹی اور ضرورت کی چند چیزیں دیتے ہیں۔ میری اتنی استطاعت کہاں کہ میں اب کسی کی بھیڑ یا اس کی قیمت واپس کر سکوں۔''

اوہ...... بھلا تمہاری اس غربت سے ہمیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے اور اب تم یہاں سے بھاگ جاؤ ورنہ کہیں ہم تمہارا یہی حشر کریں۔'' ان میں سے ایک غرا کر بولا اور بوڑھے استافہ نے ایک گہری سانس لی۔

''ٹھیک ہے دوستو! میں جا رہا ہوں لیکن یاد رکھنا تقیہ والوں کے خون بھی اتنے سرد نہیں ہیں کہ وہ تمہاری اس سرکشی کو معاف کر دیں۔'' استافہ نے کہا اور واپس پلٹ پڑا۔ اس نے اپنے پیچھے لاتعداد قہقہے سنے تھے۔

یہ زمانہ 2200 قبل مسیح کا تھا۔ مصر کے لوگوں نے دو حکومتیں قائم کر رکھی تھیں۔ ایک بالائی مصر کی حکومت' جو خاص وادیٔ نیل میں تھی اور دوسری زیریں مصر کی حکومت' جو نیل کے زیریں حصے ڈیلٹا پر مشتمل تھی۔ بعد میں یہ دونوں حصے ایک ہو گئے تھے۔ مصریوں نے طریق حکومت کیلئے طرز دریافت کر لئے تھے۔ ان کے ہاں ستین کا تقرر فرعون کی پشتوں سے ہوتا تھا۔ تیسرے شاہی خاندان سے مصر کی تاریخ کا مستند دور شروع ہو گیا تھا' پھر چوتھا خاندان برسر اقتدار آیا۔ ہنزہ کے مشہور احرام اس کے دور میں تعمیر ہوئے' لیکن مصر کی حکومت کو پائیداری نہیں نصیب ہوئی تھی۔ کبھی یہ حکومت دور دور تک پھیل جاتی اور کبھی ایسا انتشار پھیلتا کہ فرعون کی مرکزی حکومت غائب ہی ہو جاتی تھی' اور اجنبی لوگ مصر کے بادشاہ بن جاتے۔ قدیم بادشاہی کا یہ سلسلہ چھٹے شاہی خاندان تک قائم رہا اور ایک سو سال تک شدید افراتفری رہی۔ حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ چھوٹے چھوٹے حصے آپس میں بانٹ لئے گئے۔ دن رات کشاکش ہوتی تھی۔ بیشمار قبائل پیدا ہو گئے تھے۔ سب اپنے علاقوں پر دعویٰ کرتے تھے اور دوسرے سے دشمنی کرتے رہتے تھے۔ اکثر ان میں جنگیں ہوتی اور یہ جنگیں ایک طویل دشمنی کا دروازہ کھول دیتیں۔ جن کی انتہا کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دہشت اور بربریت کے دلسوز مظاہر ہوتے اور انسانیت کا دامن تار تار ہوتا رہتا تھا۔

تقیہ اور حشیما بھی دو ڈیلٹائی قبیلے تھے۔ یہ دونوں بھی آپس میں شدید دشمنی رکھتے تھے۔ یہ دشمنی برسوں سے چلی آ رہی تھی اور بیشمار لوگ اس دشمنی کا شکار ہو چکے تھے۔ درجنوں جنگیں ہو چکی تھیں اور خوب جانی اور مالی نقصان ہو چکا تھا لیکن دونوں میں کوئی ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔

اور یہ حقیقت بھی تھی۔ طاقت میں دونوں ایک دوسرے سے کم نہیں تھے' پھر کون خود کو شکست خوردہ تسلیم کرتا۔ بس ذرا ذرا سی بات پر جنگ شروع ہو جاتی تھی اور بظاہر اس دشمنی کے خاتمے کا کوئی ذریعہ نہیں نظر آتا تھا۔ تازہ تازہ واقعات ہوتے رہتے تھے اور جنگ تیار ہو جاتی تھی۔

بوڑھے استافہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اسے مدنظر رکھتے ہوئے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا کہ پھر کوئی فتنہ سر ابھارنے والا ہے۔ وقت کی سانسیں بوجھل ہو رہی ہیں۔ پتھریلی زمین خون کی پیاس محسوس کر رہی ہے' اور یقیناً پھر کوئی معرکہ ہو گا۔ جوش دشمنی میں بند آنکھیں صرف موت کی چیخوں سے کھلیں گی۔

استافہ بھیڑوں کے گلّے کو لے کر واپس اپنی بستی میں پہنچ گیا۔ اس نے لوگوں کی بھیڑیں ان کے گھروں میں پہنچائیں' اور پھر اس شخص سے معذرت کرنے گیا جس کی بھیڑ حشیما والوں نے ہتھیا لی تھی۔

''واہ میں کیسے صبر کر لوں۔ تم میری بھیڑوں کے ذمے دار تھے!''

''ہاں' لیکن تمہیں سردار اس کا معاوضہ دے گا۔ میں آج ہی سردار کی خدمت میں پیش ہو کر حشیما کی اس نئی حرکت سے اسے باخبر کروں گا۔''

''میری بھیڑ تو گئی...... نہیں نہیں تمہیں اس کا معاوضہ ادا کرنا ہو گا۔'' کنجوس شخص نے کہا۔

''کیا تمہارے کانوں تک میری آواز نہیں پہنچی۔ کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا کہ تمہاری بھیڑ کا معاوضہ سردار ادا کرے گا۔ تمہاری بھیڑ نہر میں نہیں بہہ گئی یا کسی گڑھے میں نہیں دفن ہو گئی۔ اسے

ہمارے دشمن قبیلے کے لوگوں نے اغوا کیا ہے۔ تمہارا خون اتنا سرد ہو گیا ہے کہ تم دشمن کی اس حرکت
پیچ و تاب کھانے کے بجائے اپنی بھیڑ کا ماتم کر رہے ہو۔''

بوڑھا اسقافہ اپنے گھر واپس آ گیا۔ غم و غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ حشیما کے نوجوان آدمیوں نے اس کی توہین کی تھی۔ کاش اس کے پاس ہتھیار ہوتے تو وہ انہیں اس بدتمیزی کا مزہ ضرور چکھاتا۔ اس کے اہل خانہ نے اس کا چہرہ دیکھا اور طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔

''طایان کہاں ہے۔'' بوڑھے اسقافہ نے اپنے نوجوان بھتیجے کے بارے میں پوچھا۔ اس کی نگاہ ہر سلسلے میں اپنے بھتیجے کی طرف ہی جاتی تھی اور پھر طایان صرف نام کا بھتیجا تھا۔ اس کا باپ وقت حشیما کی دشمنی کا شکار ہو گیا تھا' جب طایان صرف ایک سال کا تھا اور چونکہ خود اسقافہ کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس نے طایان کو اپنی اولاد کی مانند ہی پرورش کیا تھا۔

گو طایان ایک چرواہے کا بیٹا تھا لیکن اپنی فطرت میں مست انسان تھا۔ اسے رباب پسند تھا اور اکثر تقیہ کے پرسکون گوشے اس کے رباب کی میٹھی آوازوں سے سرشار رہتے تھے۔ میں بسنے والے دوسرے لوگ بھی طایان سے ایک خاص محبت رکھتے تھے۔ ایک طرح سے طایان آزاد فطرت نوجوان تھا۔ اسے جنگ و جدل میں ہتھیاروں کی جھنکاروں سے رباب کے محبت بھرے نغمے زیادہ پسند تھے' اور وہ ان نغموں کو زندگی بخشنا چاہتا تھا۔ گو اسقافہ اپنے لاابالی بھتیجے کی اس فطرت سے بخوبی واقف تھا۔ ہر اچھے برے مشورے میں وہ اسے ضرور شریک کرتا تھا۔

چنانچہ اس وقت بھی اس نے طایان ہی کو طلب کیا' اور تھوڑی دیر کے بعد جوانی کے سے لدا ہوا طایان اس کے سامنے پہنچ گیا۔ چوڑا چکلا سینہ' بھرے بھرے ہاتھ پاؤں' محبت کے سے بوجھل آنکھیں۔ ہونٹوں پر رقصاں سکون کی دھیمی دھیمی مسکراہٹ' لیکن وہ بوڑھے چچا کا ادب کرتا تھا۔ وہ آیا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

''طایان میں تم سے ایک مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔'' اسقافہ نے کہا۔

''میں حاضر ہوں چچا جان!'' طایان نے نرم لہجے میں کہا۔

''حشیما کے چند نوجوان لڑکوں نے آج میرے بڑھاپے پر ضرب کاری لگائی ہے۔ کاش ابھی بوڑھا نہ ہوا ہوتا۔'' اسقافہ نے کہا۔

اور اچانک نوجوان کے چہرے سے سکون رخصت ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب تاثرات نظر آنے لگے۔ اسقافہ اس کی بدلی ہوئی کیفیت دیکھ رہا تھا اور اس کا دل مسرت سے دھڑکنے لگا تھا۔ خون آخر خون ہے۔ طایان اپنے چچا کی بے عزتی سے کس طرح تڑپ گیا ہے وہ سوچ رہا اور اسے اپنے بھتیجے سے بڑی شدید محبت محسوس ہو رہی تھی۔

''کیا ہوا چچا؟'' بالآخر طایان نے خاموشی اور خیالات کے بھنور سے نکل کر پوچھا۔

بوڑھے اسقافہ نے مؤثر انداز میں اپنی کہانی طایان کو سنا دی۔ طایان کی آنکھوں میں اضطراب

ل رہا تھا۔ بوڑھے اسقافہ کا خیال تھا کہ کہانی کے اختتام پر طایان کا جوش عروج پر پہنچ جائے گا۔ وہ خاموشی سے اندر جائے گا' اپنی تلوار نکال کر لائے گا اور چچا کے ساتھ قسم کھائے گا کہ جب تک وہ ان لوگوں کی زبانیں کاٹ کر پیش نہیں کر دے گا' جنہوں نے اس کی توہین کی ہے' اس وقت تک سکون کی نیند نہیں سوئے گا۔

لیکن اسقافہ کی کہانی سننے کے بعد بھی طایان کافی دیر تک خاموشی سے سوچتا رہا' اور اسقافہ اس کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کا خیال اب بھی یہی تھا کہ طایان اندر سے کھول رہا ہے اور کوئی فیصلہ کر رہا تھا' لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس نے طایان کی سرد آواز سنی اور حیران رہ گیا۔

''سو آپ کیا ارادہ رکھتے ہیں' چچا محترم!''

''میں نے اپنا مسئلہ سب سے پہلے تمہارے سامنے پیش کیا ہے۔ تم کیا فیصلہ کرتے ہو؟'' اسقافہ نے پوچھا۔

''میرا فیصلہ آپ کو قبول ہوگا۔'' طایان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''میں انہیں سزا دینا چاہتا ہوں۔''

''میری خواہش ہے کہ آپ بھیڑ کے مالک کو اس کا معاوضہ ادا کر دیں۔''

''کیا؟'' اسقافہ کے بدن میں سرد لہر دوڑ گئی۔

''ہاں چچا۔ سردار ابن راس سے اس کا تذکرہ ہی نہ کریں۔''

''طایان؟'' اسقافہ کے بدن کی سرد لہریں اچانک ہیجان میں تبدیل ہو گئیں۔

''درست عرض کر رہا ہوں۔'' طایان نے کہا۔

''اوہ...... نہیں' نہیں۔ صد حیف' حیف' مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ تقیہ کے جوان کا خون اس قدر سرد ہو گیا ہے۔ مجھے شدید رنج ہوا ہے کہ اب نوجوان بزرگوں کی توہین پر اس قدر سرد لہجہ اختیار کرنے لگے ہیں۔ اب ان کے فیصلے اس قدر بزدلانہ ہو گئے ہیں۔ مگر نہیں' نہیں یہ تقیہ کے نوجوانوں کی نمائندگی نہیں ہے۔ یہ تیرا انفرادی فیصلہ ہے۔ خون کی سردی میرے گھر سے شروع ہوئی ہے۔ آہ...... اگر تقیہ کے جوان اس انداز میں سوچنے لگے ہیں تو پھر میں کیوں نہ اہل حشیما کو ان کی برتری کی خبر سنا دوں۔'' بوڑھے کے منہ سے کف نکلنے لگے۔

لیکن طایان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

''نہیں چچا محترم یہ بات نہیں ہے۔ میرا خون بھی سرد نہیں ہے۔ بلاشبہ آپ کی امانت میری رگوں میں چنگاریاں بھرتی ہے' لیکن چچا محترم چنگاریاں صرف آگ لگاتی ہیں اور آگ تباہی پھیلاتی ہے۔ کبھی آپ نے آگ سے پھول کھلتے دیکھے ہیں۔''

''میں صرف تقیہ کا مستقبل دیکھ رہا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ رباب کے تاروں کی جھنکار نے نوجوان کے ہاتھ بوجھل کر دیئے ہیں۔ اب وہ تلوار نہیں چلاتے تالیاں بجاتے ہیں۔''

"عم محترم کا غصہ بجا' لیکن میری چند باتیں سنیں گے۔"

"ہاں...... ہاں ضرور سنیں گے پتہ تو چلے کہ تقیہ کا مستقبل کیا ہے؟ اور آئندہ ان کی حیثیت ہوگی۔"

"چچا محترم...... جنگ نے کبھی کسی مسئلے کا حل پیش کیا ہے؟ بات صرف ایک بھیڑ کی ہے میں جانتا ہوں کہ سردار ابن راس کا خون اسے برداشت نہیں کرے گا' اور لشکر کو لے کر حشیما پر دوڑے گا' اور پھر قتل و غارت گری ہوگی۔ بیشک ہمارے بہادر جوان کسی طور کم ثابت نہ ہوں گے ماریں گے اور مریں گے' لیکن یہ قتل و غارت گری صرف ایک بھیڑ کیلئے ہوگی۔ کیا اس بھیڑ کی قیمت ہمارے نوجوانوں کی زندگی سے زیادہ ہے۔"

"واہ...... قیمت کسی ایک چیز کی نہیں ہوتی۔ قیمت قبیلے کے وقار کی ہوتی ہے۔ قومیں وقار کے ساتھ زندہ رہتی ہیں۔ جہاں قیمتوں کا تعین ہوتا ہے وہاں زندگی مفقود ہو جاتی ہے۔"

"لیکن یہ بے مقصد قتل و غارت گری' وحشت خیزی' ایک بھیڑ' وقار کا مسئلہ نہیں بن سکتی۔ وقار کی بات ہے کہ ہم اہل حشیما سے اس بھیڑ کی قیمت اور ہرجانے کا مطالبہ کریں گے اور وصول کر کے رہیں گے۔"

"اوہ کون وصول کرے گا یہ جرمانہ اور کسے ادا کریں گے وہ ہرجانہ۔" اسقافہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں اس کا بیڑہ اٹھاتا ہوں۔" طایان نے سینہ ٹھوک کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ہاں...... میں وصول کروں گا تاوان ان لوگوں سے۔ میں تاوان وصول کرنے جاؤں گا اور میں کوشش کروں گا کہ یہ معمولی واقعہ خونریزی کا باعث نہ بننے پائے۔"

"اوہ...... بس...... بس۔ اب مجھے اپنی نگاہ میں اتنا بے وقعت قرار نہ دینے کی کوشش کرو۔ انہوں نے میری توہین کی ہے۔ میں خود ہی ان سے بدلہ لینے کی کوشش کروں گا۔" بوڑھے اسقافہ نے غصے سے تلملاتے ہوئے کہا اور پھر وہ شدید غصے کے عالم میں باہر نکل گیا۔ طایان کی پیشانی پر غور و خوض کے بل پڑ گئے۔

ابن راس خود بھی آتشی ذہن کا مالک تھا۔ اس نے اسقافہ کی زبانی تفصیل سنی تو آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے ایک نگاہ اپنے ساتھیوں پر ڈالی اور گرجدار آواز میں بولا۔

"سنا تم نے حشیما کے کچھ نوجوان پھر اپنی زندگی سے اکتا گئے ہیں۔ انہیں پھر موت نے پکارا ہے۔ ہم نے کوشش کی تھی کہ ہماری طرف سے ایسی کوئی کوشش نہ ہو لیکن لگتا ہے کہ ان کی موت انہیں پکار رہی ہے۔"

"بے شک سردار! اسقافہ چرواہا ہے لیکن وہ ہمارے قبیلے کا بزرگ ہے۔ اس کی توہین ہمارے قبیلے کی توہین ہے اور قبیلے کے جوان اس کی توہین کا بھرپور بدلہ لیں گے۔"

اسقافہ کی گردن شرم سے جھک گئی۔ یہ غیر خون تھا' اور ایک اپنا خون تھا' جو اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ اسقافہ کو شدید رنج تھا' لیکن طایان کی اچانک آمد پر وہ پریشان ہو گیا۔ طایان ان لوگوں میں اچانک نمودار ہو گیا تھا۔ اس وقت اس کے ہاتھوں میں اس کا رباب نہیں تھا۔ نجانے یہ سر پھرا نوجوان یہاں کیوں آ گیا ہے۔ اگر اس نے سردار کے سامنے کوئی ایسی ویسی بات کہہ دی تو سردار کے عتاب کا شکار بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے بے چین نگاہوں سے طایان کو دیکھا لیکن اسے روکنے کی جرأت نہیں کر سکا اور طایان سردار کے سامنے پہنچ گیا۔

"معزز سردار سے میں کچھ کہنے کی اجازت طلب کرتا ہوں۔" اس نے بے خوفی سے کہا' اور نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ اسقافہ بے چینی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا لیکن سردار کے سامنے اس طرح سے بول پڑنا بے ادبی تھی۔ اس لئے وہ اس انداز میں بیٹھ بھی گیا۔

"کیا بات ہے کاشان کے بیٹے کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟" سردار نے کہا۔ محبت کرنے اور نغمے بکھیرنے والے اس نوجوان کو وہ ناپسند نہیں کرتا تھا۔

"میں اس جنگ کا مخالف ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اتنی سی بات پر خونریزی ہو۔" طایان نے کہا اور اسقافہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ سردار کے سامنے اس بے باکی سے اپنے خیالات کا اظہار کر دینا بے ادبی تھی۔ یہ جانے بغیر کہ سردار اس بارے میں کیا خیال رکھتا ہے۔

سردار کے چہرے کا تغیر نمایاں تھا۔ چند ساعت وہ خاموشی سے طایان کی شکل دیکھتا رہا' پھر نرم لہجے میں بولا۔

"تو کیا تمہارا خیال میں ہمیں خاموشی اختیار کر لینی چاہیے؟"

"نہیں لیکن جنگ کے بغیر کام نکل جائے تو کیا حرج ہے۔"

"وہ کس طرح؟" سردار نے پوچھا۔

"ان سے تاوان طلب کیا جائے۔ ہرجانہ لے کر ان لوگوں کو سزا دینے کا مطالبہ کیا جائے جنہوں نے عم محترم کی توہین کی ہے۔" طایان نے جواب دیا۔

"واہ...... تمہارے خیال میں حشیما والے اتنے نیک کب سے ہو گئے!" سردار نے زہرخند لہجے میں پوچھا۔

"میری گزارش ہے کہ کوشش کر لی جائے۔"

"میں طایان کی تائید کرتا ہوں' سردار۔" ایک اور بزرگ نے کہا۔ "بلاشبہ ہم حشیما سے کسی طور کمزور نہیں ہیں اور اسے سزا دینے کی پوری قوت رکھتے ہیں لیکن اگر خونریزی نہ ہو تو بہتر ہے۔ ہاں اگر وہ تاوان نہ دیں تو پھر......"

"خوب' بات غلط نہیں ہے۔" سردار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن تاوان کی وصولیابی کیلئے

کون جائے گا؟''

''میں اس کیلئے خود کو پیش کرتا ہوں' سردار۔'' طایان نے کہا۔

''مناسب...... میں تمہاری گستاخی کی سزا اس شکل میں تمہیں دینے کیلئے تیار ہوں۔ جاؤ تاوان وصول کرو اور مجھے بتاؤ کہ انہوں نے ان لوگوں کی سزا کا کیا بندوبست کیا' جنہوں نے اسقافہ کی توہین کی۔ ان میں سے کسی قاصد کو لاؤ جو اسقافہ سے معافی کا طلبگار ہو۔ پورے حشیما کو اسقافہ سے معافی مانگنی ہوگی۔'' سردار نے کہا۔

''میں اس دیوانے کی طرف سے معافی کا طالب ہوں سردار۔ یہ تو عقل و خرد سے بالاتر ہے۔ حشیما والے ایسی کسی بات کو نہیں مانیں گے اور مفت میں اس کی جان جائے گی۔'' اسقافہ نے تڑپ کر کہا۔

''نہیں اسقافہ اسے کوشش کرنے دو' اور جنگ کی تیاری شروع کر دی جائے۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ حشیما کے مغرور اس بات پر راضی ہو جائیں گے اور جنگ تو کرنا ہی ہوگی۔'' سردار نے طایان کے چہرے کی جانب دیکھا لیکن طایان پرسکون تھا۔ جیسے اسے یہ بات دل سے قبول ہو۔

سردار نے اسے مہلت دے دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ سات دن کے اندر اندر حشیما والوں کی جانب سے تاوان وصول ہو جانا چاہیے اور طایان نے سر جھکا لیا تھا۔

❀❀❀

نہر دوجانہ ایک دور دراز علاقے سے دو شاخوں میں بٹ جاتی ہے۔ ان میں سے ایک شاخ قدرتی طور پر حشیما کی طرف چلی جاتی ہے اور بستی کے کنارے سے گزرتی ہے اور دوسری طرف سے شاخ سیدھی چلی جاتی تھی۔ یہ دوشاخہ دونوں قبائل کی آبادیوں سے کافی دور ہے اس لئے یہاں کوئی نہیں آتا جاتا تھا۔ حالانکہ جائے وقوعہ کے لحاظ سے یہ جگہ کافی خوبصورت ہے۔ نہر کے کنارے سے بڑی بڑی چٹانیں دور دراز علاقے میں بکھری ہوئی ہیں اور ان میں چند چٹانیں بہت خوبصورت تھیں' لیکن ان تک پہنچنے کیلئے کافی فاصلے طے کرنے ہوتے تھے' اور لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ لوگ یہاں آتے ہوں گے۔

لیکن اس وقت بھی ایک چوڑی سائے دار چٹان کے نزدیک سیاہ رنگ کا ایک گھوڑا ناک سے کھر کھر کی آوازیں نکال رہا تھا۔ اس کے اوپر زین کسی ہوئی تھی۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی اس گھوڑے پر سوار ہو کر آیا ہے۔ آسمان پر پورا چاند نکلا ہوا تھا اور چاند نے زمین کی ایک ایک چیز واضح کر دی تھی۔

پھر ایک نیلی پگڈنڈی پر دو گھوڑے برابر برابر دوڑتے نظر آئے اور نہر کے کنارے کی ایک چٹان پر زندگی دوڑنے لگی۔ یہ نوجوان طایان تھا' جو چٹان پر اداس بیٹھا پگڈنڈی پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ وہ ان گھوڑوں کو دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہوں میں شوق اور مسرت کے آثار پیدا ہوئے تھے' پھر وہ تیزی سے چٹان سے نیچے کود پڑا۔

حشیما کی جانب سے آنے والے دونوں گھوڑے برق رفتاری سے اس جانب آ رہے تھے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ نزدیک آ گئے۔ تب ایک گھوڑے کی رفتار سست ہو گئی اور وہ پیچھے ہی رک گیا۔ دوسرا گھوڑا آہستہ آہستہ پہلے سے کھڑے ہوئے گھوڑے کے نزدیک پہنچ گیا۔

طایان نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگیں تھام لیں اور پھر اس نے سہارا دے کر سوار کو نیچے اتار لیا۔ ہر چند کہ سوار سواری کا لباس پہنے ہوئے تھا لیکن اس کے جسم میں ہزار بل پڑ رہے تھے' اور پھر چاندنی نے اس کا سراپا نمایاں کر دیا۔ چاند کو شرما دینے والا چہرہ' گہری بڑی بڑی آنکھیں' جوانی کے غار سے جھکی پلکیں' سروقد' نازک نقوش۔ ایک نگاہ میں دل چھین لینے والا خمار' اس کے ہونٹوں سے ایک دلآویز مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی۔

"مجھے دیر تو نہیں ہوگئی طایان۔" اس نے شیریں آواز میں پوچھا۔

"نہیں...... رباب۔" طایان نے ایک سرد آہ بھر کر کہا اور نازک اندام حسینہ چونک پڑی اور بولی۔

"کیا بات ہے طایان تم پریشان اور افسردہ ہو۔" اس نے کہا۔

"ہاں...... رباب!" طایان نے اسی انداز میں کہا۔

"لیکن کیوں؟" رباب نے اس سے زیادہ پریشانی سے پوچھا۔

"آؤ بیٹھ کر باتیں کریں۔" طایان نے کہا اور پیار سے رباب کا ہاتھ پکڑا اور اس چٹان کی طرف بڑھ گیا جو نہر کے بالکل کنارے پر تھی اور جہاں چاروں جانب سبزہ پھیلا ہوا تھا۔

"جلدی چلو طایان میرا دل الٹنے لگا ہے۔" رباب نے چٹان پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس کی کشادہ پیشانی پر تفکر کی شکنیں پڑ گئی تھیں۔ طایان بھی اس کے نزدیک بیٹھ گیا تھا۔

"یوں لگتا ہے رباب جیسے اچھے دن رخصت ہو رہے ہیں۔"

"آخر کیوں' میرے طایان' مجھے کچھ تو بتاؤ۔ ارے آج تمہارا رباب بھی تمہارے پاس نہیں ہے۔" رباب نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں میرے کانوں میں تلوار کی جھنکار گونج رہی ہے۔ اس خوفناک آواز میں رباب کے تار نغمہ نہ چھیڑ سکتے' اس لئے میں اسے ساتھ نہیں لایا۔" طایان نے جواب دیا' اور رباب گہری گہری سانسیں لے کر اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے نہ بتاؤ گے طایان۔"

"بتا رہا ہوں رباب۔ حشیما والوں نے پھر ایک حرکت کی ہے جو جنگ کا موجب بننے والی ہے۔"

"اوہ کیا ہوا؟" رباب نے پوچھا اور طایان نے افسردہ لہجے میں پوری کہانی سنا دی۔ رباب کی آنکھیں فکرمند نظر آنے لگیں۔ طایان کے خاموش ہونے پر وہ بولی۔ "تو کیا جنگ ہو جائے گی۔"

"میں نے اسے روکا ہے' رباب۔" طایان نے کہا۔

"کس طرح؟" اس نے کہا۔ "میں نے کہا کہ میں حشیما والوں سے تاوان وصول کروں گا۔"

"اوہ......" رباب نے گردن جھکا لی اور گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"کیا تم اس بارے میں میری مدد کرو گی' رباب۔" طایان نے پوچھا۔

"میں یہ ہی سوچ رہی ہوں طایان آزمائش کا وقت اچانک آ گیا ہے۔ ہم اس کیلئے پہلے سے تیار نہ تھے' لیکن تم فکر مت کرو۔ میرے جسم و جاں کے مالک تم میرے شوہر ہو اور ایک بیوی کی حیثیت سے تمہاری پریشانیوں میں شرکت میرا فرض ہے۔ ہم نے اب تک اپنی شادی کا یہ راز چھپایا ہے لیکن اگر ضرورت پڑی تو میں اسے افشاں کر دوں گی۔"

"رباب...... یہ انکشاف تمہارے لئے پریشانی کا باعث بن جائے گا۔"

"میں نے ساری آسمانی قوتوں کو گواہ کر کے تمہیں اپنا ساتھی بنایا ہے۔ کوئی بھی پریشانی ہو میں اسے ہنس کھیل کر برداشت کر لوں گی۔"

"نہیں رباب میرا خیال ہے کہ تم ابھی اس راز کا انکشاف نہ کرو۔ حالات ویسے بھی ٹھیک نہیں ہیں۔ میں تمہاری کسی مصیبت میں تمہارا ساتھ بھی نہیں دے سکوں گا۔"

"لیکن کب تک طایان' اگر میں تمہاری مشکل میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی تو میرا ضمیر بھی مجھے چین لینے نہیں دے گا' اور ایک نہ ایک دن تو یہ راز افشا کرنا ہوگا!" رباب نے کہا۔

"نہیں...... رباب اس راز کے انکشاف کیلئے یہ وقت مناسب نہیں ہے بلکہ میرا خیال ہے یہ انکشاف تو جلتی پر تیل کا کام کرے گا۔ ایک تو ہمارے قبیلے ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور پھر میں ایک غریب چرواہے کا بیٹا ہوں جبکہ تم حشیما کے سردار کی بیٹی ہو...... اس کی آنکھوں کا تارا ہو۔ سردار بولایا کبھی یہ بات پسند نہیں کرے گا۔"

"پھر تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟"

"کل تمہیں ایک کام کرنا ہوگا' رباب۔"

"ہاں...... مجھے بتاؤ...... میں دل و جان سے تیار ہوں۔" رباب نے جواب دیا۔

"کسی ترکیب سے تم سردار بولایا سے اس بارے میں گفتگو کرو' اور اس کا عندیہ لو۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ کوئی ایسی ترکیب کرو کہ سردار بولایا کو تمہاری بات ماننی پڑے۔" طایان نے کہا۔

"مثلاً؟" رباب نے پوچھا۔

"کیا سردار بولایا خوابوں پر اعتماد رکھتا ہے۔"

"ہاں...... وہ اکثر خوابوں کا تذکرہ بڑے مؤثر انداز میں کرتا ہے۔"

"بس تو پھر کام بن گیا۔" طایان نے خوش ہو کر کہا اور پھر وہ رباب کو اس سلسلے میں ترکیب بتانے لگا۔ رباب بڑے غور سے سن رہی تھی' پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"دعا کرو میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"ہماری محبت کی صداقت کی پرکھ یہی ہوگی' رباب' اور اگر تم اور میں اس میں ناکام رہے تو' تو نہ جانے کیا ہوگا۔" طایان نے کہا اور رباب اس کے سینے سے چمٹ گئی۔ دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے اور ایک دوسرے کی دل کی دھڑکنیں سنتے رہے پھر رباب بولی اور کہا۔

"آج کی رات کیسی ہے' طایان؟"

"ہاں...... رباب آج رباب کے تار خاموش ہیں۔ دیکھو پانی کی لہریں کس صورت سے ہماری طرف دیکھ رہی ہیں۔ جب رباب کے تاروں پر لافانی نغمے رقص کرتے ہیں تو ان کی لہروں کو زندگی مل جاتی ہے۔ کیسی دھیمی دھیمی سرگوشیاں کرتی ہیں یہ جیسے رباب کے نغموں سے ہم آہنگ کوئی

گیت الاپ رہی ہوں۔"

"کہیں ہماری محبت پر سیاہ طوفان تو نہیں منڈلا رہے طایان۔"

"دل ہلا دینے والی باتیں مت کرو' ربابہ۔"

"طایان ایک بات کہوں؟" ربابہ نے کہا۔

"ہاں...... کہو۔"

"تم نے جو کچھ بتایا ہے' وہ میرے لئے صدمہ جانکاہ سے کم نہیں ہے۔"

"اتنا پریشان نہ ہو ربابہ۔"

"بات ایسی ہی ہے' طایان۔"

"کیا بات ہے؟" طایان نے پوچھا۔

"اچھا آج نہیں کل بتاؤں گی۔" ربابہ کے چہرے پر شرم کے تاثرات ابھر آئے۔

"ایسی کیا بات ہے' ربابہ جسے بتانے میں تم اس قدر تامل کر رہی ہو۔"

"بس طایان وہ بات خوشیوں سے مرصع ہے' لیکن چند وسوسے بھی ذہن میں لاتی ہے' ا پھر آج کی رات ہم بہت سارے مسائل سے دوچار ہونا نہیں چاہتے۔ اس لئے میری مانو تو آ رات رہنے دو۔"

"جیسی تمہاری مرضی...... آؤ...... ربابہ...... چاندنی ہماری منتظر ہے۔" طایان نے کہا۔ ا ربابہ شرمائی ہوئی سی اپنی جگہ سے اٹھ گئی' پھر انہوں نے نرم ریت کو اپنا بستر بنایا اور چاندنی شرما گئی۔ چاند بادلوں کی سیاہ چادر سے چھپ چھپ کر جھانکنے لگا۔ اس کی نگاہوں میں ایک لذت آ شرم تھی اور رات دبے قدموں گزرتی رہی۔

ابولایا' ایک آنکھ سے کانا تھا۔ اس کی اکلوتی آنکھ ہزار آنکھوں کی قوت رکھتی تھی۔ اس آنک میں نجانے کون کون سے جہانوں کی روشنی سما گئی تھی۔ وہ بیحد چالاک انسان تھا اور اپنے دشمنوں کو دو ہی سے پہچان لیتا تھا۔ ویسے وہ بیحد زیرک اور بہت ہی جنگجو تھا۔ سپہ گری کے تمام قانون سے واقف تھا اور آج تک ان کی مشق کرتا رہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ چاروں طرف افراتفری پھیلی ہ تھی۔ قبائل ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوتے رہتے تھے اور ہر وقت چست و چالاک رہنا پڑتا تھا۔

اس حشیما کا سب سے بڑا حریف تقیہ تھا۔ ابولایا جانتا تھا کہ تقیہ کی دشمنی اس کیلئے سب خطرناک تھی۔ اول تو وہ بالکل سر پر آباد تھا' دوسرے تقیہ کے لوگ بیحد بہادر تھے اور فنون سپہ گری علاوہ وہ چالاک بھی تھے۔ سردار ابن راس ایک نڈر شیر ہی نہیں ایک چالاک لومڑی بھی تھا' اور اس جواب کیلئے ابولایا جیسے ہی انسان کی ضرورت تھی۔

تقیہ اور حشیما کی دشمنی قدیم تھی۔ اتنی قدیم کہ جب حشیما نے اپنے قیام کیلئے ایک جگ انتخاب کیا تو نہر دوجانہ کے دوسری جانب فوراً تقیہ والوں نے اپنی قیامگاہ بنالی کہ دشمن نگاہوں

اوجھل نہ ہو سکے۔ آج تک بیشمار جنگیں ہوئی تھیں' جن میں بعض جنگیں بہت بڑی بھی تھیں' لیکن دونوں میں سے کسی کو ایک دوسرے پر فوقیت نہیں حاصل ہو سکی تھی' اور یہ بات دونوں ہی جانتے تھے کہ فوقیت حاصل کرنا بیحد مشکل کام ہے' چاہے کتنے ہی عرصے لڑتے رہیں۔

ابولایا' ہمیشہ تقیہ والوں کی جانب سے ہوشیار رہتا تھا اور اس مقصد کیلئے سرحد پر ہمیشہ اس کے جاسوس متحرک رہتے تھے اور دوسری جانب کی خبر رکھتے تھے۔ شاید وہ جاسوسوں ہی کی کوئی ٹولی تھی جس نے اسقافہ کی بھیڑ ہتھیا لی تھی۔ حالانکہ دونوں طرف ایک معاہدہ ضرور تھا۔ وہ یہ کہ جنگ کی ابتدا کرنی ہو تو وہ دوسری بات ہے ورنہ عام حالات میں ایک دوسرے قبائل کی سرحدی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے اور اتفاق سے اس پر عمل بھی ہو رہا تھا اور کافی عرصے سے کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی۔

لیکن آج ابولایا جس وقت ضروریات سے فارغ ہوا تو ربابہ اس کے پاس پہنچ گئی۔ ربابہ ابولایا کی اکلوتی آنکھ کا نور تھی۔ وہ اسے بیحد چاہتا تھا۔ اس کے بیٹے کئی تھے' لیکن بیٹی ایک ہی تھی۔ اس لئے وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ ربابہ کو دیکھ کر اس کی آنکھ کی چمک اور بڑھ جاتی تھی۔

اس وقت بھی وہ ربابہ کو دیکھ کر خوش ہو گیا اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ ربابہ پیار بھرے انداز میں اس کی آغوش میں سما گئی تھی۔

"کیسی ہو نور نظر' دن کی روشنی میں تمہیں دیکھ لیتا ہوں تو پورا دن خوشگوار گزرتا ہے۔"

"شکریہ بابا!" ربابہ نے اداس آواز میں کہا' اور ربابہ کی آواز کی تبدیلی ابولایا نے نمایاں طور پر محسوس کی۔ اس نے ربابہ کو اپنے سینے سے الگ کیا اور غور سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے۔ نور نظر' تمہارے چہرے پر تفکر کی پرچھائیاں نظر آ رہی ہیں۔ میری زندگی میں کوئی تردد تمہیں چھو کر گزر جائے' یہ کیسے ممکن ہے۔ مجھے بتاؤ۔ میرا دل پریشان ہے۔" ابولایا نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

"رات کے آخری پہر جاگ گئی تھی بابا جان! اس کے بعد نیند نہیں آئی۔" ربابہ نے جواب دیا۔

"واہ نصیب دشمناں طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"اس خواب کے بعد طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔"

"خواب...... خواب' کیسا خواب۔"

"ایک عجیب وغریب خواب دیکھا تھا' بابا جان! اور بدنصیبی یہ ہے کہ میں نے زندگی میں چند ہی خواب دیکھے ہیں اور ان میں سے ایک بھی غلط ثابت نہیں ہوا......"

"اور ایسے خواب زندگی سے بہت قریب ہوتے ہیں۔ آسمانی قوتیں' ان خوابوں کے ذمہ دار مستقبل کی پیش گوئیاں کرتی ہیں۔ میں خود ان خوابوں کے عمل پر یقین رکھتا ہوں اور ان پر مکمل بھروسہ کرتا ہوں۔"

''لیکن بابا...... خواب کا خراج بھی تو ادا کیا جاتا ہے۔''

''ہاں...... حسب استطاعت' لیکن تم مجھے اپنا خواب سناؤ۔ یہ جان کر میں بہت بے چین ہو گیا ہوں کہ تمہارے خواب زندہ ہوتے ہیں۔ آؤ میرے کمرے میں چل کر بیٹھو۔ میں دوسروں کو نہ آنے کے احکامات صادر کیے دیتا ہوں۔''

''جو حکم بابا جان!'' ربابہ نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ تب ربابہ نے کہا۔ ''ایک بات بتائیے بابا جان! کیا تقیہ قبائل نے کوئی ایسی حرکت کی ہے جس سے فضا خراب ہو گئی ہو۔''

''واہ...... میرے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں آئی۔''

''اگر آپ کے علم میں کوئی بات ہے تو...... تقیہ والوں کو اس کی سزا بھگتنا ہو گی۔'' سردار نے کہا۔

''اور اگر ہماری طرف سے ہو۔''

''ہم معاہدے کی پابندی کر رہے ہیں۔'' سردار نے نفرت سے کہا۔

''تب بابا جان! میرا خیال ہے معاہدے کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور وہ ہماری طرف سے۔ اگر آپ میرے خوابوں پر یقین کرتے ہیں تو بھروسہ کر لیں کہ کوئی خلاف ورزی ہماری طرف سے ہوئی ہے۔''

''تم اپنا خواب تو سناؤ۔''

''میں نے خواب میں ایک بوڑھے چرواہے کو دیکھا جو بھیڑیں چرا رہا تھا' پھر میں نے دیکھا کہ ہمارے قبیلے کے کچھ افراد اسے پیٹ رہے ہیں اور اس کے چہرے سے خون ٹپک رہا ہے اور اس کی سفید داڑھی خون سے تر ہے' اور پھر اس کے بعد میں نے دیکھا ایک وسیع و عریض میدان میں لاشوں کے انبار پڑے ہوئے ہیں اور چاروں طرف سے رونے کی آوازیں آ رہی ہیں اور بابا میں ان لاشوں کے قریب ایک چٹان پر بیٹھی ہوئی ہوں۔ تب مجھے اس بوڑھے چرواہے کی عبا نظر آئی اور اس کے ساتھ ہی ایک آواز بھی سنائی دی' اور وہ آواز یہ تھی۔ ظلم انہوں نے کیا ہے انہیں تاوان دینا ہو گا۔ زندگی کا یا اس نقصان کا' جو انہوں نے کیا ہے۔ تب میری آنکھ کھل گئی۔'' ربابہ خاموش ہو گئی۔

اور سردار ابولایا کی اکلوتی آنکھ فکر و غم میں ڈوب گئی' اور کافی دیر تک وہ بیٹی کے سامنے غور میں غلطاں رہا' پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔

''واقعی بڑا انوکھا' بڑا معنی خیز خواب تھا۔''

''میرا دل سخت پریشان ہے' بابا جان!'' ربابہ نے ایک سسکی سی لے کر کہا۔

''جان جگر تم پریشان مت ہو۔ حشیما کے جوانوں نے چوڑیاں نہیں پہن رکھیں۔ اگر

والوں نے کوئی شرارت کی تو انہیں منہ توڑ جواب دیا جائے گا' تو کیوں فکرمند ہے۔''

''اور اگر کوئی حرکت ہماری طرف سے ہوئی ہو تو؟''

''میں ابھی معلوم کر لیتا ہوں اور اس کے بعد فیصلہ کیا جائے گا کہ کیا ہونا ہے۔ ویسے خواب کی باتوں کے بارے میں جان لینا بعض اوقات مشکل بھی ہوتا ہے۔ یعنی وہ نہیں ہوتا' جو دیکھا جاتا ہے بلکہ اس میں چند اشارے پوشیدہ ہوتے ہیں۔''

''بابا جان! ایک وعدہ کریں گے مجھ سے!''

''کیا جانِ بابا......؟'' ابولایا نے پیار سے پوچھا۔

''اب ان دونوں قبیلوں میں جنگ نہیں ہو گی۔ جنگ اچھی چیز نہیں ہوتی۔ بابا مجھے جنگ سے بہت وحشت ہوتی ہے۔''

''بیشک جنگ اچھی نہیں ہوتی بیٹی' لیکن قبیلوں کی زندگی کیلئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے رہیں۔ اگر تم نے امن پسندی کا ثبوت دیا تو لوگ تمہیں کمزور سمجھ لیں گے اور ہڑپ کرنے کی فکر میں لگ جائیں گے۔''

''بس بابا میں چاہتی ہوں کہ جنگ نہ ہو۔'' ربابہ نے پریشان لہجے میں کہا۔

''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں جا رہا ہوں اور سرداروں کی خبریں لیتا ہوں۔'' ابولایا نے کہا' اور پھر جب دوپہر کو وہ واپس آیا تو اس کی ایک آنکھ میں شدید حیرت تھی۔ اس نے فوراً ہی ربابہ کو طلب کر لیا۔

''تیری ایک حیرت انگیز قوت سے روشناس ہوا ہوں ربابہ۔ آئندہ اگر کوئی خواب دیکھے تو مجھے اس سے ضرور آگاہ کیا کر۔''

''کیا ہوا بابا جان!'' ربابہ نے پوچھا۔

''تیرا خواب ایک حقیقت ثابت ہوا۔ سرحدوں کی نگرانی کرنے والوں نے اعتراف کر لیا ہے کہ انہوں نے ایک بوڑھے چرواہے کی بھیڑ ذبح کر لی تھی اور ان کا کہنا ہے کہ وہ بھیڑ ہمارے علاقے میں آ گئی تھی۔''

''واہ بابا اور ان لوگوں نے بوڑھے چرواہے کو ذلیل بھی کیا تھا۔''

''ممکن ہے۔''

''کیا یہ زیادتی نہیں ہے۔ اگر تقیہ والوں نے اس پر احتجاج کیا تو؟''

''ایک بھیڑ انہیں دے دی جائے گی۔''

''بابا میں چاہتی ہوں کہ ان سے باقاعدہ معذرت کی جائے۔ ان کی اس دل شکنی کا اعتراف کیا جائے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے' ربابہ۔'' یک چشم سردار نے برافروختہ ہو کر کہا۔

’’یہ ہونا چاہیے ورنہ میرے خواب کا دوسرا حصہ بھی تمہیں یاد ہوگا۔‘‘

’’اوہ...... ربابہ...... یہ فیصلہ میں تنہا نہیں کر سکوں گا۔ ہم انتظار کریں گے‘ دیکھیں گے۔‘‘

’’وعدہ کریں بابا آپ صورتحال کو زیادہ خراب نہیں ہونے دیں گے۔‘‘

’’ربابہ مجھے سخت حیرت ہے۔ تو اتنی بزدل کیوں ہوگئی۔ تیری رگوں میں میرا خون ہے حالات جو کچھ بھی ہوں‘ ہم ان سے نمٹنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔‘‘ سردار نے کہا اور پھر کسی ضروری کام سے باہر چلا گیا۔

ربابہ پھر فکر و تردد میں ڈوب گئی۔ اس کا دل خوف سے دھڑک رہا تھا اور اس بات کا خدشہ اسے ابتدا سے ہی تھا‘ لیکن سینے کے اندر چھپا ہوا گوشت کا ایک لوتھڑا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ وہ اپنی کائنات کا شہنشاہ ہوتا ہے۔ وہ کسی دوسرے کی حکمرانی قبول نہیں کرتا۔ ربابہ نے پہلے بھی اس بارے میں سوچا تھا اور بہت سوچا تھا۔ ہاں ایک سردیوں بھری شام تھی‘ جب سردار سے اجازت لے کر شکار پر نکل گئی تھی۔ سردار نے اسے تاکید کر دی تھی کہ جو کچھ بھی ہو لیکن شہر کی دوسری طرف تقیہ علاقے میں نہ جائے کہ وہاں زندگی کی ضمانت نہیں ہے۔

لیکن نوجوان ربابہ...... ایک خوبصورت نیل گائے کے پیچھے لگ گئی تھی اور نہ جانے کہاں آ نکلی۔ اسے تو بعد میں احساس ہوا کہ وہ تقیہ قبائل کے علاقے میں کافی اندر آ گئی ہے۔ بادلوں کے پرے کے پرے آسمان پر جمع ہو گئے تھے۔ ہواؤں میں نمی تیر رہی تھی اور روشنی کی چادر سمٹتی جا رہی تھی۔ اس نے بدحواس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ اسے تو راستے کا اندازہ بھی نہیں رہا تھا۔

اور پھر بارش شروع ہوگئی۔ جس کی وجہ سے ربابہ کا گھوڑا بھی پریشان ہونے لگا۔ تب ایک بوسیدہ سی عمارت میں اس نے پناہ لی۔ یہ عمارت کوئی عبادتگاہ تھی۔ وہ خاموشی سے بارش رکنے کا انتظار کر رہی تھی کہ اچانک عمارت کے بیرونی صحن سے رباب کی درد بھری آواز سنائی دی اور بارش کی جھم جھم کے اندر اس درد بھری آواز نے اس پر سحر طاری کر دیا۔ وہ سب کچھ بھول گئی۔ اس نے اس حسین موسیقار کو دیکھا جو آدھی صبح کی مانند حسین تھا اور بارش میں بھیگ رہا تھا۔

قرب و جوار میں کوئی نہیں تھا۔ گویا وہ خود اپنے دلکش نغموں میں کھویا ہوا تھا۔ ربابہ اس وقت تک مسحور رہی جب تک نغمہ جاری رہا‘ اور نغمے کے خاتمے کے ساتھ وہ بھی ہوش میں آ گئی۔ تب دونوں کو احساس ہوا کہ وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں‘ اور دونوں کی پرشوق نگاہیں ایک دوسرے کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔

’’کون ہو تم؟‘‘

’’ربابہ!‘‘

’’اوہ...... میرا بھی یہی خیال تھا۔ مجھے یقین تھا کہ تاروں سے نکلنے والے نغمے ایک دن روپ دھار لیں گے‘ اور میں اس معجزے کا منتظر تھا۔ تم ربابہ ہو نا......!‘‘

’’ہاں......‘‘

’’تو چلو...... میرے ساتھ تاکہ میں لوگوں کو بتا سکوں کہ دیکھو یہ میرا فن ہے۔‘‘

’’کہاں چلوں؟‘‘ ربابہ نے بوکھلا کر کہا۔

’’میری بستی میں۔‘‘

’’کون سا قبیلہ ہے تمہارا؟‘‘

’’تقیہ۔‘‘ اس نے جواب دیا۔

’’اوہ...... تو میں تقیہ کی حدود میں ہوں۔‘‘

’’ہاں...... لیکن تم پریشان کیوں ہو؟‘‘

’’اس لئے کہ میرا تعلق حشیما قبیلے سے ہے۔‘‘

’’کیا مطلب...... کیا تمہاری تخلیق میرے رباب کے تاروں نے نہیں کی......؟‘‘ اس نے کھوئے ہوئے لہجے میں پوچھا اور ربابہ کو اس کی یہ ادا اتنی خوبصورت لگی کہ اس نے حسرت کی کہ کاش وہ اس ساز کی تخلیق ہوتی۔

’’نہیں موسیقار‘ میں انسان ہوں‘ گوشت کی مخلوق!‘‘ ربابہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

’’اوہ......‘‘ وہ جیسے ہوش میں آ گیا اور پھر وہ عجیب سی نگاہوں سے ربابہ کو گھورنے لگا۔

’’کیا تمہارے ذہن میں دشمنی کا جذبہ ابھر رہا ہے؟‘‘ ربابہ نے پوچھا۔ ’’اگر ایسا ہے تو میری گردن حاضر ہے۔ جو ہاتھ ایسے حسین نغمے تخلیق کرتے ہیں ان سے آنے والی موت بھی بیحد دلکش ہو گی۔‘‘

’’نہیں ربابہ یہ موسیقار کے ہاتھ ہیں کسی جلاد کے نہیں۔ دیکھ تجھے ان سے خون کی بو آتی ہے۔‘‘ ربابہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

’’نہیں میری نگاہ میں تو یہ گل کدے ہیں جو محبت کی کلیاں تخلیق کرتے ہیں۔‘‘ ربابہ نے بے اختیار ہو کر ان دونوں پھیلے ہوئے ہاتھوں کو ہاتھوں میں لے لیا اور صدیوں کے فاصلے پل بھر میں طے ہو گئے۔ ہوش آیا تو دونوں ایک دوسرے کے سینے میں پیوست تھے۔

’’تمہارا نام کیا ہے؟‘‘

’’طایان۔‘‘

’’قبیلے میں تمہارا کیا مقام ہے۔‘‘

’’کچھ نہیں ایک چرواہے کا بیٹا ہوں۔‘‘

’’لیکن تم فن کی دولت سے مالا مال ہو۔‘‘

’’ہاں اس دولت سے جو کسی کی نگاہ میں نہیں آتی۔‘‘

’’یہ نہ کہو‘ میں تمہیں فن کا شہنشاہ سمجھتی ہوں۔‘‘

''تب میں شہنشاہ ہوں۔ کیونکہ فن میرا اثاثہ ہے اور حسن میرا پرستار۔''

''ہاں...... میں تمہاری پرستار ہوں۔ میں تمہیں چاہتی ہوں۔''

''لیکن ہمارے راستے دو مختلف سمتوں میں جاتے ہیں۔''

''ہم ان راستوں کو چھوڑ دیں گے اور ایک اور راستہ اپنائیں گے۔''

''وعدہ۔''

''ہاں...... پکا وعدہ۔''

اور پھر وعدوں کا نباہ ہونے لگا۔ آندھی ہو' بارش ہو' طوفان ہو' راہ میں کوئی رکاو ضرور ملتے تھے' اور پھر رات ایک دوسرے کی آغوش میں گزارتے۔ نہر کا وہی حصہ انہوں ملاقات کیلئے متعین کیا تھا۔ طایان تنہا آتا تھا' لیکن ربابہ نے ایک عزیز خادمہ کو اپنا رازدار بنا طلابیہ اس کے ساتھ آتی تھی۔

جب وہ محبت میں کھو جاتے تھے' ان کی نگرانی کرتی تھی' اور پھر یہ ملاقاتیں طو گئیں۔ تب ایک شام انہوں نے اس پرانی عبادتگاہ میں طلابیہ کی گواہی میں دیوتاؤں کے سامنے رکھ کر ایک دوسرے کی رفاقتوں کی قسمیں کھائیں اور دل سے ایک دوسرے کو شوہر تسلیم کرلیا' لیکن ربابہ نے اپنے شوہر' اپنے محبوب سے ایک اجازت لے لی تھی۔ اس نے کہا ایک مناسب وقت تک وہ اس راز کو راز رکھیں گے اور جب وقت آئے گا تو اس راز کو افشا جائے گا۔

اب ہر وقت وہ اپنے محبوب کی آغوش میں گزارتی تھی اور ابھی تک خاموشی سے اپنے چھپائے ہوئے تھی۔ دل میں بس خوف کا یہ احساس لئے کہ جب راز کھلے گا تو کیا ہوگا؟ وہ ہوئی رہتی۔

رات کو حسب معمول وہ در محبوب پر پہنچ گئی' لیکن دل میں خوشگوار تاثرات نہیں تھے۔ خوف' ایک وسوسہ دامن گیر تھا۔ اس نے طایان کو پورا واقعہ کہہ سنایا اور طایان یہ سن کر فکرمند ہو گیا۔

''یہاں کی کیا کیفیت ہے؟'' ربابہ نے پوچھا۔

''جنگ کی تیاریاں عام ہوگئی ہیں۔ استقافہ کی بات سب کے کانوں میں پہنچ گئی ہے۔ اس کے ساتھ میری کی ہوئی بات کا بھی چرچا ہے اور لوگ اسے بھی اہمیت دے رہے ہیں۔ سردار نے مجھے طلب کیا تھا اور کل میں تمہارے قبیلے میں ایک قاصد کی حیثیت سے آؤں گا۔''

''اوہ...... اوہ...... میں کیسی بدنصیب ہوں۔ میں اپنی زمین پر اپنے محبوب کا شایان استقبال بھی نہیں کرسکتی' لیکن میری روح تم کیا گفتگو کرو گے۔ کیا تم تنہا ہو گے یا تمہارے ساتھ اور بھی ہوگا۔''

''میرے ساتھ ابونخان بھی ہوگا تا کہ وہ گفتگو کی نگرانی کرے۔''

''اور اگر...... اگر وہ نہ ہوا جو تم چاہتے ہو' تو؟'' ربابہ نے پوچھا۔

''تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا ربابہ کہ کیا ہو...... ہاں قبیلے لڑیں گے تو میں اس جنگ میں شریک ں ہوں گا۔''

''آہ...... کاش ایسا نہ ہو۔''

''ہاں...... کاش ایسا نہ ہو۔''

''ایک بات کہوں طایان۔''

''کہو ربابہ۔''

''اگر حشیما میں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی ہو تو اسے ربابہ کا قبیلہ نہ سمجھنا اور اپنی زندگی ے میں نہ ڈالنا۔ کیونکہ جب تک ربابہ کی جان میں جان ہے وہ تمہیں قید نہ رہنے دے گی۔ وعدہ یرے محبوب اگر ایسا ہوا تو میرا انتظار کرو گے۔'' اور طایان نے وعدہ کرلیا۔ اس میں ربابہ کا کوئی رنہ تھا۔ ظاہر ہے حالات ہی ایسے تھے۔

اور ربابہ ایک غیر مطمئن دل لے کر واپس چلی گئی۔

سردار ابولایا نے شیر کے سر پر پاؤں رکھ کر دونوں قاصدوں کی طرف دیکھا جو تقیہ سے آئے اور اس کے دل میں فطری نفرت کا لاوا پکنے لگا۔ وہ نفرت کے جوش میں بہت کچھ بھول گیا۔ اس اپنی تنہا آنکھ سے ان دونوں کا جائزہ لیا۔ ان میں سے ایک قاصد نوجوان اور معصوم شکل تھا اور ایک خرانٹ شکل بوڑھا۔

''کہو تقیہ کے مفسدو...... کیا پیغام لائے ہو......'' اس نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

''ہم سرحد کے بارے میں ہونے والے معاہدے کا احترام کرتے ہوئے ایک شکایت لے ئے ہیں سردار......'' نوجوان نے حلیمی سے کہا۔

''واہ...... گویا...... بالآخر تقیہ والوں نے حشیما والوں کی برتری کا اعتراف کر ہی لیا۔ مجھے یہ رخوشی ہوئی۔'' یک چشم سردار نے بدستور مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

''دو مضبوط انسان اگر دوستی کا جذبہ دل میں رکھتے ہوں تو یقیناً ایک دوسرے کی برتری کے اتے ہیں' لیکن جب دونوں مقابل آ جائیں تو فیصلہ مشکل ہوتا ہے۔'' نوجوان نے کہا۔

''تمہاری بات الجھی ہوئی ہے۔'' سردار کو نوجوان کی بات کا احساس ہونے لگا۔

''ایک بستی کے دو گھر ایک دوسرے سے اخوت کے جذبے سے سرشار ہوں تو زیادہ سکون ہے۔'' نوجوان نے کہا۔

''نوجوان' الجھی ہوئی گفتگو نہ کرو۔ مطلب کی بات کرو۔''

''میں حشیما کے چند ایسے لوگوں کی شکایت لے کر آیا ہوں' جنہوں نے ایک غریب چرواہے ا اغوا کر لی اور اسے اٹھا لے گئے' اور جب چرواہے نے ان سے فریاد کی تو انہوں نے اسے

ذلیل کیا۔"
"لیکن چرواہا بھیڑ کی تلاش میں حشیما کی سرحد میں داخل ہوگیا تھا۔" سردار نے کہا۔
"اس وقت جب اس نے چوروں کو دیکھ لیا تھا۔" نوجوان طایان نے جواب دیا۔
"پھر...... اب تقیہ والے کیا چاہتے ہیں۔ کیا وہ اس قدر پریشان حال ہیں کہ ایک نقصان برداشت کرنے کے اہل نہیں رہے۔" سردار کے لہجے میں حقارت آ گئی۔
"تقیہ کی سرزمین حشیما سے زیادہ سرسبز ہے' لیکن بات کسی نقصان کی نہیں سردار۔ اس نقصان کی ہے' جو حشیما والوں کا ہوا ہے۔" نوجوان نے کہا۔
"تم ہمیں اس نقصان سے آگاہ کرنے آئے ہو۔"
"ہاں......"
"خوب تمہارا شکریہ اب ہم تمہارے لئے کیا کر سکتے ہیں۔" سردار کے انداز میں تمسخر تھا اور طایان نے دلیرانہ انداز میں کہا۔
"میں چاہتا ہوں عظیم سردار...... اس اخلاقی نقصان کا ازالہ کرائے' جو اس کے آد کیا ہے۔"
"یعنی کس طرح؟"
"سردار خود اخلاق کی دولت سے مالا مال ہے لیکن اس کے باوجود مجھ ناچیز کی اد سے اتفاق کرے تو میں مشورہ دوں گا کہ ایک بھیڑ اپنے چند لوگوں کے ہاتھوں اہل تقیہ کو بھجوا اس کے ساتھ ایک معذرت نامہ بھی اور ان لوگوں سے بازپرس کرے' جنہوں نے یہ حرکت کی
"واہ...... کیا خوب' کیا خوب مشورہ دیا ہے تم نے۔ سنو نوجوان میرے صبر کا پیمانہ لب ہے۔ سنو اگر تمہیں ایک بھیڑ کی ضرورت ہے تو میں تمہیں ایک بھیڑ دینے کیلئے تیار ہوں۔" انداز میں تکبر تھا۔ "اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوسکتا اور یہ بھی میری مہربانی ہوگی۔"
"میں ذاتی طور پر درخواست کرتا ہوں سردار کہ میری پیشکش قبول کرلی جائے۔"
"تقیہ کے قاصد...... اب تم واپس جاسکتے ہو۔" سردار ابولایا نے کہا۔
"تب پھر سردار ابولایا سن لے۔ تقیہ کی تلواریں نیام سے نکل آئیں گی اور اس انتقام لیا جائے گا۔" پہلی بار ابونخان نے اس گفتگو میں حصہ لیا اور یک چشم سردار کی ا کبوتر کی طرح سرخ ہوگئی۔ اس نے دانت بھینچ کر اپنے غصے اور آواز پر قابو پانے کی کو بولا۔
"حشیما کے جوان تقیہ والوں کی تعداد کم کرنے کیلئے ہمیشہ تیار رہے ہیں۔ تم نے جنگ میں پیچھے پایا ہے۔ جاؤ ان سے کہہ دو ہم تیار ہیں۔"
"لیکن سردار کیا یہ مناسب ہوگا۔" طایان نے پھر مداخلت کی کوشش کی۔

"دونوں قاصدوں کو دھکے مار کر دربار سے باہر نکال دیا جائے۔ انہیں سرحد سے دوسری طرف دھکیل دیا جائے۔" ابولایا نے غضبناک لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ گویا مزید گفتگو کا امکان نہیں رہا تھا اور اس کے بعد کانا شیطان اور کوئی بات سننے کیلئے تیار نہیں تھا۔
دونوں قاصدوں سے خاصی بدسلوکی کی گئی۔ طایان دل گرفتہ واپس اپنی سرحد میں واپس آ گیا۔ ابونخان کی آنکھوں میں البتہ شعلے ناچ رہے تھے۔ بہرحال اصول کے مطابق انہیں فوری طور پر ابوراس کی خدمت میں حاضر ہونا تھا۔ طایان الجھا الجھا سا تھا۔
ابوراس اپنے خیمے کے سامنے حسب معمول بیٹھا مشورے کر رہا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر سب خاموش ہوگئے اور ابوراس کی خاموش نگاہیں ان کی جانب نگران ہوگئیں۔ دونوں سر جھکا کر کھڑے ہوگئے تھے۔
"خوب تمہارے ساتھ بھیڑوں کا ریوڑ ہے اور نہ معذرت کیلئے آنے والے۔ بلکہ یوں لگتا ہے جیسے تمہارے ساتھ بھی خوب اچھا سلوک کیا گیا ہے۔ کہو امن کے متوالے کیا حال ہے' تمہاری ٹیم کا۔"
"ناکامی ہوئی ہے سردار۔" طایان نے جواب دیا۔
"کامیابی کا خیال ہی کیوں آیا تھا تمہارے ذہن میں۔" سردار ابوراس نے تلخ لہجے میں کہا۔
"میں بتاؤں سردار۔" ابونخان نے زہریلے لہجے میں کہا۔
"ضرور بتاؤ' ابونخان۔"
"طایان کا خیال تھا کہ وہ اپنی خوشامد سے کانے ابولایا کو اس کیلئے تیار کرلے گا کہ وہ اس کے کہنے کے مطابق کرے۔"
"خوشامد پسندی سے؟" بہت سی آوازیں ابھریں۔
"ہاں...... طایان نے ابولایا کی شان میں خوب قصیدے پڑھے۔ ایسے نرم اور میٹھے لہجے میں' ایسے سہمے سہمے لہجے میں اس نے اخلاقی اصولوں کی پابندیوں کی درخواست کی جیسے تقیہ کی زندگی کی بھیک مانگ رہا ہو......"
"واہ...... واہ بزدل انسان اور بہادر چرواہے کے بزدل بیٹے تو نے اپنے باپ کے نام کی لاج کھودی۔ بول جواب دے تو نے ابولایا کے سامنے تقیہ کی توہین کیوں کی۔"
"ابونخان نے غلط بیانی سے کام لیا ہے' سردار۔ میں ایک قاصد کی حیثیت سے گیا تھا۔ میں نے ایک قاصد کی زبان میں بات کی۔ ہاں میرا لہجہ نرم ضرور تھا لیکن میں نے ابولایا سے خوشامد کا کوئی لفظ نہیں کہا۔" طایان نے جواب دیا۔
"میں نے جھوٹ نہیں کہا سردار۔" ابونخان بولا۔
"لیکن میں پوچھتا ہوں طایان تیرے ذہن میں یہ سارے خیالات ہی کیوں آئے۔ تو نے

تقیہ والوں میں کیا کمزوری پائی۔ تو اتنا بزدل کیوں ہو گیا آخر......''

''میں بتاؤں گا سردار......'' وہی بوڑھا بولا جس نے پہلے بھی طایان کی حمایت کی تھی۔

''تم کیا بتاؤ گے' بتاؤ۔'' سردار نے کہا۔

''طایان کے رباب سے نکلنے والے نغمے زندگی اور محبت کا سبق دیتے ہیں۔ یہ زمین کے حسن سے سرشار ہے اور ایک فنکار موت وقرب کی چیخیں نہیں' زندگی کے قہقہے پسند کرتا ہے اور اس کے سینے میں فنکار کا دل ہے۔''

''لیکن تقیہ کو فنکار نہیں جنگجو درکار ہیں۔ اس نے پورے قبیلے کی توہین کی ہے۔'' سردار نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''میں بزدل نہیں ہوں سردار' صرف جنگ روکنا چاہتا تھا۔ جس میں' میں ناکام رہا ہوں۔ توہین میرے اس چچا کی ہوئی ہے' جس نے مجھے باپ بن کر پرورش کی۔ اگر مجھے قبیلے کی توہین کا مرتکب پایا گیا ہے تو مجھے اس کے ازالے کی اجازت دی جائے۔''

''کیا ازالہ کرو گے اس کا۔'' سردار نے پوچھا۔

''اپنی پیشانی سے بزدلی کا داغ دھونے کی کوشش کروں گا' سردار۔''

''ہرچند کہ تم سزا کے مستحق ہو لیکن تمہارے باپ کی سرفروشی مجھے یاد ہے۔ جاؤ' اور قبیلے کے دوسرے جوانوں کی مانند جنگ کی تیاری کرو۔ اس کے سوا کوئی ازالہ نہیں ہے کہ تم حشیما کے قبیلے پر تباہی نازل کرو۔'' سردار نے جواب دیا اور طایان سر جھکائے واپس پلٹ آیا۔ گھر پر بھی طعنے تشنے اس کے منتظر تھے۔

رات رباب کے نغموں کی طرح حسین تھی۔ طایان کی نگاہ سفید پگڈنڈی پر دور تک جاتی تھی اور واپس لوٹ آتی تھی۔ ربابہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ رباب کے تاروں سے طایان کی انگلیاں بے خیالی میں اٹھکیلیاں کر رہی تھیں اور تاروں کی چیخوں نے ماحول کو اداس کر دیا تھا۔

وہ قبیلے والوں کی باتوں کو سوچ سوچ کر غمزدہ تھا۔ وہ تو ایک فنکار تھا اور فنکاروں کے دل تو محبت سے لبریز ہوتے ہیں وہ خونریزی نہیں چاہتا تھا' لیکن یہ جنگجو قبائلی جنگ کرنے پر آمادہ تھے۔ وہ اپنی ہر کوشش میں ناکام ہو گیا تھا۔ ابھی وہ انہی خیالات میں گم تھا کہ اچانک نگاہوں نے کوئی پیغام دیا اور تار ہنس پڑے' اور پھر ایک ہنسی کے ساتھ خاموش ہو گئے۔

کیونکہ طایان نے اسے چٹان پر رکھ دیا تھا اور خود اپنی محبوبہ دلنواز کیلئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

حسب معمول ربابہ اس کے پاس پہنچ گئی' لیکن آج اس کے چہرے پر خوشی نہیں تھی' پھر دونوں ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ دونوں ہی محبت کے پجاری تھے۔ انہیں ان قبائلیوں کی دشمنی سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ کچھ دیر خاموش بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر جب جذبات کو کچھ سکون ملا تو طایان نے اس کی ٹھوڑی اٹھائی اور بولا۔

''ربابہ......'' لیکن ربابہ نہ جانے کہاں گم تھی۔ اس نے پھر کہا۔

''ربابہ۔''

''ہوں۔'' ربابہ نے پیار بھری آواز میں کہا۔

''اداس ہو؟''

''تم بھی تو اداس ہو طایان......'' ربابہ نے کہا۔

''ہاں...... ربابہ...... نہ جانے پریشانی کے یہ منحوس بادل کیوں چھا گئے ہیں۔''

''تم گئے تھے۔''

''ہاں۔ تمہیں معلوم ہوا ہوگا۔'' ربابہ نے اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔

''تو پھر؟''

''میرا محبوب' میری زندگی کا ساتھی آئے اور میں اسے نگاہوں سے دور رکھوں۔ میں نے قدم قدم پر تمہاری نگرانی کی تھی۔''

"اچھا۔" طایان نے تعجب سے کہا۔

"میں تیار تھی کہ اگر تمہاری زندگی کو خطرہ لاحق ہوتا تو میں تمہاری حفاظت کرتی۔"

"اوہ......" طایان مسکرا پڑا۔

"مگر طایان یہ سب ٹھیک تو نہیں ہو رہا۔"

"مگر ربابہ ہم بے بس ہو چکے ہیں۔ میرے قبیلے کے لوگ مجھے بزدل کا طعنہ دیتے ہیں سردار ابوراس نے مجھے ازراہ کرم معاف کر دیا ہے' ورنہ مجھے قبیلے کی توہین کی سزا ملتی۔" طایان نے ربابہ کو بتایا۔

ربابہ خاموش رہی۔ اس کے چہرے پر غم کے سائے لہرا رہے تھے' پھر اس نے گہری سانس لی اور بولی۔ "اب کیا ہوگا طایان۔"

"میں خود پریشان ہوں۔ ربابہ...... خود سردار ابولایا کا کیا خیال ہے۔"

"جنگ اور صرف جنگ۔" ربابہ نے جواب دیا۔

"آہ...... کیا ہو گیا ہے ان سب کو۔" طایان نے افسردگی سے کہا۔

"میں ایک بات کہوں طایان۔" ربابہ نے کہا۔

"کہو۔"

"کیوں نہ ہم ان سب کو چھوڑ دیں۔ تقیہ اور حشیما کے لوگ جس طرح دل چاہے لڑ مریں۔ ہم کیوں ان جنگجوؤں کے ساتھ پسیں۔ ہم یہاں سے کہیں دور نکل چلیں گے۔ ایسی جگہ جہاں امن وسکون ہو۔ ہم اپنی محبت کا ایک الگ مسکن بنائیں گے۔ چلو طایان ہم یہاں سے کہیں دور چلتے ہیں۔"

طایان نے آہستہ سے ربابہ کو آغوش میں لے لیا اور محبت سے بولا۔

"نہیں ربابہ یہ مشکل ہے۔ ہم ایسا نہیں کریں گے۔"

"کیوں طایان؟"

"ربابہ میرے قبیلے نے' میرے سردار نے مجھے بزدلی کا طعنہ دیا ہے۔ مجھے بہادر باپ کا بزدل بیٹا قرار دیا ہے۔ ایسی صورت میں' میں قبیلے کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اس جنگ کی شدید مخالفت کرتا ہوں لیکن اگر دونوں قبیلے مقابل آ گئے تو...... تو پھر مجھے بھی جنگ کرنا ہوگی۔ کیا تم یہ پسند کرو گی ربابہ کہ میرے چلے جانے کے بعد میرا خاندان ایک بزدل خاندان کے نام سے مشہور ہو جائے۔"

"نہیں طایان ہرگز نہیں۔"

"ہمیں حالات کا انتظار کرنا ہوگا' ربابہ۔ اور اس وقت جب فیصلہ ہو جائے گا میں خود اس کو چھوڑ دوں گا اور میرے جانے کے بعد لوگ مجھے بزدل نہیں کہیں گے۔"

"اوہ...... ٹھیک ہے۔ طایان' ٹھیک ہے۔ میں مطمئن ہوں۔"

"شکریہ ربابہ۔" طایان نے کہا۔

اور پھر ایک دوسرے کے گلے لگ گئے اور ماحول کی الجھنوں کو بھول گئے تب طایان کی سرگوشی ابھری۔ "ربابہ۔"

"جانم۔"

"تم مجھے کل کوئی بات بتا رہی تھیں۔"

"ہاں۔"

"بتاؤ۔"

"ابھی۔"

"ہاں میں بے تاب ہو رہا ہوں۔ تم نے آج ہی کا وعدہ کیا تھا۔"

"ہاں......" ربابہ کی آواز میں شرم تھی۔

"تو پھر بتاؤ؟"

"زبان نہیں کھلتی' طایان۔"

"مجھ سے کیسی شرم۔"

"بات ایسی ہی ہے۔" ربابہ نے بدستور شرماتے ہوئے کہا۔

"اب تو میرا اشتیاق اور بڑھ گیا ہے۔" طایان نے اسے چومتے ہوئے کہا اور ربابہ کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔

"طایان...... طایان میرے جسم میں تمہاری امانت پرورش پا رہی ہے۔" ربابہ نے کہا اور شرما کر طایان کے سینے میں منہ چھپا لیا۔ طایان ایک لمحے کیلئے ششدر رہ گیا تھا' پھر اس کے بدن میں ایک مست سی کپکپی دوڑ گئی۔ اس کے کانوں کو یقین نہیں آیا تھا' لیکن پھر اس نے ربابہ کے الفاظ کی بازگشت تلاش کی۔

میرے جسم میں تمہاری امانت پرورش پا رہی ہے۔ کوئی دھوکہ نہیں تھا ان الفاظ میں۔ کوئی پھیر نہیں تھا۔ وہی کچھ کہا گیا تھا' جو سنا گیا تھا' اور طایان نے فرط مسرت سے دیوانہ ہو کر ربابہ کو آغوش میں بھینچ لیا اور ربابہ اس کی خوشی سے سرشار ہو گئی۔

"اب بس کرو' طایان۔" اس نے پھولی ہوئی سانس کو درست کرتے ہوئے کہا۔

"آہ...... ربابہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کس طرح اپنی خوشی کا اظہار کروں۔ ربابہ...... ربابہ...... ربابہ......" طایان کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

"اب کیا ہوگا طایان۔" ربابہ نے کہا اور طایان اس کے سوال پر سنجیدہ ہو گیا۔ درحقیقت اب تو صورتحال بالکل بدل گئی تھی۔ خاموشی اب زبان بنتی جا رہی تھی۔ وہ زبان جو اب دنیا کی نگاہوں میں آ جائے گی۔ اب ربابہ کیلئے مشکل پیش آئے گی اور صورتحال اچانک اتنی خراب ہو گئی تھی۔ ربابہ نے

طایان کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھے تو مضطرب ہوگئی۔

''تم پریشان کیوں ہوگئے' طایان؟''

''میں سوچ رہا ہوں ربابہ۔''

''جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ہوں......'' طایان نے گہری سانس لی۔ ''میں سوچ رہا ہوں ربابہ کہ کیسا بدنصیب ہوں کہ تمہاری جیسی محبت کرنے والی بیوی کا شوہر ہوں لیکن میں نے تمہیں پریشانیوں میں تنہا چھوڑ دیا ہے کیا یہ میری بدبختی نہیں ہے۔''

''طایان مجھے شرمندہ مت کرو۔ تمہاری محبت مجھے مل گئی۔ اس کے سوا مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں رہی۔ میں پوری طرح سیر ہوں۔ رہ گئی اس مسئلے کی بات تو اس پر بھی مل کر سوچ لیں گے۔''

''ہاں...... ربابہ اب تو اس مسئلے پر گہری سنجیدگی اختیار کرنا ہوگی۔ میں بہت کچھ سوچ رہا ہوں۔'' طایان نے کہا۔

''کیا سوچ رہے ہو' طایان؟''

''میں جانتا ہوں کہ حالات بیحد خراب ہیں۔ میں اب تمہیں وہاں نہیں رہنے دینا چاہتا اس لئے اب میں کھل کر اعلان کردوں گا کہ میں نے تم سے شادی کرلی ہے۔''

''اس کا ردعمل کیا ہوگا طایان؟''

''میں نہیں جانتا ربابہ۔''

''کہیں یہ بات تمہارے لئے خطرہ نہ بن جائے۔'' ربابہ نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

''خطرہ...... میں تمہارے لئے دنیا کا ہر خطرہ مول لے لوں گا' ربابہ۔ اب کچھ بھی ہو جائے۔''

''اگر تمہارا فیصلہ یہ ہی ہے طایان تو پھر کیوں نہ ہم یہاں سے نکل ہی چلیں۔ اس سے قبیلوں کے درمیان نفرت اور بڑھ جائے گی۔''

''لیکن دونوں لڑ ہی رہے ہیں تو کیوں نہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔''

''اور ہم لوگ یہاں سے نکل چلیں؟''

''ہاں۔'' ربابہ نے کہا۔

طایان اس تجویز پر سوچ میں ڈوب گیا' پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''اس مسئلے پر کل آخری گفتگو کریں گے۔''

''ٹھیک ہے طایان میں خود بھی یہ چاہتی ہوں کہ تم خوب سوچ سمجھ لو۔ ہمیں کسی کام میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ میں تمہارے ذہن کی کوئی گرانی برداشت نہیں کرسکتی۔''

اور پھر ربابہ رخصت ہوگئی۔ نہ جانے آج طایان کا دل اس شدت سے کیوں اداس ہو گیا

تھا۔ ربابہ کا گھوڑا دور ہوتا جارہا تھا اور طایان کا دل بیٹھتا جارہا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ربابہ نے اسے ایک ایسی خوشخبری سنائی تھی۔ ایک ایسا راز بتایا تھا' جس کی امین وہ نہ تھی۔ یہ راز تو کسی اور سے کہا بھی نہیں جاسکتا تھا۔

دل میں اداسیاں دبائے وہ پلٹ پڑا۔

اور اس وقت وہ ساری رات نہ سو سکا تھا۔ عجیب عجیب سے خیالات اس کے ذہن میں گردش کررہے تھے۔ ربابہ اس کی محبوبہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی بیوی بھی تھی اور اب اس کے بچے کی ماں بھی بننے والی تھی۔ بڑی ذمے داریاں عائد ہوتی تھیں ایک شوہر اور ایک باپ کی حیثیت سے اس پر' لیکن وہ کیسا شوہر تھا' وہ کیسا باپ تھا کہ اپنی بیوی اور اپنی اولاد کیلئے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ نہیں نہیں ربابہ کو ان لوگوں کے رحم وکرم پر کسی حال میں نہیں چھوڑا جاسکتا۔ دنیا ان کی یکجائی سے بے خبر ہے اور وہ اس پر طرح طرح کے الزامات لگائے گی' اور اسے طرح طرح سے ذلیل کرے گی' اور غریب ربابہ اپنے بچاؤ میں کچھ کہہ بھی نہ سکے گی۔

یہ تو طے شدہ بات تھی کہ اس قبیلے والے' تقیہ کے سنگدل باشندہ حشیما کی کسی لڑکی کو' خاص طور سے دشمن سردار کی بیٹی کو کسی طور قبول نہیں کریں گے' اور اس کے ساتھ برا سلوک کریں گے اس کی بیوی کے ساتھ۔ خود اس سے بھی یہاں کے لوگ خوش نہیں تھے۔ اس کا چچا ابوالقافہ اسے نکما انسان سمجھتا تھا' اور اگر اس نے قبیلہ چھوڑ دیا تو پھر طرح طرح سے اس کے خاندان کو ذلیل کیا جائے گا۔

وہ رات فیصلے کی رات ثابت نہ ہوئی۔ روشنی ہوگئی اور طایان کسی بھی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ دن بھی بڑا کٹھن گزرا تھا۔ اس پر نہ جانے اس نے کس طرح وقت گزارا تھا۔ شام کو اتفاق سے اس کی ملاقات ابونخان سے ہوگئی۔ اس کے ساتھ دوسرے چند لوگ بھی تھے۔ ابونخان نے اسے روک لیا' اور بولا۔

''اوہ...... امن کے علمبردار...... طایان اپنی کہو...... کیسے حال چال ہیں......'' ابونخان نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''ٹھیک ہوں ابونخان۔''

''ٹھیک نہیں۔ پژمردہ معلوم ہوتے ہو۔ شاید جنگ کا خوف تمہارے اعصاب پر سوار ہے لیکن تنہا تم ہی اس جنگ سے خوفزدہ معلوم ہوتے ہو۔ جبکہ دوسرے جیالے دن رات تیاریاں کررہے ہیں۔''

''تم مجھے خوفزدہ سمجھتے ہو۔'' طایئن نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

''اوہ تو کیا تمہارے خیالات بدل گئے۔ میرا مطلب ہے کہ اب تم اس جنگ کے حامی ہو۔'' ابونخان نے کہا۔

''نہیں۔'' طایان نے سرد لہجے میں کہا۔

"عجیب انسان ہو۔ ابھی تک تم اس جنگ کے مخالف ہو جبکہ اب ایک بھی فرد پورے
میں ایسا نہیں ہے جو حشیما والوں کی بوٹیاں نوچنے کو تیار نہ ہو!"

"جنگ کسی طور اچھی نہیں ہوتی ابونخان۔ زندگیاں لینا کوئی اچھی بات تو نہیں۔" طایان خود پر قابو پا کر کہا۔

"خوب' خوب۔ سردار ابوراس سے بات کروں گا۔ اپنے قبیلے میں ایک نوجوان ایسا بھی جو اس جنگ کا مخالف ہے۔ دوستو! تم گواہ رہنا۔" ابونخان نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

طایان صبر وسکون سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ ابونخان اس کا مخالف ہے وہ کیا کر سکتا تھا۔ ابونخان اب سردار ابن راس کے پاس جا کر کچھ بھی کہے ابوراس پر جو بھی رد عمل اسے روکنا طایان کے بس کی بات نہیں تھی۔ چنانچہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ طایان سخت پریشان ربابہ کے بارے میں بھی ابھی تک وہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اسے کیا جواب دے گا۔ بہرحال پھر نے سوچا کہ یہ فیصلہ ربابہ پر ہی چھوڑ دیا جائے۔ جو کچھ وہ کہے گی' وہی کرے گا۔

رات کے مخصوص حصے میں وہ اپنے مخصوص مقام کی طرف چل پڑا۔ طویل راستہ اس پیروں کو محسوس بھی نہیں ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ اپنی منزل کے نزدیک تھا' لیکن...... ابھی وہ چٹان کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ اسے بہت سے سائے چلتے ہوئے نظر آئے...... اور وہ اچا رک گیا۔

یہ تو وہی جگہ ہے جہاں ربابہ اس سے ملتی ہے...... تو تو کیا ربابہ کا راز کھل گیا۔ ایک لمحے طایان کا دل ڈوبنے لگا لیکن پھر وہ سنبھل گیا۔ کوئی فیصلہ کر لینا حماقت ہے۔ معلوم تو کیا جائے کیا ہے۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ خود کو چھپانے کیلئے اس نے خاص خیال رکھا تھا۔

پھر وہ چٹان کی آڑ میں پہنچ گیا' جس کے دوسری جانب اس نے لوگوں کا گروہ دیکھا تھا پھر اس نے ان کے بارے میں اندازہ کیا۔ بلاشبہ وہ حشیما کے باشندے تھے۔ طایان سانس روک کر بیٹھ گیا۔ ان لوگوں کے اور اس کے درمیان صرف چٹان حائل تھی اور وہ ان کی گفتگو صاف سن سکتا

کافی دیر تک خاموشی رہی' پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"اہل حشیما جس قدر چاق و چوبند ہیں تقیہ والوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔"

"ہاں' وہ خود پر بہت نازاں ہیں۔"

"کیا ان کی حماقت نہیں ہے!"

"یقیناً ہے۔ پوری سرحد پر ان کا ایک بھی نگران نہیں ہے۔ جبکہ تم نے دیکھا کہ ابولایا کی تک سرحد کی حفاظت کا خیال رکھتی ہے۔"

"کیا مطلب......" کسی نے پوچھا۔ طایان کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

"اوہ...... تم گشت پر گئے تھے۔ میاں ابھی کچھ دیر قبل ابولایا کی بیٹی ربابہ ایک دوست

ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر آئی تھی۔"

"کیوں؟"

"میں نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے تو اس نے جواب دیا کہ سرحد کی حفاظت کی فکر اسے بھی ہے۔ وہ اپنے طور پر اس کا جائزہ لینے آئی تھی۔"

"اوہ...... ابھی اس کے خادم زندہ ہیں۔ اسے فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

"یہی بات میں نے اس سے کہی تھی۔ چنانچہ وہ مطمئن ہو کر واپس چلی گئی۔" دوسرے نے جواب دیا' اور طایان کے دل میں درد ہونے لگا۔ بیچاری ربابہ ناکام ہو کر واپس چلی گئی۔ اب کیا ہو گا۔ یہ تو بڑی مشکل پیش آ گئی۔ اب تو ان کی ملاقات بھی ناممکن ہی ہو گئی ہے۔ اس وقت تک جب تک اس جنگ کا فیصلہ نہ ہو جائے۔

اسے تمام لوگوں پر شدید جھنجھلاہٹ محسوس ہو رہی تھی' لیکن بیچارہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ سخت پریشان تھا۔ دن ہوا اور وہ اپنے مکان میں لیٹا رہا۔ ابوسقانہ نے جاتے ہوئے اس سے بات بھی نہیں کی تھی۔ ابھی دھوپ چڑھی بھی نہیں تھی کہ سردار ابوراس کی طرف سے اس کی طلبی کا پیغام آ پہنچا۔ ابوراس کے چند سپاہی اسے لینے آئے تھے۔

ضرور ابونخان نے سردار سے گفتگو کی ہو گی' لیکن طایان خوفزدہ نہیں تھا۔ وہ تو یوں بھی بیزار تھا۔ سپاہیوں کے ساتھ ابوراس کے سامنے پہنچ گیا۔ ابوراس کی نگاہوں میں خشمگیں تاثرات تھے۔

"صحافہ کے بیٹے' تمہارے بارے میں بڑی افواہیں گرم ہیں۔ یہ سب کیا ہے۔" ابوراس نے سخت آواز میں پوچھا۔

"اگر ان کا تشہیر کنندہ ابونخان ہے تو سردار اس پر کوئی توجہ نہ دی جائے۔" طایان نے ابونخان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ جو ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔

"اور ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو ابونخان کے گواہ ہیں؟"

"طایان بذات خود سردار کے سامنے موجود ہے۔ کیا سردار کے خیال میں طایان سردار کے خلاف بول سکتا ہے اور نہ ہی میری وفاداری مشکوک ہے۔ چنانچہ سردار میری بات پر ہی یقین کرے۔"

"تم تو ہمارے سامنے بھی جنگ کی مخالفت کر چکے ہو۔" ابوراس نے کہا۔

"میں نے اس سے انکار بھی نہیں کیا!" طایان نے بے خوفی سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میں آج بھی جنگ کا مخالف ہوں۔"

"اوہ...... اوہ ابونخان نے بھی اس سے مختلف بات نہیں کہی تھی کہ تم ہمارے اس اقدام کے خلاف منافرت پھیلا رہے ہو۔"

’’یہ بات غلط ہے سردار۔ میرے خیالات صرف میرے سینے میں ہیں۔ میں جنگ کا اس لئے مخالف ہوں کہ اس میں زندگیوں کا زیاں ہوتا ہے۔ اس میں بچے یتیم ہوتے ہیں‘ مائیں اولاد ہوتی ہیں‘ بیویاں شوہر کھو بیٹھتی ہیں اور بہنیں بھائی۔ میں صرف اس لئے جنگ کا مخالف ہوں کہ اس سے قبیلے کی خوشحالی ختم ہو جاتی ہے۔ ہمارے جوان جو قبیلے کی خوشحالی کیلئے کام کرتے ہیں‘ جنگ کی بھٹی میں ایندھن بن جاتے ہیں۔ میں صرف اس لئے جنگ کا مخالف ہوں۔‘‘

’’لیکن قبیلوں کا وقار بلند رکھنے کیلئے جنگیں ضروری ہوتی ہیں۔‘‘ سردار نے کہا۔

’’مجھے اس سے انکار نہیں ہے لیکن اس وقت جب محبت کی زبان نہ سمجھی جائے۔‘‘

’’تم گئے تو تھے حشیما۔ کیا جواب دیا انہوں نے تمہیں۔‘‘

’’نہایت غیر مناسب۔‘‘ طایان نے جواب دیا۔

’’اس کے بعد تم محبت کی کون سی زبان استعمال کرو گے اور اب تم بتاؤ حشیما والوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے۔‘‘

’’جنگ...... اور ان کیلئے...... سزا......!‘‘ طایان نے جواب دیا اور سب چونک پڑے۔

’’میرے سردار۔ میں جنگ کا مخالف ہوں۔ ایک امن پسند انسان کی حیثیت سے‘ اور میری رائے ہے کہ جنگوں میں طاقت نہ ضائع کی جائے۔ میں نے ابونخان سے یہ تو نہیں کہا کہ حشیما والوں سے جنگ نہ کی جائے اور سردار کیا میں جنگ میں سب سے اگلے مورچوں میں لڑنے والوں میں شامل نہیں ہوا گا‘ لیکن میرا نظریہ......‘‘

اور طایان کی بات پر سب چونک پڑے۔ بات تو بالکل صاف تھی۔

’’ہاں تمہارا نظریہ غلط نہیں ہے۔ کیوں ابونخان اب کیا کہتے ہو۔‘‘ سردار کا انداز ایک دم بدل گیا تھا اور اس کے مزاج میں نمایاں تبدیلی آ گئی تھی۔

’’میں صرف ایک بات ہی کہہ سکتا ہوں سردار! صحافہ کا بیٹا بے حد چالاک ہے اور وہ حالات کو اپنے حق میں پلٹنا یعنی بات کو گھمانا جانتا ہے۔‘‘ ابونخان نے خار کھاتے ہوئے کہا۔

’’لیکن تم اس کی اگلے مورچوں میں لڑنے کی پیشکش کو کس طرح نظر انداز کرو گے۔‘‘

’’وقت آنے میں دیر ہی کتنی ہے۔‘‘ ابونخان نے کہا اور سردار خاموش ہو گیا۔ بات ٹل گئی اور طایان سردار کے پاس سے واپس آ گیا‘ لیکن اس کے دل کو قرار نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ قبیلے کے دوسرے جوانوں کی مانند اسے بھی جنگ کرنا ہو گی۔ فطری طور پر وہ بزدل نہیں تھا‘ لیکن بات صرف حشیما کی تھی اور حشیما اس کی ربابہ کا قبیلہ تھا۔

لیکن اب تو جنگ کرنا ہی تھی۔

اور یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ سردار ابوراس جنگ کرنے میں اتنی جلدی کرے گا۔ شاید دن رات تیاریاں کی گئی تھیں‘ اور پھر ایک دن اعلان کر دیا گیا کہ رات کو تقیہ قبیلہ حشیما پر حملہ کرے گا۔

طایان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ وہ ربابہ کی تلاش میں جاتا تھا لیکن ایک دن بھی ربابہ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں وہ کس طرح آ سکتی تھی۔ طایان بھی دوسرے جوانوں کی طرح تیار ہو گیا‘ اور چونکہ وہ بہادر باپ کا بیٹا تھا۔ اس لئے اسے اگلے مورچوں ہی میں جگہ دی گئی۔ استقافہ اس کا چچا تھا اور وہ بھی اس جنگ میں شریک تھا۔ قبیلے کا ہر مضبوط آدمی پوری طرح تیار تھا اور جنگ کرنے کیلئے بے چین نظر آتا تھا۔

پھر تاریک رات میں یہ لشکر سرحدوں کی طرف چل پڑا۔ اس کی رفتار کافی تیز تھی۔ ہر شخص دشمن کے خون کا پیاسا نظر آتا تھا اور اس کی بستیوں کو تاراج کرنے کیلئے بے چین تھا۔ ابوراس لشکر کی قیادت کر رہا تھا اور یہ اب طوفانی رفتار سے آگے بڑھ رہے تھے۔ راستے میں ابوراس نے طایان سے کہا۔ ’’حشیما والے ہماری آمد سے بے خبر نہ ہوں گے۔ سرحدی نگرانوں نے انہیں اطلاع دے دی ہو گی کہ ہم چل پڑے ہیں۔‘‘

’’اوہ...... نہیں...... ان کے گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ ہم اتنی جلدی حملہ کر دیں گے۔‘‘ ابوراس نے ہنس کر کہا۔ ’’اور ہم ان کی اس غفلت سے فائدہ اٹھائیں گے۔‘‘

’’دشمن کو اتنا بے خبر نہیں سمجھنا چاہیے‘ سردار۔‘‘ طایان نے کہا۔ وہ دل کی بات تو نہیں کہہ سکتا تھا‘ لیکن بہر حال وہ حقیقت جانتا تھا۔

’’ٹھیک ہے‘ لیکن اسے اتنا ہوشیار بھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس کا خوف ذہن پر مسلط ہو جائے۔‘‘ ابوراس نے جواب دیا اور پھر وہ کسی دوسرے آدمی سے مصروف گفتگو ہو گیا اور طایان خاموش ہو گیا۔ سردار کو اس سے زیادہ کچھ بتانا ممکن نہیں تھا۔ ظاہر ہے وہ ربابہ کے بارے میں تفصیل تو بتا نہیں سکتا تھا۔

رات کی تاریکی میں انہوں نے سرحد کو عبور کر لیا‘ اور پھر وہ بہت دور تک حشیما کے علاقے میں گھستے چلے گئے۔ ابھی تک کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ ویسے یہ علاقہ حشیما کی بستیوں کا علاقہ بھی نہیں تھا۔ ابھی بستیاں کافی دور تھیں‘ پھر وہ ایک درے میں داخل ہو گئے جو کافی چوڑا تھا۔

لیکن دفعتاً انہیں رکنا پڑا اور سردار ابوراس کو پہلی بار سنجیدہ ہونا پڑا۔ سامنے مشعلوں کا کھیت نظر آ رہا تھا۔ درحقیقت حشیما کا لشکر بے خبر نہیں تھا اور مزاحمت کیلئے پوری طرح تیار تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جنگ کیلئے انہوں نے اپنی پسند کی جگہ منتخب کی تھی۔ ابوراس کی رفتار سست پڑ گئی۔

’’مگر حشیما تیار ہے!‘‘ اس نے کہا۔

’’اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا سردار! ہم بھی جنگ کرنے آئے ہیں۔ سوئے ہوئے دشمن کا سامنا کرنے نہیں آئے۔‘‘ ابوراس کے ایک پرجوش ساتھی نے کہا۔

’’چلو۔‘‘ ابوراس نے اپنا نیزہ بلند کرتے ہوئے کہا‘ اور تقیہ کا لشکر قدم بہ قدم آگے بڑھنے

لگا۔ ان کے دلوں میں لاوا کھول رہا تھا' لیکن حشیما کا ابولایا بہت زیرک تھا۔ اس نے ایک ہ میں فیصلہ کرنے کا انتظام کر لیا تھا۔ مشعلوں کا کھیت محض دکھاوا نہیں تھا بلکہ وہاں حشیما کا آدھا موجود تھا اور آدھا لشکر پہاڑوں میں چھپا ہوا تھا۔ ایک مخصوص جگہ پر۔

چنانچہ جونہی تقیہ کا لشکر حشیما کے لشکر کے قریب پہنچا عقب سے اس پر تیروں کی بارش شر ہوگئی۔ یہ تیر پہاڑوں سے آ رہے تھے۔ جان لیوا حملہ بڑا ہی خطرناک تھا۔ نہ صرف تیر بلکہ بڑ بڑے پتھر بھی پھینکے جاتے رہے۔ کرب زدہ چیخیں اور شور عقب سے بلند ہوا ہی تھا کہ سامنے سے حملہ شروع ہوگیا۔

گویا دونوں طرف سے لشکر کو گھیر لیا گیا تھا۔ تقیہ والے سنبھلتے سنبھلتے بھی بڑا نقصان اٹھا چ تھے' لیکن وہ اپنی قوت سامنے موجود لوگوں پر ہی صرف کر سکتے تھے۔ پہاڑوں سے نازل ہونے موت کیخلاف وہ کیا کر سکتے تھے۔ جو ہر طرف سے ان پر نازل ہو رہی تھی' اور خاص طور سے لشکر پچھلا حصہ بالکل تباہ ہو رہا تھا' پھر بھی انہوں نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور سامنے سے آ والے حملہ آوروں کے سامنے ڈٹ گئے' لیکن اگر جنگ صرف سامنے کی سمت سے ہوتی تو شاید مقا برابر کا ہوتا۔ ایسے میں کیا کیا جاتا کہ پیچھے سے شدید حملے ہو رہے تھے۔ تقیہ والوں کو ان لوگوں نقصان پہنچانے کا کوئی موقع نہیں مل رہا تھا' جو پہاڑوں میں چھپے موت برسا رہے تھے اور وہ ا شدت سے تیروں کی بارش کر رہے تھے۔

سامنے کی سمت سے تو تقیہ والوں نے حشیما کے لشکر کو کافی نقصان پہنچایا لیکن عقب سے کا بری طرح صفایا کیا جا رہا تھا اور موت آگے ہی آگے بڑھتی آ رہی تھی۔ جلد ہی نتیجہ ظاہر ہونے تقیہ والوں کو دونوں طرف سے موت نے گھیر لیا تھا۔

سردار ابوراس نے تھوڑی دیر میں ہی محسوس کر لیا کہ اسے شکست ہو چکی ہے۔ اب م جھوٹی انا کیلئے لڑا جا سکتا ہے۔ لڑو...... اور مر جاؤ۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ جنگجو ضرو لیکن قبیلے کے نام ونشان کو مٹانے کا وحشیانہ جنون نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے پسپائی کا اعلان کر اور تقیہ والے تیروں کی بارش میں پیچھے ہٹنے لگے۔ وہ انتہائی تیز رفتاری سے پیچھے ہٹ رہے تھے۔ میں بھی ان کا زبردست نقصان ہو رہا تھا۔ اس لئے پیچھے ہٹنے میں باقاعدگی بھی ختم ہوگئی۔ جب ہی کی ٹھہری تھی تو پھر جدھر منہ اٹھے چل پڑا جائے' اور انہوں نے اس پر عمل کیا' اور اس طرح در ان میں سے بہت سوں کی زندگی بچ گئی۔

خود سردار ابوراس بڑی مشکل سے جان بچا کر واپس پہنچا تھا۔ اس نے بچے کھچے لوگوں کر کے سرحد پر لگا دیا تا کہ اگر حشیما والے فتح کے جوش میں تقیہ پر چڑھیں اور اسے تاراج کرنے سوچیں تو پھر آخری مزاحمت کی جائے اور جان دیدی جائے۔ سردار ابوراس خود سرحد کی بلند پہاڑ سے دور دور تک کا جائزہ لیتا رہا' لیکن نجانے کیوں حشیما والوں نے اس قدر بلند ظرفی کا ثبوت د

اور روشنی نکل آنے تک انہوں نے تقیہ کا رخ نہیں کیا تھا۔

تب کہیں جا کر ابوراس کو یقین ہوا کہ حشیما والے اب ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔ ویسے بچے کھچے فوجیوں کی واپسی پر ہی تقیہ والوں کو پتہ چل گیا تھا کہ جنگ کا نتیجہ کیا نکلا ہے۔ تقیہ میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ شکست کھانے والے ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ بیشمار زخمی تھے اور لاتعداد لاپتہ تھے۔ جن کے بارے میں یہی سوچا جا سکتا تھا کہ وہ کام آ گئے۔

بہرحال عظیم نقصان اٹھانا پڑا تھا تقیہ والوں کو۔ دن کی روشنی میں تقیہ والے امن کا جھنڈا لے کر زخمیوں اور لاشوں کی تلاش میں چل پڑے لیکن فاتح میدان سے فتح حاصل کرنے کے بعد واپس چلے گئے تھے۔ لاشیں اور زخمیوں کو اٹھانے میں کوئی مداخلت نہیں کی گئی تھی اور تقیہ والے بیشمار لاشیں لے کر واپس آ گئے۔

تقیہ میں کہرام مچ گیا۔ ہر گھر میں ماتم ہو رہا تھا۔ بوڑھا اسقافہ بھی کام آ گیا تھا' اور اس کے بیوی اور بچے رو رہے تھے' البتہ طایان زندہ تھا اور زخمی بھی نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ اس نے اگلی صفوں میں جنگ کی تھی' لیکن تقدیر یاور تھی کہ اس نے حشیما کے کئی باشندوں کو قتل کیا تھا لیکن خود زخمی نہیں ہوا تھا۔ اس تباہی پر اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

شام کو سردار ابوراس نے بچنے والوں کا جائزہ لیا اور زخمیوں کو بھی دیکھ لیا تھا۔ طایان کے سامنے وہ رکا اور عجیب سی نگاہوں سے اس نے طایان کو دیکھا۔

''اس جنگ کے بارے میں تم کیا کہو گے طایان؟'' اس کا لہجہ سرد تھا۔ ''اگر میں اپنی آنکھوں سے تمہیں اگلی صفوں میں جنگ کرتے نہ دیکھ لیتا' طایان۔ تو میں نہیں جانتا کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتا' لیکن میرا دل اب بھی تمہاری طرف سے صاف نہیں ہے۔''

''میں بدنصیب ہوں سردار......'' طایان نے جواب دیا' اور ابوراس آگے بڑھ گیا' لیکن طایان کے دل میں نفرت کی ایک لہر اٹھی تھی۔ اسے ابوراس پر شدید غصہ آیا تھا' اور پھر جب وہ وہاں سے واپس آ رہا تھا تو کمبخت ابونخان سے ملاقات ہوئی۔ حالانکہ زخمی تھا لیکن زہر افشانی سے باز نہ آیا۔

''اوہ...... تقیہ کے بڑے پیش گو میرا خیال ہے تمہیں اس شکست کی اطلاع پہلے ہی مل گئی تھی۔'' اس نے زہرخند لہجے میں کہا۔

''جس لشکر میں تم جیسے فتنہ انگیز لوگ موجود ہوں' اسے فتح کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔ ابونخان۔'' طایان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''فتنہ انگیز اور ضمیر فروش میں بڑا فرق ہوتا ہے طایان۔''

''میں ضمیر فروش نہیں ہوں ابونخان' لیکن جنگلی جنون کا آج بھی اتنا ہی مخالف ہوں جتنا پہلے تھا۔'' طایان نے کہا۔

''تو ابوراس جنونی ہے۔'' ابونخان نے کہا۔

"ابونخان! کیا میں نے تمہارے بارے میں فتنہ انگیز کہہ کر غلطی کی ہے۔ میرا خیال ہے
لیکن ابونخان سنو' اس سے پہلے میں صرف رباب بجانا جانتا تھا۔ تلوار سے مجھے نفرت تھی لیکن کل
رات میری تلوار نے خون چکھا ہے اور یہ اس وقت بھی پیاسی ہے۔ فتنہ دوسرے قبیلے سے اٹھے یا
گھر میں موجود ہو اس کا خاتمہ ضروری ہے۔ جہاں میں نے حشیما والوں کا خون بہایا ہے وہاں تم
اور سہی لیکن فتنے کا خاتمہ ضروری ہے۔" طایان نے تلوار کھینچ لی اور ابونخان اور اس کے ساتھی
گئے۔

"سنو......سنو طایان!" ابونخان کے ساتھی آگے بڑھ آئے۔ "آپس میں یہ سب کچھ
ہونا چاہیے۔ ایسی نادانی نہ کرو طایان۔" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں ڈر ڈر کر اس تلوار سے
اسے روکنے لگے' اور ان لوگوں کے آگے آ جانے سے ابونخان کو بھاگنے کا موقع مل گیا۔ وہ بری طرح
سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔

طایان نے تلوار نیام میں ڈال لی اور بولا۔ "ابونخان سے کہو کہ وہ اپنی زہر افشانی بند کر دے
ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا" اور پھر وہ واپس چل پڑا۔

طلایہ گھبرا گئی۔ ان لوگوں نے تلواریں نکال لی تھیں اور اس کا گھوڑا اس سے کافی دور تھا
پلٹ کر بھاگ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ تب ا
دشمن آگے بڑھا۔

"کون ہے تو؟" اس نے کڑک کر پوچھا۔

"عورت ہوں میں...... عورت ہوں۔"

"وہ تو ہم دیکھ رہے ہیں لیکن کیا تیرا تعلق حشیما سے نہیں ہے۔"

"ہاں...... ہے۔" طلایہ نے پریشانی سے کہا۔

"یہاں کیوں آئی ہو!"

"میں...... میں۔" طلایہ نے بے بسی سے چاروں طرف دیکھا لیکن کوئی ہمنوا نظر نہیں آ
وہ بری طرح خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"جواب دو ورنہ گردن اڑا دی جائے گی۔ تقیہ کے دوسرے نوجوان نے کہا اور طلایہ کا
گئی۔

"طایان سے ملنے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"طایان سے؟"

"ہاں۔" طلایہ نے جواب دیا۔

"اسقافہ کے بھتیجے طایان سے؟" جوان نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کیوں......؟ اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"میرا نہیں مجھے تو ربابہ نے بھیجا ہے۔ میں تو صرف اس کی قاصد ہوں۔"

"ربابہ کون ہے؟"

"سردار ابولایا کی بیٹی!"

"اس کا طایان سے کیا تعلق ہے۔"

"وہ طایان کی محبوبہ ہے۔ دونوں ایک دوسرے پر جان دیتے ہیں۔ ربابہ سخت بیمار ہے اور وہ
نہیں آ سکتی تھی۔"

"میرا خیال ہے اسے سردار ابوراس کے پاس لے چلو۔ معاملہ بہت گہرا معلوم ہوتا ہے۔"
ا نے کہا۔

"ہاں یہی درست ہے۔" دوسروں نے تائید کی اور انہوں نے آگے بڑھ کر طلایہ کو پکڑ لیا۔
تمہیں سردار ابوراس کے سامنے چلنا ہوگا۔ اس کے سامنے ہی تم اپنے بارے میں تفصیل بتانا۔"
مصیبت کی ماری کسی طرح ان لوگوں سے خلاصی حاصل نہ کر سکی۔ وہ تو ربابہ کی بھیجی ہوئی آئی
اس جنگ اور تقیہ کی شکست نے ربابہ پر بہت گہرا اثر کیا تھا وہ صاحب فراش ہو گئی تھی۔ اسے
معلوم تھا کہ اس کے محبوب شوہر پر کیا بیتی۔

طلایہ اس کی تسلی کیلئے آئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ اگر طایان کو کوئی گزند پہنچی ہوگی تو وہ نہر
نارے نہیں آیا ہوگا ورنہ ربابہ کا منتظر ہوگا' لیکن یہاں الٹی آنتیں گلے پڑی تھیں۔ تھوڑی دیر کے
ے سردار ابوراس کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ گو رات کافی گزر چکی تھی لیکن سردار ابوراس جاگ رہا
س کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔ اس شکست نے اس کے اعصاب پر شدید اثر ڈالا تھا' اور وہ دن رات
میں ڈوبا رہتا تھا۔

اس کے مصاحبین کو وفاداری دکھانے کا اس سے اچھا موقع اور کون سا مل سکتا تھا۔ چنانچہ وہ
ل کے ساتھ ہی رہتے تھے اور ابوراس کو طرح طرح سے بہلاتے تھے۔

انہیں میں ابونخان بھی تھا۔ بدفطرت ابونخان' جس نے نجانے کیوں طایان بن صحافہ کی بات
بوراس سے چھپائی تھی۔ شاید اس میں سبکی کا پہلو نکلتا تھا۔ مصاحبوں کو کہاں جرأت تھی کہ یہ قصہ
ا۔ ایسے ہی وقت میں سرحد کے محافظ طلایہ کو لے کر ابوراس کے سامنے پہنچ گئے۔

تمام لوگوں نے تعجب سے دیکھا اور پھر ابوراس نے کہا۔ "کون ہے یہ؟"

"طلایہ نام بتاتی ہے۔ حشیما قبیلے سے تعلق رکھتی ہے۔"

"کیوں لائے ہو اسے اور کہاں سے لائے ہو۔" ابوراس کے لہجے میں درشتگی آ گئی۔
ا وہ بدفطرت نہیں تھا۔ شکست مردوں سے کھائی تھی اور مردوں نے کھائی تھی۔ انتقام عورتوں
ا لیا جا سکتا۔

"یہ سرحد کے قریب مشتبہ حالت میں پائی گئی تھی۔ سردار، ساتھ اس کا گھوڑا بھی ہے۔"

"لڑکی تم محفوظ ہو...... ہم تمہیں باعزت تمہارے قبیلے تک پہنچانے کے ذمے دار ہیں۔ ہم [illegible] بتاؤ تم کون ہو...... اور کیا کرنے آئی تھی۔"

"میں انہیں بتا چکی ہوں۔ حالانکہ...... مجھے اجازت نہیں تھی لیکن موت کے خوف سے [illegible] سچ بولنے پر مجبور ہوگئی۔" طلابیہ نے افسوس سے کہا۔

"ہمیں بتاؤ...... اور خوف نہ کرو...... ہاں سچ بولنا شرط ہے۔"

"اب جب زبان کھل گئی ہے تو جھوٹ بولنا بے سود ہے۔" طلابیہ نے بدستور اسی انداز [illegible] کہا اور پھر اس نے ربابہ اور طایان کے بارے میں تفصیل بتا دی۔ ابن راس تعجب سے یہ کہانی [illegible] تھا۔ طلابیہ کے خاموش ہونے کے بعد بھی وہ کافی دیر خاموش رہا، لیکن ابونخان کے کان کھڑے ہو[illegible] تھے، اور طایان کیخلاف نفرت کے اظہار کا اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں تھا۔

"ابونخان کو تو احمق اور جاہل سمجھا جاتا تھا۔ زبان کھولتا تو عناد کا مسئلہ پیدا ہو جاتا [illegible] والے اتنے ذہین نہیں تھے کہ ہمارے سارے ارادوں سے واقف ہوتے۔ ہاں وہ اتنے ذہین [illegible] تھے کہ انہوں نے ایک عورت کو تقیہ کی شکست کا ذریعہ بنایا۔"

"کیا مطلب ہے، ابونخان!" ابوراس نے تعجب سے پوچھا۔

"اب بھی مطلب پوچھیں گے سردار۔ کیا یہ بات صاف نہیں ہے کہ عشق کا مارا طایا[illegible] صحافہ پل پل کی خبریں اپنی محبوبہ کو دیتا رہا اور حشیما کے ابولایا کو بخوبی معلوم تھا کہ تقیہ والے کیا کر[illegible] ہیں۔ وہ کب حملہ کریں گے اور ان کی قوت کیا ہے۔ ہمیں شکست حشیما والوں نے نہیں دی [illegible] ابن راس، بلکہ ہم گھر میں ہی شکست سے دوچار ہوئے ہیں۔ اب کتنے ثبوت طلب کرو گے۔ کیا [illegible] نے جنگ کی کھلی مخالفت نہیں کی تھی، اور پھر میں تو اس وقت اس کے ساتھ تھا، جب وہ حشیما [illegible] میں گیا تھا۔ تفصیل بتانا تو دروغ گوئی سمجھی جاتی لیکن جو کچھ ہوا سوچے سمجھے منصوبے کے تحت [illegible]

ابونخان نے سارا زہر اگل دیا اور اس انداز میں اگلا کہ زیرک سردار بھی اس کا شکار ہو گیا۔ [illegible] آنکھیں خون کبوتر کی مانند سرخ ہو گئیں۔

"افسوس...... افسوس...... ہمیں معلوم نہ تھا کہ صحافہ کا بیٹا آستین کا سانپ ثابت [illegible] افسوس...... افسوس......" پھر اس نے طلابیہ کی طرف دیکھا۔ "تو ابولایا کی بیٹی نے تجھے بھیجا [illegible]

"ہاں...... سردار۔"

"طایان کی خبرگیری کیلئے!"

"ہاں سردار۔" طلابیہ نے کہا۔

"تب حشیما کی بیٹی...... تو طایان کے بارے میں پوری خبر لے کر جانا۔ تجھے آج [illegible] ہوگا، لیکن بے فکر رہ کل تجھے عزت کے ساتھ واپس بھیج دیا جائے گا۔"

خوفزدہ طلابیہ کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ بہر حال وہ عورت تھی۔

❁❁❁

آدھی رات کے وقت طایان کو اس کے گھر سے گرفتار کر لیا گیا۔ ابونخان کا جادو اتنا گہرا تھا کہ ابوراس نے طایان کو صفائی کا موقع بھی نہیں دیا اور منادی کرنے والوں نے پورے قبیلے میں منادی کرا دی کہ صحافہ کے غدار بیٹے کو تقیہ سے غداری کی سزا ایک کھلے میدان میں دی جائے گی۔ غریب طایان کو پتہ بھی نہیں تھا کہ اسے کس جرم کی پاداش میں گرفتار کیا گیا ہے۔ اسے اس وقت تک کوئی علم نہ ہو سکا، جب تک اسے موت کے کھلے میدان میں لے جایا گیا۔

لیکن قبیلے والوں کو جمع دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ یہ تو ایسا منظر تھا، جب کسی کو موت کی سزا دی جاتی تھی۔ اسے میدان کے بیچوں بیچ لے جایا گیا۔ تب اس نے کسی سے پوچھا۔

"کیا مجھے موت کی سزا دی جائے گی؟"

"کاش اس سے بھی بڑی کوئی سزا ہوتی اور تمہیں دی جاتی۔" جواب دینے والے نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"لیکن میرا جرم کیا ہے؟"

"تقیہ سے غداری معمولی جرم ہے۔ قبیلے کا وقار اور جوانوں کی موت کا جرم معمولی نوعیت کا ہے؟"

"غداری...... کس نے کی؟"

"خوب! یہ سوال ہم سے کر رہے ہو، دل سے کرو۔"

"دل خاموش ہے۔ تم ہی جواب دے دو۔"

"مرنے سے پہلے تو دل صاف کر لے۔ تقیہ کی شکست کے ذمے دار تم ہو۔ تم نے اپنی محبوبہ کو تقیہ کے بارے میں تفصیلات بتائیں اور تمہاری ہی کوششیں تقیہ کی شکست کا سبب بن گئیں۔"

طایان دنگ رہ گیا۔ اتنا بڑا الزام سن کر اس کی زبان صدمے سے گنگ ہو گئی تھی، اور اس کے بعد اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا۔ ہاں اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ اس کے اوپر کتنا شدید بہتان لگایا گیا تھا۔

پھر ابوراس بھی آ گیا۔ اس کے ساتھ طلابیہ بھی تھی۔ جسے زبردستی لایا گیا تھا۔ ابوراس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ اس نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھا تم نے سیاہ رو طایان کو...... اس کے باپ نے قبیلے کی شان بڑھانے کیلئے جان دی تھی، لیکن...... یہ اسے بھی دیکھو۔ اس نے ایک عورت کے فریب میں آ کر پورے قبیلے کے منہ پر سیاہی لگوا دی ہے۔ اس نے اپنی محبت کی خاطر سینکڑوں گھرانوں کو بے چراغ کرا دیا۔ لعنت ہے اس پر اور لعنت ہے اس کے منہ کے گندے خون پر۔ جلاد...... اس کی گردن تن سے جدا کر دو...... جلد ہی

زمین کو اس کے بوجھ سے آزاد کردو۔"

لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگے' پھر جلاد آگے بڑھا اور آن کی آن میں طایان کی گردن اس کے شانوں سے جدا ہو کر دور جا پڑی۔ طلایہ کے منہ سے بھیانک چیخ نکلی اور وہ بیہوش ہو گئی۔ آہ...... یہ کیا ہو گیا۔

طلایہ کے اعصاب قابو میں نہیں تھے۔ بمشکل تمام وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔ گھوڑے کی باگیں اس کے ہاتھ میں لرز رہی تھیں' اور وہ گھوڑے کی پشت پر۔ اسے خود کو سنبھالنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ بار بار اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ نجانے کس طرح وہ خیمہ تک پہنچ سکی۔ خود کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپاتی ہوئی بالآخر وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئی۔

گھوڑے کو اس کی جگہ باندھ دیا لیکن اس کے ہاتھ پاؤں سنسنا رہے تھے۔ سر من بھر کا ہو رہا تھا۔ کیا کہے گی وہ ربابہ سے۔ کیا بتائے گی اسے...... کیسے بتائے گی۔

لیکن بتانا ہی تھا۔ دل پر قابو پا کر وہ ربابہ کے پاس پہنچ گئی۔ ربابہ اسے ٹھیک نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

اس نے بیتاب نگاہوں سے طلایہ کو دیکھا اور طلایہ بے چین ہو گئی۔

"کیا خبر لائی طلایہ' تو نے ساری رات کہاں لگا دی۔ میں کس بے چینی سے رات بھر انتظار کرتی رہی۔ تجھے کیا معلوم کن وسوسوں سے گزری۔"

"ربابہ۔" طلایہ نے ایک سسکی بھری۔

"کیا...... کیا...... کیا...... وہ نہیں آیا' لیکن کیا تو نے اس کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"ربابہ...... تیرا طایان اب اس دنیا میں نہیں ہے۔" طلایہ نے کہا اور رو پڑی۔ ربابہ خاموش رہ گئی تھی۔ اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ خاموش بیٹھی خلا میں گھورتی رہی۔ نجانے یہ قوت برداشت اس میں کہاں سے آ گئی تھی۔ کافی دیر تک یہ ہی کیفیت رہی' پھر اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں پوچھا۔

"تو نے یہ بات کس سے معلوم کی؟"

"وہ جنگ میں نہیں مرا...... ربابہ...... بلکہ...... بلکہ اسے اس کے قبیلے والوں نے قتل کر دیا۔" طلایہ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"لیکن...... لیکن کیوں؟" ربابہ چلائی۔

"انہیں تیری محبت کا علم ہو گیا تھا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ طایان نے قبیلے سے غداری کی ہے۔ اس جرم کی پاداش میں اس کی گردن اڑا دی گئی۔" طلایہ نے اسے پورا قصہ سنا دیا۔ ربابہ نے اب بھی برداشت کیا تھا' پھر وہ آہستہ سے بولی۔

"تو یہ ظلم ہوا ہے میرے طایان کے ساتھ۔ آہ...... یہ ظلم ہوا ہے میرے طایان کے۔"

اس نے ایک چیخ ماری اور پھوٹ پھوٹ کر رہنے لگی۔ "آہ...... آہ...... اسے میرے باپ نے قتل کرایا ہے۔ آہ...... اس نے جھوٹی انا کی خاطر مجھے برباد کر دیا۔ آہ...... اگر وہ طایان کی بات مان لیتا تو...... تو...... نہیں نہیں میرا طایان زندہ ہے۔ میں...... میں...... لیکن اس کے ساتھ...... اس کے ساتھ۔"

ربابہ بے ربط گفتگو کرنے لگی۔ اس کے ذہن میں کشمکش ہو رہی تھی اور پھر اس کی باتوں میں کوئی ربط نہیں رہا۔ وہ اول فول بکنے لگی۔ اس کا ذہن اس کے قابو میں نہیں رہا تھا۔

سردار ابولایا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ربابہ کا دماغ کیوں الٹ گیا ہے۔ وہ بیٹی کو بے پناہ چاہتا تھا اور اس کیلئے بیحد پریشان تھا۔ نجانے کیوں اسے محسوس ہوتا تھا جیسے ربابہ اس سے بے پناہ نفرت کرنے لگی ہے' لیکن کیوں یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ کئی بار اس نے ربابہ سے یہ پوچھنے کی کوشش کی لیکن وہ کوئی سلیقے کی بات ہی نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے ابولایا کو کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی' اور وہ پریشانی میں ڈوبا رہا۔

پھر ایک دن اس وقت جب ابولایا اپنے مصاحبوں کے درمیان بیٹھا تھا اور قبیلے کے اہم معاملات کے فیصلے کر رہا تھا کہ اچانک ربابہ ان کے درمیان آ گئی۔ اس کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔ اس کا چہرہ آگ بگولا ہو رہا تھا۔

"سردار ابولایا...... تُو اس قبیلے کا سردار ہے ناں؟"

"ربابہ تو یہاں کیوں آ گئی؟"

"ایک ظالم درندے کو اصلی شکل دکھانے۔"

"تو...... ابولایا...... تو۔"

"ربابہ تو ہوش و حواس میں نہیں ہے۔" ابولایا کو اس کے یہ الفاظ ناگوار محسوس ہوئے۔ "پکڑو اسے کوئی اور واپس لے جاؤ۔ اس کی ذہنی حالت درست نہیں ہے۔"

"ذہنی حالت تیری درست نہیں ہے' ابولایا۔ تو نے جھوٹی انا کی خاطر جتنے بے گناہوں کا خون بہایا ہے' تجھے اس کا حساب دینا پڑے گا۔

"ربابہ واپس چلی جاؤ۔ مجھے سختی پر مجبور نہ کرو۔" ابولایا نے کہا۔

"سختی کے علاوہ تو کر بھی کیا سکتا ہے' ابولایا۔ تو نے نجانے کتنوں کی زندگیاں چھینی ہیں۔ تو قاتل ہے' تو لٹیرا ہے۔" ربابہ آگے بڑھی اور اس نے ابولایا کا گریبان پکڑ لیا اور پرجوش انداز میں اسے جھنجھوڑا۔

تمام مصاحب کھڑے ہو گئے۔ ابولایا نے ایک جھٹکے سے گریبان چھڑا لیا اور گرجدار آواز میں بولا۔

"لے جاؤ اسے اور قید کر دو۔ سخت پہرہ لگا دو اس پر۔ یہ خیمے سے نکلنے نہ پائے" اور پھر ربابہ کو قید کر دیا گیا۔ اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ وہ ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔ "اور تم

خیال نہ کرنا۔'' ابولایا نے کہا۔

''لیکن سردار اس کا ذہن الٹنے کی کوئی وجہ ضرور ہوگی۔'' کسی نے کہا۔

''وجہ معلوم نہیں ہوسکی۔''

''وہ تمہیں غاصب اور لٹیرا کہتی ہے۔ اس کے ذہن میں ایسی کوئی بات ضرور ہے۔''

''میں نہیں جان سکا۔'' ابولایا نے جواب دیا۔ وہ پریشان ہوگیا تھا۔ اگر ربابہ کے علاوہ اور نے یہ گستاخی کی ہوتی تو اس کی سزا موت تھی' لیکن وہ اپنی لخت جگر کو موت نہیں دے سکتا تھا۔ جانتا تھا اس بات پر نکتہ چینی ضرور ہوگی' اور اس کا خیال درست نکلا۔ اس کے مصاحبوں نے اس بار کو نظر انداز نہیں کیا تھا اور بہت سی زبانوں پر اس یہ چرچا آ گیا۔

لیکن ابولایا نے چشم پوشی اختیار کی اور کسی کی بات پر توجہ نہ دی۔ وہ ربابہ ہی کے چکر میں پھنسا ہوا تھا۔ ربابہ نے اپنی حالت خراب کر لی تھی۔ وہ کئی کئی دن تک کھانا پینا چھوڑ دیتی۔ بعض اوقات دن رات چیختی رہتی' روتی رہتی تھی' اور بعض اوقات کئی اس نے طایان کا نام بھی لیا تھا۔

سردار ابولایا نے بھی یہ نام سنا اور اس نے خفیہ طور پر بستی میں طایان نامی نوجوان کی تلاش کرائی۔ یہ معلوم بھی کرایا کہ تقیہ والوں سے جنگ میں کوئی طایان نامی نوجوان قتل تو نہیں ہوا' لیکن اسے اس کوشش میں بھی ناکامی ہوئی' اور طایان نامی نوجوان پورے قبیلے میں کوئی نہ نکلا اور وہ مایوس ہو گیا۔

وقت گزر رہا تھا۔ ربابہ کی حالت بہتر نہیں ہوئی تھی۔ وہ خاموش رہتی تھی۔ ہاں کوئی اسے بلانے پہنچ جاتا تو وہ چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیتی۔ اس لئے اب اس کے پاس کسی کو جانے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ طویل عرصہ اسی طرح گزر گیا۔

اور پھر ایک رات جب ایک بوڑھی خادمہ کھانا لے کر پہنچی تو ربابہ کی بری حالت تھی۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی اور وہ زمین پر پڑی ہوئی تھی۔

خادمہ ڈرتے ڈرتے اس کے نزدیک پہنچ گئی اور پھر اس نے ربابہ کا پیٹ دیکھا تو دنگ رہ گئی۔ بوڑھی عورت کو صاف محسوس ہوگیا کہ وہ دردزہ میں مبتلا ہے۔ خادمہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ یہ بات کسی اور سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی چنانچہ سردار کے پاس پہنچ گئی۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

سردار ابولایا اس وقت تنہا تھا۔ اس نے خادمہ کو دیکھ کر کہا۔

''کون ہے تو؟''

''میرا نام سلسلہ ہے سردار۔''

''کیوں آئی ہو؟''

''میں ربابہ کو کھانا کھلاتی ہوں۔''

''اوہ......'' ابولایا اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ''پھر کیا بات ہے۔''

''ربابہ کی حالت بہت خراب ہے سردار۔''

''کیا ہوگیا ہے اسے۔'' سردار بے قراری سے بولا اور اپنی جگہ پر کھڑا ہوگیا۔

''اوہ...... سردار وہ ماں بننے والی ہے۔''

''کیا؟'' سردار گرتے گرتے بچا۔ اس کی آنکھوں میں تاریکی پھیل گئی۔

''ہاں...... سردار...... اس کی خبر لی جائے۔ وہ...... وہ بہت جلد......'' بوڑھی خادمہ نے کہا' لیکن سردار ابولایا نے اس کی گردن پکڑ لی۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ ''یہ بات ہم سے اب تک کیوں چھپائی گئی تھی' جواب دو۔ یہ بات اب تک ہم سے کیوں چھپائی گئی تھی۔''

''کسی کو معلوم ہی نہیں ہوسکا تھا سردار۔ میں سچ کہتی ہوں...... کسی کو......''

''کیوں اندھی تھی تم...... جواب دو۔''

''سردار میں ربابہ کے نزدیک نہیں جاتی تھی۔ ایک دن اس نے میری گردن دبا دی تھی۔''

''طایان...... طایان یہ نام بار بار اس کی زبان پر آتا تھا۔ مگر وہ بدبخت کون ہے اور کہاں چھپ گیا' چلا گیا۔ وہ اور کہاں سے تھا اس کا تعلق......؟''

''سردار اس کی خبر لیں۔ اس کی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔'' خادمہ نے کہا اور سردار نے اسے زور سے دھکا دے دیا۔ سلسلہ دور جا گری اور پھر اٹھ کر باہر بھاگ گئی۔ ابولایا اپنی بیوی کے پاس پہنچ گیا۔ ابولایا کی بیوی بھی اس روح فرسا خبر کو سن کر دنگ رہ گئی تھی' پھر بیٹی کی محبت نے جوش مارا اور اپنی چند معتمدوں کو لے کر ربابہ کے پاس پہنچ گئی۔

ربابہ نے ایک خوبصورت بیٹے کو جنم دیا تھا۔

سب دنگ رہ گئے تھے۔ ربابہ تو اپنے حواس میں نہیں تھی۔ اس سے کوئی کیا گفتگو کرتا' اور وہ کسی کو اس بارے میں کیا بتاتی۔ سردار ابولایا کے حواس درست نہیں تھے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس کی عزت خاک میں مل گئی تھی۔ وہ بیحد پریشان تھا اور پھر اسے اطلاع مل گئی کہ ربابہ نے بیٹے کو جنم دیا ہے۔ اس کے حواس جواب دے رہے تھے۔ اس خبر کو کیسے چھپا سکتا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

ساری رات وہ پریشان بیٹھا رہا۔ اس کی بیوی اس کے سامنے تھی۔ رات کے آخری پہر میں اس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا اور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''کیا تم اجالوں کو روک سکتی ہو؟''

''میں نہیں سمجھی سردار۔''

''کیا آج کی رات ہماری عزت' ہمارے وقار کی آخری رات نہیں ہے؟''

''میں کیا بتاؤں' مجھے تو کچھ پتا ہی نہیں چل سکا۔''

''کوئی کچھ نہیں بتا سکتا۔ کوئی بھی کچھ نہیں بتا سکتا۔'' سردار بڑبڑانے لگا' پھر بولا۔ ''اب تو

مجھے یقین ہوتا جارہا ہے کہ طایان کا تعلق ہمارے قبیلے سے نہیں تھا۔"

"پھر؟"

"یا تو وہ تقیہ قبیلے سے تعلق رکھتا تھا یا پھر کسی اور قبیلے سے۔"

"لیکن ربابہ کو وہ کہاں مل گیا؟"

"اب ان باتوں کو سوچنا فضول ہے۔ یہ بتاؤ بستی والوں کا مقابلہ کیسے کرو گے۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔" اس نے پریشانی سے کہا اور روشنی پھوٹ آئی۔ سردار کی آنکھوں میں اب بھی تاریکی تھی۔ وہ اس خبر کو کسی طور بھی چھپا نہیں سکتا تھا۔ پہلے دن وہ اپنے خیمے میں پڑا رہا۔ وہ باہر کی باتوں کو سننے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ اس کے کان بہرے ہوئے جا رہے تھے۔ دن گزر گیا لیکن خاموشی سے نہیں۔ بھلا ایسی باتیں کہیں چھپتی ہیں۔ خیمے کے باہر پہریدار بھی تھے، کھانا کھلانے والی عورت پیٹ میں بات کہاں رکھ سکتی تھی۔ چنانچہ بات باہر نکل گئی' اور اتنی اہم بات کوئی محفوظ کس طرح رکھ سکتا تھا۔ پوری بستی میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔

لیکن اس رات بستی والوں نے صبر کیا تھا' البتہ دوسرے دن بستی کے بڑوں نے آپس میں محفل مشاورت برپا کی۔ سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ "سن لیا ہوگا سب نے۔" ایک بزرگ نے کہا۔

"ہاں۔"

"بتاؤ کیا سردار کیلئے سب جائز ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ سردار کا انتخاب ہم ہی کرتے ہیں۔ قبیلہ کسی کی جاگیر نہیں ہے۔ ہم سب ان کی عزت کرتے ہیں۔ ہم سب اپنا عزت' وقار سردار کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔ اگر سردار ہی کمزور ہو گا تو سرداری کیا کرے گا۔"

"لیکن اس وقت تو کسی نے کچھ نہیں کہا جب سردار کی بیٹی نے اس کا گریبان پکڑ لیا تھا۔" کسی ایک نے کہا اور پھر دوسرا بولا۔

"اس کی دو وجہیں تھیں۔"

"کیا کیا؟"

"اول تو لڑکی کو ذہنی فتور میں مبتلا کیا گیا تھا۔ دوسری بات یہ کہ بہرحال سردار نے اسے زنجیر پہنا کر قید کر دیا تھا۔"

"لیکن پتہ چل گیا کہ ذہنی فتور کیا تھا۔"

"ہاں...... سردار نے دھوکہ کیا ہے۔"

"ممکن ہے سردار کو بھی اس بارے میں معلوم نہ ہو۔"

"ارے یہ کیسے ممکن ہے۔ واہ...... اتنی بڑی بات معلوم نہ ہوگی۔"

"پھر تو سردار نے مجرمانہ کارروائی کی ہے۔"

"ہاں...... اسے جواب دینا ہوگا۔"

"پھر اب کیا ارادہ ہے؟"

"سردار کے پاس چلیں گے۔"

"کب چلیں گے؟"

"ابھی چلیں گے ورنہ کوئی کارروائی نہ ہو جائے۔ ٹھیک ہے بھائیو! لیکن ہمیں کچھ اور لوگوں کو بھی ساتھ لے لینا چاہیے۔ بلکہ کچھ عورتوں کو بھی جو اپنی آنکھوں سے ربابہ کو دیکھیں تاکہ سردار انکار نہ کر سکے۔"

اور پھر یہ بات طے ہوگئی۔ لوگوں کا ایک گروہ جس میں چند عورتیں بھی شامل تھیں' سردار کے خیمے کی طرف چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ سردار کے خیمے کے سامنے تھا۔ عورتوں کو ربابہ کے خیمے میں بھیج دیا گیا' اور تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے بتایا کہ ربابہ مع بچے کے خیمے میں موجود ہے۔

"اب تو کوئی بہانہ نہیں رہ گیا۔"

"اب کوئی بہانہ نہیں ہے۔"

"تو پھر سردار کو بلاؤ۔" ایک بزرگ نے کہا' اور دو آدمی پہریداروں کے پاس پہنچ گئے۔

"سردار کو باہر بھیج دو۔" انہوں نے پہریداروں سے کہا۔

"کیوں آئے ہو تم لوگ؟" پہریدار نیزے تانتے ہوئے بولے۔

"سردار ابولایا...... باہر آؤ...... باہر آؤ...... باہر آؤ۔" لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا اور پھر اس وقت خاموش ہوئے جب سردار ابولایا خیمے کے دروازے پر نظر آیا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ جھریاں ابھری ہوئی تھیں چہرے پر اور وہ بیمار نظر آ رہا تھا۔ فخر و غرور سے تنا ہوا سر آج جھکا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے دھیمی آواز میں پوچھا اور آنے والے اس سے اصل بات کہتے ہوئے جھجکنے لگے۔ سردار ابولایا خاموش ان کی آواز کا انتظار کرنے لگا' پھر اس نے نگاہیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے؟" اس بار اس کی آواز میں درشتگی تھی۔

"کیا یہ بات درست ہے سردار؟" ایک بوڑھے آدمی نے پوچھا۔

"ہاں...... درست ہے۔" سردار کی آواز میں شکست خوردگی تھی۔

"تب اس کا باپ کون ہے؟"

"کسی کو نہیں معلوم۔" سردار نے جواب دیا۔

"تمہاری بیٹی کیا کہتی ہے' ابولایا؟"

"وہ کچھ نہیں کہتی' بھائیو!"

"پھر اب کیا کرو گے سردار......؟" لوگوں کی جرأت بڑھتی جا رہی تھی۔

''کیا کر سکتا ہوں......!''

''ہم تمہیں قبیلے کی یاد دلانے آئے ہیں سردار۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیٹی کی محبت میں آ(کر) قبیلے کے رسم و رواج بھول جاؤ۔ ایسے واقعات کبھی صدیوں میں ہوتے ہیں اور ہم بھول جاتے ہیں ایسے موقعوں پر کیا کیا جاتا ہے۔ کیا تم جانتے ہو سردار کہ اس جرم کی سزا میں کیا کیا جاتا ہے!'' بوڑھے شخص نے کہا۔

''کیا کیا جاتا ہے؟''

''لڑکی کو زندہ زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے اور ناجائز بچے کو اس کے نزدیک چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی رحم نہیں کیا جا سکتا' سردار۔''

''یہ فیصلہ کون کرتا ہے!'' ابولایا نے پوچھا۔

''قبیلے کا سردار۔''

''اور اگر میں اپنی بیٹی کیلئے تم سے رحم کی بھیک مانگوں۔ اگر میں تم سے التجا کروں کہ (میری) آنکھوں کی روشنی برقرار رہنے دی جائے' اس سے غلطی ہوگئی۔ میں اس سے بچے کے باپ کے بار(ے) میں معلوم کروں اور پھر اس سے اس کی شادی کر دوں' تو کیا مجھے یہ فرازی عطا کی جا سکتی ہے! جواب دو!'' سردار ابولایا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''رسمیں اٹل ہوتی ہیں سردار۔ اگر قبیلے کی کسی اور بیٹی سے یہ حرکت سرزد ہوتی تو کیا معاف کر دیتے۔''

''بیٹی کو نہیں لیکن اس کے باپ کو ضرور معاف کر دیتا۔ قصور بیٹی نے کیا ہے باپ کو اس سزا کیوں ملے؟ ربابہ مر گئی تو میں بے موت مر جاؤں گا۔'' ابولایا زار و قطار رو رہا تھا۔

لیکن آنے والوں کی آنکھوں میں اس کیلئے رحم کے جذبات نہیں تھے۔ وہ سپاٹ نگا(ہوں) سے ابولایا کی شکل دیکھ رہے تھے' پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

''تم جانتے ہو سردار ابولایا۔ قبیلے کے سردار کی آنکھوں سے صرف شعلے نکلتے ہیں۔ اگر سر(دار) کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں تو اسے سرداری کے قابل نہیں سمجھا جاتا اور اس وقت کسی دوسرے انتخاب کی ضرورت آ پڑتی ہے۔''

''تم میرے اوپر رحم نہیں کھاؤ گے۔ میری التجائیں نہیں سنو گے؟''

''رسمیں سب کیلئے یکساں ہوتی ہیں' سردار۔ اس سلسلے میں رحم نہیں کھایا جا سکتا۔''

''تب پھر میں بھی یہ ہی چاہتا ہوں کہ تم دوسرا سردار منتخب کر لو۔ میں اپنی ربابہ کیلئے یہ (فیصلہ) اپنی زبان سے نہیں سنا سکتا۔'' ابولایا نے کہا اور واپس اپنے خیمے میں چلا گیا۔

لیکن باہر وہ بہت سی آوازیں چھوڑ گیا تھا۔ لوگ اس پر لعن طعن کر رہے تھے۔ اسے دھمکیاں دے رہے تھے اور پھر وہ وہاں سے چل پڑے' اور پھر پوری بستی میں آگ لگ گئی۔ یہ خبر جنگل (کی)

آگ کی مانند پورے قبیلے میں پھیل گئی کہ سردار ابولایا کی بیٹی نے ایک ناجائز بچے کو جنم دیا ہے اور سردار ابولایا اسے سزا دینے کیلئے تیار نہیں ہے۔

اور لوگ جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ ہر زبان پر یہ ہی چرچا تھا۔ ہر شخص ابولایا کی مذمت کر رہا تھا' پھر لوگوں نے فیصلہ کیا کہ ابولایا اگر اپنی بیٹی کو سزا نہیں دیتا تو اسے سرداری سے علیحدہ کر دیا جائے اور کسی دوسرے سردار کا انتخاب کیا جائے۔

''اب اور کتنا ذلیل کرائے گی ربابہ۔ اب اور کیا کرے گی۔ بیٹی بتا دے' اس بچے کا باپ کون ہے۔ بتا تو نے یہ گناہ کب کیا تھا۔ وہ کون تھا' کہاں ہے اب؟''

اور ربابہ کی آنکھوں سے آگ برسنے لگی۔ اسے ابولایا کے پریشان چہرے کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ وہ زور سے ہنس پڑی۔ ''تو پریشان ہے' ابولایا...... تو پریشان ہے' میرے باپ۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''ہاں میں پریشانی کی آخری منزلوں تک پہنچ چکا ہوں۔''

''تو پھر میں تیری کیا مدد کروں۔''

''مجھے بتا وہ کون ہے۔''

''کیوں بتاؤں۔ میں تیری مدد کیوں کروں۔ تو نے بھی میری بات مانی تھی۔ بول کیا تو نے مجھے پابۂ زنجیر نہیں کیا تھا۔ وہ جس نے ہمیشہ تیرے قبیلے کی عزت کو مدنگاہ رکھا۔ ورنہ وہ چاہتا تو خاموشی سے مجھے لے کر چلا جاتا۔ وہ تیری وجہ سے مارا گیا سردار۔ بول میں نے کہا نہ تھا کہ تقیہ سے جنگ نہ کی جائے۔ بول سردار......''

''تقیہ...... تو کیا وہ تقیہ کا کوئی جوان تھا۔'' ابولایا نے حیرت سے کہا۔

''یہ بچہ ناجائز نہیں ہے۔ سردار ہم دونوں نے شادی کی تھی۔ ہاں دیوتاؤں کی قسم' ہم نے شادی کی تھی۔''

''شادی کی تھی؟''

''تو طلایہ سے پوچھ لے۔ وہ میرا شوہر تھا۔ آہ طایان میرا شوہر تھا۔ آہ...... طایان میرا شوہر تھا' لیکن وہ ہمارے لئے مر مٹا...... اس نے ہمارے لئے جان دیدی۔ بتا میں اسے کہاں تلاش کروں...... بول...... کہاں تلاش کروں اسے۔''

''تو وہ تقیہ کا جوان تھا۔ مگر تو اس سے کیسے ملی۔ تو نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ تقیہ سے ہماری دشمنی ہے۔'' ابولایا غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے طلایہ کو بلا بھیجا اور پھر طلایہ کی زبانی اسے پوری تفصیل معلوم ہو گئی۔

ابولایا غصے سے دیوانہ ہو گیا تھا۔ ''آہ...... کاش وہ زندہ ہوتا۔ آہ...... کاش میں اس کے بدن کو اپنے دانتوں سے نوچ لیتا' لیکن تو نے میری ایک مدد ضرور کی ربابہ۔ اب تک میں تیری محبت میں

دیوانہ تھا۔ اب تک تیری موت کے صدمے سے بے چین تھا' لیکن اب تو نے میرے دل سے غم ... داغ دھو دیئے ہیں۔ میں شرمندہ ہو رہا ہوں کہ جس بیٹی کی زندگی کیلئے میں پورے قبیلے کی دشمنی ... لے رہا ہوں۔ اس نے میرے دشمن سے محبت کی ہے۔ اس نے میرا سر دشمن کے سامنے جھکا دیا۔ ... نے میری عزت دشمن کے قدموں میں ڈال دی ہے۔ میں تجھے موت کی سزا دوں گا۔ ربابہ میں قبیلے ... رسم نہیں توڑوں گا۔'' سردار ابولایا غصے سے پھنکارتا ہوا خیمے سے باہر نکل گیا۔

بپھرے ہوئے مجمع نے ابولایا کو دیکھا اور خاموش ہو گیا۔ ان لوگوں نے بھی اس کی ... دیکھی' جو پہلے اس کے پاس آئے تھے اور انہوں نے ابولایا کو روتے گڑگڑاتے دیکھا تھا' لیکن ... وقت انہوں نے ابولایا کی شکل بدلی ہوئی پائی تھی۔

''کیوں آئے ہو تم' کیا بات ہے؟''

''ہم قبیلے کی رسم و رواج کا اعادہ چاہتے ہیں' سردار۔''

''ابولایا کیا تمہاری سرداری کے قابل نہیں رہا ہے۔ کیا اس نے تمہیں سرفراز نہیں رکھا ہے؟'' ابولایا نے گرج کر کہا۔

''ہمیں اعتراف ہے' سردار...... لیکن۔''

''لیکن کیا؟''

''ربابہ کو رسم کے مطابق سزا ملنی چاہیے۔''

''کیا یہ فیصلہ تم کرو گے؟''

''نہیں...... لیکن ہم سردار کی زبان سے فیصلہ سننے آئے ہیں!''

''سنو ابھی میں سردار ہوں۔ ابھی تمہاری قسمتوں کا مالک میں ہوں۔ میں تمہیں بگاڑ ... ہوں۔ میں تمہاری زندگیاں چھین سکتا ہوں۔ کون مجھے میرے فیصلوں سے روکے گا۔ آؤ' آؤ' آ... آؤ...... کون مجھے میری مرضی کے مطابق فیصلہ کرنے سے باز رکھے گا؟'' ابولایا نے قہرآلود نگاہوں سے مجمع کو دیکھا اور مجمع کو سانپ سونگھ گیا۔ کوئی آگے نہیں آیا تھا۔

ابولایا کافی دیر تک انتظار کرتا رہا' پھر بولا۔ ''جاؤ...... بیوقوف انسانو واپس جاؤ۔ کل ... صحرائے عظیم میں ربابہ کو ریت میں دفن کر دیا جائے گا۔ تم سب کو اس رسم میں شرکت کی دعوت د... ہوں...... جاؤ۔''

اور مجمع چونک پڑا۔ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے اور پھر آہستہ آہستہ کھسکنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں کچھ نہیں رہا تھا۔ ابولایا تنا ہوا مجمع کے آخری آدمی کو دیکھ رہا تھا۔

ربابہ کے چہرے پر بے پناہ سکون تھا۔ اس کی ماں پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ خود ابولایا کا ... بیٹھا جا رہا تھا' لیکن اس کی آنکھوں میں مسرت پھوٹ رہی تھی۔ وہ اپنے بچے کو گود میں لئے ہوئے ... اور دو گھوڑے اس گاڑی کو صحرا کی طرف کھینچ رہے تھے جس میں وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بچے کو ...

چومنے لگتی تھی' اور ایک عظیم مجمع اس گاڑی کے پیچھے پیچھے صحرا کی طرف چل رہا تھا۔ ایک گھوڑے پر ابولایا بھی سوار تھا۔ اس کی ذہنی کیفیت نجانے کیا تھی' لیکن اس نے چہرے پر سرداری کا رعب برقرار رکھا تھا' اور اس کی گردن تنی ہوئی تھی! سورج نکلنے سے قبل وہ صحرائے عظیم پہنچ چکے تھے۔ بوڑھے پیشرو گاڑی کے نزدیک آ گئے۔ سردار ابولایا بہرحال یہ ہمت نہ کر سکا۔ وہ بدستور گھوڑے پر بیٹھا رہا۔ تب دو بوڑھے آدمی اس کے نزدیک آئے۔

''رسم کے مطابق...... سردار کی اجازت درکار ہے۔'' ان میں سے ایک نے کہا اور ابولایا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا' پھر اس نے گردن سامنے کر لی' اور پھر بھاری آواز میں بولا۔ ''میں سردار ابولایا' حشیما قبیلے کا سربراہ' اس لڑکی کو ریت میں دفن کرنے کا حکم دیتا ہوں جس نے قبیلے کی عزت اور اس کے وقار پر داغ لگایا ہے۔ میرا حکم ہے کہ لڑکی کو گردن تک ریت میں دفن کر دیا جائے اور اس کے بچے کو اس کے قریب ریت میں چھوڑ دیا جائے تاکہ سورج اس کے ساتھ انصاف کر سکے۔'' ابولایا سپاٹ لہجے میں بولا' اور پھر چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔

اس کے بعد نوجوانوں نے آگے بڑھ کر ربابہ کو گاڑی سے اتار لیا' پھر نوجوان ریت میں قدآدم گڑھا کھودنے لگے۔ ابولایا کے دل میں درد ہو رہا تھا' لیکن وہ چہرے پر کرب کی ایک بھی لکیر پیدا ہونے نہیں دینا چاہتا تھا۔ گڑھا تیار ہو گیا اور پھر ابولایا نے ربابہ کو گڑھے میں اتارنے کی رسم میں بھی حصہ نہیں لیا۔ وہ بدستور گھوڑے پر بیٹھا رہا تھا۔

''سنو......'' ربابہ نے گڑھے میں اتارنے والے نوجوان سے کہا۔

''کیا بات ہے؟''

''کیا میرا چہرہ ریت سے اوپر رہے گا۔''

''ہاں۔''

''کیا میرا بچہ مجھ سے فاصلے پر چھوڑا جائے گا!''

''نہیں۔''

''وہ میرے قریب ہو گا ناں؟''

''ہاں۔''

''تب ٹھیک ہے۔ مرتے مرتے میں اسے دیکھتے رہنا چاہتی ہوں۔'' ربابہ نے سکون سے کہا۔ اس کے بدن کے چاروں طرف ریت بھری جا رہی تھی' اور وہ تقریباً دفن ہو چکی تھی' پھر ریت اس کے شانوں تک پہنچ گئی' اور پھر گردن تک۔ اب صرف اس کا چہرہ کھلا رہ گیا تھا۔ رسم پوری ہو چکی تھی۔ اس کے بچے کو اس کے بالکل قریب لٹا دیا گیا تھا۔

اور پھر لوگ واپس چل پڑے۔ سردار ابولایا کے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے لیکن وہ واپس قبیلے پہنچنے کی ہمت پیدا کر رہا تھا' پھر صحرائے عظیم بہت پیچھے رہ گیا۔

''تو محکوم نہیں ہے کسی ایسی ذات کا جو رحم نا آشنا ہو' اور ذات عظیم تو جانتی ہے کہ میں
نہیں کیا۔ وہ میری زندگی کا مالک تھا' اور میں نے دل سے اسے اپنا مانا تھا۔ ماں نہ ہوتی تو
کچھ نہ مانگتی۔ اس کیلئے چھپ جا کہ میری زندگی طویل ہے نہ اس کی۔ یوں سمجھ کہ اس صحرا
تیرے مہمان ہیں اور ہماری مہمان نوازی یوں کر کہ ریت ٹھنڈی رہے اور اس دنیا میں میرے
آنکھ کھولنے والا یہ نہ سوچے کہ اگر ماں کا خلوص دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو تو اس کی دعا
ہوتی ہے۔ وہ اس قدر محتاج ہوتی ہے کہ دعا بھی نہ دے سکے۔ یہ ننھی کونپل جسے توڑ کر ریت پر
گیا ہے شدید دھوپ اور گرمی سے بے جان نہ ہو جائے۔''

تو سورج نے ماں کی آواز سنی اور وہ کانپ کر سرد ہو گیا۔ اس کے دل پر اتنا اثر ہوا
نے بدن کی کپکپاہٹ کو دور کرنے کیلئے بادلوں کے دبیز لحاف اوڑھ لئے۔ تب اس نے
پورے دن ماں کی آواز کا اور اس صحرا میں دھوپ نہیں نکلی۔ محافظ بادل بلندیوں پر گردش کر
اور ہاں وہ ناخوش نہ تھی کہ دیوتاؤں نے اس کے ساتھ ناانصافی نہیں کی تھی۔ اس کی نگاہوں
مطعون نہ تھی۔ سو جب تک روشنی قائم رہی' حواس درست رہے۔ وہ دیکھتی رہی۔ کبھی آسمان کی
اور کبھی اس ننھے سے وجود کی جانب' جس کی شکل میں طایان چھپا ہوا تھا۔ طایان اس کا محبوب۔

لیکن ریت میں دبا بدن شل ہو گیا تھا۔ خشک ذرات نے خون کی روانی جذب کر لی تھی
آنکھوں کے سامنے پرچھائیاں رقصاں ہو گئیں' اور ذہنی قوتیں بھی نڈھال ہونے لگیں۔ پورا دن
میں بیت گیا تھا۔ پہلے تو ذہن میں بہت سے خیالات تھے۔ یہ احساس تھا کہ موت کی آمد کس طر
گی۔ وہ کدھر سے آئے گی۔ پہلے بچے کی جانب متوجہ ہو گی یا خود اس کی طرف' لیکن پھر آہستہ
تصور بھی نڈھال ہو گئے' اور پھر سوچ ایک ٹیس کی حیثیت اختیار کر گئی۔ اٹھتی تو ذہن میں روانی
جاتی ورنہ وہ سست روی اختیار کر لیتی۔

شاید رات ہو گئی تھی۔ بچہ بھی خاموش تھا۔ شاید ماں کی مصیبت سے آگاہ تھا۔ ا
مہمان ماں کا دل دکھانا پسند نہیں کیا' اور ایک بار بھی نہیں رویا۔ ہاں اپنے بدن کی جنبش سے وہ
زندگی کا احساس دلاتا رہا۔ تب ربابہ نے دور سے ایک روشن نقطہ دیکھا جو اس طرف بڑھ رہا
شاید یہ موت ہے۔ کیونکہ صحرا میں اس سے قبل کوئی تحریک نہیں تھی۔ موت کی شکل دیکھنے کیلئے ا
اپنے حواس جمع کئے۔ روشنی کو آواز دی اور اسے غور سے دیکھنے لگی۔ تب اسے حیرت ہوئی۔

تو موت اس طرح کی ہوتی ہے' یعنی انسانی شکل میں۔ ہاں' اس کا چہرہ بھی جسم کی طر
لباس میں پوشیدہ تھا اور وہ اونٹنی پر سوار ہو کر آتی ہے اور اس کے ہاتھ میں مشعل بھی ہوتی ہے۔
سے ہی مرنے والے کو اس کی آمد کا پتہ دیتی ہے' لیکن اسے ہتھیاروں سے مسلح ہونے کی کیا ض
ہے۔ وہ اونٹنی پر سوار' لٹکا ہوا اور لٹکی ہوئی تلوار' بھلا فرشتۂ اجل کو ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے۔
مشعل بردار اونٹنی سے اترا۔ وہ ان دونوں کو دیکھ رہا تھا' پھر اس نے مشعل قریب کر۔

کے چہرے کو دیکھا اور پھر اس نے مشعل ریت میں گاڑ دی۔ اس کے بعد وہ تیزی سے آگے بڑھا اور ربابہ کے گرد سے ریت ہٹانے لگا۔ اس کے مضبوط بازو نمایاں تھے' اور ربابہ کا بدن کھلتا جا رہا تھا۔ سیاہ پوش نے اسے ریت سے نکال لیا۔ ربابہ کے ہاتھ پاؤں بے جان تھے وہ کوئی جنبش نہیں کر سکتی تھی۔ وہ بول بھی نہیں سکتی تھی۔ سیاہ پوش نے اسے آہستہ سے زمین پر لٹا دیا اور پھر اونٹنی کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے پانی کی چھاگل اتاری اور پھر بڑے پیار سے ربابہ کا سر اپنی رانوں پر رکھ کر اسے پانی پلایا۔ اس کا چہرہ صاف کیا اور پھر چھاگل اس کے قریب رکھ دی اور اسے ریت پر لٹا کر اونٹنی کی طرف بڑھ گیا۔

اپنے سامان سے ایک برتن نکال کر وہ اونٹنی کے قریب بیٹھ کر اس کا دودھ نکالنے لگا۔ ایک مناسب مقدار میں دودھ نکالنے کے بعد وہ بچے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے پیار سے بچے کو گود میں لے کر دودھ پلایا' اور کافی دیر تک وہ اس کام میں مشغول رہا۔ اس دوران اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی اور ربابہ سوچ رہی تھی کہ کیا موت اس قدر نیک نفس اور اس قدر مہربان ہوتی ہے۔ یہ انوکھی بات ہے۔

ماں اور بیٹے کے بدن کی توانائی واپس آ گئی تھی۔ سیاہ پوش کو جب اس کا احساس ہو گیا تو شاید اس نے روانگی کی ٹھانی۔ ربابہ کو اس نے اونٹنی پر بٹھایا اور بچہ اس کی گود میں دے دیا' اور پھر ریت میں دفن مشعل نکالی۔ ایک ہاتھ میں مشعل تھامی اور دوسرے میں اونٹنی کی نکیل' اور پھر اس نے اسی خاموشی سے رات کی تاریکی میں ایک انجانا سفر شروع کر دیا۔

❀❀❀

ربابہ نیم جان تھی۔ اگر بچے کا وجود نہ ہوتا تو وہ صرف اپنے لئے موت طلب کرتی۔ صرف موت جو اس کے غمزدہ دل کیلئے سب سے بڑی نعمت تھی' لیکن طایان کی امانت' طایان کی جائز امانت اس کے پاس تھی۔ وہ اس امانت سے نگاہ نہیں چرا سکتی تھی۔ ان سارے دنوں میں اس نے جب بھی تصور کی آنکھ سے طایان کو دیکھا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پائی...... اور اس نے کہا...... ''ربابہ...... الفت کے بے رحم ہاتھ نے میرا وجود تجھ سے دور کر دیا لیکن مرنے کے بعد بھی میری روح تیرا طواف کرتی ہے' اور اگر تجھے میرے جسم کا عکس درکار ہو تو' تو اس سے بھی محروم نہیں ہے۔ ہاں تیرے بطن میں میری امانت موجود ہے۔ تیرے پاس میرا وجود ہے۔''

پھر جب یہ امانت ظہور میں آئی تب بھی طایان کا تصور اس سے دور نہیں تھا۔ اس نے کہا۔ ''ربابہ دیکھا میں واپس آ گیا ہوں۔ ایک بار مجھے تجھ سے دور کر دیا گیا لیکن دیکھنا اب میں تجھ سے دور نہ ہونے پاؤں۔ ہاں...... مجھے احساس ہے۔ ربابہ تو ایک کمزور عورت ہے' لیکن عورت کمزور ہوتی ہے ماں کمزور نہیں ہوتی۔ دنیا سے نمٹنے کیلئے اس کے پاس ہتھیار نہیں ہوتے' لیکن اس کی دعائیں وہ ہتھیار ہیں' جن کا مطلب دشمنوں کے پاس نہیں ہوتا۔''

سو ربابہ نے دیکھا اور محسوس کیا کہ اس وقت' جب دنیا کا جادو اس پر چل چکا تھا۔ جب اس

نے دیکھا کہ اس کے شقی باپ نے' جو باپ نہ تھا' سردار تھا۔ اس کو موت کے حوالے کر دیا اور جو رباب کو اپنی زندگی کی کوئی طلب نہیں تھی' لیکن طایان کی امانت کو وہ دعاؤں کے سائے میں رکھنے آخری جدوجہد کرتی رہی تھی۔ تو دعا نے انسانی وجود اختیار کیا اور مدد کو پہنچ گئی! سو یہ تھا سچی دعا ثبوت...... اور سچی محبت کا راز۔

اونٹنی سوار نے خود کو تکلیف میں مبتلا کیا تھا لیکن دونوں ماں بیٹے کو راحت پہنچائی تھی۔ چو رات کا وقت تھا اور سورج کی تمازت حائل نہیں تھی اس لئے اونٹنی سوار بھی آرام سے سفر کر رہا تھا۔ چاق و چوبند معلوم ہوتا تھا' اور اس کے انداز سے تھکن مترشح نہیں تھیں۔ خود رباب کو اپنا آپ سنبھا مشکل ہو رہا تھا۔

لیکن اس کے بچے کے گرد اس کے کمزور ہاتھوں کا مضبوط ہالہ تھا۔ یہ ہاتھ اس قوت کے نہ تھے جو اس کے بدن کی قوت تھی۔ بلکہ ان ہاتھوں کو کوئی اور ہی قوت حاصل ہو گئی تھی۔ مما قوت......"

یوں اونٹنی سوار رات بھر چلتا رہا اور پھر دن کی روشنی نمودار ہو گئی لیکن ایک بار بھی رباب پلک نہ جڑے کہ طایان کی بُو اس کے نتھنوں میں رچی ہوئی تھی' اور اس کے وجود کی ننھی سی گرمی کے سینے کے قریب تھی۔ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ ہی رباب کو اس شخص کا خیال آیا جس نے سا رات پیدل سفر کیا تھا' اور وہ چونک پڑی۔

وہ جو احسان کرتے ہیں' وہ جو ایثار کرتے ہیں اس قابل تو نہیں ہوتے کہ انہیں نظرانداز کر جائے۔ ساری رات چلنے والے شخص کی کیا حالت ہو گی۔ اس نے اپنی قوت مجتمع کی اور اس کی آواز ابھری۔

"رک جاؤ بھائی...... تم جو کوئی بھی ہو رک جاؤ۔" اور اونٹنی سوار رک گیا۔

"کیا بات ہے بہن؟" اس نے کہا۔

"مجھ سے تقصیر ہوئی ہے۔ ہاں میں نے خودغرضی کا ثبوت دیا ہے' جو ساری رات تمہارا خ نہ کیا۔ صحرا کے طویل سفر سے تم تھک گئے ہو گے۔ آہ...... انسان خود میں اتنا گم ہوتا ہے کہ دوسرا بھول جاتا ہے۔ میں نے گناہ کیا ہے لیکن یقین کرو بھائی میں سخت شرمندہ ہوں۔ میں خود میں اپنے خیالات میں' اپنے بچے میں اس قدر گم تھی کہ تمہارے بارے میں نہ سوچ سکی۔"

"اوہ......" اونٹنی سوار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی' پھر وہ نرم لہجے میں بولا۔ "ا بات بتاؤ بہن۔"

"پوچھو؟"

"کیا تم اونٹنی پر سو گئی تھیں؟"

"نہیں۔" رباب نے جواب دیا۔

"کیوں نہیں سوئیں؟" اس نے پوچھا۔

"یہ معصوم پھول میری آغوش میں سو رہا تھا۔ سارا دن یہ صحرا کی ریت پر لیٹا رہا ہے۔ اگر میری آنکھ لگ جاتی تو یہ میری گود سے گر پڑتا۔ میں اس کی حفاظت کر رہی تھی۔"

"گویا ایک جذبہ تمہارے ذہن میں تھا۔ محبت کا جذبہ' مامتا کا جذبہ۔"

"ہاں ایسی ہی بات تھی۔"

"سو بہن جذبہ ساری رات جگا سکتا ہے۔ جذبے کے نام مختلف ہوتے ہیں' لیکن روح ایک ہی ہوتی ہے۔ تیرے ذہن میں ماں جاگ رہی تھی اور میرے ذہن میں بھائی۔ جذبہ ایک ہی تھا لیکن نام مختلف ہیں' رشتے مختلف ہیں اور جذبے کبھی نہیں تھکتے۔"

رباب چند ساعت اس کے ان الفاظ پر غور کرتی رہی۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے صحرا کی تپتی ریت سے اچانک شیریں چشمے ابل پڑے ہوں اور ان چشموں کی نغمگی دل کی گہرائیوں میں اترتی محسوس ہونے لگی۔ مایوسیوں کے اس عظیم ریگستان میں بہن کا لفظ نخلستان کی حیثیت رکھتا ہے اور جس بہن کا بھائی موجود ہو جھلسانے والی دھوپ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

رباب کافی دیر تک ان احساسات میں ڈوبی رہی پھر اس نے متاثرہ لہجے میں کہا۔ "خدا کے جود کا احساس ان ہی تمام باتوں سے ہوتا ہے۔ شیطانوں کے درمیان فرشتے بھی نظر آتے ہیں اور ں کی دعا اثر رکھتی ہے۔ اس ننھی روح کیلئے میری ضرورت تھی' اور مجھے زندگی کی تلاش تھی' سو جس ن کو بھائی مل جائے اسے زندگی کی فکر لاحق نہیں ہوتی۔"

"تو خلوص دل سے مجھے بھائی تصور کر اور سارے غموں سے بے نیاز ہو جا۔" اونٹنی سوار نے ہا اور رباب بے اختیار بولی۔

"میری زندگی اچانک بڑھ گئی ہے اور میری آنکھوں سے ساری تاریکیاں ہٹ گئی ہیں' لیکن رے بھیا مجھے اپنے بارے میں بتا اور یہ بھی بتا کہ کیا تو مجھ سے واقف ہے۔ کیا تو میری پتا سے ف ہے۔"

"ہاں میں جانتا ہوں کہ تو ابولایا کی بیٹی ہے۔"

"اور؟"

"اور طایان کی بیوی۔"

"اس کے علاوہ تو میرے بارے میں کیا جانتا ہے؟"

"مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ طایان امن کا پیامبر تھا۔ اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ اسے بڑی پسند نہیں تھی' لیکن درندہ صفت وحشیوں نے اس کے مشن کی قدر نہ کی۔ وہ جان دینے اور لینے کے رسیا ہیں۔ وہ وحشت اور درندگی کی پیداوار ہیں۔ حالانکہ وحشت صرف ایسے جنم دیتی

"اوہ..... تو تو سب کچھ جانتا ہے۔" ربابہ روتی ہوئی بولی۔

"ہاں مجھے سب کچھ معلوم ہے۔" نوجوان کی غمگین آواز ابھری اور پھر اس آواز
چنگاریں سلگ اٹھیں۔ "لیکن تو غم نہ کر بہن۔ امن کا مشن صرف ایک ذہن میں نہیں ہوتا۔ محبت
خواہش صرف ایک ذہن میں پرورش نہیں پاتی۔ طایان راہبر تھا۔ اس کے قدموں کے نشان نہ
والے ہیں' اور اس راستے کے راہی ان قدموں پر چل کر منزل تک پہنچ ہی جائیں گے۔ طایان
امن کی منزل کی نشاندہی کی ہے۔ ہم اس کے مشن کو لے کر اس کے قدموں کے نشانات پر چل
ہوئے اس منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

ربابہ آنسو بہاتی رہی۔ نوجوان خاموشی سے چل رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ربابہ نے
"تم تھک گئے ہو گے بھائی۔ اب میرے بدن میں اتنی قوت آ گئی ہے کہ میں کچھ دور چل سکوں
تھوڑی دیر بعد سورج نکل آئے گا۔ یوں کرو...... یا تو رک کر آرام کر لو...... یا پھر تم اونٹنی پر آ جاؤ
اس کی مہار لے کر چلوں گی۔ میرے خون جگر کو تم اپنے بازوؤں میں سنبھال لو۔ ایک بہن کو اپنے
پر مکمل اعتماد ہوتا ہے۔"

"تو اس اعتماد کا واسطہ' ایسی بات دوبارہ نہ کہنا۔ بہنیں جب بھائیوں کی پناہ میں ہوتی ہیں
بھائی کا فرض اس میں ہزار گنا قوتیں بھر دیتا ہے۔ میں مسلسل کئی دن' کئی رات اس طرح چل
ہوں۔"

"واہ تو کتنا مہربان' کتنا عظیم ہے تو۔" ربابہ نے کہا۔

"مجھے تیری تھکن کا احساس ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تو نے کتنی تکلیف کا سفر کیا ہے' لیکن
کسی نخلستان کی تلاش ہے' اور اس کے علاوہ میں اس جگہ سے اتنی دور نکلنا چاہتا ہوں کہ اگر ابولایا
خیال آئے اور وہ تجھے دیکھنے نکل پڑے اور تجھے نہ پائے' اس جگہ جہاں اس نے تیری موت کا
کیا تھا' تو تجھے تلاش نہ کر پائے' اور یہاں نہ آئے۔"

"میں تیرے احسانات کا کیا صلہ دوں گی۔" ربابہ کی آواز ایک بار پھر بھرا گئی۔

سیاہ پوش نوجوان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا' لیکن اس کی نگاہ روشنی کا فائدہ اٹھاتے
نخلستان کی تلاش میں بھٹک رہی تھی۔ یوں سورج نے جب زمین کا کاروبار سنبھالا تو مدد کی اس
دل انسان کی اور اجاگر کر دیا ایک نخلستان' جہاں کھجوروں کے درخت نظر آ رہے تھے' اور ان کی آ
میں خوشی کی کیفیت ابھر آئی۔ تب اس نے رفتار تیز کر دی اور خود بھی اونٹ کے ساتھ دوڑنے لگا۔
نخلستان ربابہ کو بھی نظر آ گیا تھا' اور وہ اس کی جانب دیکھ رہی تھی' اور اس کے ساتھ
کی نگاہوں نے اپنے رحمدل محسن کا بھی جائزہ لیا' اور ایک بلند قامت اور کشادہ پیشانی والے نوجو
نوجوان کو پایا کہ متانت اور وقار اس کے چہرے سے چھلکتا تھا۔ تب وہ نخلستان پہنچ گئے اور وہاں
بدوؤں کی چند جھونپڑیاں بھی نظر آئیں۔

"یہ لوگ ٹھیک بھی ہوتے ہیں لیکن ان میں بدی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ تاہم ان کی تعداد اتنی
ہیں ہے کہ ہم پر حاوی ہو سکیں' پھر بھی ہمیں ہوشیار رہنا ہوگا۔" نوجوان نے کہا' اور ربابہ سنبھل گئی۔

"تمہارا نام کیا ہے' بھائی؟" ربابہ نے پوچھا۔

"تم مجھے عقامہ کہہ سکتی ہو۔" اس نے جواب دیا۔

"کہاں سے تعلق ہے تمہارا؟"

"یہ نہ پوچھو تو بہتر ہے۔"

"کیوں؟"

"اس سے میرے عزم کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔"

"ساری دنیا میں اب تمہارے سوا میرا کوئی نہیں ہے عقامہ۔ تمہاری قوت کے سہارے میں
پنی زندگی کے بقیہ دن گزاروں گی' اور میں تو راہی ہوں تمہارے راستے کی اور ہمسفر ہوں زندگی کے
یہ ایام کی۔ سو اگر تم بتا دو گے مجھے اپنے بارے میں' تو میں امین رہوں گی تمہارے راز کی' اور مقدس
تیوں کی قسم کہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی اس بارے میں کہ تمہارے عزم کو کسی پر ظاہر کروں۔"

"مجھے اس کا پکا یقین ہے۔" نوجوان جلدی سے بولا۔

"اس کے باوجود مناسب نہیں سمجھتے تو میں مجبور نہ کروں گی۔"

"میں نے بھی آبادیاں چھوڑ دی ہیں اور ان سب کو چھوڑ دیا ہے جو میرے عزیز تھے۔ اس
ے اب تم سے زیادہ عزیز کون ہو سکتا ہے۔ تو سنو ربابہ میرا بھی تقیہ قبیلے سے تعلق ہے اور میں بھی
دگی کے ان مظاہروں سے متنفر ہوں۔ جو ان دشمنوں میں ہوتے رہتے ہیں' لیکن اپنی آواز کو بلند
رنے کی ہمت نہ پائی۔ کیونکہ طایان کا حشر میری نگاہ میں تھا' اور پھر مجھے حقیقت معلوم ہوئی لیکن کسی
ھی طایان کی محبت تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ ہاں جب یہ خبر میرے کانوں میں پہنچی تو میں نے کمر باندھی'
جھے مسرت ہے کہ میں تم تک بروقت پہنچ گیا' اور میری دلی خواہش ہے کہ میں تمہاری مدد کروں۔"

ربابہ خاموش رہی۔ اس غیبی امداد پر اس کا دل رقت میں ڈوب گیا تھا۔ ورنہ اگر یہ شخص نہ
ا تو ریت کے وسیع و عریض میدان میں وہ کب تک زندہ رہ سکتی تھی اور اس کے جگر کا ٹکڑا۔

اس نے ننھی سی ہستی کو اپنے سینے میں بھینچ لیا۔ دنیا نے' اس کے قبیلے نے' اس ہستی سے نفرت
اظہار کیا تھا جسے دنیا میں آنکھیں کھولے ابھی چند ساعتیں ہی گزری تھیں۔ آہ...... اس نے تو اس
کو اپنا سمجھ کر اپنایا تھا۔ اسے اس کی محبت کی فوری سزا دیدی گئی تھی۔ کتنا صابر تھا وہ کہ اس نے اس
زا کو خاموشی سے قبول کر لیا تھا' آہ تک نہ کی تھی۔ ماں کے سینے سے محبت کی دھاریں پھوٹنے لگیں۔
آنکھیں اس جانب نگراں تھیں اور تھوڑی دیر کیلئے وہ ان آنکھوں میں ڈوب کر کائنات کو بھول
پھر عقامہ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"خوب نخلستان ہے۔ آؤ بہن' آؤ......" اور پھر وہ اونٹنی کو بٹھانے لگا۔ ربابہ نے بچے کو سینے

سے بھینچ لیا تھا۔ اونٹنی بیٹھ گئی تو ربابہ نیچے اتر آئی۔ اس دوران کچھ بدو عورتیں ان کے قریب آ گئی تھیں، پھر مرد بھی آ گئے۔

''ہم مسافر ہیں۔ تھوڑی دیر تمہارے درمیان گزارنا چاہتے ہیں۔ کیا تم ہمیں پناہ دو گے'' عقامہ نے بھاری آواز میں پوچھا۔

''اس کے عوض تم ہمیں کیا دو گے؟'' ایک بدو نے پوچھا۔

''گو پناہ کا کوئی معاوضہ نہیں ہوتا، لیکن اگر تم معاوضہ لینا چاہتے ہو تو میں تمہیں یہ لباس دوں گا جو یقیناً بہت قیمتی ہے۔'' عقامہ نے اونٹنی سے کچھ کپڑے اتارے اور بدو ان پر جھک پڑے۔ پھر ان میں سے کئی عقامہ کو پناہ دینے پر تیار ہو گئے، اور ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں آرام کرنے کی جگہ دی۔

عقامہ نے ربابہ کو جھونپڑی میں چھوڑا اور اسے آرام کرنے کی ہدایت کر کے خود باہر نکل آیا تا کہ اپنی تلوار سے اس کی حفاظت کر سکے۔ دودھ اور کھجوروں کے کھانے سے ربابہ کے بدن کی طاقت لوٹ آئی اور وہ اپنے بچے کو سینے سے چمٹا کر گہری نیند سو گئی۔ سکون کی نیند چوکس مضبوط پناہ کے بعد آتی ہے۔

عقامہ ان بدوؤں کے درمیان آ گیا۔ اس کے پاس مختصر سامان تھا۔ ربابہ کی بروقت کے اسے بڑی خوشی ہوئی تھی، لیکن کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھ کر وہ ان ماں بیٹے کے مستقبل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے ان کیلئے بہت کچھ کرنا تھا۔ وہ ان دونوں کو ایسی جگہ پوشیدہ کر دینا تھا جہاں ان کی نگاہ کسی پر نہ پڑ سکے۔ طایان کے بیٹے کو وہ دنیا کی نگاہ سے پوشیدہ رکھ کر پروان چڑھانا چاہتا تھا، لیکن اس کیلئے اسے بہت سی چیزوں کی ضرورت تھی۔ ان چیزوں کا حصول اس کیلئے نہیں تھا، لیکن بات فوری ضرورت کی تھی۔

بدوؤں کے بارے میں اس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ لالچی ہیں اور لالچ کے بغیر کام کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہوں گے، پھر اب تو کوئی ایسی چیز اس کے پاس موجود نہیں ہے، جس کے عوض وہ کچھ حاصل کر سکے۔ وہ کافی دیر سوچتا رہا۔

دوبارہ جھونپڑے میں جا کر ربابہ اور اس کے بچے کو دیکھ چکا تھا۔ دونوں ماں بیٹا سکون کی گہری نیند سو رہے تھے۔ عقامہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ انہیں یہ نیند اس کی وجہ سے نصیب ہوئی تھی۔ وہ خود اس نیند میں رخنہ اندازی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ خود بھی ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا اور اسے بھی نیند آ گئی۔

پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو شام ہو چکی تھی۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر بدو جمع تھے اور بول رہے تھے۔ عقامہ نے اپنی تلوار سنبھالی اور پھر جھونپڑے میں جا کر دیکھا۔ اسے حیرت ہوئی۔ اب بھی سو رہی تھی۔ ان کے بارے میں مطمئن ہونے کے بعد عقامہ باہر نکل آیا۔ بدو زور آ

رہے تھے۔ ان کے چوڑے پنجے ایک دوسرے میں الجھے ہوئے تھے۔ اور...... بازوؤں کی مچھلیاں ابھر رہی تھیں۔ دونوں قوی ہیکل تھے اور ایک دوسرے کے بھرپور مقابل تھے۔

عقامہ ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ وہ خود بھی ان میں دلچسپی لے رہا تھا۔ ایک جانب کھجوروں کا ایک اونچا ڈھیر رکھا ہوا تھا۔ یہ ان دونوں کی شرط تھی۔

''یہ کیا کھیل ہے؟'' اس نے ایک بدو سے پوچھا۔

''ان دونوں میں جو زیادہ طاقتور ہے وہ یہ کھجوریں جیت لے گا۔'' ایک بدو نے جواب دیا، اور اسی وقت زور آوروں میں سے ایک نے دوسرے کو زیر کر لیا اور سب ہنسنے لگے۔

جیتنے والے نے سینہ پھلا لیا تھا، اور پھر اس نے وہاں موجود دوسروں سے کہا۔

''اور کون ہے جو میرے جیتے ہوئے مال کو جیت لے؟''

''اوہ...... ترافا یہ کوئی کھیل نہیں ہے۔ اصل کھیل تو شمشیر زنی ہے، اور اس میں، میں تمہیں دعوت دیتا ہوں۔'' ایک دوسرے بدو نے جیتنے والے کی لاف و گزاف کا برا مناتے ہوئے کہا۔

''شمشیر زنی میں تو تیرا مقابل قرب و جوار کے علاقوں میں نہیں ہے، اور ہناز میں دیوانہ تو نہیں ہوں۔ ہاں میرا فن میرا اپنا ہے اس میں، میں دعوت دیتا ہوں۔''

''اگر میں یہ کوشش کروں تو؟'' عقامہ نے آگے بڑھ کر کہا، اور بدوؤں کی گردنیں اس کی طرف مڑ گئیں۔

''کہو ترافا کیا کہتے ہو؟ سوچ لو...... نوجوان کے بازو بھی مضبوط نظر آتے ہیں۔'' ایک اور بدو نے جیتنے والے بدو کو چڑا دیا۔

''لیکن شرط میں مسافر کیا دے گا۔ کیا یہ عبا جو اس کے بدن پر ہے۔'' ترافا نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

''اگر تو قبول کر لے ترافا!'' عقامہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو پھر یہ تمہارے بدن پر کیوں ہے۔ اسے میرے حوالے کر دو۔ ویسے یہ میرے بدن پر خوب سجے گی۔'' ترافا بدستور مذاق اڑاتے ہوئے بولا، لیکن نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہی۔ اس نے ترافا کی بات کا برا نہیں منایا تھا۔ اس نے اپنی عبا اتار کر کھجوروں کے ڈھیر کے نزدیک رکھ دی۔ اس کا کسرتی بدن فولاد کا بنا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ترافا نے عبا اٹھا کر دیکھی اور اس کی آنکھوں میں خوشی چمک اٹھی۔

''اگر تو شمشیر کا کھیل کھیلے تو میں بھی تجھ سے مقابلے کیلئے تیار ہوں مسافر۔'' ہناز نے کہا۔

''لیکن اے میرے دوست اگر میں عبا ہار گیا تو تجھے کیا دوں گا۔''

''اونٹنی...... اونٹنی کے بدلے اونٹنی۔ کیا خیال ہے۔ میرے پاس وہ سیاہ اونٹنی ہے، جو اس نخلستان میں سب سے زیادہ طاقتور اور تیز دوڑنے والی ہے۔''

''تم لوگ وعدے سے پھر تو نہیں جاؤ گے؟'' عقامہ بولا۔

''ہرگز نہیں' لیکن ہارنے والوں سے رحم بھی نہیں کرتے۔''

''تب مجھے یہ بھی منظور ہے۔'' عقامہ مسکرا کر بولا۔

''لیکن یہ نہ کہنا کہ نخلستان میں تمہیں لوٹ لیا گیا۔''

''سارے کھیل مرضی کے ہیں۔''

''تو آؤ' پھر پہلے میں تمہارے حوصلے پست کردوں۔'' ترافا نے اپنا پنجہ عقامہ کے آہنی کے مقابل کرلیا اور نوجوان عقامہ اس کے سامنے بیٹھ گیا' پھر اس کی نرم مسکراہٹ اچانک سکڑ گئی اس کے چہرے پر عجیب سی خشونت نظر آنے لگی۔ اس کے اندر سے ایک نئی شخصیت ابھر آئی اور اس نے اپنا پنجہ ترافا کے پنجے میں پھنسا دیا۔ ترافا طاقت کے نشے میں چور تھا' لیکن آہستہ آہستہ اس آنکھوں سے پریشانی عیاں ہونے لگی۔ عقامہ کی گرفت ہی اتنی سخت تھی کہ اسے انگلیوں کی ہڈیاں ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ ترافا کے چہرے پر بوکھلاہٹ نظر آنے لگی۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبا پھیر کر اپنے ساتھیوں کی جانب دیکھا' جیسے معلوم کرنا چاہتا ہو کہ کوئی اس کی خوفزدہ کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکا' لیکن لوگ اس کے چہرے کے بجائے اس کے بازوؤں کی طاقت پر نظریں جما ہوئے تھے۔ جو لمحہ بہ لمحہ کمزور پڑتی جا رہی تھی۔

تب اچانک ترافا کو جھرجھری سی آئی۔ اس کی ساری زندگی کی محنت اکارت جا رہی تھی۔ آ اس مختصر سے قبیلے میں اس کی ساکھ بنی ہوئی تھی۔ آج اگر اس نے کسی اجنبی سے شکست اٹھائی تو آئندہ وہ خود کو قبیلے کا سب سے طاقتور نوجوان نہیں کہہ سکے گا۔ چنانچہ اس نے آخری قوت مجتمع کر شکست کو فتح میں بدلنے کی کوشش کی۔

لیکن مقابل...... اس کا ہاتھ انسانی ہاتھ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ لمحہ بہ اس ہاتھ کی قوت بڑھتی جا رہی ہو' اور پھر اس نے ترافا کا ہاتھ توڑ مروڑ کر رکھ دیا۔ ترافا کی کوئی کا کارگر نہ ہو سکی۔ اس کا ہاتھ بے جان ہو گیا تھا۔ تب لوگ اس پر طرح طرح کی آوازیں کسنے لگے ترافا شرمندہ ہو گیا۔

''یہ غلط بات ہے' دوستو! کھیل کی بات ہے اسے اتنی اہمیت نہ دو۔'' عقامہ نے مسکرا ہوئے کہا۔

''دوسرا کھیل ابھی باقی ہے مسافر'' ہناز نے اسے مخاطب کیا۔ ہناز کو اپنے دوست ترافا شکست پسند نہیں آئی تھی۔

''ہاں...... مجھے یاد ہے۔''

''تب پھر آ جاؤ۔'' ہناز کھڑا ہو گیا۔

''چند ساعت انتظار کر میں جیتا ہوا مال تو وصول کرلوں۔''

''افسوس ترافا یہ خوبصورت عبا حاصل نہ کر سکا......'' کسی نے کہا۔

''کاش میرے پاس پہننے کو کوئی اور لباس ہوتا تو میں یہ عبا اپنے دوست کو دے دیتا۔'' عقامہ نے کہا۔ بہرحال کھجوروں کا ڈھیر اپنے قبضے میں لے لیا اور اب دوسرے کھیل کی باری تھی۔

''مسافر اس کھیل کے بارے میں دوبارہ سوچ لو...... اس میں شک نہیں کہ تلوار کے کھیل میں ہناز اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ دور دور کے لوگ اس کے مقابلے میں شکست کھا چکے ہیں۔'' ایک بزرگ نے کہا۔

''میں نے کہا نا بزرگ یہ کھیل کی باتیں ہیں۔ اگر میں ہناز سے ہار گیا تو خوشی سے اپنی شکست قبول کرلوں گا۔''

''صرف شکست قبول کرو گے؟'' ہناز نے کہا۔

''نہیں شرط بھی پوری کروں گا۔'' عقامہ مسکراتا ہوا بولا۔

''اس کے بعد تم سفر کیسے کرو گے۔ سنو نوجوان ہم اس سلسلے میں کوئی رعایت نہیں کریں گے۔ تم اپنی اونٹنی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے' اور اس کے بعد یہ نہ سوچا جائے گا کہ تمہارے ساتھ عورت ہے۔''

''ہم پیدل سفر کرلیں گے۔'' عقامہ بولا۔

''اس کے علاوہ مردوں کے کھیل میں زخم بھی آتے ہیں۔ ممکن ہے کوئی کاری زخم تمہارے بدن پر لگ جائے۔ ایسی صورت میں کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔'' ہناز نے کہا' اور عقامہ بولا۔

''مجھے ساری شرطیں قبول ہیں۔ میں ہر طرح تیار ہوں۔ اگر تم مجھے ہراساں کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ تمہاری حماقت ہے۔ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم اپنی ساری سیاست استعمال کرنا۔ یوں بھی اناڑیوں کو سامنے پا کر میرا دل چاہتا ہے کہ تلوار ان کے سینے میں اتار دوں' اور پھر میرے دوست مجھے تمہاری اونٹنی بہت پسند آئی ہے۔ مجھے اس کی ضرورت ہے۔'' عقامہ نے ہناز کو چڑاتے ہوئے کہا' اور نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ ہناز کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس کے چہرے سے اس کے احساسات جھلکنے لگے' اور پھر وہ اس وقت تک خاموش ہی رہا' جب تک دونوں تلواریں لے کر مقابل نہ آ گئے۔ ہناز کی خاموشی بیحد خوفناک تھی۔ ویسے بزرگوں نے کچھ ضابطہ اخلاق بنا رکھے تھے۔ شرط پوری کرانے کی ذمے داری بھی بزرگوں ہی نے لے لی تھی۔ ہاں...... جب تلوار کا پہلا وار ہوا تو بزرگوں نے دلچسپی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھی۔

بپھرے ہوئے ہناز نے شاید یہ ہی سوچا تھا کہ پہلے ہی وار میں مقابل کو تارے دکھا دے گا' لیکن یوں لگتا تھا جیسے ہناز کا طوفانی حملہ اس کے دشمن کیلئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے معمولی سا پینترا بدل کر یہ وار خالی دے دیا' اور ہناز اس کے سامنے ناچنے لگا۔ جبکہ عقامہ اپنی جگہ خاموش کھڑا صرف ہناز کی اچھل کود دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں ہناز کی تلوار پر جمی ہوئی تھیں۔ ایک بار پھر ہناز نے

وار کیا اور عقامہ نے نہایت لاپروائی سے اسے بھی خالی دے دیا اور ہناز کو پسینے آنے لگے۔ دونوں وا
ایسے تھے، جن کی کامیابی کا ہناز کو پورا یقین تھا، اور پھر اس پر جھنجھلاہٹ طاری ہونے لگی۔ اس بار ا
نے تابڑ توڑ کئی حملے کئے تھے۔

اور اس بار عقامہ نے اس کے وار تلوار پر روکے اور پھر پلٹ کر ایک وار کیا۔ تلوار ہناز کے بال کاٹتی ہوئی گزر گئی۔ صاف ظاہر تھا کہ تلوار جان بوجھ کر اونچی ماری گئی تھی۔ ذرا سا ہاتھ جھکا دیا جا تو کھوپڑی ہی اڑ سکتی تھی۔ کٹے ہوئے بال ہوا میں اڑنے لگے، اور لوگوں کے منہ سے عجیب سی آواز نکل گئیں۔

عقامہ نے پلٹ کر ایک اور وار کیا اور تلوار ہناز کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ عقامہ کی تلوار کی نوک ہناز کی گردن پر جا ٹکی تھی اور تلواروں کی جنگ کے ایسے فیصلے کبھی نہ دیکھے گئے تھے۔

ہناز کی مجال جو تلوار کی اس کاٹ سے انکار کرتا۔ اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔ اس نے سر پر ہاتھ پھیر کر دیکھا۔ اس کے خوبصورت بال اڑ گئے تھے، لیکن گردن تو شانوں پر موجود تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ گویا یہ اعتراف شکست تھا۔ عقامہ نے مسکرا کر تلوار پیچھے ہٹا لیا اور پھر خود بھی پیچھے ہٹ گیا۔

''کیا فیصلہ ہو گیا......'' ایک بوڑھے شخص نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا۔ ہناز تلوار اٹھا سکتا ہے۔''

''فیصلہ ہو گیا ہے۔'' ہناز نے کہا۔ ''میں اجنبی مسافر کو فتح کی مبارکباد دیتا ہوں۔''

''لیکن ہناز اتنی جلدی......؟'' کسی نے پوچھا۔

''ہاں...... اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اپنی پوری قوت صرف کر کے اس سے جنگ کی تھی۔ سچ بات تو یہ ہے کہ میرے دل میں اس کیلئے برائی تھی۔ میں اسے شدید زخمی کرنا چاہتا تھا، اور میں نے اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی...... لیکن لوگو...... جو دو وار کرے اور دونوں ایسے ہوں کہ وار کرنے والے کو اور مقابل کو موت مقصود ہو اور اسے روکنا ناممکن ہو تو پھر جنگ کرنے کا فائدہ......؟''

''تو کیا ایسا ہی ہوا ہے؟''

''ہاں...... ایک شمشیر زن کی حیثیت سے میں اعتراف کرتا ہوں کہ دونوں واروں میں نیک نیتی تھی۔ ورنہ یہ کارگر وار بھی ہو سکتے تھے۔''

''گویا تمہاری اونٹنی گئی۔''

''کاش میں یہ اونٹنی اسے دوستی کے تحفے کے طور پر دیتا، لیکن بہرحال وہ اس نے مجھے شکست دے کر جیتی ہے۔ اسے اس کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔'' ہناز نے کہا۔

''مجھے اس شخص سے مل کر خوشی ہوئی ہے۔'' عقامہ نے کہا اور آگے بڑھ کر ہناز کو گلے لگا لیا۔ ہناز نے جھک کر عقامہ کے پاؤں چھوئے اور اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ بہرحال عقامہ کو شاندار ا

نصیب ہوئی تھی، اور اب وہ ایک اور اونٹنی کا مالک ہو گیا تھا، لیکن ہناز اب اس کے عقیدتمندوں میں تھا۔ حقیقی معنوں میں وہ بہادر تھا اور اپنے فن کا ماہر۔ فنکار نے دوسرے فنکار کی برتری کو تسلیم کر لیا تھا اور ان کے درمیان فن کا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔

چنانچہ ہناز کا مکمل تعاون عقامہ کو حاصل ہو گیا۔ عقامہ نے بھی ہارے ہوئے شخص کی فراخدلی محسوس کر لی تھی۔ اس لئے وہ بھی اس سے متاثر ہو گیا۔ چنانچہ ہناز نے اس کی خوب مدارت کی، اور شام کو جب عقامہ سفر کیلئے تیار ہوا تو ہناز نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

''کہاں جاؤ گے مسافر...... ابھی کچھ آرام کرو...... میں تمہاری یہ خدمت کرنے کو تیار ہوں۔'' ہناز نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''میرا جانا ضروری ہے، میرے دوست۔ منزل پر پہنچنا ہے کیونکہ میرے ساتھ عورت ہے اور شیر خوار بچہ بھی ہے۔ اس لئے دن میں صحرا کا جھلسا دینے والا سفر نہیں کیا جا سکتا۔'' عقامہ نے جواب دیا۔

''تو تم یہ سفر کل شام کر لینا۔''

* * *

''نہیں دوست تمہارے خلوص کا میں معترف ہوں، لیکن منزل پر پہنچنا ضروری ہے۔'' عقامہ نے کہا، اور ہناز خاموش ہو گیا۔ بہرحال پھر اس نے عقامہ کو تیاریوں میں مدد دی، اور سورج ڈھلے عقامہ سفر کیلئے تیار ہو گیا۔ اس کے پاس کھجوروں کا انبار، پانی کی بڑی مقدار اور کچھ دوسری چیزوں کے ساتھ جیتی ہوئی اونٹنی بھی تھی، جس پر وہ خود سوار ہو گیا، اور نخلستان کے لوگ اسے الوداع کہنے لگے۔

اس نے چند گھنٹے قیام کے یہاں گہرے نقوش چھوڑے تھے۔ سفر پھر شروع ہو گیا۔ ربابہ کی کیفیت عجیب تھی۔ طایان کی جدائی کے زخم تو مندمل نہ ہونے کیلئے تھے۔ اس کی یاد بھی تو زندگی کا سہارا بنی ہوئی تھی۔ تنہائیوں میں جب ساری دنیا خاموش ہو جاتی۔ وہ دل کی کتاب کھولتی اور پھر طایان اس کی نگاہوں میں ابھر آتا۔ وہ اس سے باتیں کرتی، بے وفائی کے شکوے کرتی، روتی گنگناتی اور پھر خاموش ہو جاتی۔ اس احساس کے ساتھ کہ طایان ایک خیال ہے، صرف ایک خیال۔

اور پھر جب حقیقت کی آنکھ کھلتی تو کچھ نہ ہوتا، لیکن سب کچھ تھا۔ طایان کے بدن کی خوشبو اب اس ننھے وجود میں تھی۔ جسے کوئی نام نہیں دیا جا سکا تھا۔ اسے نام دینے والوں نے تو اسے صحرا کی گرم ریت دی تھی۔ جھلسی ہوئی موت دینے کی کوشش کی تھی، لیکن مارنے والے سے زیادہ بچانے والے کا ہاتھ مضبوط ہوتا ہے اور پھر یہ ننھا وجود کوئی گناہ نہیں تھا۔ وہ ایک جائز اولاد تھا۔

چنانچہ اس وجود کو سینے سے لگا کر وہ کافی حد تک مطمئن ہو جاتی تھی۔ اونٹنی پر اطمینان سے بیٹھی، وہ اس نوخیز وجود کو دیکھ رہی تھی، جس نے چاند پر نگاہ جما رکھی تھی اور بے معنی انداز میں اسے دیکھ

رہا تھا۔ کوئی احساس نہ تھا ان آنکھوں میں، رات کا طویل سفر نہایت خاموشی سے طے ہو رہا تھا۔ تب اسے عقامہ کی آواز سنائی دی۔

"ربابہ بہن"

"کیا بات ہے بھائی......" ربابہ خاموشی کے طلسم سے نکل آئی۔

"دن میں خوب آرام سے سوئیں۔"

"وہاں...... میں اس گہری نیند پر خود حیران ہوں۔"

"شاید تھکن کے بعد ایسی ہی نیند آتی ہے۔"

"ہاں، شاید لیکن گہری نیند کیلئے اطمینان ضروری ہے اور یہ اطمینان مجھے تمہاری پناہ میں آ کر حاصل ہوا ہے۔ اس کیلئے میں تمہاری احسان مند ہوں۔ تمہاری پناہ میں مجھے یوں لگتا ہے جیسے میری ساری ذمے داریوں کا بوجھ اب میرے کاندھے پر نہ ہو۔ کسی نے میرے شانے سے اٹھا کر اپنے شانوں پر رکھ لیا ہو۔"

"مجھے خوشی ہے ربابہ کہ تم ایسا محسوس کرتی ہو۔ عقامہ نے کہا اور پھر چند ساعت کی خاموشی کے بعد بولا۔ "کیا ابھی تک تمہارے ذہن میں یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ میں تمہیں کہاں لے جا رہا ہوں۔"

"میری اپنی کوئی منزل میری نگاہ میں کہاں ہے۔ بھائی عقامہ اور پھر میں یہ کہہ چکی ہوں جب میرے دل کو یہ یقین ہو گیا ہے کہ میرا بوجھ کسی اور نے اٹھا لیا، تو میں فکر مند کیوں رہوں۔"

"تمہارے اعتماد کا شکریہ بہن، میرے دل میں ایک خیال پرورش پا رہا ہے۔"

"اگر مناسب سمجھو تو مجھے بتا دو۔"

میں کسی ایسے نخلستان کی تلاش میں سرگرداں ہوں جو عام آبادیوں سے دور ہو۔ انسانی آبادیوں سے الگ ہو۔ وہاں میں اپنی رہائش گاہ بناؤں گا اور اس کے بعد، اس کے بعد میں ایک عمل کروں گا۔ یہ عمل میری زندگی کا مشن بن جائے گا۔

"اوہ...... وہ عمل کیا ہو گا بھائی۔" ربابہ نے پوچھا۔

"جاننا چاہتی ہو ربابہ؟"

"ہاں بھائی۔ اب تو ہماری زندگی دو مختلف راستوں سے چل کر اس طرح ایک دوسرے سے آ ملی ہے کہ یوں لگتا ہے آخری دم تک ملی رہے گی۔ اب ہم ایک دوسرے سے چھپا کر کیا کریں گے۔" ربابہ نے کہا۔

"ٹھیک کہتی ہو ربابہ" عقامہ نے گردن ہلائی، لیکن عقامہ خاموش ہو گیا......

"لیکن کیا؟"

"کچھ ایسی باتیں ہیں ربابہ، جو میرے ذہن میں الجھ رہی ہیں۔"

"مجھے نہیں بتاؤ گے بھائی، کیا مجھ سے چھپانے کی ہیں۔"

"نہیں، لیکن میں بیباکی سے یہ سوال تم سے نہیں کر سکتا۔"

"یہاں میرے اور تمہارے سوا کون ہے۔ ہمیں براہ راست واسطہ رکھنا ہو گا۔ اس لئے تم مجھ سے سوال کر سکتے ہو بھائی اور پھر تمہارے خلوص کے لہجے میں، میں کوئی خیال بھی نہیں کر سکتی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ربابہ لیکن کیا تم اس کا وعدہ کر سکتی ہو کہ جو کچھ پوچھوں گا اسے بے کم و کاست اور بغیر کسی جھجک کے بتاؤ گی؟"

"ہاں میں وعدہ کرتی ہوں۔"

تب سنو ربابہ، طایان کے مرنے کے بعد تمہارے دل میں تاریکی پھیل گئی ہے۔ بلاشبہ محبت کرنے والے محبت کرنے کے بعد اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں۔ ان کے پاس کچھ نہیں رہتا، لیکن اس کے بعد بھی سانسوں کا خراج باقی رہ جاتا ہے۔ سانسیں کچھ طلب کرتی ہیں اور تاریکیوں میں کچھ مدھم سے چراغ جلانے پڑتے ہیں۔

ربابہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا میرا خیال غلط ہے؟" عقامہ نے پوچھا۔

"سمجھی نہیں ہوں بھائی، ربابہ نے جواب دیا۔"

تمہاری زندگی کو موت کی آغوش میں دے دیا گیا تھا، لیکن زندگی موت سے جیت گئی اور اب تم ہر طرح سے آزاد ہو۔ تمہارے اوپر کوئی پابندی نہیں، کیوں؟"

"ہاں تمہارے جیسے میزبان انسان کے مل جانے کے بعد میں یہ ہی محسوس کرتی ہوں۔" ربابہ نے جواب دیا۔

ربابہ میری بہن جو کچھ تم چاہتی ہو اسے ضرور کرنا تم میرے خلوص پر شبہ کبھی نہ کرنا اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرو، اور تم جس طرح بھی زندگی گزارنا چاہو گی میری کوشش ہو گی کہ میں تمہارے ساتھ تعاون کروں۔

"زندگی......؟" ربابہ نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

زندگی میرے لئے جتنی اہم ہے تم اس کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہو۔ میرے بھائی، میں اب اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے ایک سہارا مل گیا ہے اور اس سہارے پر میں مکمل طور پر بھروسہ کرتی ہوں۔ وہ سہارا جو میری زندگی میں میری سب سے بڑی طلب تھی۔ گو زندگی ملی تو اس کا سہارا بھی مل گیا۔ اگر ان میں سے ایک چیز ملتی تو میں زندگی کو مطمئن نہ پاتی اور اب جبکہ سہارا مل گیا تو یہ سوچنا غیر ضروری ہے کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ میں وہی چاہتی ہوں جو تم پسند کرو گے۔

عقامہ نے گہری نگاہوں سے ربابہ کو دیکھا' پھر اس نے آہستہ سے پوچھا

''میری بہن مجھے معاف کرنا۔ ایک سوال کر رہا ہوں جو کہ غلط ہے۔ میں جانتا ہوں ک طایان کو بے پناہ چاہتی ہو اور اس کی موت کے بعد اس کی حیثیت سے کوئی بھی آدمی تمہاری زن میں نہیں آئے گا۔ تاہم اس کے باوجود میں اس بات کا تذکرہ کرنا برا نہیں سمجھتا کہ کیا تم نے اپنی زن اس بچے کیلئے وقف کر لی ہے یا اپنی زندگی کیلئے بھی کچھ لوازمات کا خیال رکھو گی؟''

ربابہ کا دل دھک سے ہو گیا تھا۔ یہ سوال اگر کسی اور کی زبان سے نکلا ہوتا تو شاید رنج سے وہ اپنی جان دے دیتی' لیکن عقامہ کی نیت بالکل صاف تھی۔ اس پر شک کرنا بہت بڑی کمینگی لیکن اس نے اپنے طور سے جو کچھ پوچھا تھا' وہ اس کے خلوص پر مبنی تھا۔ چنانچہ ربابہ نے آہستہ پوچھا۔

''تمہاری مراد کیا ہے میں کسی اور شخص......؟''

''ہاں میری مراد یہ ہی ہے۔'' عقامہ نے صاف لہجے میں کہا۔

''نہیں بھائی مجھے زندگی میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو خود کو مردہ تصور ک ہوں۔ اس وقت سے جب طایان کا وجود اس دنیا سے اٹھا تھا۔ وہ اس دنیا میں ہوتا تو میری زن میری اپنی تھی۔ اب اگر میں زندہ ہوں تو طایان کی نشانی کیلئے' اور اب میری زندگی میں کوئی خ زندگی کے کسی حصے میں نہیں ہو سکتا۔'' ربابہ نے جواب دیا۔

''مناسب ہے اب اس طرف سے میرا ذہن صاف ہو گیا ہے۔'' عقامہ نے جواب دیا بولا اب میں تمہیں اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں بتا دینا چاہتا ہوں۔

''ہاں...... میں جاننا چاہتی ہوں' عقامہ کہ تم نے کیا سوچا ہے۔'' ربابہ نے صاف لہجے کہا۔

''دراصل ربابہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ طایان کے مشن میں' میں کوئی مدد نہیں کر سکا حالانکہ میں اس مشن سے پوری طرح متفق تھا۔ اس کی کچھ وجوہ تھیں۔ بہرحال ربابہ تم میری بہن اور وہ میری بہن کا مرد تھا۔ بہرحال مجھے اس کی موت کا بہت دکھ ہے۔ تمہارے بارے میں تفصیلا معلوم ہونے کے بعد میں نے سوچا تھا کہ میں طایان کے مشن کو لے کر آگے بڑھوں گا۔ کیا تم یہ

کرو گی کہ اس وقت میں تمہارے قبیلے میں ہی تھا۔ جس وقت تمہارے بارے میں فیصلہ کیا گیا تھا۔

''اوہ اس کے باوجود کہ تمہارا تعلق تقیہ قبیلے سے ہے۔''

''ہاں...... میں تمہاری حفاظت کرنا چاہتا تھا' کیونکہ یہ بات میرے علم میں تھی کہ تم طایان کی بیوی ہی نہیں' اس کی محبوبہ بھی ہو۔'' عقامہ نے جواب دیا۔

''افسوس طایان اس دنیا میں نہ رہا۔'' ربابہ نے کہا۔

''ہاں...... مرنے والے مر جاتے ہیں لیکن وہ ایسی یادیں چھوڑ جاتے ہیں' جو کبھی نہیں مٹتیں' تو میں تم سے یہ کہہ رہا تھا کہ میرا آئندہ پروگرام یہ ہی ہے کہ میں طایان کے مشن کو لے کر آگے بڑھوں۔''

''اوہ...... لیکن کس طرح؟'' ربابہ نے پوچھا۔

''تمہاری گود میں طایان موجود ہے۔'' عقامہ نے اشارہ کیا اور ربابہ کی نگاہیں اس بچے پر جا پڑیں' جو اس کی گود میں سو رہا تھا۔

''طایان'' اس کے منہ سے آہستہ سے نکلا اور پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور بچے کو سینے سے چمٹا لیا۔ ''ہاں یہ طایان کی نشانی ہے۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''جب اس دنیا میں طایان موجود ہے تو اس کا مشن طایان ہی پورا کرے گا۔''

''کیا مطلب' میں نہیں سمجھی؟''

''طایان کا بیٹا اس مشن کو لے کر آگے بڑھے گا۔ ایک دن ابولایا اور ابوداس کو شکست دے گا۔ اس طرح نہ صرف وہ اپنے باپ کے دشمنوں سے انتقام لے گا' بلکہ اپنے باپ کے مشن کو آگے بڑھائے گا۔ عقامہ کے لہجے میں عزم جھلک رہا تھا۔ جس سے ربابہ بہت متاثر ہوئی۔ ربابہ کی آنکھوں میں قندیلیں روشن ہو گئیں۔ اس نے ایک بار پھر بچے کو دیکھا اور اس کی پیشانی چوم لی۔

''کیا واقعی میرا بیٹا یہ کام کرے گا۔'' اس نے پوچھا۔

''ہاں۔ عقامہ نے جواب دیا۔ میرا مشن ہے کہ میں اسے اس قابل کروں کہ یہ ایک دن اپنے باپ کا نام لے کر اس قبیلے پر حملہ کرے اور اپنے باپ کا مشن پورا کرے۔

''اوہ...... اوہ...... وہ دن نجانے کب آئے گا۔'' ربابہ بے چینی سے بولی۔

''کیا تم اس مشن میں دلچسپی لے رہی ہو؟''

''تم دلچسپی کی بات کرتے ہو عقامہ' میں اس مشن کیلئے اپنے خون کا ایک ایک قطرہ بہا دینے کیلئے تیار ہوں اور شاید اس طرح میں اپنے طایان کی محبت کا خراج پیش کر سکوں۔ اس سے مل کر یہ کہوں گی کہ اے میرے محبوب تو جس سلسلے میں ناکام رہا۔ میں نے تیرے بیٹے کی مدد سے اسے پورا کر دکھایا۔ دیکھ طایان آج تیرے خون نے تیرے خون کی سرخی کو ابھارا ہے۔'' ربابہ جذب کے عالم میں بولی۔

"یقیناً ہم اس کام کو انجام دینے کیلئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دیں گے۔ تمہارے عزم کی ضرورت ہے۔ ربابہ" عقامہ نے کہا اور ربابہ نے گردن جھکا دی۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے گردن اٹھائی اور آہستہ سے کہا "عقامہ میں کچھ اور بھی سوچ رہی ہوں۔"

"وہ کیا؟" عقامہ نے پوچھا۔

"دراصل عقامہ طایان کا مشن پورا کرنا تو میرا بھی فرض ہے اور خواہش بھی، لیکن طایان کے ایک دوست کی حیثیت سے تم اپنی زندگی اس مشن کیلئے وقف کر دو گے۔"

"کیا مطلب، میں نہیں سمجھا؟"

"عقامہ تم بھی تو نوجوان ہو۔ کیا تمہیں زندگی کی دوسری ضروریات اپنی طرف نہ پکاریں گی۔ کیا تم اپنے نفس پر پہرے بٹھا لو گے۔" ربابہ نے کہا۔

"دوسری ضروریات سے تمہاری کیا مراد ہے ربابہ۔"

"میرا مقصد ہے۔ وہ ضروریات عقامہ، جو انسان کو انتہا تک لے جاتی ہیں۔ ان میں ایک عورت جو اچھی بیوی ثابت ہو سکے اور دوسری ضروریات شامل ہیں۔"

"اس میں دوسری ضروریات سے مراد اچھی زندگی ہو گی کیوں ربابہ۔"

"ہاں عقامہ میرے ذہن میں یہ ہی خیال ہے۔"

"دیکھو ربابہ، انسان کی پوری زندگی ایک مشن کی حیثیت رکھتی ہے۔ بعض اوقات اس کی زندگی میں کوئی خاص کام نہیں ہوتا، جس کے لیے وہ اپنی زندگی وقف کر دے۔ بعض اوقات انسان کے سامنے کوئی مشن ہوتا ہے، جسے وہ پورا کرنا چاہتا ہے۔ بعض اوقات انسان اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے۔ وہ بنیادی طور پر مشن کیلئے چلتا ہے۔ مثلاً وہ چاہتا ہے کہ عیش و آرام کی زندگی اپنائے۔ اس زندگی کی، جو اس کی پسند ہے حاصل کرے۔ اگر انسان چاہے تو اپنے روزمرہ کے کاموں کو بھی مشن کہہ سکتا ہے۔ بہرصورت ربابہ ہر کام ایک ایسا عمل ہوتا ہے، جس کے پیچھے کوئی تحریک کام کرتی ہے۔"

ربابہ گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی، پھر اس نے ایک طویل سانس لی اور بولی، عقامہ تم بے حد عظیم انسان ہو۔"

"نہیں ربابہ یہ انسانیت کی تو ابتدا ہی نہیں ہے۔ عظمت تو بڑی چیز ہے۔ انسان پر تو اتنی ذمہ داریاں ودیعت کی گئی ہیں لیکن اسے اتنا کمزور بنایا گیا ہے کہ وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی خواہش کے باوجود انہیں پورا نہیں کر پاتا۔ ہاں ان میں سے جو بھی ذمہ داری وہ پوری کر دے، وہ اس کیلئے ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔" عقامہ پرجوش لہجے میں بول رہا تھا۔

"بے شک عقامہ تمہاری سوچ عظیم ہے۔"

"میں تو ایک معمولی سا انسان ہوں۔ بس مجھے تو اس وقت خوشی ہو گی جب ہماری یہ ننھی سی کونپل ایسا تناور درخت بن جائے، جس کی جڑیں دور دور تک پھیل جائیں۔ تم سوچو ربابہ کیا تم اور کیا میں، ہم دونوں اس درخت کو دیکھ کر خوش نہ ہوں گے۔"

"بے حد...... ربابہ کی آنکھوں میں سورج اتر آیا۔" تب پھر وہ بولی۔

"تب پھر ہمیں اپنی زندگی اس مشن کیلئے وقف کر دینی چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس ننھی کونپل کیلئے جو کچھ کر سکتے ہیں کریں۔

"ہاں...... ربابہ میں اس مشن میں تمہارا ساتھی ہوں۔" عقامہ نے جواب دیا۔

ربابہ خاموش ہو گئی۔ وہ دل ہی دل میں اس عظیم انسان کو سراہ رہی تھی، جو بغیر کسی لالچ یا ذاتی مفاد کے طایان کے مشن کو پورا کر رہا تھا۔ بلاشبہ وہ اس دور کا سب سے اچھا انسان تھا۔ سب سے عظیم تھا۔ کم از کم ربابہ کے ذہن میں یہ ہی خیال آ رہا تھا۔ کافی دیر تک خاموشی رہی۔

تب خاموشی کی اس سنگینی کو عقامہ ہی نے ختم کیا "کیا سوچ رہی ہو ربابہ؟" عقامہ نے پوچھا۔ ربابہ بولی۔

"کچھ نہیں عقامہ، بس انسانیت کی انتہا پر غور کر رہی ہوں اور میں جانتی ہوں کہ تم اس بات کو تسلیم نہ کرو گے کہ واقعی تم اس دنیا کے اچھے ترین انسان ہو۔

اور عقامہ مسکرا دیا۔ وقت پھر تھم گیا۔ خاموشی چھا گئی۔ چاند اپنا سفر کر رہا تھا۔ اونٹوں کے سائے رخ بدل چکے تھے اور ان کا سفر بدستور جاری تھا۔ ایک نامعلوم منزل کی طرف۔

صحرا کی راتیں اور دن گزرتے رہے۔ کہیں کہیں نخلستان بھی مل جاتے تو عقامہ وہاں سے کھانے پینے کا سامان لے آتا۔ بڑا انوکھا انسان تھا۔ قوت میں یکتا، فنون حرب میں ماہر، نجانے اس جیسے انسان کی موجودگی میں تقیہ کو شکست کیسے ہوئی۔ ربابہ نے سوچا۔

بہرصورت اس سلسلے میں وہ کوئی اندازہ نہیں لگا سکی تھی۔ اس نے چھوٹے چھوٹے نخلستانوں میں عقامہ کے کارنامے دیکھے تھے۔ ایسے کارنامے جنہیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ عموماً عقامہ بڑی بستیوں میں سے گزرنے سے گریز کر رہا تھا۔ شاید وہ ان بستیوں میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ شاید اس لیے کہ کہیں اسے ابولایا اور ابولایا کے آدمی نہ مل جائیں۔ وہ کسی ایسے نخلستان کی تلاش میں تھا، جہاں آبادیاں دور دور نہ ہوں۔

اور صحرائے عظیم کے ایک دور دراز کے حصے میں بالآخر انہیں ایک ایسا نخلستان نظر آیا، جہاں کسی انسان کا وجود ہی نہیں تھا اور نہ ہی گزر۔

اس نخلستان کو دوپہر کی روشنی میں دیکھا گیا تھا۔ بعض اوقات عقامہ سفر کے اوقات میں تبدیلیاں کر لیتا تھا۔ ماں اور بچہ دونوں تندرست تھے۔ اس سفر میں کوئی خاص دقت پیش نہیں آ رہی تھی۔ اونٹوں کے لیے چارے کا بھی معقول بندوبست کر لیا گیا تھا۔

صحرائے عظیم کے نخلستان کو دیکھ کر عقامہ نے اس جانب رخ کیا۔ خیال یہ تھا کہ کچھ یہاں قیام کرنے کے بعد آگے چلا جائے گا' لیکن جب وہ اس نخلستان میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا تاحد نگاہ کسی انسان کے وجود کا کوئی گزر نہیں ہے اور یہ دیکھ کر عقامہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل اور دوبارہ سے بولا۔

"ربابہ شاید ہماری منزل آ گئی۔"

"کیا مطلب؟" ربابہ چونک کر بولی۔

"کیا تم نے اس نخلستان کو نہیں دیکھا۔"

"دیکھا ہے اور دیکھ بھی رہی ہوں۔"

"کیا تم یہ محسوس نہیں کر رہی کہ یہاں کسی جھونپڑی کا وجود نہیں ہے اور درخت بھی کافی رہے ہیں۔" عقامہ نے کہا۔

"ہاں...... عجیب سی جگہ ہے۔" ربابہ نے جواب دیا۔

"بے شک میرا خیال ہے کہ ہم اسے اپنی منزل بنا سکتے ہیں۔"

"قریب چلو تو دیکھیں۔" ربابہ کسی قدر بے تکلفی سے بولی۔

ظاہر ہے اس دوران ان لوگوں کے درمیان سے پردے کافی ہٹ گئے تھے اور اب کوئی بات نہیں تھی کہ ایک دوسرے سے تکلف کیا جائے۔ ربابہ کسی قدر خوش رہنے لگی تھی اور اس کی درخواست بھی اس سے کسی قدر عقامہ نے ہی کی تھی۔

عقامہ نے کہا تھا کہ بچے کی زندگی اور بہتر پرورش کیلئے ضروری ہے کہ زندگی میں دلچسپی لی جائے اور پھر اس کام کو انجام دیا جائے۔ جس کی ضرورت ہو اور عقامہ کی اس بات پر ربابہ نے بھرپور عمل کیا تھا' اور اب اس کے ہونٹوں پر کسی قدر مسکراہٹ رہنے لگی تھی۔ وہ مسکراہٹ جو ایک سال سے فراموش کر بیٹھی تھی۔

یوں تقریباً ایک سال گزرا تھا۔ خیر اسی طرح وہ نخلستان کے نزدیک پہنچ گئے۔ پانی کا چشمہ ریت میں جگمگا رہا تھا۔ خدا کی قدرت کا انوکھا مظاہرہ۔

چشمے کے کنارے دور دور تک درخت پھیلے ہوئے تھے۔ جن کی تعداد پچاس ساٹھ کے قریب تھی۔ درختوں کے نیچے اچھی خاصی گھاس لگی ہوئی تھی۔ چشمہ خاصا کشادہ تھا اور میٹھے پانی سے لبریز' چنانچہ وہ نخلستان میں پہنچ گئے۔ گھاس بھی ان کیلئے بہت کارآمد تھی۔ ظاہر ہے اونٹوں کی خوراک ضروری تھی۔ عقامہ نے اپنی اونٹنی بٹھائی' نیچے اترا اور پھر ربابہ کی اونٹنی کو بٹھانے لگا۔ دونوں اونٹنیاں بیٹھ گئیں اور ربابہ کو اس نے سہارا دے کر اتار لیا۔ تب اس نے گہری سانس لی اور بولا۔

"نجانے کوئی آبادی یہاں قریب ہے بھی یا نہیں۔ ویسے ربابہ دور دور تک کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا۔"

"ہاں...... اس کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"ویسے بستی کوئی یہاں ہے نہیں۔" عقامہ نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں بستی کا خیال کیوں آیا تھا؟"

"بس یوں ہی ربابہ زندگی گزارنے کیلئے کچھ ایسی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے' جو صرف بستیوں ہی میں مل سکتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم بستیوں کی طلب کو نظر انداز کر دیں۔" ربابہ نے کہا۔

"نہیں ربابہ مشکل ہے۔"

"کیوں؟"

"بس میرا یہ ہی خیال ہے۔"

"آخر کیوں عقامہ۔"

"ربابہ آخر ہمیں لباس کی بھی تو ضرورت ہوگی۔ عقامہ نے جواب دیا' اور ربابہ خاموش ہو گئی۔ عقامہ کی بات بالکل صحیح تھی۔ ظاہر ہے کھجوروں اور دوسری چیزوں سے کھانے پینے کی اشیاء تو حاصل کی جا سکتی ہیں' لیکن لباس کا مسئلہ واقعی ایسا تھا۔ ظاہر ہے انہیں لباس کی ضرورت ہوگی۔ ان لوگوں کے پاس جو کچھ بھی تھا' وہ ایسا نہ تھا کہ وہ اس سے اپنی یہ ضرورت پوری کر لیتے۔

ربابہ نے اس وقت خاموشی اختیار کر لی اور وہ نخلستان کا جائزہ لینے لگی۔ یہ نخلستان انسانی ضروریات سے مالا مال تھا' پھر وہ ربابہ سے بولا۔

"ہمارے لیے بہترین جگہ' شاید اسی جگہ کو ہمارے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ ربابہ بھی خوش نظر آتی تھی اور پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔"

"یوں بھی تم نے دیکھا ربابہ یہ بستیوں سے کتنی دور کی جگہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہاں عام لوگوں کا گزر بھی نہ ہوگا۔ عقامہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ربابہ نے جواب دیا' اور پھر اس نے گود میں لیے ہوئے بچے کو گھاس کے ڈھیر پر لٹا دیا اور ربابہ اس کے نزدیک بیٹھ گئی۔

"اب سب سے پہلے میں خوراک کا بندوبست کرتا ہوں۔"

"کھجوروں سے بہت قسم کی خوراک تیار ہو سکتی ہے۔ عقامہ ان کا ماہر تھا' لیکن اب تو ربابہ اس کا ہاتھ بٹانے لگی تھی۔ زندگی میں دلچسپی لینے کی بات تھی' اور اب جب وہ زندگی میں دوبارہ عام طور پر لوٹ آئی تھی تو دلچسپی لینے میں کیا حرج تھا۔ ربابہ نے ایک مخصوص طرز کی غذا تیار کی۔ اونٹنیوں کا دودھ موجود تھا۔ وہ دودھ بہت سی چیزوں میں کام آ جاتا تھا۔ چنانچہ غذا کھانے کے بعد وہ مطمئن ہو گئے' پھر وہ رات انہوں نے اسی نخلستان میں گزاری۔ رات کے کافی حصے تک وہ دونوں بیٹھ

کرضرورت کی چیزوں کا فیصلہ کرتے رہے اور دوسرے دن عقامہ نے اپنا کام شروع کردیا۔

جب قیام گاہ بنانی شروع کی تو بہت سے لوازمات کی ضرورت پڑی' ربابہ کا کام زیادہ کہ وہ بچے کو سنبھالتی اور عقامہ دن بھر اپنے کام میں مصروف رہتا۔ اس نے کھجوروں کے پتے حاصل کر لیے تھے اور اس نے ان کو ایک خاص انداز میں بننا شروع کیا اور ربابہ اس کی مدد کر یہ کام تو وہ با آسانی کر سکتی تھی' اور یوں ان کی راتیں گزرتی رہیں۔ پہلا دن گزرا' پہلی رات گز دوسرا دن دوسری رات اس طرح زندگی مسلسل ہوگئی۔ عقامہ کے مضبوط بازو درختوں سے کاٹنے میں ماہر تھے۔ ان کی بیش قبض میں لگا ہوا تھا۔ خنجر درختوں کی دھجیاں بکھیر دیتا تھا' اور یہ قوت بازو کا ہی کرشمہ تھا۔

اس کے علاوہ عقامہ ایک خاص ذہن رکھتا تھا۔ ایک اونچے درخت کے تنے کے ایک ایسا مکان تشکیل پانے لگا' جس میں بالائی منزل بھی تھی' اور مکان کا نچلا حصہ بھی۔

نچلا حصہ ابھی رہائش کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ بالائی منزل اتنی اونچی رکھی گئی کہ طرف کوئی صحرائی جانور آ نکلے تو اس سے حفاظت کی جا سکے۔ دراصل بالائی منزل کی تعمیر ہی کی گئی تھی۔

عقامہ نے بالائی منزل میں ایک بہت بڑا کمرہ بنایا۔ لکڑی کے بڑے بڑے شہتیر جوڑ کو مضبوط ترین بنا دیا تھا۔ اوپر جانے کیلئے اندر ہی کی طرف سے ایک زینہ بھی تھا اور رہائش کا بندوبست۔

یہ مکان تقریباً ڈیڑھ ماہ میں تیار ہو سکا تھا' اور جب مکان تیار ہو گیا تو عقامہ نے بڑے خوش خوش انداز میں اطلاع دی۔ حالانکہ ربابہ اس دوران دن رات عقامہ کا کام دیکھتی اور اسے مشورے بھی دیا کرتی تھی لیکن عقامہ نے اسے بچوں ہی کے سے انداز میں دکھانے کی کی تھی۔

چنانچہ مکان دیکھا گیا...... دنیا کی ہر شے اس مکان میں موجود تھی۔ غالباً نخلستان جیسا مکان اور کوئی نہ تھا' اور یہ کہ انسان کے عزم اور اس کی محنت کا کرشمہ تھا۔

"ربابہ اب ہمیں یہاں پانی کا بندوبست کرنا ہے۔"

"پانی؟" ربابہ نے حیران کن لہجے میں کہا۔

"ہاں ربابہ پانی...... اور اس کیلئے میں سوچ چکا ہوں۔"

"وہ کیا؟"

ربابہ میں درختوں سے حاصل کی ہوئی لکڑی جوڑ کر ایسا برتن بناؤں گا جو ہماری ضرورت مطابق پانی کی مقدار کو جمع کر کے رکھ سکے۔ عقامہ نے کہا۔

"اوہ...... اچھا خیال ہے۔"

"اس برتن کو ہم اس مکان کے دائیں حصے میں بنا دیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے عقامہ" ربابہ نے جواب دیا اور عقامہ اپنے اس نئے کام میں مصروف ہو گیا۔ خوراک کیلئے وہاں اتنا کچھ موجود تھا کہ انہیں وہاں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ کھجوریں اور اونٹنی کا دودھ انتہائی طاقت ور غذا' جسے وہ لوگ استعمال کر رہے تھے۔ بچہ بھی کافی صحت مند ہو گیا تھا۔ گو اسے بھی نخلستان کا ماحول راس آ گیا تھا۔ تب ایک رات جب ربابہ درخت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور بچہ اس کی گود میں لیٹا ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں حسب معمول چاند کی طرف نگراں تھیں اور عقامہ بیٹھا کسی نئے منصوبے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اب وہ یہاں تھوڑی سی کھیتی باڑی کا ارادہ کر رہا تھا۔ حالانکہ اس کے پاس بیج نہیں تھے۔ جن سے وہ کوئی چیز اگا سکتا۔

لیکن اس کی سوچ عجیب تھی۔ اس نے سوچ کر نہ سہی بیج کم از کم گھاس کا تو معقول بندوبست ہو سکے گا۔ تاکہ اونٹنیاں اپنی خوراک حاصل کرتی رہیں۔ دفعتاً ربابہ نے اسے مخاطب کیا اور وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا سوچ رہے ہو عقامہ؟"

"بس اپنے اس چھوٹے سے نخلستان کو اور خوبصورت بنانے کی ترکیبیں"۔ عقامہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک بہت اہم بات ہے' جو آج تک میں نے سوچی نہ تم نے۔" ربابہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"وہ کیا؟" عقامہ نے پوچھا۔

"کیا ہم اس ننھے مہمان کا نام نہیں رکھیں گے۔"

"ہاں...... واقعی یہ بات تو ہم دونوں نے نہیں سوچی۔ یہ سوچنا تو نہایت ضروری ہے۔" عقامہ نے چونک کر کہا۔

"تو اب سوچو۔"

"تم سوچو ربابہ" عقامہ نے پیار سے کہا۔

"نہیں عقامہ اگر طایان زندہ ہوتا تو وہ اس بچے کا نام سوچتا۔ وہ نہیں ہے لیکن تم اب میرے بھائی کی حیثیت سے اس بچے کا نام تجویز کرو۔"

"ہوں۔" عقامہ نے پُرخیال انداز میں گردن ہلائی اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"عماز...... کیسا نام ہے ربابہ؟"

"عماز......" ربابہ مسکراتے ہوئے بولی۔ بڑا پیارا نام ہے' بڑا ہی خوبصورت۔

"اور بہت عظیم۔"

"اس لیے کہ عماز بن طایان دو قبیلوں کا فاتح ہوگا۔ عقامہ نے پرعزم لہجے میں کہا اور ربابہ کی آنکھوں میں سورج جل اٹھے۔

اس کے چہرے پر مستقبل کے خواب کے سائے نظر آنے لگے۔ اپنے خوابوں نے اسے آہستہ آہستہ مسکرانے پر مجبور کر دیا اور وہ بولی۔

''ہاں......عماز بن طایان۔''

''تو یہ بات اب طے ہوگئی ربابہ کہ اب ہمارے اس ننھے سے ساتھی کا نام عماز ہے۔''

''ٹھیک ہے بھیا۔'' ربابہ خوش ہوگئی۔

''وقت گزرتا رہا۔ عماز بن طایان ایک سال کا ہوگیا تھا۔ تندرست و توانا بچہ' ہلکی پھلکی شرارتیں کرنے والا تھا۔ عماز' اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کتنا بڑا کارنامہ انجام دینے والا ہے۔ بس وہ معصوم مسکراہٹ چہرے پر سجائے ماں کو دیکھتا تھا' اور کبھی عقامہ کو......'' عقامہ سے وہ ضرورت سے زیادہ محبت کرتا تھا۔ عقامہ بھی اسے اکثر اپنے کندھے پر بٹھا کر اس نخلستان کا گشت کرایا کرتا تھا' اور وہ خوشی سے قلقاریاں مارتا رہتا تھا۔

ہنسی خوشی زندگی کے دن گزر رہے تھے' لیکن اب ان کا لباس ان کا ساتھ چھوڑ رہا تھا' اور اب ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی' جس سے لباس تیار کیا جا سکتا۔ چنانچہ ایک دن عقامہ نے ربابہ سے کہا۔

''کیا خیال ہے' ربابہ کیا میں لباس کے سلسلے میں کسی بستی کو تلاش کروں۔''

''اوہ......لیکن یہاں بستیاں قریب کہاں ہیں۔'' ربابہ نے کہا۔

''کوشش کیے لیتے ہیں کیا حرج ہے۔ ربابہ میری سب اتنی سی خواہش ہے کہ میں لباس حاصل کرلوں۔ اس کے علاوہ ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

''وہ تو ٹھیک ہے عقامہ......لیکن......؟''

''لیکن کیا۔ تمہیں تنہائی کا احساس ہے۔ ربابہ' عقامہ نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''اول تو ہمیں یہاں رہتے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا ہے' ربابہ اور کوئی ایسا خطرہ پیش نہیں آیا جس کی وجہ سے پریشان ہوا جا سکے۔ دوسری بات یہ کہ اب بہر صورت عماز تمہارا ساتھی ہے۔''

''ٹھیک ہے' عقامہ لیکن تمہیں کتنا عرصہ لگ جائے گا۔''

''زیادہ نہیں۔'' عقامہ نے جواب دیا۔

''تو جیسا تم مناسب سمجھو۔'' ربابہ نے جواب دیا۔

اور عقامہ نے طے کرلیا کہ وہ ربابہ کو چھوڑ کر بستی میں جائے اور وہاں سے لباس حاصل کرے۔ لباس حاصل کرنے کیلئے کسی چیز کی ضرورت بھی تھی۔ چنانچہ اس نے بہت سی ٹوکریاں بنانی شروع کر دیں۔ یہ ٹوکریاں کھجوریں ہی رکھنے کے کام آتی تھیں۔ اس میں اور سامان بھی رکھا جاتا تھا۔

چنانچہ ربابہ اور عقامہ دن رات اس کام میں مصروف رہے اور جب ساری ٹوکریاں تیار ہو گئیں تو ایک دن عقامہ نے رخت سفر باندھا اس نے کھانے پینے کے لیے بہت سی چیزیں ساتھ لیں۔ ربابہ اور اس کے بچے عماز کیلئے بہت کچھ موجود تھا۔ چنانچہ عقامہ کھانے کا سامان لے کر ربابہ کو تسلیاں دے کر اونٹ پر بیٹھ گیا۔

''عقامہ زیادہ وقت نہ لگانا۔ اگر بستی قریب نہ ہو تو واپس آ جانا اور مجھے بتاؤ کہ تم کتنے دن میں واپسی کا سفر اختیار کرو گے۔''

''اوہو ربابہ میری خواہش ہے کہ میں یہاں سے زیادہ دور نہ جاؤں لیکن اگر کوئی بستی نہ ملی تو مجھے مجبوراً لباس کی تلاش میں کہیں دوسری جگہ جانا پڑے گا۔ ویسے میں انتہائی کوشش کروں گا کہ میں پندرہ روز میں واپس آ جاؤں۔''

''پندرہ دن......'' ربابہ ایک طویل سانس لے کر بولی بہت ہوتے ہیں عقامہ۔''

''ہاں......ربابہ بہت ہوتے ہیں لیکن زندگی کی بہت سی چیزیں ہمیں حاصل ہو جائیں گی۔'' عقامہ نے کہا اور ربابہ خاموش ہوگئی اور پھر بولی۔

''ٹھیک ہے پھر سدھارو بھائی۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔''

''دیکھو ربابہ میرے پیچھے ننھے عماز کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔'' عقامہ نے کہا۔

''میں تمہارے عماز کی پوری حفاظت کروں گی۔'' ربابہ نے جواب دیا اور عقامہ نے اسے الوداع کہہ کر اونٹنی کو ایڑھ لگا دی۔

تیز رفتار اونٹنی صحرا کا سفر کرنے لگی اور تھوڑی دیر میں نخلستان عقامہ کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ جس راستے سے یہاں تک پہنچے تھے۔ وہ راستہ عقامہ کی نگاہوں میں تھا۔ یہاں دور دور تک کوئی بستی نہیں تھی۔ ہاں مجھے اب سامنے کا رخ اختیار کرنا چاہیے۔ عقامہ نے سوچا اور اونٹ کا رخ سامنے کے راستے پر ڈال دیا۔

چنانچہ عقامہ چلتا رہا۔ اب چونکہ ربابہ اس کے ساتھ نہیں تھی اور ایک خاص مسئلہ اس کی نگاہ میں تھا۔ اس لیے عقامہ نے آرام کیلئے زیادہ وقت نہیں لیا۔ وہ دن رات سفر کر کے جلد از جلد واپس پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کیلئے اونٹنی کو آرام کیلئے چھوڑ دیتا اور اس کے بعد پھر سفر شروع کر دیتا۔ دن ہو یا رات' ان کا سفر بدستور جاری رہا اور اسے شدت سے کسی بستی کی تلاش تھی۔

شاید سفر کا ساتواں دن تھا۔ جب اس نے ایک قافلے کو دیکھا۔ ریگستان میں مشعلیں دفن نظر آرہی تھیں' اور ان مشعلوں کی روشنی میں بے شمار چہرے اجاگر تھے۔

عقامہ نے سوچا' قافلہ ضرور کسی بستی میں جا رہا ہوگا' اور یقینی طور پر یہ لوگ اسے کسی بستی کا نشان بتا دیں گے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ اس قافلے کی جانب بڑھے۔ قافلہ بہت طویل تھا اور عقامہ کو یقین تھا کہ اگر وہ ان تک پہنچنے کی کوشش کرے بھی تو کافی رات ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے

کچھ توقف کیا۔

رات کو ان تک پہنچنا انہیں کسی نہ کسی شک میں مبتلا کر سکتا ہے۔ چنانچہ مناسب یہ تھا کہ کسی بلند جگہ قیام کر کے اس قافلے پر نگاہ رکھی جائے۔ ظاہر ہے وہ رات کو سفر نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن مشعلیں اس بات کی گواہ تھیں اور عقامہ نے بھی محسوس کیا کہ سائے لیٹے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اور ظاہر تھا وہ اس وقت آرام کرنے کیلئے لیٹ گئے تھے۔ ہاں ممکن تھا وہ صبح کو یہاں سے جلد روانہ ہونے کی کوشش کرتے۔

بہر حال وہ روانہ ہو بھی جاتے اور عقامہ سو بھی جاتا' تب بھی وہ اتنا فاصلہ طے نہیں کر سکتے تھے کہ عقامہ انہیں نا پا سکتا تھا۔ چنانچہ عقامہ نے اونٹنی کو ایک جگہ روک دیا اور تھوڑی دیر ستانے کی غرض سے لیٹ گیا۔

وہ اس وقت بھی اس سے جا ملنا چاہتا تھا لیکن اس نے یہی سوچا تھا کہ اگر وہ کسی کام سے ان کے پاس پہنچا اور انہوں نے اسے کوئی غلط انسان سمجھ لیا تو یقیناً وہ اس کی مدد نہ کر سکیں گے۔ ہاں دن کی روشنی اس سلسلے میں بہتر ثابت ہو گی۔

چاند آدھا سفر طے کر چکا تھا اور عقامہ کی پلکیں جڑ گئیں۔ اونٹنی بھی منہ ڈالے شاید سو رہی تھی کہ دفعتاً عقامہ نے سخت شور کی آوازیں سنیں۔

قافلے پر کوئی تباہی نازل ہوئی تھی۔ عقامہ چونک کر اٹھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ بہت ساری مشعلیں فضا میں گردش کر رہی ہیں۔ تلواروں کی جھنکاریں بھی گونج رہی تھیں۔ شاید صحرائی لٹیروں نے قافلے پر حملہ کر دیا تھا۔

چیخ و پکار کی آوازیں عقامہ کے کانوں میں ابھر رہی تھیں اور عقامہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ اس وقت قافلے کو اس کی مدد کی ضرورت تھی' لیکن اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ قافلے والے کون ہیں اور لٹیرے کون ہیں' وہ تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ کون ظالم ہیں اور کون مظلوم...... چنانچہ وہ اپنی جگہ کھڑا رہا اور ان لوگوں کی قسمت کا تماشہ دیکھتا رہا۔ چیخیں بلند ہو رہی تھیں' بے شمار چیخیں' عجیب و غریب آوازیں تھیں۔ انسانوں کی آوازیں' اونٹوں کی بلبلانے کی آوازیں ان کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔

قافلے پر قہر نازل کیا جا رہا تھا اور عقامہ کو یقین تھا کہ صحرائی لٹیرے قافلے والوں کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ نجانے کتنی دیر تک یہ بازار کارزار گرم رہا اور عقامہ خاموش کھڑا اس ہنگامے کو دیکھتا رہا۔ اگر اس کی نگاہ میں عماز کی پرورش اور ربابہ کی تنہائی نہ ہوتی تو شاید وہ جان دینے کی کوشش کرتا' لیکن اس وقت خاموشی ہی بہتر تھی۔ وہ لٹے ہوئے قافلے کو دیکھتا رہا اور قافلہ بری طرح لوٹا جا رہا تھا۔

یہاں تک کہ ریگستان میں ساری چیخیں اور آہیں دم توڑ گئیں۔ ایک سناٹا چھا گیا۔ اس کے علاوہ خاموشی ہی خاموشی' پھر عقامہ نے کچھ مشعلوں کو واپس جاتے دیکھا۔

یہ یقیناً صحرائی لٹیرے تھے' جو لوٹ مار کرنے کے بعد واپس جا رہے تھے۔ گویا قافلے کا کام

تمام ہو چکا تھا۔ عقامہ رنج و افسوس کے ساتھ کھڑا یہ منظر دیکھتا رہا' پھر اس وقت تک اسی طرح کھڑا رہا جب تک کہ دن کی روشنی نمودار نہ ہو گئی۔

سورج کی کرنوں کے ساتھ ہی عقامہ نے اونٹنی کو سنبھالا اور قافلے کی جانب چل پڑا۔ جگہ جگہ تباہی پھیلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لٹے ہوئے قافلے کے نزدیک تھا۔ چاروں طرف انسانی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ ان میں لٹیرے بھی تھے اور قافلے والے بھی' دونوں کے بارے میں ان کے لباسوں سے تمیز کی جا سکتی تھی۔ لٹیروں کے چہرے کپڑوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

عقامہ کو شدید رنج ہوا تھا۔ قافلے کے ساتھ کچھ خیمے بھی تھے اور بہت ساری عام استعمال کی چیزیں بھی تھیں' لیکن لٹیروں نے صرف وہی سامان لوٹا جو قیمتی تھا۔ باقی سب کچھ وہ وہیں چھوڑ گئے تھے۔ معاً عقامہ کے ذہن میں خیال آیا۔

کیا وہ اپنی ضروریات یہاں سے پوری کر سکتا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ لٹے ہوئے قافلے کو لوٹنا خود بھی لٹیروں میں ہونے کے مترادف تھا' لیکن اب یہاں زندہ تھا ہی کون' یہ سامان بے سود پڑا تھا۔ ہوا کے ذرات میں دب کر ایک دن ناپید ہو جائے گا اور جب اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے تو کیوں نہ اٹھایا جائے۔ یہ بات سوچنے کے بعد عقامہ کسی حد تک پرسکون ہو گیا اور پھر وہ اونٹنی کو ایک جگہ چھوڑ کر آگے بڑھا۔ تبھی اچانک اسے اپنے عقب میں ایک سرسراہٹ کی سی آواز سنائی دی۔

عقامہ کو نہایت پھرتی سے کام لینا پڑا تھا۔ حالانکہ اسے اندازہ نہیں تھا کہ کوئی اس پر حملہ آور ہو سکتا ہے' لیکن بس اس کی قسمت ہی تھی کہ اس کا ہاتھ حملہ آور کی کلائی پر جا پڑا اور تیز خنجر اس کے بدن تک پہنچنے نہ پایا تھا۔

عقامہ کے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں وہ نرم و نازک ہاتھ بے بس ہو گیا۔ تب عقامہ نے اس نرم و نازک رو کی شکل دیکھی اور حیرت زدہ رہ گیا۔

ایک وحشت زدہ لڑکی تھی۔ جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور خون کے دھبے اس کے کپڑوں پر نظر آ رہے تھے۔ چہرے پر وحشت ہی وحشت تھی۔ لباس صاف ستھرا تھا لیکن بے ترتیب' لڑکی کے چہرے پر دیوانگی کی سی کیفیت طاری تھی۔ وہ عقامہ کی زد میں سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کی خواہش یہی تھی کہ کسی طرح اپنا خنجر عقامہ کے سینے میں اتار دے۔ وحشت زدہ لڑکی سے کوئی بات کرنا فضول تھا۔ چنانچہ سب سے پہلی کوشش عقامہ نے یہ کی' کہ کسی طرح اس کے ہاتھ سے خنجر نیچے گر پڑے اور اس کے لیے اس کے آہنی شکنجے کی گرفت ہی کافی تھی۔ تب اس نے لڑکی کی نرم و نازک کلائی پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور لڑکی کی دبی دبی چیخ نکل گئی۔

وہ غرا رہی تھی' لیکن بہرصورت...... خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا۔ خنجر ریت پر گر پڑا تھا۔

تب عقامہ لڑکی کو دھکیلتا ہوا دور تک لے گیا۔ اس نے لڑکی کو اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔

"سنو، سنو، بے وقوف لڑکی پہلے بات سن لو۔ اس کے بعد جدوجہد کرنا۔" عقامہ غرائے ہوئے بولا۔ اس کی گرفت لڑکی کے بدن پر کچھ اور مضبوط ہوگئی۔

لیکن لڑکی برابر جدوجہد میں مصروف رہی۔ وہ اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی اور پھر جب وہ نڈھال ہوگئی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں تم سے پھر کہہ رہا ہوں کہ پہلے مجھ سے بات کرو۔ اس کے بعد یہ سب کچھ کرنا۔" عقامہ نے کہا۔

لڑکی کے انداز سے اب جدوجہد کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے عقامہ نے اپنی گرفت کچھ ڈھیلی کر دی اور پھر اس سے لڑکی کو چھوڑ دیا۔

"میرا خیال ہے کہ تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"غلط فہمی...... لڑکی روتے روتے غصے سے بولی۔ "لٹیرے، ڈاکو، ذلیل انسان، تم نے ہمیں تباہ و برباد کر دیا اور اس کے بعد تم غلط فہمی کی بات کرتے ہو۔"

"ہوں۔" عقامہ نے گہری سانس لی۔ میرا خیال ہے لڑکی تم مجھے ان ڈاکوؤں میں سے سمجھ رہی ہو۔ عقامہ نے پوچھا۔

"نہیں۔ تم تو ولی ہو۔ آسمان سے اترے ہو۔" لڑکی دانت پیس کر بولی۔

"میں ولی نہیں ہوں اور آسمان سے نہیں اترا لیکن تم مجھے آسمان پر ضرور پہنچائے دے رہی تھیں۔" عقامہ مسکرایا اور بولا۔

"بکواس مت کرو خونی درندے، مجھے بھی قتل کر دو، مجھے کیوں زندہ چھوڑ دیا ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"درحقیقت تم شدید غلط فہمی کا شکار ہو۔ تم یہ تو سوچو کہ اگر میں ڈاکو ہوتا تو ڈاکوؤں کے ساتھ یہاں سے جا چکا ہوتا اور یہاں رہ کر کیا کرتا۔" عقامہ نے کہا اور لڑکی کے انداز میں کسی قدر تبدیلی پیدا ہوگئی۔ شاید عقامہ کی دلیل اس کے ذہن میں آنے لگی تھی۔

اس کے علاوہ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ تم لوگوں کے ساتھ کیا گزری ہے۔ میں تو خود حیران ہوں۔ اس سارے منظر کو دیکھ، میں تو خود مسافر ہوں، میری اونٹنی پیچھے کھڑی ہوئی ہے۔ یہاں یہ عجیب سا منظر دیکھا تو آگے بڑھ آیا۔ عقامہ نے بتایا۔

لڑکی کے آنسو رک گئے تھے۔ اس نے عقامہ کی طرف حیرانی سے دیکھا اور بولی۔

"تو...... تو...... تم ان میں نہیں ہو؟"

میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اگر میں ان میں سے ہوتا تو ان کے ساتھ ہوتا، کیا یہاں تمہیں میرے علاوہ کوئی اور نظر آ رہا ہے۔" عقامہ نے کہا۔

"آہ...... آہ...... تب تو مجھ سے غلطی ہوئی مسافر...... میں معافی چاہتی ہوں۔"

اگر میں...... میں تمہیں قتل کر دیتی تو مجھے پتہ بھی نہ چلتا کہ میں نے کسی دشمن کو قتل کیا یا کسی بے گناہ انسان کو......"

"بہرصورت میری خوش بختی ہے کہ میں آپ کے خنجر سے بچ گیا۔" عقامہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لڑکی چند ساعت اسے دیکھتی رہی، پھر اس نے دوبارہ دونوں ہاتھ منہ پر رکھے اور بلک بلک کر رونے لگی۔

"آہ...... ہم برباد ہوگئے۔ ہم سب تباہ ہوگئے۔ سب کچھ لٹ گیا۔ ہمارے سارے لوگ مارے گئے۔ آہ...... صرف میں زندہ ہوں۔ صرف میں زندہ ہوں۔" اور عقامہ اس کا دل ہلکا ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ لڑکی کو اس نے چپ کرانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ لڑکی اسی طرح روتی رہی پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"اجنبی مجھے معاف کر دو۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ خاتون...... مجھے احساس ہے کہ تمہاری ذہنی کیفیت اس وقت کیا ہوگی۔ میری بدبختی کہ میں اس وقت آیا۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"ہمارا سب کچھ برباد ہو چکا ہے۔ مسافر، مال تو کچھ حیثیت نہیں رکھتا، لیکن میری ماں، میرا باپ، میرا بھائی یہ سب مارے گئے۔ قافلے میں ہم چاروں شریک تھے۔"

"مجھے بے حد رنج ہے۔" عقامہ نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"لیکن اب میں کیا کروں...... مجھے بتاؤ اب میں کیا کروں۔ اس ویرانے میں کہاں جاؤں۔ کہاں جاؤں میں، لڑکی نے پھر رونا شروع کر دیا۔

عقامہ اس کے قریب پہنچ گیا، پھر اس نے لڑکی کے بازو پر ہاتھ رکھا اور آہستہ سے بولا "میں تمہارے لیے ایک بالکل اجنبی انسان ہوں خاتون، لیکن انسان ہونے کی حیثیت سے، میں تمہارے لئے ہر ممکن کام کرنے کیلئے تیار ہوں۔ میں تمہارے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ساتھ یہ ہولناک حادثہ پیش آیا۔

"آہ......! میری امی...... میرے ابو...... میرا بھائی سب ہی مارے گئے۔ کوئی بھی تو زندہ نہیں بچا۔ لڑکی سسکیاں بھر رہی تھی۔

"ہوا کیا تھا؟" عقامہ نے پوچھا۔

"بس ہم سفر کر رہے تھے۔ یہاں ہم نے قیام کیا تھا کہ صحرائی ڈاکو ہم پر آ پڑے اور انہوں نے ہمیں تباہ کر دیا۔" لڑکی نے بتایا۔

"افسوس......! میں اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔" عقامہ نے کہا۔ لڑکی کافی دیر تک گم رہی، پھر اس نے عقامہ کی طرف دیکھا اور بولی۔

"تم میری مدد کرو گے۔ اجنبی مسافر، تم میری مدد کرو گے۔"

"ہاں میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن تم میرے لیے کیا کر سکو گے؟"

"تم جہاں جانا چاہو، میں تمہیں پہنچا دوں گا۔ تم جس طرح سے بھی مجھ سے کہو میں ہوں"۔ عقامہ نے کہا۔

"لیکن اجنبی، جس کا ساری دنیا میں ماں، باپ اور بھائی کے علاوہ کوئی نہ ہو۔ وہ کیا کر ہے"۔ لڑکی نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ہاں اجنبی...... اس ساری دنیا میں میرا کوئی عزیز نہیں ہے۔ میری امی، میرے ابو، میرا اس سے پہلے میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ میں دنیا میں تنہا ہوں۔ ہمیں بھی کسی عزیز کی ضرورت لیکن آج میں محسوس کر رہی ہوں کہ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔ میرا تو کوئی بھی نہیں ہے"۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

عقامہ گہری سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"اس کے باوجود تمہیں ہراساں نہیں ہونا چاہیے۔"

"پھر بتاؤ میں کیا کروں؟"

"میں نے کہا ناں...... خاتون! میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ تم جس طرح سے بھی چاہو۔"

"تو...... تو کیا تم مجھے اپنے ساتھ لے چلو گے۔"

"ہاں...... کیوں نہیں اور اگر تم پسند کرو گی۔" عقامہ نے کہا۔

"میرا ہو گا کیا، کہاں جاؤں گی میں، کس کے پاس رہوں گی میں۔"

دیکھو میں ایک بار پھر اپنے الفاظ دہراؤں گا۔ "میں تمہارا کوئی بھی نہیں ہوں، لیکن انسانیت کے رشتے سے ہم ایک دوسرے کو بہت قریب سے جانتے ہیں۔ میں اس لحاظ سے تمہارا سب کچھ ہوں اور تم میری...... عقامہ نے جواب دیا۔ لڑکی کے چہرے سے کسی قدر طمانیت کا اظہار ہونے لگا تھا۔ اس کے چہرے سے وحشت دور ہو گئی تھی۔ عقامہ کے الفاظ نے اسے کافی سہارا دیا تھا۔ تب اس نے آنسو پونچھ ڈالے اور عقامہ سے بولی۔

"سنو اجنبی نوجوان، تمہاری اس مدد پر میں تمہاری بے حد شکر گزار ہوں گی۔ میں بے سہارا ہو گئی ہوں۔ مجھے سہارا دو۔ اس وقت میرا کوئی سہارا نہیں ہے۔ میں کوشش کروں گی کہ تم پر بار نہ بن سکوں۔ میں تمہارا ہر کام کروں گی۔ تمہاری خادمہ، تمہاری لونڈی کی حیثیت سے رہوں گی، لیکن تم مجھے سہارا دے دو۔ اگر میں اس صحرا میں اکیلی رہ گئی تو میں یہیں ریت میں دب کر مر جاؤں گی۔"

"تم بالکل تنہا نہیں رہو گی لڑکی! میں تمہاری مدد کیلئے تیار ہوں۔ عقامہ نے جواب دیا اور وہ لڑکی کو سہارا دے کر ایک طرف لے گیا۔

"آؤ میں تمہیں پانی پلاؤں۔ تم یہاں بیٹھو۔ لڑکی نے عقامہ کے سہارے کو قبول کیا تھا۔ عقامہ نے اسے خیمے کے سہارے بٹھا دیا اور خود پانی کی تلاش میں بھٹکنے لگا۔

لیکن یہاں تو سب کچھ ہی موجود تھا۔ قافلہ نہایت مکمل انتظامات کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ ڈاکوؤں کو ظاہر ہے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ انہوں نے صرف زاد جواہر اور دوسری قیمتی چیزیں لوٹی تھیں۔ باقی چیزیں یونہی بے یار و مددگار بکھری ہوئی تھیں۔

عقامہ کو پانی کی کئی چھاگلیں مل گئیں۔ اس نے ایک برتن میں پانی بھرا اور لڑکی کے نزدیک پہنچ گیا، پھر اس نے پانی لڑکی کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

لڑکی نے تیزی سے پانی پی لیا تھا۔ وہ بے حد پیاسی معلوم ہوتی تھی، پھر اس نے گہری گہری سانسیں لیں اور آہستہ سے بولی۔

"تمہاری اس ہمدردی کے لیے میں بے حد شکر گزار ہوں۔"

"کوئی بات نہیں ہے خاتون...... لیکن کیا تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گی کہ تم کہاں سے آ رہی تھیں اور کہاں جا رہی تھیں"۔

"میں صبوۃ النصر سے آئی ہوں اور ہمارا قافلہ مصر کے زیریں علاقے کی طرف جا رہا تھا۔ میرے باپ کا خیال تھا کہ وہ وہاں جا کر تجارت کرے اور تجارت کا کافی سامان قافلے میں موجود تھا۔ جو یقیناً لوٹ لیا گیا ہو گا۔

"اوہ......" نوجوان عقامہ نے گہری سانس لے کر کہا اور پھر بولا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"صباحہ۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"صباحہ" نوجوان عقامہ نے دہرایا اور پھر نجانے کیسے اس کی نگاہ لڑکی کے چہرے پر جا پڑی۔ بڑی بڑی روشن آنکھیں، خوبصورت و گلابی ہونٹ، پیاری آنکھیں، جو رونے سے گلابی ہو رہی تھیں۔ گو بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرہ اجڑا اجڑا سا تھا لیکن اس کا حسن عیاں تھا۔

عقامہ کی نگاہیں جھک گئیں۔لڑکی بے حد حسین لگی تھی' لیکن اس غم زدہ لڑکی کے بارے م
کچھ سوچنا نہایت نامناسب بات تھی۔ کسی کی بے بسی سے فائدہ اٹھانا' عقامہ جیسے شخص کے بس ک
بات نہیں تھی' پھر اس نے چند ساعت خود کو روکا اور پھر آہستہ سے بولا۔

''صباحہ تو پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

''یہ بات تم مجھ سے پوچھ رہے ہو؟ جس کی ذہنی حالت بالکل بھی درست نہیں ہے۔''

''مجھے پورا احساس ہے صباحہ' لیکن میں تم سے کچھ اور گفتگو بھی کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم م
ساتھ دو گی''۔عقامہ نے پوچھا۔

''ہاں...... یقیناً اور میں کر بھی کیا سکتی ہوں۔''

''تم بے چارگی کے انداز میں مت سوچو۔ مجھے دکھ ہوتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہار
کوئی خاص مدد نہیں کر سکا' کر بھی نہیں سکتا تھا۔ میں مجبور تھا۔ بہر صورت میں اتنا ضرور کر سکتا ہوں ک
آئندہ زندگی میں تمہیں اس حد تک سہارا دوں' جہاں تک تم قبول کرو' اور جب تک تم کسی بہتر مستقبل
کی تلاش نہ کر لو۔''

''بہتر مستقبل'' لڑکی پھیکے انداز میں بولی۔''میرا مستقبل اب بہتر کہاں ہے۔ بے سہا
لوگوں کے مستقبل نہیں ہوا کرتے۔ میں نے تمہیں کہا ناں کہ میں تمہاری لونڈی بن کر زندگی گزار دوں
گی۔ زندگی کے کسی دور میں اگر تم میرے لیے کوئی بہتر بات سوچ سکو تو یہ تمہاری مہربانی ہوگی۔''

''آہ' صباحہ ایسی بات نہ کہو۔ میں تمہیں کسی انداز میں لونڈی نہیں سمجھ سکتا۔ جب میں ک
انسان کی حیثیت سے تمہاری مدد کر رہا ہوں تو میں تمہیں ہمیشہ اپنے برابر کا انسان سمجھوں گا۔ سنو م
تمہیں اپنے بارے میں مختصر سی باتیں بتا دوں۔ میری ایک بہن ہے اور ایک اس کا چھوٹا سا بچہ' اور قطع
طور پر شیر خوار' دور سے ایک نخلستان میں رہتا ہوں اور اب کسی بستی کی طرف جا رہا تھا تاکہ اپنی بہن
کے لیے کپڑے اور ضروریات کا دیگر تھوڑا بہت سامان حاصل کر سکوں اور میں یہاں آ پہنچا' اور یہاں
میں نے تم لوگوں کا یہ حشر دیکھا۔

''اوہ......'' لڑکی نے آہستہ سے گردن ہلائی' وہ عقامہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''چنانچہ...... صباحہ' اگر تم پسند کرو تو ہم واپس اسی نخلستان میں چلیں۔ وہاں تم میری بہن کے

اس رہنا' اور یہ تو بہت ہی اچھی بات ہوگی۔ اب وہ تنہا نہ رہے گی اور اب اس کے پاس تمہارے جیسا
کوئی ساتھی ہوگا۔''

''ٹھیک ہے عقامہ...... میں تیار ہوں۔ مجھے بھی بستیوں سے نفرت ہوگئی ہے۔ کیسے درندہ
صفت لوگ ہیں۔ ذرا سی دیر میں لوگوں کے دلوں کو اجاڑ دیتے ہیں۔ بستیوں کو تاراج کر دیتے ہیں۔
ساری دنیا ویران کر دیتے ہیں۔'' صباحہ سسکی لے کر بولی۔

تو صباحہ' ہمیں اس سامان سے اپنی ضروریات کی چیزیں لے لینی چاہیے۔ یہ تمہاری ملکیت
ہے اور میں تم سے درخواست کروں گا کہ اس میں سے کچھ سامان لینے کی اجازت مجھے بھی دو تاکہ مجھے
کسی بستی تک نہ جانا پڑے۔

یہ سامان اب کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ صحرا میں پڑا ہوا ہے اور صحرا میں پڑی ہوئی چیز مشترکہ
ہوتی ہے' ہو سکتا ہے ریت کے ذرات اسے ڈھک کر لوگوں کی نگاہوں سے روپوش کر دیں۔ چنانچہ اس
میں سے تمہارے کام جو سامان آ سکے اسے ساتھ لے لو۔ صباحہ نے جواب دیا۔

''صباحہ کی اجازت کے بعد عقامہ نے سامان پر نگاہ دوڑائی سب سے پہلے انہوں نے ایک
اونٹ کی تلاش کی۔ اونٹ قریب ہی موجود تھا۔ یوں تو قافلے کے بہت سے اونٹ یہاں پھر رہے
تھے۔ کچھ کو ڈاکو پکڑ کر بھی لے گئے تھے' لیکن چند ایسے بھی تھے جو ان کی نگاہوں سے اوجھل رہے تھے
اور اس طرح محفوظ رہ گئے تھے۔

عقامہ نے ایک اونٹ پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا اور اونٹ کو ایک جگہ بٹھا دیا' پھر
سامان دیکھنے لگا۔ یہاں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ کپڑے' کھانے اور دوسری ضروریات زندگی کا سامان
عقامہ نے بڑے بڑے بنڈلوں کی شکل میں تمام چیزیں باندھ لیں اور اونٹ پر لاد دیں۔ یہ سب کچھ
اتنا تھا کہ وہ ان سے عرصہ تک کام چلا سکتے تھے' اور اس کے بعد عقامہ نے کچھ ہتھیار اپنے قبضے میں
لیے پھر وہ چلنے کیلئے تیار ہو گیا۔

پانی کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جو چھاگلوں میں موجود تھا اس نے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ عقامہ
نے ضروری تیاریوں کے بعد اونٹنی پر ایسی جگہ بنائی کہ لڑکی اس پر آرام سے بیٹھ سکے اور اس کے بعد
اونٹنی کی مہار اپنے اونٹ سے باندھ لی اور پھر وہ چل پڑا۔ لڑکی نے آخری بار اپنی ماں باپ اور بھائی
کی شکل دیکھی اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

''افسوس ان کی قبریں بنانے والا بھی کوئی نہیں۔'' اس نے غمزدہ لہجے میں کہا لیکن عقامہ نے
ان کی قبریں بنانے کی حامی نہیں بھری تھی' کیونکہ صرف لڑکی کی خوشنودی کیلئے وہ چند لوگوں کی قبریں
نہیں بنا سکتا تھا' جو ابھی تک بے گور و کفن پڑے ہوئے تھے۔

لڑکی نے بھی اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کہی' اور عقامہ نے واپسی کا سفر طے کرنا شروع کر
دیا۔

عقامہ کے دل میں جہاں لڑکی کیلئے غم اور ہمدردی تھی وہاں ایک احساس بھی تھا کہ کم از کم سامان اسے باآسانی اور بغیر کسی دقت کے حاصل ہو گیا تھا' جس کی اسے شدید ضرورت تھی' اور اب اس نخلستان میں نہایت اطمینان سے اپنا کام سرانجام دے سکتا تھا۔ واپسی کا سفر ان کیلئے اتنا تکلیف دہ نہیں تھا۔ لڑکی بعض اوقات پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی تھی' اور عقامہ کی تسلیوں سے وہ خاموش ہو جاتی تھی۔

اور پھر ایک رات اس نے اعتراف کیا کہ عقامہ ایک نیک دل انسان ہے۔ اس نے عقامہ کا نام بھی پوچھ لیا تھا' اور اب وہ اسے بے تکلفی سے عقامہ کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔

عقامہ بھی اس سے کافی مانوس ہو گیا تھا۔ ہر طرح سے وہ ایک نیک اور اچھی لڑکی تھی۔ افسوس کا مقام تھا کہ حالات نے اسے دشمنوں کی وادیوں میں دھکیل دیا تھا۔

''اب ہمارا سفر کتنا رہ گیا ہے' عقامہ؟'' صباحہ نے پوچھا۔

''زیادہ نہیں شاید دو شب کے راستے پر ہو۔'' عقامہ نے جواب دیا۔

''تمہاری بہن اور اس کا بچہ کیا وہ تنہا ہیں؟'' صباحہ نے پوچھا۔

''ہاں میں انہیں تنہا چھوڑ آیا ہوں اور کسی حد تک ان کے لیے فکر مند بھی ہوں۔ آج بارہ روز گزر چکے ہیں اور مجھے ان کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں۔''

''لیکن تمہاری بہن کا شوہر کہاں ہے؟''

''وہ ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا۔''

''تم نے نخلستان میں رہنا کیوں پسند کیا ہے؟''

''یہ ایک طویل کہانی ہے۔ صباحہ اور میرا خیال ہے غم ناک بھی ہے۔ جس وقت ربابہ سے تمہاری دوستی ہو جائے گی۔

''وہ تمہیں سب کچھ بتا دے گی۔''

''تو تمہاری بہن کا نام ربابہ ہے؟''

''ہاں' کیوں؟''

''میری ایک دوست تھی' اس کا نام بھی ربابہ تھا۔ ہم لوگ صبوۃ النصر میں رہتے تھے اور بہت اچھے دن گزارتے تھے' لیکن افسوس اب میں اسے کبھی نہ دیکھ سکوں گی۔''

''ایسی بات نہیں ہے صباحہ' تم اسے دیکھ بھی سکو گی۔ آخر ہمارا صبوۃ النصر جانا اتنا مشکل تو نہیں ہو گا۔ ہم حالات کا انتظار کریں گے اور حالات جس وقت بھی بہتر ہوں گے۔ میں تمہیں جہاں تم کہو گی پہنچا دوں گا۔''

''پہنچانے کی بات نہ کرو عقامہ' میں اب کہیں نہیں جاؤں گی بلکہ ساری زندگی تمہارے ساتھ ہی گزار دوں گی۔'' صباحہ نے کہا۔'' اس کے لہجے میں سادگی تھی اور اس کے ان الفاظ سے عقامہ کے

دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی گئیں۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے اونٹ پر بیٹھی صباحہ کو دیکھا' لیکن صباحہ کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں' اور ان میں ایسا کوئی انداز نہیں تھا' جس سے عقامہ غلط فہمی کا شکار ہوتا' یا کوئی خاص نتیجہ اخذ کرتا۔ بہرحال وہ مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

البتہ اس کے دل نے آہستہ سے کہا تھا۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے عقامہ' اگر وہ ساری زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہے تو یہ تمہاری خوش بختی ہے' ممکن ہے تیرے دل کی کنول بھی اسی نخلستان میں کھل جائیں۔

لیکن عجیب بات یہ تھی کہ وہ اپنی بات کو کبھی ہونٹوں پر لانا نہیں چاہتا تھا۔ کہ لڑکی اس کے بارے میں اس انداز سے سوچے کہ وہ اس کی بے بسی سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔

بالآخر عقامہ اپنے متعین کردہ نقشے کے مطابق اس نخلستان میں داخل ہو گیا۔ جس میں اس کی قیام گاہ تھی۔ دور ہی سے اس نے نخلستان میں کھجور کے درخت کے ساتھ ساتھ بنا ہوا مکان دیکھ لیا تھا۔ عقامہ اب ربابہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یقیناً ربابہ اسے اتنی جلدی واپس آتے دیکھ کر حیران رہ جائے گی۔ وہ صباحہ کو دیکھ کر اور بھی حیران ہو گی' لیکن یہ ایک اچھی بات ہے کہ اب اس نخلستان میں صباحہ کے دم سے بھی رونق ہو گی' اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ عقامہ کو وہ تمام چیزیں مل گئی تھیں جن کیلئے وہ بستی کی جانب رخ کرنا چاہتا تھا۔ اسے کوئی مشکل نہ اٹھانا پڑی تھی۔

ربابہ نے شاید دور ہی سے اونٹوں کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ کیونکہ تھوڑی ہی دیر کے بعد عقامہ نے دیکھا وہ مکان سے نکلی اور صحرائی راستے پر چل پڑی۔ غالباً خوشی کی انتہا اسے اس طرف لئے چلی آ رہی تھی۔ وہ عقامہ کو پہچان چکی تھی' لیکن اس کے ساتھ وہ دوسرے اونٹ پر بیٹھی ہوئی اس ہستی کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ عقامہ نے اسے بتایا کہ دنیا میں اس کا کوئی نہیں ہے' لیکن ربابہ یہ سوچے گی' جب اس کا کوئی نہیں تھا تو یہ یہاں کیسے آ گئی۔ یہ سوچ کر دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ربابہ کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ ربابہ کی آنکھوں سے خوشی جھانک رہی تھی۔

عقامہ نیچے اترا اور ربابہ دوڑ کر اس کے قریب پہنچ گئی۔

''تم آ گئے بھائی...... اتنی جلدی...... اتنی جلدی۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ حالانکہ یہ بارہ دن جس طرح سے میرے اوپر گزرے ہیں میں ہی جانتی ہوں۔ ننھا عماز بھی شاید تمہاری بُو سے مانوس ہو گیا ہے۔ وہ بار بار روتا رہا اور میں اسے بمشکل تمام خاموش کراتی رہی ہوں۔'' ربابہ نے کہا۔

''تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی ربابہ؟'' عقامہ نے پوچھا۔

''نہیں بھائی ہرگز نہیں۔ میں نہایت پرسکون رہی ہوں۔ تکلیف تھی تو بس اتنی کہ تم واپس آ جاؤ' اور کچھ نہیں۔'' ربابہ نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف دیکھ کر بولی۔

''یہ کون ہے؟ آہا کیسی پیاری ہے۔ یہ کون ہے عقامہ؟'' ذرا مجھے ان کے بارے میں بتاؤ...... تو سہی۔ ربابہ نے کہا اور آہستہ آہستہ ربابہ اس کے نزدیک پہنچ گئی۔ صباحہ کی اونٹنی کو بٹھایا اور

اس کے بعد صباحہ کو سہارا دے کر نہایت پیار سے نیچے اتار لیا۔

”یہ غمزدہ صباحہ ہے۔“ عقامہ نے آہستہ سے کہا۔

”صباحہ بڑا پیارا نام ہے مگر تم اسے غمزدہ کیوں کہہ رہے ہو؟“

”ربابہ اس بیچاری کے ساتھ ایسا ہی حادثہ پیش آیا ہے۔“

”حادثہ۔“ ربابہ نے آہستہ سے کہا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی مردنی چھا گئی۔ شاید اسے اپنا ماضی یاد آ گیا تھا۔ ماضی کا طایان یاد آ گیا تھا۔

”ہاں...... ربابہ حادثہ“

”خیر اس بارے میں پھر پوچھوں گی۔ تم لوگ سفر کر کے آ رہے ہو۔ آؤ اندر آؤ۔“ ربابہ نے کہا اور پھر اس نے ایک ہاتھ سے ننھے عماز کو سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے صباحہ کو سہارا دیا۔ تب عقامہ نے آگے بڑھ کر عماز کو اپنی گود میں لے لیا اور اس طرح اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا جیسے اپنی خوشی کا اظہار کر رہا ہو۔ ننھا سا وجود اسے بے پناہ چاہنے لگا تھا اور عقامہ بھی اس پر جان چھڑکتا تھا۔ اس طرح وہ سب مکان میں داخل ہو گئے اور ربابہ نے بہت محبت سے صباحہ کو ایک جگہ بٹھا دیا۔

”تم تھوڑا سا آرام کرو۔ میں جلدی سے دودھ گرم کر کے لاتی ہوں۔“ ربابہ نے کہا اور پھر وہ باہر نکل گئی۔ صباحہ تھوڑی دیر گردن جھکائے بیٹھی رہی پھر اس نے عقامہ کی گود میں قلقاریاں مارتے ننھے وجود کو دیکھا۔ چند ساعت اسے خاموش دیکھتی رہی' پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ وہ اٹھی اور اس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ بچہ لپک کر صباحہ کی گود میں چلا گیا۔

صباحہ نے اسے اپنے چہرے کے قریب کیا اور پھر اس کے سفید گلابی گالوں پر بوسے دیئے۔ بچہ اس کے بالوں سے کھیلنے لگا۔ عقامہ نے محسوس کیا جیسے صباحہ کے چہرے پر رونق آ گئی ہو۔ معصوم بچے کس کو پیارے نہیں لگتے۔ صباحہ عماز کو دیکھتی رہی اور کئی بار اس نے عماز کو پیار کیا۔ عماز بھی اس سے ایسے مانوس نظر آنے لگا جیسے صباحہ سے ناواقف نہ ہو۔ ننھا سا وجود انسانوں کے جذبات کو سمجھتا۔

تھوڑی دیر کے بعد ربابہ واپس آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں گرم دودھ کا برتن تھا' جو اس نے صباحہ کو دیا۔ دوسرا برتن اس نے عقامہ کے ہاتھ میں دے دیا تھا' پھر اس نے صباحہ کی گود سے بچہ لے لیا۔

”پہلے تم یہ دودھ پی لو بہن اس کے بعد عماز سے کھیلنا۔“ وہ پیار بھرے لہجے میں بولی' اور صباحہ نے شکر گزار نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

دودھ میں کھجوروں کی مٹھاس کی آمیزش تھی۔ بہت ہی لذیذ دودھ معلوم ہوا۔ صباحہ نے تکلف کئے بغیر دودھ پی لیا تھا۔ دوسری طرف عقامہ بھی دودھ پی چکا تھا۔ تب ربابہ نے کہا۔

”اب میں تم سے کہوں گی کہ تم غسل کر لو۔ غسل کرنے سے سفر کی تھکان بالکل دور ہو جاتی ہے۔“

”ہاں...... ربابہ تم انہیں غسل کرا دو۔“ عقامہ نے کہا۔

”تمہاری سفارش کی ضرورت نہیں ہے بھائی۔ یہ ہے ہی اتنی پیاری کہ میں اس کا ہر کام خوشی خوشی کروں گی۔“ ربابہ مسکراتے ہوئے بولی' اور عقامہ بھی مسکرانے لگا۔ عقامہ نے عماز کو ایک بار پھر گود میں لے لیا تھا' اور ربابہ' صباحہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس حصے کی طرف لے گئی' جو نہانے کیلئے مخصوص تھا۔ عقامہ نے یہاں ہر سہولت کیلئے معقول بندوبست کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب صباحہ ربابہ کے ساتھ واپس آئی تو اس کا سراپا بالکل بدل گیا تھا۔ ربابہ نے صباحہ کے بال بھی سنوار دیئے تھے اور اس کو وہی لباس پہنے رہنے دیا تھا' جو صباحہ پہنے ہوئے تھی۔ عقامہ نے ایک نظر دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ ربابہ یا صباحہ اس کی چوری پکڑ لیں۔ تب ربابہ نے دوبارہ عماز کو اپنی گود میں لے لیا اور عقامہ سے مخاطب ہوئی۔

”اب تم بھی نہا لو بھائی اس کے بعد بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔“ عقامہ نے گردن ہلائی اور چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مکان کے نچلے حصے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

ربابہ نے عقامہ سے کہا۔

”میں نے صباحہ سے کچھ نہیں پوچھا بھائی' میں چاہتی تھی کہ اس سے تمہاری موجودگی میں ہی کچھ باتیں کروں۔ میرے دل میں بڑا تجسس ہے کہ میں اس کے بارے میں جانوں۔“

”ربابہ اس کا نام صباحہ ہے۔ جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ اپنے ماں باپ اور بھائی کے ساتھ ایک قافلے میں سفر کر رہی تھی کہ رات کو ڈاکو اس قافلے پر آ پڑے۔ ڈاکوؤں نے سب کو تہہ و تیغ کر کے لوٹ لیا۔ میں اتفاق سے اس وقت پہنچ گیا۔ جب ڈاکو واپس جا چکے تھے۔ وہاں صباحہ مجھے ملیں۔ انہوں نے مجھے ڈاکوؤں کا ساتھی سمجھا اور ہلاک کرنے کی کوشش کی' بمشکل تمام میں انہیں سمجھا سکا کہ میں ڈاکو نہیں' بلکہ ایک مسافر ہوں۔ بستی کی تلاش میں سفر کر رہا ہوں۔

صباحہ کی کہانی بڑی دلدوز تھی۔ بہر صورت چونکہ دنیا میں ان کا کوئی نہیں تھا اور انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں انہیں اپنے ساتھ رکھوں' انہیں سہارا دوں۔ چنانچہ میں نے بہتر یہی سمجھا کہ میں انہیں تمہارے پاس لے آؤں۔ اس طرح تم دونوں کی تنہائی بھی دور ہو جائے گی اور صباحہ کو بھی ایک سہارا مل جائے گا۔ ربابہ تم انہیں بتاؤ کہ یہاں ان کی زندگی کو ان کے احساس کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ عقامہ نے کہا۔

”ہاں صباحہ! بے شک تمہاری کہانی غم ناک ہے۔ میں تمہاری ماں یا تمہارے باپ کا بدل تو نہیں ہو سکتی لیکن بہر صورت تمہاری ہمدرد' تمہاری ایک ایسی ساتھی ضرور بن سکتی ہوں' جس سے تمہیں

کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ ہم تمہارے مستقبل کے بارے میں بہتر فیصلہ کریں گے اور اگر تم یہاں سے کہیں جانا چاہو گی تو ہم تمہیں وہاں تک پہنچانے میں تمہاری مدد بھی کریں گے۔ ربابہ نے کہا۔ صباحہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ربابہ نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا' نہ روؤ میری بہن' کہانیاں تو بے شمار ہوتی ہیں صرف تمہاری کہانی ہی غمگین نہیں ہے۔ یہاں غم کے مارے بہت پڑے ہیں۔ جس کو دیکھو گی اس دل تمہیں اندر سے زخم خوردہ نظر آئے گا۔ دلوں کے زخم تو شاید اس دنیا کا سب سے بڑا کارنامہ ہے چنانچہ انہیں نہ کریدو...... انہیں مندمل کرنے کی کوشش کرو' ورنہ یہ زخم ہمیشہ ٹپکتے رہیں گے اور انسا کبھی سکون نہیں پاتا۔

صباحہ ربابہ سے لپٹ کر رونے لگی' پھر آہستہ سے بولی۔

''میرا زخم ابھی تازہ ہے ربابہ کیا تم بھی زخم خوردہ ہو؟''

''ہاں...... صباحہ میرے سینے پر بھی ایک زخم ہے۔ ایسے زخم جن کو دیکھو گی تو لرز جاؤ گی۔ سب زخموں سے چور ہیں۔ کسی کے زخم تازہ ہوتے ہیں تو وہ درد کی شدت کو زیادہ محسوس کرتا ہے اور ان زخموں کی تکلیف کو برداشت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے اس کے چہرے سے کوئی اندازہ نہیں ہوتا زخموں کی نوعیت مختلف ہوتی ہے صباحہ...... ان کی شکل ایک جیسی ہوتی ہے۔

صباحہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اسے ربابہ کے چہرے پر کرب کے آثار نظر آ رہے تھے یہ حسین موہنی صورت اس قدر دکھی ہے۔ وہ سوچ رہی تھی اور ربابہ کیلئے اس کی آنکھوں میں پیار نظر رہا تھا' پھر وہ ربابہ کے نزدیک پہنچ گئی اور آہستہ سے بولی۔

''ہم دونوں ایک دوسرے کا غم بانٹ لیں گے۔''

''میں بھی یہ ہی چاہتی ہوں صباحہ! تمہارے آ جانے سے میں بہت خوش ہوں''۔ ربابہ۔ آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ تب عقامہ نے کہا۔

''آخری فیصلہ جو ہوا ہے وہ مجھے بے حد پسند آیا۔ ہرچند کہ صباحہ ہمارے درمیان ا حالات میں نہیں آئیں جو خوشگوار ہوتے' لیکن دنیا بھولنے کی جگہ ہے' جو کچھ فراموش کیا جا سکے ضر فراموش کرنا چاہیے۔ ہاں ربابہ اب تو تمہاری تنہائی بھی دور ہو گئی' اور صباحہ کے ساتھ مل کر تم زند کے سارے کاروبار چلا سکتی ہو۔ میری بھی یہ خواہش ہے کہ تم دونوں مل کر مستقبل کے سارے بوجھ ا لو۔''

''تمہیں اطمینان رکھنا چاہیے بھائی۔'' ربابہ نے کہا۔

''بالکل ٹھیک اب میں اپنے کاموں میں مصروف ہو جاؤں گا۔ تم دونوں اپنی باتیں کرو۔ عقامہ نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

عقامہ کے سامنے اپنا مشن تھا' جو کچھ وہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے شدید مشقت اور طو

جدوجہد کی ضرورت تھی' اور وہ اس کیلئے خود کو تیار پاتا تھا۔ اس کے عزم میں کوئی لچک نہیں تھی۔

قافلے سے حاصل شدہ سامان سے بہت سی کارآمد چیزیں ملی تھیں اور وہ یہاں ترکاریاں اگا سکتا تھا۔ جس کیلئے اس نے زمین تیار کرنا شروع کر دی۔ چشمے کے پانی میں سے اس نے نالیاں بنائیں اور ریتلی زمین کے ایک حصے کو سیراب کرنے لگا۔ جتنا طویل مشن اس کے سامنے تھا۔ اس سے کوئی بھی شخص اکتا سکتا تھا' لیکن عقامہ آہنی اعصاب کا مالک تھا۔ وہ خندہ پیشانی سے اپنے معمولات پر عمل کر رہا تھا۔ چنانچہ اب کئی کھیتوں میں ننھی ننھی کونپلیں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے بے شمار درختوں کے پودے لگائے تھے اور نہایت تندہی سے ان کی آبیاری کر رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

دوسری طرف صباحہ اور ربابہ محبت اور اخوت سے رہ رہی تھیں۔ عماز سب کا کھلونا تھا۔ صباحہ اس سے بے حد پیار کرتی تھی' اور عماز زیادہ تر اس کے پاس رہتا تھا۔ عقامہ کبھی کبھی اپنے دل میں ایک کسک سی محسوس کرتا تھا۔ وہ صباحہ سے دور رہتا تھا۔ کبھی اس پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا کہ وہ اس کی قربت کا خواہشمند ہے۔

لیکن اس کے تصورات اکثر صباحہ کی شکل کو خود میں سجائے رہتے تھے' اور وہ اس کے خواب دیکھتا تھا' لیکن پھر خود بخود چونک پڑتا تھا۔

''نہیں ہرگز نہیں...... میں نے اس کی زندگی بچائی ہے۔ وہ خود کو میرا احسان مند سمجھتی ہے۔ اگر میں اس سے چاہت کا اظہار کروں تو وہ سوچے گی کہ اسے مجبور کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی بے بسی سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں' اور پھر دوسری طرف نوجوان ربابہ ہے۔ جس نے بہاروں کی منزل میں قدم رکھا ہی تھا کہ خزاں آ گئی۔''

اس خزاں رسیدہ کے دل کو دکھانا بھی مناسب نہیں ہوگا۔

یہی تمام احساسات لیے وہ خاموش رہتا تھا' اور کوشش کرتا تھا کہ ان دونوں سے دور رہ کر دلجمعی سے اپنے مشن کی تکمیل میں مصروف رہے' اور وہ اس میں کامیاب تھا۔ طویل و عریض علاقے کی شکل بدلتی جا رہی تھی۔ صباحہ نے کبھی ربابہ کے زخم کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ زخم کریدنے سے ٹیسیں اٹھتی ہیں' لیکن اس کے ذہن میں تجسس ضرور تھا اور ایک دن بے اختیار اس کی زبان کھل گئی۔

''ربابہ' اتنے نزدیک آنے کے بعد کیا تم خود کو مجھ سے دور سمجھتی ہو؟''

''نہیں صباحہ تمہارے دل میں یہ خیال کیوں آیا؟''

''بس یونہی۔''

''نہیں اس کی کوئی تو وجہ ضرور ہوگی۔''

''یہی سمجھ لو۔''

"مجھے بتاؤ گی نہیں۔"

"ڈرتی ہوں۔"

"کیوں میرے اوپر اعتماد نہیں ہے؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ ربابہ تم میرے لئے بہت کچھ ہو لیکن۔"

"پھر لیکن کیوں؟"

"زخموں کو کریدنے سے ٹیسیں اٹھتی ہیں اور میں تمہیں کرب میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی۔"

"کہہ دینے سے دلوں کے بوجھ ہلکے ہو جاتے ہیں۔ صباحہ گزری ہوئی کہانیاں دہرانا سے بعض اوقات سسکتی یادوں کو سکون بھی مل جاتا ہے اور کسی قدر آرام بھی آ جاتا ہے۔"

"تب تم نے مجھے ابھی تک اپنے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟"

"اس کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔"

"تم بتانا پسند کرو گی؟"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔ صباحہ تم میری چھوٹی بہن کی حیثیت رکھتی ہو۔ میں تم سے کچھ چھپا کیا کروں گی۔"

"تو میں تمہارے بارے میں سب کچھ معلوم کر لینا چاہتی ہوں۔"

"ضرور" ربابہ نے کہا اور چند ساعت سوچتی رہی پھر بولی "لیکن ایک شرط پر۔"

"شرط؟"

"ہاں شرط۔" ربابہ کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے اتنا غیر نہ سمجھو ربابہ۔"

"غیر......" ربابہ حیرانی سے بولی۔

"ہاں کسی بات کیلئے تم مجھے حکم دو گی اور میں انکار کر سکتی ہوں۔ تم میری ذات پر اس حد تک اعتبار کرو کہ جو کچھ تم پوچھو گی' میں اس حکم کو دل سے تسلیم کروں گی۔"

"ٹھیک ہے صباحہ مجھے اعتماد ہے۔" ربابہ نے کہا' پھر بولی "تم میرے بارے میں مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتی ہو۔"

"مختلف سوالات میرے ذہن میں ہیں۔"

"تب یوں کرو تم مجھ سے سوالات کرو' میں جواب دوں گی۔"

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے' لیکن کیا مجھے ہر قسم کے سوالات کرنے کی اجازت ہے۔"

"یقیناً"

"تب پہلا سوال' کیا عقامہ تمہارے سگے بھائی ہیں؟"

"رشتوں کا تعین عجیب طریقے سے کیا جاتا ہے۔ صباحہ' لوگ خون کے رشتوں کو مانتے

ہیں۔ میرے تجربے بتاتے ہیں کہ خون کے رشتے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ مجھے بتاؤ چند واقعات کو چھوڑ کر دنیا کی تاریخ میں کتنے ایسے واقعات ملتے ہیں' جن میں صرف خون کے رشتوں نے ہی ساتھ نبھایا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ یہ صرف ایک رسم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مجھے دیکھ لو' میرے خون نے مجھ سے وفا نہیں کی۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"ہاں پوری کہانی سنے بغیر تم نہیں سمجھو گی۔ بہرحال تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ عقامہ نے میری ماں کے پیٹ سے جنم نہیں لیا' لیکن اس نے بہن کا رشتہ اس طرح نبھایا ہے کہ سگا بھائی نہ نبھا سکے۔"

"اوہ......تو وہ تمہارے سگے بھائی نہیں ہیں۔"

"سگوں سے زیادہ ہیں میرے لئے۔"

"کیا وہ تمہارے قبیلے سے ہیں؟"

"نہیں عقامہ بے چارہ تو میرے قبیلے سے بھی نہیں ہے۔ وہ تو اس قبیلے سے ہے' جو اس کے قبیلے کے شدید دشمن ہیں اور جس نے عقامہ کے قبیلے کو تباہ و برباد کر ڈالا ہے۔"

"اوہ...... پھر تو بڑے ظرف کی بات ہے۔" صباحہ نے پھر کہا پھر بولی "تمہارے شوہر کس طرح قتل ہوئے؟"

"صباحہ! اب میں خود پر قابو نہ رکھ سکوں گی۔ میری غم ناک کہانی مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں گفتگو کے دوران کوئی خاص حیثیت برقرار رکھ سکوں۔ میں حشیما قبیلے کے سردار کی بیٹی ہوں۔ نفرتوں کی آغوش میں جنم لینے والے قبیلے کی۔ میرا باپ سردار بولایا ایک سنگدل انسان ہے۔ دشمنی کی فضاء ختم کرنے کیلئے میں اور طایان نے کیا نہ کیا' لیکن افسوس طایان اس کا شکار ہو گیا اور میں......"

ربابہ نے آنسوؤں کے درمیان اپنی کہانی سنا دی۔ صباحہ غور سے سن رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو ٹپک رہے تھے۔ وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے ربابہ کو دیکھ رہی تھی۔

ربابہ کے خاموش ہونے کے بعد بھی صباحہ کافی دیر تک نہ بول سکی' پھر یہ خاموشی کافی طویل ہو گئی تو اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کیسی دلدوز کہانی ہے۔ تمہاری کہانی سن کر تو میں اپنا غم بھی بھول گئی۔"

"ہاں صباحہ جسموں کے یہ کمزور پنجر بڑے طاقتور ہوتے ہیں۔ کیسے کیسے صدمے اور غم خود میں چھپائے ہوتے ہیں اور جیتے ہیں' انسان کتنا مجبور ہے۔"

انسان بہت کچھ ہے ربابہ' ہم سب کسی مشن کیلئے زندہ ہیں۔ ہماری قیمتی اشیاء چھن جاتی ہیں لیکن ہمیں برداشت کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جو ہمارے رحم و کرم پر ہیں' بے گناہ ہوتے ہیں۔

''تمہاری مراد عماز سے ہے۔''

''ہاں ربابہ! میں طایان کی نشانی کا ذکر کر رہی ہوں۔ اب تم اس کیلئے جیو اور طایان کی روح کو خوش کرو۔ یقیناً عماز کو خوش دیکھ کر تمہارے محبوب کی روح خوش ہوگی۔''

''یہ ہی ایک خیال تو زندہ رکھے ہوئے ہے صباحہ! ورنہ زندگی میں اور کیا ہے؟''

''میرا خیال بھی تو حاصل خیال ہے۔'' صباحہ نے کہا اور ربابہ نے گردن جھکا لی۔ دونوں سوچ میں ڈوبی رہیں، پھر صباحہ بولی۔

''تمہاری اور عماز کی خوش قسمتی ہے کہ عقامہ جیسے مہربان انسان سے ملاقات ہوگئی۔ کتنا عظیم ہے یہ شخص، جس نے اپنی زندگی کسی کیلئے محدود کر لی اور خود اپنے احساسات اور جذبات ریت میں دفن کر دیئے۔''

''ہاں صباحہ، عقامہ انسانیت کا پرتو ہے۔ اسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ نیکی اور بدی کیا ہے۔ ورنہ میرے سامنے جو کچھ آیا ہے، اسے دیکھ کر تو میں یہ ہی محسوس کرتی کہ نیکی کا تصور ختم ہوگیا۔ بدی کی قوتیں مطلق العنان ہیں۔ دنیا اچھے انسانوں سے خالی ہے اور اس کے بعد زندگی بے وقعت ہے۔''

''بے شک عقامہ عظیم انسان ہے۔'' صباحہ نے کہا اور ربابہ کی آنکھیں اس کے چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔ صباحہ کو کسی سوچ میں ڈوبا دیکھ کر ربابہ کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اور پھر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ابھر آئی۔

''کیا سوچنے لگیں صباحہ؟''

''کوئی خاص بات نہیں۔''

''بتاؤ۔'' ربابہ نے بڑے مان سے کہا اور صباحہ مسکرانے لگی۔

''تمہارے اس حکم سے مجھے مسرت ہوئی ہے۔''

''ٹھیک ہے لیکن سچ بولنا۔''

''یقیناً''

''تو بتاؤ۔''

''عقامہ کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔''

''کیا سوچ رہی تھیں؟''

''اس کی عظمت ذہن میں تھی۔ مجھے بتاؤ ربابہ! کیا اس دور کے انسان اس انداز میں بھی سوچ سکتے ہیں۔ کون کسی کیلئے دنیا کی خوشیاں تج کرتا ہے۔ کیا عقامہ نے تمہارے لئے، اس بچے کیلئے اپنی زندگی وقف نہیں کر دی۔''

''بے شک میرے بھائی نے ایسا ہی کیا ہے۔''

''وہ نوجوان ہے اور اپنے قبیلے میں ہوتا تو زندگی کو نئے انداز سے دنیا کی دلچسپیوں میں گم ہو کر گزارتا۔''

''بلاشبہ''

''لیکن اس نے ایک مشن کے تحت یہ ریگستان اپنا لیا۔ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یہ بہت بڑی بات ہے۔'' صباحہ بولی۔

''اس نے ایک سرپرست ایک بھائی بن کر سوچا۔''

''ہاں یہ اس کی عظمت ہے۔''

''لیکن کیا میں اس کیلئے بہن بن کر نہ سوچوں صباحہ!''

''ضرور سوچنا چاہیے۔ ہر انسان پر ایک دوسرے کا حق ہے۔ ہمیں یہ حقوق پورے کرنے چاہئیں۔''

''تم اس کیلئے کچھ کر سکو گی صباحہ۔''

''اوہ..... عقامہ جیسے انسان کیلئے میں اپنی جان بھی دے سکتی ہوں۔'' صباحہ نے معصومیت سے کہا۔ اس کے انداز میں بھولپن تھا، لیکن ربابہ معنی خیز انداز میں مسکرا دی تھی۔

''کیا واقعی؟''

''ہاں میں پورے بھروسے سے کہہ رہی ہوں۔ میرے لیے بھی تو وہ فرشتہ رحمت ہی ثابت ہوئے۔ ورنہ اس خوفناک صحرا میں ان لاشوں کے درمیان کیا میں زندہ رہ سکتی تھی۔ افسوس کہ میں نے انہیں ڈاکو سمجھ کر ان پر خنجر سے حملہ کیا تھا۔ اگر عقامہ غیر معمولی طاقتور اور پھرتیلے نہ ہوتے تو میرے منہ میں خاک، وہ نہ بچ سکتے۔''

''ہماری خوش بختی کہ وہ بچ گئے، لیکن صباحہ ہمیں بھی تو ان کی آئندہ زندگی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''میں سمجھی نہیں ربابہ۔''

''اچھا ایک بات بتاؤ صباحہ، صوبۃ النصر میں تمہارے کوئی عزیز بھی تھے؟''

''نہیں کوئی نہیں ہے۔''

''کیا تمہارے ماں باپ نے تمہاری شادی کے بارے میں سوچا تھا۔''

''ان کا خیال تھا کہ میں جوان ہو چکی ہوں اور اب.....''

''تم نے کسی سے محبت نہیں کی۔''

''نہیں اس نگاہ سے میں نے کبھی کسی نوجوان کے بارے میں نہیں سوچا۔''

''آج تک نہیں۔''

''ہاں آج تک نہیں۔''

''اب سوچو گی۔''

''کیا مطلب؟''

''کیا ہم دیوانوں کے ساتھ تم بھی یونہی زندگی گزار دو گی؟''

''اب تم دونوں کے علاوہ میرا اس دنیا میں ہے ہی کون' اور پھر میں یہاں خوش ہوں' کوئی نہیں ہے مجھے' ہنگاموں سے دور سکون کی وادیوں میں' جہاں صرف محبت ہے اور کوئی نہیں ہے۔''

''تم اس ماحول میں اور دلکشی پیدا کر سکتی ہو صباحہ! میں تم سے دل کا مدعا کہتے ہوئے ڈر رہی ہوں' لیکن یہ میری خواہش بھی ہے۔''

''ایسی کیا بات ہے ربابہ؟''

''کیا تم عقامہ کو اپنا شریک زندگی بنا سکتی ہو؟'' ربابہ نے کہا اور صباحہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ وہ تعجب خیز نظروں سے ربابہ کو دیکھتی رہ گئی' اور پھر اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا' اور وہ کوشش کے باوجود کچھ نہ بول سکی۔''

''جواب دو صباحہ؟'' ربابہ نے کہا۔

''میں نے تو...... میں نے تو کبھی ایسا نہیں سوچا۔''

''سوچ بھی نہیں سکتیں۔''

''لیکن کیا ربابہ تمہیں عقامہ کی زندگی کے حالات معلوم ہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس کے دل میں' اس کی زندگی میں کوئی اور نہیں چھپا ہوا۔ کیا وہ...... کیا وہ اس بات پر تیار ہو جائیں گے۔''

''یہ میں نہیں کہہ سکتی صباحہ اس کا اندازہ تمہیں کرنا ہوگا۔''

''مجھے؟'' صباحہ گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔

''ہاں صباحہ! جس نے ہمارے لیے اتنا کچھ کیا ہے' اس کیلئے سوچنا ہمارا بھی فرض ہے تمہارا یہ احسان ہوگا میرے اوپر' تم اس بارے میں سوچو اور کوشش کرو کہ عقامہ کے دل کا راز معلوم لو۔ یہ ایک اہم کام ہے۔ یہ میرا کام ہے۔'' ربابہ نے کہا اور اس نے گردن جھکا لی۔

عقامہ کے دل میں بہار آ رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ صباحہ اس کی طرف متوجہ ہے وہ اس کا ہر کام نہایت خوش دلی سے کرتی ہے' اور اکثر عقامہ کے سامنے آ کر اس کے چہرے پر پھول کھل اٹھتے ہیں۔ عقامہ کو بے حد خوشیاں نصیب ہو گئی تھیں۔ عماز اس کے خیالات کا عروج اور بہار اس کے دل کی بہار' اس کی آرزو۔''

اور پھر اچانک ایک شب وہ کھل گئے۔ پہل صباحہ نے ہی کی تھی۔ وہ عقامہ کا لباس سی رہی تھی کہ عقامہ نے دیکھ لیا۔

''ارے...... تم میری ذات کیلئے اتنی تکلیف کیوں اٹھاتی ہو صباحہ؟''

''تمہاری ذات کیلئے؟''

''ہاں یہ۔''

''مجھے خود سے جدا سمجھتے ہو؟''

''نہیں' لیکن۔''

''تمہارے کام میں اپنی ذات کیلئے کرتی ہوں۔''

''اپنی ذات کیلئے۔''

''ہاں عقامہ میں نے تمہیں...... میں نے تمہیں'' صباحہ نے اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

''اتنا کہا ہے تو کچھ اور کہہ دو صباحہ' کچھ اور کہہ دو۔ وہ کہہ دو صباحہ جو زندگی کا حاصل ہے۔ عقامہ کے ہاتھوں سے بھی صبر کا دامن چھوٹ گیا تھا۔

''کہنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ عقامہ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ میں تمہارے قابل ہوں بھی یا نہیں۔'' صباحہ کا سر عقامہ کی چھاتی سے آ لگا اور عقامہ نے اسے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

دن' ہفتے' مہینے گزرتے رہے۔ صباحہ اور عقامہ کے دل کا حال اب ربابہ کو معلوم ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد ربابہ نے اپنا کردار ادا کیا۔ اس نے عقامہ سے درخواست کی کہ وہ صباحہ سے شادی کر لے۔

اور پھر نخلستان کے اس چھوٹے سے علاقے میں خوشیاں بکھر گئیں۔ حالانکہ یہ خوشیاں چند دلوں تک محدود تھیں۔ ربابہ بھی خوش تھی کہ عقامہ زندگی سے دور نہیں گیا' اور اس کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنے کے باوجود خود عقامہ کو بھی سہارا مل گیا ہے۔

عقامہ نے اب کچھ اور کارروائیاں شروع کر دی تھیں۔ وہ اکثر اونٹ پر بیٹھ کر دور نکل جاتا اور بھٹکے ہوئے مسافروں کی تلاش میں سرگرداں رہتا۔ اس کی یہ کوشش چند ہی دنوں میں بارآور ہو گئی۔ لٹا ہوا ایک قافلہ عقامہ کے ذریعے اس نخلستان تک پہنچ گیا۔

قافلے والوں کو اس نے اس نخلستان میں آباد ہونے کی پیشکش کی اور برباد شدہ لوگوں نے یہ پیشکش منظور کر لی اور وہ عقامہ کی سرکردگی میں اپنے لیے زندگی گزارنے کا بندوبست کرنے لگے اور نخلستان کا ایک حصہ آباد ہو گیا۔

قافلے میں لڑکیاں بھی تھیں' مرد بھی تھے' جوان بھی' بوڑھے بھی اور بچے بھی' ان لوگوں کے آ جانے سے نخلستان میں زندگی پیدا ہو گئی۔ عقامہ کی زیر نگرانی ان لوگوں نے زندگی گزارنے کا بندوبست شروع کیا۔ ریگستان میں چشمے کے علاوہ پانی کے گہرے گہرے کنویں کھودے جانے لگے تاکہ یہاں ضرورت کی ہر چیز مہیا ہونے لگے۔

چنانچہ نخلستان میں وسعت ہوتی رہی' اور اب یہ ایک چھوٹی سی آبادی کی حیثیت اختیار کر گیا۔ عقامہ کی کوششیں بدستور جاری تھیں۔ تھوڑے بہت عرصے کے بعد اسے کچھ لوگ مل جاتے جو

صحرا ئیں بھٹک رہے ہوتے تھے۔ زندگی کو موت کے قریب دیکھ کر بے بس ہو چکے ہوتے۔ ان لوگوں کو عقامہ سہارا دیتا' اور اس نخلستان میں لا کر آباد کر دیتا۔ یوں اس نے اپنی کارروائی کو جاری رکھا اور تقریباً سات سال کے بعد صحرا کا یہ حصہ ایک مکمل آبادی بن چکا تھا۔

وہ سب عقامہ کے احسان مند تھے اور ہمیشہ اس کے احکامات کی تعمیل کرتے تھے۔ دوسری طرف عقامہ کا دوسرا عمل جاری تھا۔ ننھا عماز جو اب نو سال کا ہو چکا تھا۔ شمشیر زنی' خنجر بازی اور فنون سپہ گری کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس کی فطرت میں عقامہ نے وحشت برقرار رکھی تھی۔

یہ عقامہ کی زندگی کا سب سے بڑا مشن تھا۔ وہ یہ ہی چاہتا تھا کہ ایک دن عماز کو اس حد تک لے جائے کہ وہ اس مشن پر کام شروع کر دے' جس کیلئے اس نے شدید محنت کی ہے۔

نخلستان کی آبادی اب تقریباً تین ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ ان میں مرد' عورتیں' بچے شامل تھے۔ عقامہ اس آبادی کو بدستور بڑھانے کی فکر میں کوشاں رہتا تھا' اور پھر ایک طویل عرصے کے بعد جب کہ عماز کی عمر 19 سال ہو چکی تھی۔ نخلستان کی آبادی تقریباً تیرہ ہزار تھی' اور اب اسے نخلستان کہنا نامناسب تھا' بلکہ ایک چھوٹی سی بستی کہنا مناسب تھا۔ اس قبیلے میں بے پناہ جنگجو تھے جو عقامہ کی زیر نگرانی تربیت پا رہے تھے' اور یہ عقامہ کا خواب تھا۔

وہ سب کے سب عقامہ کو ایک دیوتا کی حیثیت دیتے تھے۔ ربابہ اور صباحہ بھی ان کے درمیان انتہائی خوش رہتی تھیں۔ انہیں ایک خاص حیثیت حاصل تھی۔

صباحہ کے ہاں دو بچیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ اب تک اس کے ہاں کوئی لڑکا نہیں تھا۔ بچیاں اچھی خاصی بڑی ہو چکی تھیں۔ یہ عقامہ کی اولاد تھیں۔

بہرصورت عقامہ اپنی زندگی کے مشن کو انتہائی تیزی کے ساتھ تکمیل تک پہنچانے کیلئے کوشاں تھا' اور پھر وہ دن آ گیا۔ جب عقامہ کی زندگی کا مشن پورا ہونے والا تھا۔

بیس سالہ عماز سپہ گری میں یکتا تھا۔ وہ انتہائی زیرک' ذہین اور دانشمند تھا۔ عقامہ کی تربیت نے اسے چند باتیں سکھائی تھیں۔ عقامہ نے اسے یہی بتایا تھا کہ اس کا باپ طایان امن کیلئے جنگ کرتا ہوا مارا گیا اور یہ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے باپ کا وہ مشن پورا کرے' جس کے لئے اس کے باپ نے جان دی تھی۔

عماز کو اس نے بہت ساری باتیں بتائی تھیں۔ یہ باتیں ابولایا اور ابوراس کے بارے میں تھیں۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ اسے نہیں معلوم کہ اب یہ دونوں قبیلے کس انداز میں زندگی گزار رہے ہیں' لیکن بہرحال حشیما اس کی ملکیت ہے۔ عماز کو اسے حاصل کرنا ہے' اور اس کے بعد تقیہ پر یورش کرنی ہے۔

عقامہ نے یہ بھی کہا کہ ان دونوں قبیلوں کو ہر حال میں یکجا ہونا چاہیے۔ ان قبیلوں کو فاسق اور حاسد لوگوں سے پاک ہونا چاہیے' جو دلوں میں دشمنی رکھ کر دوسروں کی زندگیوں سے کھیلتے ہیں۔

تب عقامہ نے اپنے اس مشن کا آغاز شروع کر دیا۔

اس نے قبیلے کے جوانوں کو ایک جگہ جمع کیا۔ یہ جوان عقامہ اور عماز کے اشارے پر زندگیاں نچھاور کرنے کیلئے تیار تھے۔ یہ وہ تھا' جس نے ان کی زندگیوں کو موت کے منہ سے بچایا تھا۔ انہیں پناہ دی تھی اور پتہ نہیں انہیں کیا سے کیا بنا دیا تھا' پھر وہ اس کی عزت کیوں نہ کرتے۔ اس پر جان کیوں نہ چھڑکتے۔

وہ ایک مضبوط قوم کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ حالانکہ ان میں مختلف قبائل کے لوگ تھے' لیکن اب یہ سب خود کو ایک ہی قبیلے کا فرد سمجھتے تھے۔ ان میں بے پناہ محبت اور اخوت تھی۔

چنانچہ جب عقامہ نے ان سے کہا کہ وہ یہاں سے کوچ کرنا چاہتا ہے اور اس نخلستان کو چھوڑ دینا چاہتا ہے تو کسی نے بھی اعتراض نہ کیا' لیکن عقامہ جانتا تھا کہ اب یہ ان لوگوں کا وطن بن چکا ہے۔ بہت سارے بچے ایسے تھے' جو یہیں پیدا ہوئے تھے۔ پلے بڑھے اور جوان ہوئے' عقامہ ان سے ان کی بستی بھی نہیں چھڑانا چاہتا تھا۔

چنانچہ سفر کا آغاز کرنے سے پہلے اس نے یہاں کے کچھ اصول وضوابط مقرر کئے۔ چند بزرگوں کو اس قبیلے کا سردار بنایا۔ جوان دوسرے قبیلوں کو فتح کرتے ہوئے بالآخر حشیما تک پہنچ جائیں گے۔ اس کے بعد حشیما ان کی ملکیت ہوگا اور یہ تینوں قبیلے آپس میں ضم ہو جائیں گے اور ان پر فوقیت اور برتری انہی لوگوں کو حاصل ہوگی' جو انہیں فتح کریں گے۔

اونٹوں' گھوڑوں کے ساتھ ایک فوج ظفر موج لے کر عماز کی زیر نگرانی عقامہ حشیما کی طرف چل پڑا۔ چند عورتیں بھی ساتھ تھیں۔ جن میں ربابہ' صباحہ اور صباحہ کی بچیاں تھیں۔

اس فوج کی شان وشوکت ہی کچھ اور تھی۔ عقامہ نے راستے کا اندازہ کر لیا تھا اور اب بوڑھا ہو چکا تھا اور بے پناہ تجربات سے آراستہ۔

عماز ایک وحشی' جنگلی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنے باپ کے مشن کو پورا کرے' جلد از جلد اپنے نانا کے شہر کو فتح کرے۔ اس کے دل میں ان لوگوں کے خلاف سخت نفرت تھی۔ جنہوں نے اس کی ماں کو ریگستان میں دبا دیا تھا اور اسے موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا۔ خواہ وہ اس کا نانا ہوتا یا کوئی اور' وہ ان لوگوں کو نیست و نابود کر دینا چاہتا تھا۔ بہرصورت اس وقت وہ ایک دشمن کی حیثیت سے ان پر ٹوٹ پڑنا چاہتا تھا۔

پھر جب عقامہ حشیما کے قریب پہنچا تو اس نے نہر دوجانہ کے قریب ڈیرہ ڈال لیا۔ وہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ اب ان قبیلوں کی کیا حیثیت ہے' اور اس کے جاسوس ان قبیلوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

انتہائی چالاکی اور ہوشیاری سے جاسوسوں نے پتہ چلایا اور اطلاع دی کہ ابولاس اور ابولایا زندہ ہیں' اور قبیلوں کی دشمنی لوگوں کیلئے اب دردسر بن گئی ہے۔ اٹھارہ سال کے دوران ان میں چھ

جنگیں ہو چکی ہیں اور ان چھ جنگوں میں دونوں قبیلوں کے بے شمار لوگ کام آئے ہیں۔ دشمنی کی جڑیں اتنی مضبوط ہیں کہ کوششوں کے باوجود ان لوگوں میں دوستی نہ ہو سکی۔

''شکر ہے کہ میرا مشن بخوبی تکمیل تک پہنچے گا۔'' عقامہ نے کہا۔

حشیما والوں کو شاید اندازہ ہو چکا تھا کہ نہر کے کنارے آنے والے کوئی نیک ارادے سے نہیں آئے۔ سردار بولایا' مزید بوڑھا ہو گیا تھا' لیکن اس کی رعونت اسی انداز میں برقرار تھی۔

بیٹی کے صدمے نے اسے چند دن تک نڈھال رکھا تھا' لیکن اس کے بعد وہ قطعی پُرسکون ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے طور پر تیاریاں شروع کر دیں۔

اور پھر قبیلے کا لشکر لے کر نہر کے دوسرے کنارے پر آ کھڑا ہوا' پھر اس نے اپنے چند قاصد عقامہ کی طرف روانہ کیے۔ قاصد ابولایا کا جو پیغام لائے تھے' وہ یوں تھا۔

''آنے والے کیا ارادہ لے کر آئے ہیں۔ اگر وہ جنگ کرنا چاہتے ہیں تو حشیما قبیلے کو تیار پائیں گے' اور اگر ان کا کوئی اور مقصد ہے تو صاف بیان کیا جائے۔''

عقامہ نے اس موقع پر چند بزرگوں کو اپنے پاس بلایا اور پھر عماز کو ان کے سامنے پیش کر دیا۔ عماز جو طایان کی دوسری تصویر تھا۔

''اسے پہچانتے ہو؟''

''یہ...... یہ کون ہے؟''

''میں بتاتا ہوں تمہیں۔ یہ سردار ابولایا کا نواسا عماز ہے۔ وہ نواسا جس کی پیدائش پر ابولایا نے اپنی بیٹی ربابہ کو ریت میں دفن کر دیا تھا' لیکن ابولایا یہ نہیں جانتا تھا کہ مارنے والے سے بچانے والے کا ہاتھ زیادہ قوی ہوتا ہے۔ ربابہ آج بھی زندہ ہے' لیکن اس کے دل میں ابولایا کیلئے کوئی محبت' کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ کیونکہ ابولایا ایسا شخص ہے' جس نے اس کے شوہر طایان کو وفا پرستی کے الزام میں موت کی سزا دلوائی تھی۔ طایان اس لئے مارا گیا تھا کہ اس نے اس جنگ کی مخالفت کی تھی' جو ابولایا اور ابوراس کے درمیان ہونے والی تھی۔ چنانچہ اب عماز اس لیے وطن واپس آیا ہے کہ ابولایا کو سرداری سے معزول کر کے اپنے قبیلے پر اپنا اثر قائم کرے اور اسے مجبور کرے کہ ابوراس کے قبیلے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے۔

قاصد یہ پیغام لے کر ابولایا کے پاس پہنچے اور ابولایا بھی عجیب کشمکش میں گرفتار ہو گیا۔ اس کے دل میں ربابہ کا نام سن کر محبت کی چنگاریاں بھی سلگی تھیں لیکن جو کچھ قاصدوں نے کہا تھا' جو کچھ عقامہ کا ارادہ تھا' وہ کبھی پورا نہیں ہو سکتا تھا۔

چنانچہ اس کی انا نے اسے محبت سے روک دیا اور اس نے خونخوار لہجے میں قاصدوں کو یہ پیغام دے کر بھیجا۔

''ٹھیک ہے۔ عماز میرا خون ہے' لیکن وہ میری نگاہوں میں خون بد ہے۔ چنانچہ میں اس کا انکار کر رہا ہوں۔ دیکھوں وہ کیا کر سکتا ہے۔''

عقامہ نے پیغام سنا اور مسکرا کر انہیں واپسی کا حکم دے دیا۔ تب عقامہ کا لشکر تیار ہو کر نہر روجانہ پار کرنے لگا۔ ابولایا نے اس کا شاندار استقبال کیا تھا۔

تیروں' نیزوں اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح فوجیں عقامہ اور ان کے ساتھیوں کے استقبال کیلئے موجود تھیں' لیکن آنے والے عقامہ کی زیرنگرانی تربیت پائے ہوئے تھے۔ جبکہ ابولایا بوڑھا ہو چکا تھا۔ ادھر عقامہ اور دوسری جانب غصے میں کھولتا ہوا عماز جس کی فطرت میں ہی وحشت تھی۔

جس کے ذہن میں شروع سے ہی اس احساس کو جگہ دی گئی تھی کہ اس کا باپ ابولایا کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ جس کی ماں کو ابولایا نے ریت میں دفن کر دیا تھا۔ اس وقت اس کے ذہن میں خون اور رشتے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ وہ خونخوار وحشی کی طرح حملہ آور ہوا تھا' اور حشیما نے ایسے تازہ دم لوگ کہاں دیکھے تھے۔

ان کی جنگ تو ہمیشہ تقیہ کے سست لشکر سے رہی تھی۔ تازہ دم لوگ' یہ تازہ اور جوان خون ان کے سامنے بے پناہ طاقت لے کر آیا تھا' اور چند ہی گھنٹوں کے اندر اندر لڑائی کا اندازہ ہونے لگا۔ حشیما والے بری طرح عماز کے ہاتھوں مر رہے تھے۔ ابولایا نے عماز کو لڑتے دیکھا اس کے دل میں محبت کی لہر جاگی' یہ اس کا نواسا تھا۔

لیکن بہرصورت اس کے دشمن کی حیثیت سے تھا۔ عماز نے آخر تک جنگ کی اور جب حشیما قبیلے نے خوفزدہ ہو کر ہتھیار ڈال دیئے تو ابولایا کو بھی دوسروں کے ساتھ ہی گرفتار کر لیا گیا۔

عماز فاتح کی حیثیت سے حشیما قبیلے میں داخل ہوا۔ عقامہ کے اشارے پر اس نے عام اعلان کیا کہ یہ قبیلہ اس کا ہے' اور وہ اس قبیلے کا سردار ہے۔ یہاں کے لوگوں کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ انہیں مکمل طور پر امان دی جائے گی۔

ہاں ابولایا کیلئے اس نے ایک کام متعین کر دیا تھا اور پھر ابولایا کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔

''سردار ابولایا'' عماز نے جوشیلے لہجے میں کہا۔ ''لوگوں کا کہنا ہے کہ تُو میرا نانا ہے' لیکن تو نے میری ماں کے ساتھ جو سلوک کیا۔ میرے باپ کو تیری وجہ سے موت کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس لحاظ سے میں تیرے ساتھ کوئی رعایت نہیں کروں گا۔ سن! تجھے میرے قاصد کی حیثیت سے تقیہ جانا ہو گا اور یہ ذمہ داری تیرے سپرد کی جاتی ہے کہ تقیہ کے ابوراس کو دوستی اور محبت کا پیغام دے کر حشیما سے دوستی پر آمادہ کر اور اگر وہ تیار نہ ہوں تو مجھے اطلاع دے۔

''میں یہ نہیں کر سکوں گا۔'' ابولایا نے جواب دیا۔

''تب اس بوڑھے کی گردن اتار کر تقیہ بھیج دی جائے۔'' عماز نے رحم سے عاری لہجے میں کہا

اور ابولایا بوکھلا گیا۔

عماز اس قدر سنگدل انسان ہوگا۔ یہ بات اس کے وہم و گمان سے بھی باہر تھی۔ پھر وہ بوڑھے لوگ زندگی کے زیادہ خواہش مند ہوتے ہیں۔ ابولایا کو وہی کرنا پڑا جو عماز نے کہا تھا۔

پھر ایک روز وہ ابوراس کے پاس پہنچا۔ ابوراس نے جب ابولایا کی زبان سے دوستی اخوت کا پیغام سنا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''سردار ابولایا' تم شکست خوردہ ہو اور میں شکست خوردہ لوگوں کو کسی قابل نہیں سمجھتا۔ اس سردار سے کہو کہ وہ میرے پاس آئے' اور آکر تقیہ کے زیرتحت ہونے کا اعتراف کرے' تب میں اس کی بات سننے پر غور کرسکتا ہوں۔''

''ابولایا نے ابوراس کا پیغام عماز تک پہنچا دیا اور عماز غصے سے آگ بگولا ہوگیا۔ ''وہ میرے باپ کا قاتل ہے۔ میں اس کی لاش کو پہاڑوں میں گھسیٹوں گا۔'' اس نے عہد کیا اور عقامہ نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''کیا آپ کو اعتراض ہے ماموں جان!''

''نہیں میرے بیٹے میں تمہیں' تمہارے باپ کے قاتل کا غرور توڑنے کی پوری پوری اجازت دیتا ہوں۔'' عقامہ نے کہا۔

خود حشیما والے کیا کم تھے اور پھر عماز کا خونخوار لشکر' انہوں نے تقیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی' اور پھر جب عماز نے ابوراس کو گرفتار کیا تو اس کی آنکھوں سے قہر ٹپک رہا تھا۔

''تو میرے باپ کا قاتل ہے۔ بڈھے' تو میرے باپ کا قاتل ہے۔ میں تیری لاش کو ان کی سڑکوں پر گھسیٹوں گا۔'' اس نے تلوار اٹھائی اور ابوراس کی گردن اس کے شانوں سے جدا کردی۔

عقامہ جانتا تھا کہ عماز اس وقت قابو سے باہر ہے۔ چنانچہ اس نے عماز کو مجبور کیا کہ اب دونوں قبائل کو یکجا کرکے ایک حکومت قائم کرے۔ عماز نے حکم سے انکار نہیں کیا تھا۔ یوں ان دونوں قبیلوں کو بزور شمشیر ایک دوسرے کا دوست بنا دیا گیا۔

قدیم مصر سے آگہی بھی میرے لئے ایک عذاب تھی۔ میں تیمور پاشا اپنا ایک الگ مقام رکھتا تھا۔ دنیا کا ہر شخص اپنے لیے ایک اچھی زندگی چاہتا ہے۔ میں بھی انہی کوششوں میں مصروف تھا لیکن یہ تو بڑی عجیب بات تھی کہ وقت مجھے اپنی انگلیوں پر نچا رہا تھا۔ ایک طرف ڈارون تو دوسری طرف آمنہ القراش' کہیں کہیں مجھے یوں لگتا تھا جیسے ڈارون بھی ماضی قدیم کی اس داستان کی ایک کڑی ہے۔ مجھے مصر کے ان پوشیدہ رازوں سے آگاہ کیا جارہا تھا' جو شاید تاریخ میں بھی کہیں موجود نہیں تھے۔ ورنہ میرا تعلق بھلا حشیما یا پھر دوسرے لشکروں سے کیا تھا۔ میں کیا جانتا تھا کہ تقیہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے والے ابوراس وغیرہ کو مجھ سے کیا نسبت تھی۔ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے دوست بن گئے تھے' اور اس کے بعد کہانی ختم ہوگئی تھی' لیکن اس کہانی کا میری آگے کی زندگی سے کیا تعلق تھا

اور اس کی تفصیل مجھے آمنہ نے بتائی جس کا میرے سامنے نمودار ہو جانا کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک بار پھر میرے سامنے آ گئی۔

''ہر کہانی کا ایک پس منظر ہوتا ہے۔ تمہیں حشیما اور عقامہ وغیرہ سے گہری نسبت ہے کیونکہ تم کھنیشی۔''

ایک بار پھر یہ نام میرے سامنے آیا تھا۔ میں نے آمنہ ہی سے پوچھ ڈالا۔

''یہ کھنیشی کیا بلا ہے؟''

''بہت بڑا اور مقدس اعزاز ہے۔ یہ صدیوں میں کسی کو حاصل ہوتا ہے۔''

''بابا نہ مجھے کسی اعزاز کی ضرورت ہے نہ کسی اور احمقانہ مسئلے کی' میں زمانہ جدید کا ایک ضرورت مند آدمی ہوں اور اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے میں نے یہ سارے کھیل کھیلے ہیں۔''

''میں جانتی ہوں اور ضرورتیں پوری کرنے کے لیے ہی اس کے بعد کے کھیل بھی کھیلنے ہیں۔''

''زبردستی؟''

''نہیں...... تم خود سوچو سادان تم سے کیا چاہتا ہے' اور یہ مت سمجھنا کہ سادان تمہیں کسی طرح اپنے کام کے لیے مجبور کر سکے گا بلکہ تم یوں سمجھ لو کہ جب بھی تم نے سات موتیوں کی مالا مکمل کردی تمہارا کام ختم ہوجائے گا۔''

''چاہے میں چاہوں یا نا چاہوں؟''

''تم چاہو گے ذرینا اس کیونکہ ماضی میں تمہارا اپنا بھی ایک مقام ہے۔ یہ تو وقت ہی تمہیں بتائے گا کہ تم کتنے بڑے انسان ہو۔ میری مانو سادان کے مقصد کی تکمیل کردو۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ سلسلہ اور آگے نہ بڑھے اور تم اس کی تکمیل کر ڈالو۔''

''مجھے کرنا کیا ہوگا؟'' نجانے کیوں میرے منہ سے یہ الفاظ خود بخود ہی نکل گئے۔

''وہ میں تمہیں بتادوں گی۔'' آمنہ القراش نے پراسرار لہجے میں کہا۔

میں نے محسوس کیا کہ میں ذہنی طور پر اس کام کے لیے تیار ہوں۔ سادان نے بڑے پیار سے مجھے چچا جان کہنا شروع کردیا تھا۔ اس نے کہا۔

''میں چاہتا ہوں چچا جان کہ اب ہم اس معاملے میں دیر نہ کریں۔ سب سے پہلے ہمیں ایک طریق کار متعین کرلینا چاہیے کہ ہم علاقوں میں سفر کیسے کریں گے۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔'' اور ہم نے اپنا کام شروع کردیا۔

پہلے مرحلے میں ہمیں کچھ ایسے سرپھرے لوگوں کا بندوبست کرنا تھا جو ہماری مانند ہوں' لیکن یہ بھی فیصلہ کیا گیا تھا کہ انہیں حقیقت نہ بتائی جائے بلکہ کچھ مہم جو لوگوں کو پکڑا جائے اور وہ کسی ایسے

سلسلے میں ملوث کر لیے جائیں' جس میں ان کا بھی دلچسپی کا پہلو نکل آئے۔

آخر کار طے کیا گیا کہ اس قدیم خزانے سے مدد لی جائے اور جن لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کیا جائے انہیں خزانہ دینے کا وعدہ کیا جائے۔ صحرائے اعظم میں تو خیر یہ خزانہ ملے نہ ملے لیکن اپنے پاس سے انہیں اتنا کچھ دیں گے کہ انہیں کوئی ایسا احساس نہ رہے......

بہر حال اس سلسلے میں کام شروع کر دیا گیا تھا اور ہمیں اس طرح کے کردار حاصل ہو رہے تھے' جو ہمارے کام آسکیں۔ مثلاً فاران جو ایک بہترین جہاز راں تھا اور اسے سمندروں سے بڑی واقفیت تھی۔ یہ سارے سلسلے ہم نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ جاری کر دیئے تھے۔ کچھ ایسے سکے حاصل کیے گئے' جو زمانہ قدیم کے سکے معلوم ہوں اور ایک کہانی ان سے منسلک کر دی گئی۔ جب ہم نے ان مطلوبہ افراد کو اپنے گرد جمع کر لیا اور اپنے کام کے آغاز کے لیے تیار ہو گیا تو میں نے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے وہ سکے نکالے جنہیں میں نے بمشکل مہیا کیا تھا۔ ایسے بہت سے سکے سادان کے پاس بھی تھے اور وہ الگ اپنی مہم پر نکلا ہوا تھا۔

سونے کے ٹیڑھے میڑھے سکوں پر عجیب و غریب نشانات تھے' جو ہم نے ہی کندہ کیے تھے اور پھر انہیں اسی طرح دھندلا دیا تھا کہ وہ قدیم ترین محسوس ہوں۔ یہ سکے کسی خاص دور سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ بس ان کی حیثیت پراسرار قسم کی تھی۔ فاران نے چھٹی چھٹی آنکھوں سے ان سکوں کو دیکھا اور پھر ان میں سے ایک سکہ ہاتھ پر اٹھایا' اور اپنا رومال میز پر رکھ کر سکے کو اس پر رگڑ کر یہ اندازہ لگایا کہ یہ خالص سونے کا ہے' یا اس میں کوئی ملاوٹ ہے' لیکن سکے خالص سونے کے تھے اور انہیں لوگوں کو پھانسنے کیلئے تیار کرایا گیا تھا۔ اس نے متحیرانہ انداز میں میری جانب دیکھا اور حریص انداز میں بولا۔

''اوہ...... یہ تو خالص سونے کے ہیں' اور اتنے سکوں کی مالیت اچھی خاصی ہو جاتی ہے' اس کا مطلب ہے کہ تم اچھے خاصے مالدار آدمی ہو دوست۔''

''ہاں' فاران تمہارا خیال درست ہے' لیکن تم بھی میری طرح دولتمند ہو سکتے ہو۔ بشرطیکہ دل و جان سے ایک مہم کیلئے تیار ہو جاؤ۔''

''اوہ...... اوہ...... ان سکوں کا کیا راز ہے۔ مجھے بتاؤ؟'' فاران نے کہا اور میں نے پہلے سے تیار شدہ کہانی اسے سنا دی' جس کا لب لباب یہ تھا کہ میرے جد امجد صحرائے اعظم کے ایک ایسے گوشے میں جا نکلے تھے' جو انسانی علم سے باہر تھے اور وہاں انہیں کافی مشکلات پیش آئیں' اور وہاں سے وہ خزانہ نہ لا سکے جو اگر آبادیوں تک پہنچ جاتا تو کسی بھی انسان کو معقول ترین بنا سکتا تھا۔ البتہ ان کے لباس میں ایسے چند سکے پوشیدہ رہ گئے تھے' جو انہوں نے یونہی جیبوں میں بھر لیے تھے۔ میں نے فاران کو وہ نقشہ بھی دکھایا' جس کے تحت ہم تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اس مقام تک پہنچ سکتے ہیں' اور فاران اتنا پرجوش ہو گیا کہ اس کا چہرہ دیکھنے کے قابل تھا۔ اس کی آنکھیں ابلی پڑ رہی تھیں۔

اس نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ میرے بازو پر رکھتے ہوئے کہا۔

''آہ...... دوست اگر یہ بات ہے تو تم فاران کو اپنا غلام سمجھو۔ یوں جانو کہ فاران تمہارے ساتھ اس مہم میں شریک ہے۔ ہمیں یہ دولت حاصل کرنے کیلئے زندگی کی بازی لگا دینی چاہیے۔ دیکھو اگر دولت ہے تو انسان کی زندگی بھی کتنی خوبصورت ہو جاتی ہے۔ ورنہ کیا رکھا ہے ان قہوہ خانوں میں' قہوے کی پیالیاں پیتے ہوئے اور بعض اوقات تو ان پیالیوں کی ادائیگی کیلئے بھی پیسے نہیں ہوتے۔ ہمارے پاس' اگر ہم ایک بھرپور کوشش کر ڈالیں تو ممکن ہے کہ ہماری قسمت یاوری کر جائے۔''

میں بھی یہ ہی چاہتا ہوں۔ فاران لیکن تم جانتے ہو کہ اس قسم کی کارروائیاں آسانی سے نہیں ہوتیں۔ ان کیلئے طویل جدوجہد کرنا پڑتی ہے' اور کچھ اور افراد کو بھی اپنے ساتھ رکھنا پڑتا ہے۔ اگر میں یہ کام اکیلے سرانجام دے سکتا تو یقیناً یہ کوشش کرتا' لیکن میں نے یہ حماقت نہ کی' بلکہ میری آنکھ نے ایسے لوگوں کی تلاش شروع کر دی جو میرا بھرپور ساتھ دے سکیں۔

''فاران کو اپنے ساتھ شامل سمجھو' ویسے میں صحیح طور پر تمہارا تعارف حاصل نہیں کر سکا۔''

''میرے دوست میرا نام زرمیناس ہے۔ ایشیاء کے ایک علاقے کا باشندہ ہوں' لیکن پوری زندگی قاہرہ میں گزری ہے اور اپنے آپ کو مصری کہلانے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ میرے ساتھ میرے ایک دوست کا بچہ بھی ہے' جس کا نام سادان ہے' اور جو اس مہم کیلئے مجھ سے زیادہ بے چین ہے کہ نوجوان ہے' اور زندگی کو حسین ترین دیکھنے کا خواہاں' ہر چند کہ ہم ایک حسین ترین زندگی گزار رہے ہیں' اور ہمارے پاس دولت کی کمی نہیں ہے' لیکن خزانوں کی بات ہی اور ہے۔ اول تو ہمیں اس سے دلچسپی ہے اور اس کے بعد یہ خواہش بھی ہے کہ ہم دولت مند ترین ہوں۔''

''ہر شخص کی یہ ہی خواہش ہوتی ہے۔ زرمیناس لیکن براہ کرم تم مجھے اس مہم کیلئے نظر انداز مت کر دینا۔''

''قطعی نہیں' مجھے تمہارے جیسے ساتھیوں کی ضرورت ہے۔ بلکہ ہمیں کچھ ایسے افراد کی بھی ضرورت ہو گی' جس کیلئے میں تم سے تفصیلی بات کروں گا۔ اس پتے پر آج رات کو پہنچ جانا اور رات کا کھانا میرے ساتھ ہی کھانا۔''

جس وقت فاران' رات کے کھانے پر پہنچا تو سادان کے ساتھ زرنام نامی ایک شخص بھی موجود تھا۔ یہ ایک عمدہ ڈاکٹر تھا' اور سادان نے کیا خوب انتخاب کیا تھا۔ چوڑے چکلے بدن بلند و بالا قامت کا مالک یہ شخص بھی ایک ذہین اور مہم جو ہی معلوم ہوتا تھا۔ سادان نے اسے بھی اس انداز میں اپنے جال میں پھانسا تھا۔ جس طرح فاران کو اور رات کے کھانے پر مدعو کر دیا تھا۔

یوں ہم لوگ سر جوڑ کر بیٹھے اور کھانا کھانے کے بعد اس مہم کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دوستو! کسی بھی مہم کو راز میں رکھنے کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ اسے زبان پر نہ لایا جائے۔ ہم لوگ جو کچھ کریں گے اس پر بڑی رازداری سے عمل کریں گے۔ ہر چند

کے ہمیں مزید کچھ لوگوں کی ضرورت ہوگی' لیکن بہتر یہ ہی ہے کہ ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جائے جو مضبوط قوت ارادی کے مالک' جنگجو اور بہادر ہوں' اور بہادر وہی ہوتا ہے' جو اپنے راز کو سینے میں چھپا کر رکھے۔ ہمارے دونوں ساتھیوں نے اس بات سے اتفاق کیا تھا۔

بہر حال مزید چند دنوں کی کوشش کے بعد ہم نے میر صادق نامی شخص کو بھی تیار کر لیا' جو فنون حرب کا مالک تھا' اور جنگلات کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ اس لئے ہمارے علاوہ تین ایسے افراد شریک ہو گئے' جو اس مہم میں ہمارے بہترین ساتھی ہو سکتے تھے۔ سادان کا خیال تھا کہ لوگوں کی زیادہ بھیڑ جمع نہ کی جائے۔ ہر چند کہ یہ معاملہ ایک مہم کا ہے' لیکن کوشش یہ کی جائے کہ کم سے کم افراد اس میں شریک ہوں۔ ان تین آدمیوں کے علاوہ ہم نے طے کیا تھا کہ آٹھ مزدوروں کا انتخاب کیا جائے' جو بہترین معاوضے کیلئے ہمارے ساتھ اس مہم میں شریک ہو جائیں' اور ایسے مزدوروں کی فراہمی بھی فاران نے اپنے ذمے لے لی تھی۔ اس کے بعد ہمارے درمیان آخری بات چیت ہوئی۔

میں نے پیشکش کی کہ ان سب کو کہ اگر ہم خزانے کے حصول میں کامیاب ہو گئے تو خزانے کے چھ برابر حصے ہوں گے۔ پانچ حصے ہم لوگوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور ایک حصہ ان مزدوروں میں تقسیم کر دیا جائے گا جو ہمارے ساتھ اس مہم میں شریک ہوں گے۔ غریب لوگ بھی زندگی کی لطافتوں سے لطف اندوز ہو جائیں گے' تو کیا حرج ہے' پھر میں نے انہیں اس پیشکش کا دوسرا حصہ سنایا۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر ہم کسی بھی طرح اس مہم میں ناکام رہتے ہیں تو چونکہ میں نے اور سادان نے آپ لوگوں کو اس کام پر آمادہ کیا ہے۔ اس لئے یہاں قاہرہ کی واپسی پر آپ کو آپ کے وقت کے زیاں کا معاوضہ تیس تیس ہزار دینار کی شکل میں ادا کیا جائے گا' اور یہ تیس تیس ہزار دینار ہم نے آپ لوگوں کیلئے مخصوص کر رکھے ہیں' لیکن یہ اس شکل میں کہ اگر ہم ناکام لوٹیں۔ اگر خزانہ ہمارے ہاتھ لگ جاتا ہے تو یہ معاوضہ نہیں دیا جائے گا کیونکہ یقینی طور پر اس کی مالیت اس سے زیادہ ہو گی۔"

تینوں افراد کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا تھا' پھر میر صادق نے مجھ سے سوال کیا۔

"یہ کیسے یقین کر لیا جائے کہ اگر ہمیں ناکامی ہوئی ہے تو واپسی میں یہ سب کچھ ہمیں مل جائے گا؟"

"اس کیلئے ہم مطلوبہ دینار کسی بنک میں جمع کرا دیتے ہیں اور کسی وکیل کو مقرر کر کے یہ وصیت اس کے سپرد کر دیتے ہیں کہ زندہ...... لوٹنے والے کو یہ دینار ادا کر دیئے جائیں۔ فرض کرو اگر خدا نہ کرے فاران اور زرنام واپس نہ آئیں تو تیس ہزار دینار صرف میر صادق کو مل جائیں گے' اور باقی ساٹھ ہزار دینار واپس ہو جائیں گے۔ میں یہ بھی اعلان کر سکتا تھا کہ نوے ہزار اب شخص کو مل جائیں لیکن اس مشکل میں خرابی پیدا ہو سکتی ہے' ممکن ہے لالچ کسی کے ذہن میں در آئے' اور ہم ایک

دوسرے کے ہی دشمن بن جائیں' تاکہ واپس آ کر نوے ہزار دینار مل جائیں۔"

میری اس تجویز کو سب نے پسند کیا تھا اور پھر ان لوگوں نے اس بات کو بڑے پرجوش انداز میں قبول کر لیا کہ اگر ناکام بھی رہے تو بھی وہ خسارے میں نہیں رہیں گے۔ میں نے ان کی تسلی کے لئے سب انتظام کر دیئے۔ ایک ایڈووکیٹ کو اس سلسلے میں مقرر کر دیا گیا' اور یوں ہمارا یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا تھا۔ فاران نے ان آٹھ قوی ہیکل مزدوروں کا بندوبست کر دیا تھا' جو مقامی ہی تھے' اور مہم میں دلچسپی رکھتے تھے۔ یہ مزدور فنون حرب کے بھی ماہر تھے۔ آتشی اسلحہ بھی استعمال کر سکتے تھے' ضرورت کے وقت بہترین لڑاکے ثابت ہو سکتے تھے' نہ صرف لڑاکے' بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ کشتی رانی میں بھی ہماری مدد کر سکتے تھے۔ تین وہ' جن میں ایک ڈاکٹر' ایک جہاز ران اور ایک جنگلات کا ماہر' ہم دو' گویا کل تعداد یہ تھی' جو وحشیوں کی اس ملکہ سے انتقام لینے کے لیے ایک خوفناک مہم پر نکلنے والے تھے۔

اس مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد مہم کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہو گیا۔ یعنی کسی ایسے ذریعے کا انتخاب' جو ہمیں ہماری منزل تک پہنچا دے۔ ایک اور میٹنگ ہوئی اس سلسلے میں فاران نے کہا۔

"میں اس سلسلے میں بندرگاہ جا کر معلومات حاصل کروں گا' لیکن صورتحال کیا ہو گی؟"

"تمہیں کافی کام کرنا ہوگا۔ مسٹر فاران ہمیں ایک موٹر لانچ درکار ہو گی جو ہمیں ہماری منزل تک پہنچا دے' اور ہم اسی سے واپسی کا سفر بھی کر سکیں۔" میں نے کہا۔

"لانچ سے سفر کریں گے تو پھر جہاز کی کیا ضرورت ہے؟"

"آپ سمجھے نہیں ہم ابتداء ہی سے لانچ کا سفر نہیں کر سکیں گے' بلکہ لانچ کسی جہاز پر بار کریں گے جس کا رخ کسی افریقی ساحل کی طرف ہو گا۔ یہ جہاز ہمیں جہاں تک لے کر جائے گا اس کے بعد ہم لانچ کے ذریعے سفر کریں گے۔ واپسی پر اللہ مالک ہے۔ کوئی نہ کوئی جہاز ہمیں مل جائے گا۔ ورنہ پھر لانچ سے ہی کوشش کریں گے۔"

"اوہ یہ خیال اچھا ہے' لیکن کسی جہاز کے کپتان کو اس کیلئے آمادہ کرنا مشکل ہو گا۔"

"اسے منہ مانگا معاوضہ دیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے میں کوشش کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی لانچ کا بھی بندوبست کرنا ہو گا۔" اگر یہ کام ہو گیا تو پھر آپ لوگوں کو بتاؤں گا۔

فاران دراصل ایک بہترین منتظم تھا۔ دوسرے دن اس نے فون کر کے بتایا کہ موٹر لانچ کا بندوبست ہو گیا ہے۔ شام کو اسے دیکھ لیا جائے' اور اس شام پھر سب اکٹھے ہوئے اور پھر سب مل کر لانچ دیکھنے چل پڑے۔ بیالیس فٹ لمبی جدید ترین لانچ ہمیں پسند آئی تھی۔ ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی اور بھاری ترین قیمت پر لانچ خرید لی گئی۔ ہم نے اس میں کچھ تبدیلیوں کا آرڈر دے دیا۔

مثلاً کیبن کی جگہ اس کے درمیان میں ایک سائبان بنوایا گیا۔ اس کے علاوہ ڈبل انجن اور بادبا
نظام بھی قائم کر دیا گیا۔ ہم نے لانچنگ کمپنی کو ہدایت کی کہ دن رات کام کر کے ہمیں پندرہ دن
اندر اندر اس کی ڈیلیوری دے دی جائے۔"

دوسری تیاریاں بھی ہو رہی تھیں۔ تقریباً ایک ہفتے کے بعد ایک شام فاران خوش خوش
آیا اور بولا۔

"حالات ہر طرح سے ہمارا ساتھ دے رہے ہیں۔ زرمناس صاحب! ایک بہت بڑا
حل ہو گیا ہے۔"

"کیا؟"

"میرا قریبی دوست جو ایک جہاز کا کپتان ہے۔ اس کا جہاز ساحل سے لگا ہے اور لا
بات یہ ہے کہ وہ پچیس دن کے قیام کے بعد شیرانی جائے گا۔"

"اوہ...... اچھا' تمہارے دوست کا نام کیا ہے؟"

"سنوکر۔"

"اچھا تو سنوکر سے ملاقات ہوئی تمہاری۔"

"ہاں دوپہر کا کھانا میں نے اسی کے ساتھ کھایا تھا۔"

"کوئی بات ہوئی؟"

"سنوکر سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے درمیان گہری دوستی ہے۔ تاہم میں
اسے تمام صورتحال سے آگاہ کر دیا ہے۔"

"کیا جواب دیا اس نے؟"

"تیار ہے۔ جہاں ہم کہیں گے ہمیں سمندر میں اتار دے گا۔"

"اتنی بڑی لانچ کو وہ جہاز پر بار کرے گا؟"

"ہاں...... البتہ میں نے اسے ایک پیشکش ضرور کر دی ہے۔ وہ یہ کہ اس سلسلے میں
چاہے گا' اسے معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔"

"اس نے اس انوکھے سفر کی وجہ نہیں پوچھی۔"

"اوہ...... وہ مجھے ایک مہم جو کی حیثیت سے جانتا ہے۔" فاران نے مسکراتے ہوئے
دیا۔

"بہت خوب پھر اس سے کب ملاقات ہو رہی ہے؟"

"کل......" فاران نے جواب دیا۔

پانچ ہزار امریکن ڈالر پر بات طے ہو گئی۔ سنوکر ایک مخلص آدمی تھا۔ اس نے ہر ممکن
کا یقین دلایا۔ کشتی مقررہ وقت پر مل گئی۔ ہماری توقع کے عین مطابق تھی' اسے جہاز پر پہنچا دیا

تمام انتظامات بھی حسب خواہش مکمل ہو گئے۔ چنانچہ ہم اس پراسرار سفر کیلئے تیار تھے۔

بالآخر جہاز نے ساحل چھوڑ دیا۔ آٹھوں چاک و چوبند ملاح یا مزدور خوش تھے۔ ابھی کچھ
دنت ان کی مصروفیت کا نہیں تھا۔ اس کے بعد انہیں اپنی ذمہ داریاں سنبھالنی تھیں۔ قاہرہ کی چہل
پہل' پر رونق قہوہ خانے' پراسرار زمین طویل عرصے کے بعد مجھ سے جدا ہوئی تھی۔ میں عرشے پر کھڑا
نجانے کب تک افق کی گہرائیوں میں جھانکتا رہا تھا۔ اب آنکھوں کے سامنے دور دور تک سمندر پھیلا
ہوا تھا۔ پانی کی عظیم چادر کائنات پر مسلط محسوس ہو رہی تھی' اور جس کی چھت پر آسمان کا شامیانہ تنا ہوا
تھا۔ رات کے وقت چاند کی شعاعیں پانی سے کھیلتی ہوئیں ایسی حسین لگیں کہ نگاہ اٹھانے کو جی نہ
چاہے۔ جہاز کی برق رفتاری' چاندنی رات میں کھلے ہوئے ستارے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس حسین
راج ہنس کو سمندر پر تیرتے دیکھ کر حیران ہوں۔

ہلکی ہلکی ہوا کے تھپیڑے زمین کو کائنات کے نجانے کون کون سے سربستہ رازوں سے آگاہ
کر رہے تھے۔ صندوق کا راز میرے ذہن میں تھا' اور میں اس پراسرار زمین کے بارے میں سوچ رہا
تھا جس کی کہانیاں مصر میں رہ کر بھی سنتا رہا تھا۔ جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ سونے کی
سرزمین ہے' اور اگر کوئی روشن تقدیر والا وہاں جا نکلے تو اس کی تقدیر میں اسی طرح ستارے جگمگا اٹھتے۔
جس طرح ان کی چمک دمک آسمان کو منور کرتی ہے۔ خوفناک وحشی جانوروں اور بھیانک دلدلوں کی
یہ سرزمین کچھ ہی عرصہ کے بعد میرے قدموں میں ہو گی۔

سادان کیوں کہ نوجوان تھا اور جہاز کی دلچسپیوں نے اسے اپنی جانب گھسیٹ لیا تھا۔ جوان
ہو چکا تھا اور عمر کی پچیسویں منزل سے گزر رہا تھا۔ اس لیے اب میں نے اس پر سے پابندیاں اٹھا لی
تھیں۔ یوں بھی مضبوط کردار کا نوجوان تھا اور یہ خدشات میرے ذہن سے نکل چکے تھے کہ وہ کسی بری
راہ پر پڑ سکتا ہے۔ حسین اتنا تھا کہ جہاز پر بھی میں نے اس کے بارے میں چہ مگوئیاں سنی تھیں۔ مسافر
لڑکیاں دن کی روشنی ہی میں مجھے اس کی جانب مائل نظر آئی تھیں۔ خاص طور پر میں نے دو لڑکیوں کو
ایک گوشے میں کھڑے اس کی طرف اشارے کرتے دیکھا۔

لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ سرزمین قاہرہ بھی حسن و عشق کی سرزمین تھی اور وہاں بھی
سادان کے ساتھ کچھ کم کھیل نہ ہوئے تھے' لیکن میں نے اس کھیل میں سادان کا کوئی کردار نہیں دیکھا
تھا۔ اس لیے آج بھی میں اس کی جانب سے مطمئن تھا۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی' اور میں گزرتی ہوئی رات کی رعنائیوں سے محظوظ ہوتا رہا۔
سمندری مترنم لہروں کا منظر کچھ اتنا دلکش تھا کہ میں عرشے پر ہی کھڑا رہا' پھر سادان نے ہی عقب سے
مجھے آواز دی' اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس ایک لمحے میں مجھے سادان کی آواز بہت پر فسوں
لگی۔ بہرحال میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا بات ہے سادان؟"

ساڑھے بارہ بج چکے ہیں چچا جان! کیا واپس نہ چلیں گے۔'' میں چونک پڑا۔

''کیا کہا' ساڑھے بارہ۔'' میں نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھ کر کہا۔

''ہاں' آپ بہت دیر سے یہاں کھڑے ہوئے ہیں۔''

''وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔''

''کچھ سوچ رہے ہوں گے۔'' ساوان نے مسکرا کر کہا اور میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہ پھیل گئی۔

''سوچ تنہائیوں کی رفیق ہوتی ہے۔ ایک غیر معمولی ساتھی' جو ہر انسان کے ساتھ ہ ہے۔''

''کیا خیال تھا ذہن میں پوچھ سکتا ہوں۔''

''کوئی ایک نہیں' بس ماضی ہر ایک کا شریک ہوتا ہے۔ مستقبل کی کوئی شکل نہیں ہوتی۔''

''ہاں' مستقبل سنگ مرمر کے اس مجسمے کی مانند ہوتا ہے' جس کے خدوخال نہ تراشے گ ہوں۔ ویسے آپ نے آنے والے وقت کے بارے میں ضرور سوچا ہوگا۔''

''کیوں نہیں' خیالات پر کسے قابو ہے۔ کیا خیال ہے ہم اپنی اس مہم میں کامیاب رہیں گے؟''

''میں پیش گو نہیں ہوں۔''

''اندازہ لگا سکتے ہیں۔'' ساوان اس وقت بہت خوش معلوم ہوتا تھا۔ اپنی فطرت کے خلاف گفتگو کر رہا تھا۔ ورنہ کم گوئی اس کی سرشت تھی۔ حجتی نہیں تھا۔ کسی بھی سلسلے میں اسے بحث ناپسند تھی' لیکن اس وقت اس کا بچپن عود کر آیا تھا۔

''اندازہ بھی لگانا مشکل ہے۔ نورِ چشم تم کسی ایسی اجنبی دنیا کے بارے میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہو' جس سے ہم ناواقف ہیں۔''

''میں آپ کو اپنے احساسات بتاؤں۔''

''اگر مناسب سمجھو تو۔''

''مجھے یوں لگتا ہے چچا جان جیسے کچھ انجانی آنکھیں میری نگراں ہیں۔ بہت سے لوگ میرے ساتھ ہوں۔ ان کی آرزوؤں کی بھنبھناہٹ میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہیں۔''

''یہ آوازیں تم سے کچھ کہتی ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ مختلف زبانیں ہوتی ہیں۔ مسلسل بولی جاتی ہیں۔ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ میں کچھ سمجھ نہیں پاتا۔'' ساوان نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں تھوڑی دیر تک اس کی شکل دیکھتا رہا' پھر میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''ساوان میرے دوست! ہر چند کہ میری زندگی سادہ ہے اور میں نے اس کے نشیب و فراز واضح نہیں دیکھے' عم

ایک ہی انداز میں گزری ہے اور سوائے عمر کے ابتدائی حصے کے میرے ساتھ کوئی الجھن نہیں دے سکتا لیکن اپنا تجربہ ضرور تمہاری نذر کر سکتا ہوں۔''

''یہ میرے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ چچا جان۔'' ساوان نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''تم نے اپنے اجداد کے مشن کو لبیک کہا ہے۔ وہ کوششیں جو صدیوں سے کی جا رہی ہیں اور ان میں ناکامی ہوئی جاری رکھنے کا تصور خاص طور سے موجودہ دور میں مشکل ہے۔ عیش و عشرت کی زندگی کو چھوڑ کر خود کو ایک تصوراتی مہم کیلئے تیار کرنا معمولی بات نہیں' لیکن تم نے ان آوازوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ میں نے تمہارے اس جذبے سے انحراف نہیں کیا' اور خود بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ زندگی بہت ہلکی پھلکی ہے۔ خود کو وسوسوں سے آزاد رکھو اور یہی کامیابی کی دلیل ہوتی ہے۔ وسوسے تمہارے سامنے مختلف شکلیں پیش کریں گے۔ اگر تم ان کے جال میں پھنس گئے تو نہ جانے کیا کیا عمل تیار کر لو گے۔ وقت کا انتظار کرو' جو وقت کی کہانی ہوگی' وہی ہماری...... اس سے پہلے ذہن کو آزاد چھوڑ دو۔''

ساوان میرے الفاظ پر غور کرتا رہا اور آہستہ آہستہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بزرگ دانا ہوتے ہوئے آپ کا مشورہ نہایت اطمینان بخش ہے۔ بلاشبہ آپ دوست کہتے ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ خود کو الجھن میں نہ پھنساؤں' اور اس سفر کو ایک تفریحی شکل دے دوں آپ تو مطمئن ہیں۔''

''ہاں مجھے تردد نہیں ہے۔ حالات ہمارے پروگرام کے مطابق پُرسکون ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ساوان کی آنکھوں میں اطمینان کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس کے بعد ہم دونوں اپنے کیبن میں آ گئے۔ جو مشترک تھا۔ کپتان نے ہم پر خصوصی عنایت کی تھی اور یہ کیبن جہاز کے بہترین کیبنوں میں شمار ہوتا تھا۔

رات گزر گئی۔ دوسرے دن ابر چھایا ہوا تھا۔ موسم بھیگا بھیگا اور دلخوش کن تھا۔ ہم ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر فاران اور دوسرے لوگوں کے پاس پہنچ گئے۔ وہ تینوں سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں دیکھ کر مسکرائے۔

''کیا گفتگو ہو رہی ہے۔ بھئی''۔ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''سنہری دولت کی حشر سامانیاں زیر بحث ہیں۔ یہ انسان کو کس قدر دربدر کرتی ہیں۔ نظام کائنات اس سنہری بھوت کے زیر اثر چل رہا ہے۔ ہم اس موضوع پر بات کر رہے تھے۔''

''اوہ...... اس میں کوئی شک نہیں۔'' میں نے کہا اور پھر ہم دونوں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ فاران نے کہا۔

''میں نے کپتان سے بات کی ہے۔ ہم رات کو تقریباً تین بجے اپنی منزل کے پاس سے

گزریں گے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے ہمیں لانچ میں سوار ہو کر سفر کرنا ہے۔ کپتان سے اور بھی گفتگو ہوئی تھی۔''

''کیا؟'' میں نے سوال کیا۔

''اس کا خیال ہے کہ ہم نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے وہ بہت پُرخطر ہے۔ سمندری جانور اس راستے میں بہت زیادہ ہیں۔ کپتان نے بتایا کہ ایک بار سمندری طوفان کی وجہ سے اسے راستہ بدلنا پڑا تھا' اور وہ ان کی منزل کے مشرق کی جانب پلٹ کر سفر کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ تب اس نے اس پُرخطر راستے پر غور کیا۔ اس طرف بڑی شارک مچھلیوں کے لاتعداد قبائل آباد ہیں۔

''اور کوئی اور راستہ اس طرف جانے کا نہیں ہے؟''

''نہیں' اور اگر ہے تو بہت عجیب' یعنی ہمیں تقریباً دو سو سمندری میل کا چکر کاٹ کر اپنی منزل کی طرف جانا پڑے گا۔''

''اوہ...... گویا کئی دن کا سفر۔''

''ہاں...... سفر بھی' اس کے علاوہ ہم اس طرف سے اپنی منزل کا صحیح نشان نہیں پا سکتے۔''

''ہوں پھر کیا سوچا تم نے؟''

''کوئی خاص بات نہیں۔ انتظام کر کے چلیں گے۔'' فاران نے جواب دیا۔

''وہاں کے لیے کوئی انتظام ہو سکتا ہے؟'' میں نے پوچھا اور فاران مسکرا کر بولا۔

''یہ آپ کا خادم بہت معمولی سا انسان ہے' لیکن کوشش کرے گا کہ خود کو آپ کے اعتماد کا آدمی ثابت کر سکے۔'' اس نے کہا۔

''میں تم لوگوں کی طرف سے بہت مطمئن ہوں۔'' میں نے کہا۔

کافی دیر تک ہم لوگ بیٹھے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے' پھر سادان اٹھ کر باہر چلا گیا۔ میں اپنے کیبن میں چلا گیا تھا۔

رات کو نو بجے سب لوگ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو گئے۔ سادان میری اجازت سے جہاز کے کلب کی طرف چلا گیا۔ میں اس جگہ پہنچا' جہاں ہماری لانچ رکھی ہوئی تھی' لیکن یہاں فاران' میر صادق اور زرنام آٹھوں مصریوں کے ساتھ موجود تھے۔ لانچ نیچے اتار لی گئی تھی۔ روشنیاں چیک کر لی گئی تھیں اور وہ لوگ لانچ میں مصروف تھے۔ سامان بار ہو رہا تھا جو ہم اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس سامان میں کچھ اضافہ بھی کیا گیا تھا۔ جس پر میں نے توجہ نہیں دی' البتہ مجھے ان لوگوں کی مستعدی سے خوشی ہوئی۔ ذمہ دار لوگ تھے اور خود بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنا جانتے تھے۔ میں ان کے ساتھ کام کی نگرانی کرنے لگا۔ بارہ بجے تک ہم لوگ یہاں پر رہے اور تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں' پھر چند مزدوروں کو لانچ کے پاس چھوڑ کر ہم یہاں سے چل پڑے۔'' میرے خیال میں اب تھوڑی دیر آرام کریں گے تا کہ رات کے آخری پہر ہم چاق و چوبند ہوں۔'' فاران بولا۔

''بالکل ٹھیک' رات کیلئے کیا بندوبست کیا گیا ہے۔ کپتان بذات خود ہمیں جگائے گا۔''

''نہیں مسٹر میر صادق جاگیں گے اور مقررہ وقت سے کچھ دیر قبل ہمیں جگا دیں گے' پھر یہ اپنی نیند کشتی میں پوری کر لیں گے۔'' فاران نے جواب دیا' اور میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ میں کیبن میں واپس آ گیا اور میرے پہنچنے سے تھوڑی دیر بعد سادان بھی کلب سے واپس آ گئے۔'' اور سادان نے کہا۔

''میں لانچ کے پاس دیکھ کر آیا ہوں' ہمارے دو ساتھی وہاں موجود ہیں۔''

''ہاں اس میں تمام تیاریاں مکمل کر دی گئی ہیں۔ اب تم بھی آرام کرو۔ ہمیں دو بجے جاگنا ہے۔ دو گھنٹے کی نیند کسی قدر سکون بخش ہو گی' کیونکہ بقیہ رات جاگ کر گزارنی ہے۔''

سادان نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور سونے کیلئے لیٹ گیا۔ وہ تو تھوڑی دیر کے بعد ہی خراٹے لینے لگا' لیکن میں کروٹیں بدلتا رہا۔ لاکھ سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہیں آئی۔ ذہن کو بار بار جھٹکا لیکن خیالات تھے کہ دوڑے چلے آ رہے تھے۔ میں نیند سے مایوس ہو گیا۔ سونا کسی طور ممکن نہ ہوا اور دو گھنٹے گزر گئے۔ میر صادق نے کیبن کے دروازے پر دستک دی تو میں نے دروازہ کھول دیا۔

''دو بج گئے۔'' اس نے کہا۔

''ہاں' میں تیار ہوں۔'' میں نے کہا اور میر صادق کے ساتھ باہر نکل آیا۔ سادان کو بھی جگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میر صادق دوسرے لوگوں کو جگا آیا تھا۔ بہرحال ہم لانچ کے پاس آ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد کپتان بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے اپنے ماتحت کو بلایا اور اسے ہدایت جاری کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد جہاز کے اس حصے میں اچھی خاصی رونق ہو گئی۔ تیز لائٹیں جلائی گئیں۔ تا کہ تمام کام بہتر طور پر ہو سکیں۔ ایک بڑی کرین اسٹارٹ ہو کر وہاں پہنچ گئی اور لانچ کو کرین کے ہک میں اس طرح پھنسا لیا گیا کہ وہ کسی بھی صرف جھک نہ سکے۔ بہت بڑی لانچ تھی۔ جسے اٹھا کر سمندر میں اتارنا خاصا مشکل اور مہارت کا کام تھا' لیکن کپتان بذات خود اس کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے کپتان سے پوچھا۔

''جہاز مقررہ جگہ کس وقت تک پہنچے گا؟''

''ہم اس کے آس پاس ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں تھوڑا سا اور آگے بڑھ جائیں اور اس کے بعد لانچ کو سمندر میں اتارا جائے گا۔ میرے خیال میں ہمیں اس کے لئے پون گھنٹہ اور صرف کرنا ہو گا۔'' کپتان نے جواب دیا۔

''موسم بھی میرے خیال میں مناسب ہے۔''

''ہاں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ہوائیں پرسکون ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔'' کپتان نے جواب دیا۔

میں واپس اپنے کیبن کی طرف چل پڑا۔ دوسرے لوگ بھی اپنا اپنا سامان سمیٹنے کیلئے کیبنوں میں واپس آ گئے۔ ساوان کے خراٹے کیبن میں گونج رہے تھے۔ میں اسے جگانے لگا لیکن جوانی کی منہ زور نیند بھلا کسے خاطر میں لاتی ہے۔ میں نے ساوان کو جھنجوڑا۔ بمشکل تمام اس کی آنکھ کھلی۔ وہ اپنی خوبصورت آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ ان آنکھوں میں حیرانی تھی۔

''اٹھو گے نہیں ساوان...... وقت ہو گیا ہے''۔ میں نے کہا۔

''کیسا وقت؟'' ساوان نے متحیرانہ انداز میں پوچھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بھئی تم ایک اہم مشن پر نکلے ہو۔ ذہن کو حاضر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اترو گے نہیں جہاز سے؟'' میں نے کہا اور ساوان کھوئی کھوئی نظروں سے مجھے دیکھتا رہا' پھر اس کی آنکھوں سے نیند چھٹنے لگی اور وہ مسکراتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

''اوہ معاف کیجئے گا۔ چچا جان! کیا آپ مجھے بہت دیر سے جگا رہے ہیں؟''

''ہاں ایسی ہی بات ہے''۔ میں نے جواب دیا۔ بہرحال ساوان اٹھ گیا اور میری ہدایت پر جلدی جلدی سامان سمیٹ کر تیار ہو گیا۔ ہم لوگ جہاز کو خیر باد کہہ کر اب اپنی مہم کیلئے تیار تھے۔ ڈیک پر کام ہو رہا تھا۔ سب مستعد تھے۔ فاران درحقیقت ایک اچھا منتظم تھا۔ چونکہ سمندری امور کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی۔ اس لئے اس وقت اس نے ساری کمان سنبھال رکھی تھی۔

دوسری طرف کپتان فاران سے تعلقات اور مناسب معاوضہ کی وجہ سے ہمیں جلد از جلد ہر طرح کی سہولتیں باہم پہنچا رہا تھا۔ جہاز کی رفتار سست ہونے لگی۔ ہمیں سمندر میں اتارنے کیلئے اسے رکنا تھا۔ اس لیے اس نے رفتار سست کر دی تھی۔

وقت گزرتا رہا اور پھر وہ وقت آ گیا' جب لانچ کو سمندر میں اتارنا تھا۔ کرین آپریٹر نے سیٹ سنبھال لی اور پھر کرین حرکت میں آ گئی۔ اس کا اسٹین بلند ہونے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد لانچ میں بندھے ہوئے مضبوط تار بندھ گئے' پھر لانچ اپنی جگہ چھوڑنے لگی۔ دیو پیکر کرین نے اسے اٹھایا اور ایک مخصوص بلندی تک لے گئی۔ اس کے بعد اس کا رخ تبدیل ہونے لگا۔ اب وہ سمندر کی جانب رخ کر رہی تھی اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ ڈیک کے بالکل نزدیک پہنچنے کے بعد وہ رک گئی اور اس کا اوپری حصہ گھوم کر سمندر کے اوپر پہنچ گیا۔ اس کے بعد تار آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگے۔ لانچ اب سمندر میں اتر رہی تھی۔ دوسری جانب ہمارے لئے اب سیڑھی لگا دی گئی تھی۔ وہ جہازی لانچ میں سوار تھے تاکہ اسے نیچے پہنچنے کے بعد اسٹارٹ کر کے اپنی مطلوبہ جگہ لے آئیں۔ ہم سب ڈیک کے نزدیک کھڑے ہوئے لانچ کو سمندر میں اترتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ بالآخر لانچ کی نچلی سطح نے پانی کو چھو لیا اور اس کے بعد وہ سمندر میں پہنچ گئی۔

جہازیوں نے نیچے سے ہک کھولے اور کرین تار سمیٹنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد کرین ڈرائیور کرین کو پیچھے لے گیا تھا۔ ہم نے کپتان سے ہاتھ ملایا اور کپتان نے ہمیں خوش بختی کی دعاؤں کے

ساتھ رخصت کیا۔ ایک ایک کر کے ہم سیڑھیوں کے ذریعے نیچے پہنچ گئے۔ جہازی لانچ اسٹارٹ کر کے اس جگہ لے آئے تھے۔ جہاں سیڑھیاں لگی ہوئی تھیں۔ ہمارا آخری آدمی فاران تھا' جو کپتان سے ہاتھ ملانے کے بعد نیچے اترا تھا اور اس کے بعد ہم سب لانچ پر پہنچ گئے۔ اوپر کپتان اور اس کے ساتھی کھڑے ہمیں الوداعی دے رہے تھے۔ جہاز بالکل رک گیا تھا۔ مسافر اگر سو نہ رہے ہوتے تو یقیناً صورتحال معلوم کرنے کے لیے دوڑ پڑتے ممکن ہے اب بھی کچھ لوگ اس بات پر حیرت زدہ ہوں کہ جہاز کیوں رک گیا۔

بہرحال فاران نے لانچ کا اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ لانچ پہلے ہی اسٹارٹ تھی۔ جہازی اسے اسٹارٹ کر کے چھوڑ گئے تھے۔ لانچ جہاز سے آگے بڑھ گئی۔ کپتان او دوسرے لوگ کھڑے ہاتھ ہلا رہے تھے۔ رات کی تاریکی میں ان کے ہیولے نمایاں تھے اور ہم جہاز کی روشنیوں کو دور ہوتے دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ لانچ کافی دور تک پہنچ گئی۔ تب جہاز نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور مخالف سمت بڑھنے لگا۔

ایک عظیم الشان سمندری سفر کا آغاز ہو گیا تھا۔

اور ہمارے ذہنوں میں عجیب عجیب سے تاثرات تھے۔ شہروں کی رونق چھوڑ کر ہمیں اب ایک طویل و عریض سمندر سے نبرد آزمائی کرنی تھی' اور ہم اس کے لئے خود کو مستعد پا رہے تھے۔ تمام لوگ ہنس بول رہے تھے۔ آٹھوں مصری مزدوروں نے اپنی ذمے داریاں سنبھال لی تھیں۔ فاران ہر چند کہ اسٹیرنگ سنبھالے ہوئے تھا' لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ ان کو ہدایت بھی دیئے جا رہا تھا۔ جس سمت وزن زیادہ تھا۔ اس سمت وزن کم کیا جا رہا تھا' اور چیزوں کو مختلف طریقوں سے رکھا جا رہا تھا۔

لانچ کا چھوٹا سا سائبان ہم سب کی پناہ گاہ تھا اور اس میں آرام دہ نشستیں لگی ہوئی تھیں۔ یوں بہترین سفر کا بندوبست کر لیا گیا تھا' لیکن آسمان بدستور تاریک تھا۔

فاران نے آسمان کی طرف دیکھا اور ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

''کیوں...... کیا بات ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کوئی خاص بات نہیں' میں ہواؤں پر غور کر رہا ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''بادل چھائے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے بارش ہو جائے۔''

''مگر کپتان کا خیال تھا کہ بارش نہیں ہوگی۔'' میں نے کہا اور فاران مسکرانے لگا۔

''سمندر کسی کے تابع نہیں ہوتا۔ آسمان لمحے بھر میں رخ بدل لیتا ہے۔''

''کیا طوفان کا خطرہ ہے؟''

''اوہ...... نہیں۔ یہ طوفان کا موسم نہیں ہے۔ سمندر کی پریشانیاں میرے سپرد ہیں۔ آپ بھی

کوئی فکر نہ کریں۔"

"اوہ نہیں مسٹر فاران' پریشان ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ظاہر ہے ہمیں بے
الجھنوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

سادان اور دوسرے لوگ بہت خوش تھے۔ سمندری سفر تو پہلے ہی ہو رہا تھا لیکن یہ خودمختار
زیادہ دلچسپ تھا۔ سادان' فاران کے پاس پہنچ گیا۔

"لائیے اب میں ڈرائیو کروں۔"

"ضرور لیکن یہ کار ڈرائیونگ نہیں ہے سادان میاں۔"

"آپ مجھے سکھا دیں میں چند گھنٹوں میں سیکھ جاؤں گا۔" سادان نے کہا اور فاران
اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ سادان کو لانچ کے انجن کے بارے میں بتانے لگا۔ سادان بڑے اطمینان
ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

"اس طرح تو مجھے بڑی آسانی حاصل ہو جائے گی۔ میرے خیال میں دوسرے لوگوں کو
سادان کی طرح تھوڑی تھوڑی دیر ڈرائیونگ کی مشق کرنی چاہیے۔"

"ہم سب تیار ہیں۔" میر صادق بولا۔

یوں ہنستے مسکراتے یہ سفر جاری رہا۔ اس وقت تلخ کافی نے وہ مزہ دیا کہ بیان نہیں کیا
سکتا۔ دو دو پیالیاں پی گئی تھیں' پھر بہت دور مشرق سے سویرا جھانکنے لگا اور آہستہ آہستہ سمندر کا
پانی روشن ہونے لگا۔ زرنام کی نگرانی میں ناشتے کا بندوبست کیا جانے لگا۔ ناشتہ کپتان نے کیا
تھا۔ تقریباً ساڑھے سات بجے ناشتہ کیا گیا۔ بادل اب صاف ہو گئے' اور آسمان شفاف نظر آ رہا
سادان نے آگے بڑھ کر اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ انہیں لانچ چلانے میں بہت لطف آ رہا تھا۔ فاران
انجن کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ ڈیزل چیک کیا۔ کچھ نئے ڈبے کھول کر ٹینکی پوری بھر دی گئی' پھر فاران
بادبان کے مستولوں کی طرف چل پڑا۔ بادبان لپٹے ہوئے تھے اور مستول ٹھیک عمل کر رہے تھے۔

سارے کاموں سے فارغ ہو کر فاران نے اجازت چاہی کہ تھوڑی دیر آرام کر لے۔
سادان کے پاس آ کھڑا ہوا۔ باقی لوگ سونے کیلئے لیٹ گئے تھے۔ مزدوروں میں سے بھی
مزدوروں کو سونے کی ہدایت کر دی گئی تاکہ وہ چاک و چوبند رہیں۔ سورج خوب چمک رہا تھا
سمندر روشن تھا۔ پانی کو چھوتی ہوئی نم ہوائیں' سورج کی تیزی کا احساس نہ ہونے دے رہی تھیں
سادان یکایک مسکرانے لگا۔

"خیریت' کیا خیال آ گیا ذہن میں؟"

"ان بے چاروں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"کون بے چارے؟"

"یہ ہی جو پرسکون نیند سو رہے ہیں۔ ممکن ہے ان کی آنکھوں میں سونے کے خواب

کر رہے ہوں گے۔"

"آہستہ...... ساوان' الفاظ پر قابو رکھنا ہوگا۔ ورنہ یہ دوستی اور بھائی چارے کی فضا دشمنی میں
بھی بدل سکتی ہے۔"

"سو رہے ہیں سب۔"

"پھر بھی احتیاط رکھو۔"

"انسان دولت کا اتنا لالچی کیوں ہوتا ہے چچا جان۔"

"نوجوانی بول رہی ہے اور ایسی نوجوانی جو بچپن سے اب تک کسی مالی دشواری کا شکار نہیں
ہوئی۔"

"کیا دولت مل جانے سے انسان مطمئن ہو جاتا ہے؟"

"کسی حد تک۔"

"پھر یہ دولت مند لوگ مسلسل دولت حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کیوں کرتے رہتے ہیں۔"

"یہ انسانی عمل ہے۔ اس کی ہوس کبھی کم نہیں ہوتی۔"

سادان میری یہ بات سن کر مسکرا دیا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "یقین جانئے چچا جان! میں تو
یہ ہوس بالکل محسوس نہیں کرتا۔"

"تمہاری بات اور ہے ساوان۔"

"کیوں چچا جان! میری بات کیوں اور ہے؟"

اس لئے کہ تم ایک قدیم نسل کے شہزادے ہو۔ واستان' جو میں نے اس تحریر میں پڑھی۔
درحقیقت ساوان' میرے ذہن میں بھی ابھی مشکوک ہے۔ ہرچند کہ وہ تمہارے اجداد کی تحریر ہے اور تم
اس سے بہت متاثر ہو لیکن میں نے صرف اس لئے اپنے کسی شک کا اظہار نہیں کیا کہ کہیں تمہارے
جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے۔ بہرطور اگر اس میں صداقت ہے تو تمہیں سیر چشم ہونا ہی چاہیے۔

سادان نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اس کے بعد ہم نے یہ موضوع ختم کر دیا۔
کیونکہ خطرہ تھا کہ کوئی اور ہماری یہ گفتگو نہ سن لے جو ہرچند کہ دھیمی آواز میں کی جا رہی تھی لیکن
بہرطور ہمارے لیے نقصان دہ ہو سکتی تھی۔ سفر جاری رہا' اور پھر دفعتاً سادان چیخ پڑا۔

"چچا جان...... وہ...... وہ دیکھئے۔" میں نے اس کے اشارے کی سمت نگاہیں دوڑائیں تو
ایک عجیب سی شے نظر آئی...... سیاہ اونٹ نما کوہان بے شمار تعداد میں نظر آ رہے تھے۔ ان کا رخ اسی
موٹر بوٹ کی جانب تھا۔

"شارک"۔ میرے حلق سے نکلا اور سادان دلچسپی کی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"یہ شارک مچھلیاں ہیں۔ ان کے بارے میں تو بڑی بڑی خوفناک داستانیں سنی ہیں۔ بلکہ
کچھ فلمیں بھی دیکھی ہیں۔ کیا یہ اتنی ہی خطرناک ہوتی ہیں جتنی انہیں کہا جاتا ہے۔"

''اس سے کہیں زیادہ خطرناک' میں نے بھی اب تک شارک مچھلیوں کے بارے میں جو کچھ سنا ہے' وہ یہی ہے کہ سمندر میں ایک خوفناک عفریت کی حیثیت رکھتی ہیں۔''

''اوہ...... یہ کشتی ہی کی طرف آ رہی ہیں کہیں اسے نقصان تو نہیں پہنچائیں گی؟'' ساداان نے کہا۔

''ہوشیار ہو جاؤ۔ میرا خیال ہے تھوڑا سا رخ تبدیل کر دیں۔'' میں نے اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور ساداان نے موٹر بوٹ کا رخ بدل دیا۔ مچھلیوں کا غول اس طرح دوڑتا ہوا چلا آ رہا تھا جیسے موٹر بوٹ کو نگل جائے گا اور پھر وہ آن کی آن میں ہمارے قریب پہنچ گیا' پھر موٹر بوٹ کو شدید جھٹکے لگنے لگے اور ان جھٹکوں سے سوئے ہوئے لوگ بھی جاگ پڑے۔ فاران جلدی سے ہمارے قریب آ گیا۔

''یہ کیا ہوا...... کیا ہوا؟''

''میرا خیال ہے کہ شارک مچھلیوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔'' میں نے جواب دیا اور ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر سمندر میں دیکھنے لگا۔ ایک سیاہ فام مزدور موٹر بوٹ کے نزدیک پہنچا ہی تھا کہ فاران زور سے دھاڑا۔

''خبردار پیچھے ہٹ جاؤ...... پیچھے ہٹ جاؤ۔ بے وقوف آدمی کیوں زندگی کو موت سے ہمکنار کر رہے ہو۔'' اور وہ شخص گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ مچھلیاں موٹر بوٹ کے نیچے سے گزر رہی تھیں اور اتنی طاقتور تھیں کہ موٹر بوٹ کو جھٹکے لگ رہے تھے۔ کوئی کوئی مچھلی موٹر بوٹ سے ٹکرا بھی رہی تھی اور اس وقت یوں لگتا تھا جیسے موٹر بوٹ ایک جانب کو اٹھ رہی ہو۔''

''کیا کیا جائے فاران'' میں نے فاران سے پوچھا اور فاران نے آگے بڑھ کر رائفل اٹھا لی۔ تمام رائفلیں تیار تھیں۔ اس نے دوسرے تمام لوگوں کو بھی یہ ہی اشارے کیے اور تمام مصری جوان رائفلیں لے کر کھڑے ہو گئے۔

پھر فاران نے پہلا وار کیا اور ایک شارک مچھلی کا کوہان زخمی ہو گیا۔ وہ تڑپ کر نیچے گئی اور دوسرے لمحے پھر ابھری۔ اس بار ایک ہولناک منہ ہماری طرف تھا۔

یہ مچھلی تھی۔ یقین نہیں آتا تھا۔ اتنا بڑا منہ پھیلایا تھا کہ ایک آدمی کا سر اس کے منہ میں چلا جاتا۔ اس نے پانی میں غوطہ مارا اور آ کر موٹر بوٹ سے ٹکرائی۔ موٹر بوٹ زور سے ہلی اور ساداان کی گرفت موٹر بوٹ پر مضبوط ہو گئی۔ زخمی مچھلی کے خون کی بو تھی یا پھر ان کا انتقام کہ دور دور سے اور بھی مچھلیاں اس سمت آنے لگیں۔ شارک کا پورا خاندان ہمارے گرد جمع ہو گیا تھا۔ جس طرف نگاہ اٹھتی کوہان ہی کوہان نظر آتے۔ فاران عجیب سی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا' پھر اس نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''یہ صورتحال میرے لئے نئی ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ شارک مچھلیاں عموماً زخمی ہو کر بھاگ جاتی ہیں' لیکن ان کا غیظ وغضب بڑا عجیب ہے۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں کہ ان مچھلیوں کے خاندان سمندر کے مختلف حصوں میں آباد ہوتے ہیں اور جہاں ان کے قبیلے ہوتے ہیں وہ جگہ بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ کپتان نے مجھ سے کہا تھا کہ اس سمت شارک مچھلیاں بڑی مقدار میں پائی جاتی ہیں۔ موٹر بوٹ کیونکہ چھوٹی ہے۔ جہاز کی بات دوسری ہوتی ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ موٹر بوٹ کو کیسے جھٹکے لگ رہے ہیں۔ کہیں کوئی اور مچھلی اسے الٹ نہ دے۔'' فاران نے کہا۔

ہم سب کے چہروں پر تشویش کے آثار نمودار ہو گئے۔ سوائے ساداان کے' اس کے چہرے پر بچوں کی سی شوخی اور چمک تھی۔ جیسے وہ اپنا پسندیدہ کھیل دیکھ رہا ہو۔''

دفعتاً ایک شارک مچھلی نے لانچ کے بالکل کنارے پر سر ابھارا اور تقریباً چار فٹ اونچی بلند ہو گئی۔ خوش قسمتی تھی ہم لوگوں کی' کہ کوئی کنارے پر موجود نہیں تھا۔ ورنہ اس وقت تک کوئی خوفناک حادثہ پیش آ چکا ہوتا۔ مچھلی کا منہ کنارے پر پھنس گیا تھا اور لانچ اتنی ٹیڑھی ہو گئی تھی کہ اگر کوئی دوسری مچھلی اندر آنا چاہتی تو باآسانی آ سکتی تھی۔ اس کا کنارہ پانی کو چھونے لگا تھا۔

فاران نے اندھا دھند مچھلی پر فائرنگ شروع کر دی۔ تین چار گولیاں کھا کر وہ پیچھے ہٹی اور سمندر میں الٹ گئی۔

لانچ کو شدید جھٹکا لگا اور دوسری جانب تمام لوگ لڑھک گئے۔ مچھلیاں اتنی تعداد میں جمع ہو گئی تھیں کہ اب یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ یقینی طور پر لانچ کو تباہ کر دیں گی۔ تب فاران نے گردن ہلائی اور اپنی رائفل ایک طرف رکھ دی' پھر وہ مجھ سے کہنے لگا۔

''اب میں دوسرا کھیل کھیلنے جا رہا ہوں۔ شکر ہے، کپتان نے ہمیں اس صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا''۔

''دوسرا کھیل؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے فاران کو دیکھا۔

''ہاں...... میں اس کا بندوبست کر کے چلا تھا''۔ فاران نے جواب دیا' اور تیزی سے دوڑتا ہوا لانچ کے پچھلے حصے میں چلا گیا۔ اس نے لانچ میں رکھے ہوئے چھوٹے ٹن اٹھائے، جن میں پٹرول بھرا ہوا تھا' پھر وہ ان ٹنوں کے کارک کھولنے لگا۔ اس کے بعد اس نے پٹرول کو زور سے پانی میں اچھال دیا۔ ٹن الٹے گرے تھے اور پٹرول پانی کی سطح پر پھیل گیا۔

''فاران نے لانچ کو تھوڑا سا پیچھے کرنے کے لئے کہا اور ساداان لانچ کو موڑ کر پیچھے لے آیا۔ اس کے بعد فاران نے پٹرول کا ایک اور ٹن پانی پر خالی کر دیا' اور اس کام کے لئے اسے بڑی مہارت سے کام لینا پڑا تھا۔

کنارے پر جانا مشکل تھا اور پٹرول کو چھوٹے سے ٹن کے ذریعے پانی پر پھینکنا تھا۔ اگر

کنارے پر جایا جاتا تو یقینی طور پر کسی نہ کسی شارک مچھلی کا شکار ہو جاتا اور اگر ٹن ذرا سی بھی احتیاطی سے اٹھایا جاتا تو پٹرول لانچ کے کناروں پر بھی پڑ سکتا تھا۔

چنانچہ فاران نے لانچ کو بچانے کی کوشش کی اور تین چار ٹن پھینکنے کے بعد پیچھے ہٹ کر کا اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ اس کی یہ حرکت میری سمجھ میں نہیں آئی تھی' لیکن اسٹیرنگ سنبھال کر اس لانچ کو تھوڑا سا پیچھے کیا اور اسے ایک مخصوص زاویے پر لا کر لانچ کا اسٹیرنگ ساداں کے حوالے کر پھر اس نے جلدی سے کپڑا اٹھایا۔ اسے بھگویا' اور اس کا گولہ بنا کر ہاتھ میں لے لیا' پھر اس نے صادق کو آواز دی اور اس کپڑے کو آگ لگا دی جائے۔

میر صادق نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور اب یہ صورتحال میری سمجھ میں بھی آ گئی۔

جلتا ہوا گولہ سمندر میں پھینکا گیا اور اب پانی کی سطح پر ایک عجیب و غریب نظارہ پیدا ہو پٹرول نے آگ پکڑ لی تھی۔

مچھلیوں کا غول کیونکہ بہت زیادہ تھا۔ اس لئے اس آگ کی لپیٹ میں آ گئیں اور ان افراتفری پھیل گئی۔ اس واقعے سے شاید وہ ڈر گئی تھیں۔ لانچ کو اس مہارت سے پیچھے ہٹا لیا گیا سمندر پر پڑا ہوا پٹرول اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور پھر فاران کے کہنے پر لانچ کی رفتار تیز کر دی گئی۔ کچھ مچھلیاں لانچ کے پیچھے لپکیں' لیکن پھر جب انہیں یہ احساس ہوا کہ ان کا خاندان بہت رہ گیا ہے۔ تو وہ خود بھی اپنی جگہ تبدیل کرنے لگیں۔

سمندر پر شعلے ابھر رہے تھے' اور دلچسپ نظارہ نگاہوں کے سامنے تھا۔ لانچ ان شعلوں سے کافی دور نکل گئی تھی' اور اس طرح ان مچھلیوں سے پیچھا چھوٹ گیا تھا۔

میں نے تحسین آمیز نگاہوں سے فاران کو دیکھا' اور فاران مسکرانے لگا۔

''جب مجھے کپتان نے یہ بات بتائی تھی کہ اس طرف شارک مچھلیوں کے غول بہت نظر آتے ہیں۔ تب میں نے پٹرول کا بندوبست کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس وقت اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہ غول بے حد خطرناک ہوتے ہیں۔ میں نے ایک بار کسی سیاح کے سفرنامے میں ان کے بارے میں پڑھا تھا۔ بعض اوقات تو یہ غول چھوٹے چھوٹے جہازوں پر بھی حملہ کر دیتے ہیں' اور ان کی تعداد جوں جوں زیادہ ہوتی جاتی ہے یہ زیادہ خطرناک ہوتی جاتی ہیں۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ ان میں سے ایک مچھلی ڈر جائے۔ گولیوں کے زخم تو انہیں نہیں ڈرا سکے تھے' لیکن آگ کے شعلوں نے بدحواس کر دیا۔

''فاران...... شکریہ''۔ میں نے آہستہ سے کہا، اور فاران ہنسنے لگا۔

''نہیں جناب! یہ تو میرا فرض تھا۔ میں نے بلاوجہ ہی اسٹیرنگ سنبھالنے کی ذمے داری لی تھی۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ سمندری امور کی ذمہ داری میرے سپرد کر دی جائے۔ باقی معاملات خدا کے ہاتھ میں ہیں''۔ اس نے جواب دیا۔

میر صادق اور زرنام بھی اس کی اس کارروائی سے متاثر نظر آ رہے تھے۔ بہرصورت ہم میں اگر کوئی شخص بالکل بے فکر تھا تو وہ تھا۔ ساوان...... اور میں جانتا تھا کہ نوجوانی کی عمر ایسی ہی ہوتی ہے۔ دنیا کا کوئی خطرہ، خطرہ محسوس نہیں ہوتا''۔

لانچ اب کافی دور نکل آئی تھی۔ تب میں نے فاران سے کہا۔

''فاران کوئی سمندری حادثہ ہمیں راستہ سے نہ بھٹکا دے' اس بات کا بھی خاص طور پر خیال رکھنا''۔

''یقیناً۔ جو نقشہ ہم نے ترتیب دیا ہے اس کے تحت ہم ابھی راستے سے نہیں بھٹکے' سوائے اس کے کہ تھوڑی دور جانے کے بعد ہم رخ سیدھا کر دیں گے۔ اگر ہم یہیں سے اپنا رخ بدلیں تو مچھلیوں کا یہ غول پھر ہمارے قریب پہنچ سکتا ہے''۔

''نہیں، نہیں اس طرح چلتے رہو۔ آگے چل کر راستے کو بدل لینا''۔

تقریباً ایک میل سمندری سفر طے کرنے کے بعد ہم نے پھر لانچ کا رخ اسی سمت کر دیا جدھر ہمیں سفر کرنا تھا' اور اس کے بعد شام تک کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا۔ ہم سب ان شارک مچھلیوں کے حادثے کو بھول گئے تھے۔ کئی جگہ ہمیں کئی شارک مچھلیاں نظر آئیں' لیکن تنہا تھیں۔ وہ تھوڑی دیر تک موٹر بوٹ کے پیچھے دوڑتی رہیں' اور اس کے بعد رخ بدل کر چلی گئیں۔ غالباً ایک یا دو مچھلیاں بھی کسی ایسی چیز پر حملہ نہیں کرتی تھیں جس سے انہیں خطرہ درپیش ہو سکے۔ میں اس سمندری مخلوق کے بارے میں سوچنے لگا۔ ہر جانور، ہر جگہ ایک باقاعدہ ذہنی نظام رکھتا ہے۔ اس کی اپنی سوچ ہوتی ہے' اور وہ اپنے انداز کے مطابق عمل بھی کرتا ہے۔

سورج ڈھل چکا تھا۔ شام ہو گئی۔ آسمان پر ایک بار پھر بادل اُمڈ آئے اور پھر تقریباً ساڑھے آٹھ یا نو بجے کا وقت ہوگا' جب بوندیں پڑنے لگیں۔

فاران نے جلدی سے لانچ پر دوسرے انتظامات کیے۔ یوں تو ہم نے لانچ پر ایک سائبان بھی جگہ بنائی ہوئی تھی۔ کیبن اس لئے نہیں بنائے گئے تھے کہ ان کیبنوں کی تعداد کتنی ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے تمام افراد کیبنوں میں نہیں آ سکتے تھے۔ اس لئے لانچ پر ایک سائبان ترتیب دے دیا گیا تھا۔ جس کے نیچے سورج سے پناہ لی جا سکتی تھی۔ بہرحال فاران کی وجہ سے درحقیقت سمندری سفر میں بے آسانیاں ہو گئی تھیں۔ اس نے شارک مچھلیوں کو جس طرح بھگایا تھا۔ وہ قابل تحسین کارنامہ تھا۔ بارش باقاعدہ ہونے لگی اور چاروں طرف تاریکی پھیل گئی۔ فاران کسی قدر سوچ میں ڈوبا ہوا تھا' لیکن اس نے کسی تشویش کا اظہار نہیں کیا۔

اس وقت رات کے تقریباً بارہ بجے ہوں گے کہ دفعتاً تیز ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے اور کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ فاران نے ایک لمحے آرام نہیں کیا تھا' وہ جیسے اس وقت کا منتظر تھا' اس نے مجھے قریب بلایا اور سرگوشی کے انداز میں بولا۔

''صورتحال بہت پریشان کن ہوگئی ہے۔ یہ تیز ہوائیں۔ سمندری طوفان بھی ہوسکتی ہے ہر چند کہ یہ طوفان کا موسم نہیں ہے، لیکن۔ سمندر کا کیا بھروسہ''۔

''کیا طوفان خوفناک ہوسکتا ہے''؟ میں نے پوچھا۔

''آثار ایسے ہی ہیں''۔ فاران کے جواب نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔

اگر سمندری طوفان آ گیا تو کیا ہوگا۔ یہ چھوٹی سی لانچ اس طوفان کا کیا مقابلہ کر سکے گی سب لوگ فاران کے انکشاف سے آگاہ ہو گئے تھے۔ سب کے سب بے سکون تھے۔ وہ کشتی کے ایک سرے پر کھڑا آسمان کی طرف منہ اٹھا کچھ بدبدا رہا تھا، نہ جانے کیا ہوگیا تھا اسے۔ میں اس کی کیفیت دیکھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

''ساوان......'' میں نے اسے آواز دی۔ تو اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ '' بات ہے۔ اوپر کیا دیکھ رہے ہو؟''

میرے سوال پر اس نے گہری سانس لی اور مسکرانے لگا۔

''کچھ نہیں چچا جان! کوئی خاص بات نہیں ہے''۔

''طوفان کا خطرہ ہے'' میں نے کہا

''طوفان؟'' اس نے مطمئن انداز میں کہا۔

''یہاں بہت لوگ پریشان ہیں''۔

''پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟''

''تم پریشان نہیں ہو؟''

''نہیں تو''؟

''اچھا تم تو بہت بہادر ہو''۔

''ہاں...... بے شک طوفان ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا''۔ ساداں نے جواب دیا اور میں تعجب سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔ اس وقت زیادہ سوال و جواب کا وقت نہیں تھا۔ میں نے اس کے شانے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''درحقیقت جوانی سے بڑا طوفان کوئی نہیں ہوتا' لیکن اس کے باوجود احتیاط بہت ضروری ہے۔ تم نادانی کی باتیں نہ کرو اور خود کو تیار کرلو۔

''میں تیار ہوں چچا جان!'' ساداں ایک دم سنبھل گیا فاران نے لانچ کے انجن کو بند کر دیا تھا اور بڑی تندہی سے ان تمام چیزوں کو رسوں اور لوہے کی موٹی زنجیروں سے بندھوا دیا تھا۔ جن کے سمندر میں گر جانے کا خطرہ تھا۔

''یہ شخص درحقیقت ہمارے۔ لئے بہت کارآمد ہے جہاز رانی کا پورا تجربہ ہے اسے''

''اس میں کوئی شک نہیں''۔ ساداں نے اعتراف کیا۔ ہوائیں تیز ہونے لگی تھیں اور سمندر کا

رنگ بدل رہا تھا۔ اونچی اونچی موجیں کشتی کی طرف دوڑنے لگیں۔ طوفان آ گیا تھا۔ موجیں کشتی سے ٹکرائیں تو پانی اچھلتا اور پوری کشتی کو شرابور کرتا۔ دوسری طرف جا پڑتا۔ کشتی اب سمندر کے رحم و کرم پر تھی۔ عمل ختم ہو چکا تھا' اور اب خاموشی سے اپنے بچاؤ کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔ آٹھوں مزدوروں نے ایک موٹے رسے کو اپنی کمروں سے کس کر گرہیں لگائی تھیں۔ یہ رسہ ایک مستول سے بندھا ہوا تھا۔ کشتی اب میری طرح لہروں میں ڈول رہی تھی۔ کبھی ایک طرف جھک جاتی اور یوں لگتا کہ اب ڈولی تب ڈولی کبھی کوئی شدید موج اس کا ایک سرا کھڑا کر دیتی۔ میں نے ساداں کو مضبوطی سے ایک رسے سے کس لیا تھا۔ مجھے اس سے اپنے بچوں ہی کی طرح پیار تھا' اور درحقیقت مجھے اس اپنے آپ سے زیادہ اس کے بچاؤ کی فکر تھی۔ پانی کے تھپیڑے بڑھ گئے تھے' اور کبھی کبھی کشتی چکر کھانے لگتی تھی۔ خطرہ تھا کہ وہ ٹوٹ نہ جائے۔ وزنی چیزیں بھی بے وزن ہو گئی تھیں' اور آپس میں ٹکرا کر شور پیدا کر رہی تھیں۔ لہریں مسلسل اٹھ رہی تھیں' اور اچھی خاصی لانچ ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن گئی تھی۔

فاران ایک طرف کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس وقت تو وہی حکمران تھا اور کوئی کام اس کے اشارے کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا۔ سمندر کا شور کوئی آواز سننے نہیں دے رہا تھا۔ غرض کہ پوری کشتی اتھل پتھل ہو کر رہ گئی تھی۔ پورے دو گھنٹے طوفان کی قیامت خیزی جاری رہی' اور پھر ہواؤں میں کمی آنے لگی۔ موجیں جیسے اپنا مشن پورا کر کے پرسکون ہو گئیں۔ سمندر کا غضب کم ہونے لگا۔ وہ اپنی بھرپور طاقت کا مظاہرہ کر کے پرسکون ہوتا جا رہا تھا' پھر چاند نے آسمان پر سر ابھارا' اور ماحول میں پراسرار چاندنی پھیل گئی۔

''پانی نکالو سب لوگ کشتی سے پانی نکالو۔'' صدیوں کے بعد فاران کی آواز سنائی دی۔ مزدوروں نے رسے کھولے۔ جس کے ہاتھ جو لگا اسے لے کر پانی کیخلاف نبرد آزما ہوگیا۔ کشتی خالی ہونے لگی' لیکن اس کام میں کئی گھنٹے لگے تھے۔ بہرحال اس وقت تک سب مصروف رہے جب تک کشتی خالی نہیں ہوگئی......

فاران کشتی کے انجن کو دیکھ رہا تھا۔ کئی بار اس نے کشتی کے انجن کو اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ میں فاران کی اس کوشش کو دیکھ رہا تھا' پھر میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ فاران نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تشویش کے آثار تھے۔

''خدا کرے پانی خشک ہونے کے بعد انجن اسٹارٹ ہو جائے' ورنہ ہمیں بڑی مشکلات سے گزرنا ہوگا۔''

''یقیناً انجن میں پانی چلا گیا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں...... اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انجن کہاں کہاں سے متاثر ہوا ہے۔ طوفان سے لانچ کو لگنے والے جھٹکوں نے اس میں کوئی خرابی پیدا کر دی ہو۔''

''اندازہ یہ ہی ہو رہا ہے۔ اگر صرف پانی کی بات ہوتی تو شاید انجن اسٹارٹ ہو چکا ہوتا۔''

میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔ فاران کا کہنا درست ہی تھا۔ لانچ کو جس طرح زبردست جھٹکے لگے تھے' اور وہ جس طرح پانی کی لہروں پر اوپر نیچے ہوتی رہی تھی۔ اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا تھا کہ لانچ کا انجن کہیں سے ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اور اس کی وجہ سے لانچ بند ہوگئی ہے۔

فاران کافی دیر تک کوشش کرتا رہا۔ سپیدہ سحر نمودار ہو چکا تھا' اور آسمان پر روشنی کی کرنیں پھیلنے لگی تھیں۔ ساری رات جاگنے اور صعوبتوں کا شکار رہنے کی وجہ سے مزدوروں کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ تمام لوگوں کی یہ ہی کیفیت تھی۔ خود میں بھی ایسی کیفیت کا شکار تھا۔ بہر طور ہمیں اپنے اس مشن کی کامیابی عزیز تھی اس وجہ سے ہم میں سے کوئی نڈھال نہیں ہوا تھا' اور سب کے سب مستعدی سے اپنا کام سرانجام دے رہے تھے۔

وہ سارا سامان جوں کا توں بندھا رہنے دیا گیا تھا۔ جس کے سمندر میں گر جانے کا خطرہ تھا۔ اس سامان کی اسی طرح حفاظت ممکن تھی۔ کشتی کا چاروں طرف سے جائزہ لیا جا رہا تھا۔ خدا کا شکر تھا کہ کوئی خرابی اس میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ چند چیزیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ ایک مستول چٹخ گیا تھا' جس پر کس کے رسہ باندھ دیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے مستول مضبوط ہو گیا تھا۔

یہ تمام کارروائیاں جاری رہیں' اور فاران اپنی کوششوں میں مصروف رہا' لیکن انجن کسی طرح اسٹارٹ نہ ہوسکا۔ تب وہ تھکے تھکے انداز میں کھڑا ہو گیا۔

''انجن کا اسٹارٹ ہونا مشکل ہے۔ ویسے میں مزدوروں کی مدد سے اسے کسی نہ کسی طرح اسٹارٹ کر ہی لوں گا' لیکن وقتی طور پر ہمیں بادبان چڑھانے پڑیں گے۔''

''سارے بادبان بھیگے ہوئے ہیں۔'' میر صادق کہنے لگا۔

''ہاں...... بلاشبہ' لیکن لگتا ہے جیسے موسم ٹھیک ٹھاک رہے گا۔ بادبان وزنی ضرور ہو گئے ہیں لیکن انہیں چڑھانے کیلئے ہمیں جدوجہد کرنا ہوگی۔ اوپر پہنچ کر وہ ہوا سے خشک ہو جائیں گے' اور کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔ اس دوران میں انجن درست کرنے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔'' فاران نے کہا اور میر صادق مزدوروں کے ساتھ بادبانوں کی جانب متوجہ ہوگیا۔

دو بادبان چڑھا دیئے گئے اور پھر ان کے رخ وغیرہ درست کر لئے گئے۔ پانی سے بھیگے ہوئے وزنی بادبانوں کو چڑھا کر اٹھانا بڑا مشکل مرحلہ تھا' کہ سب کے سب تھک کر پسینہ پسینہ ہو گئے تھے' لیکن بہر طور وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے تھے۔

فاران تھوڑی دیر کیلئے انجن کے پاس سے ہٹا' اور پھر ایک مستول پر چڑھ کر اس نے بادبانوں کے رخ درست کرنا شروع کر دیئے۔ ایک مستول سے اتر کر وہ دوسرے مستول پر چڑھا' اور بہر طور اس نے اپنا کام مکمل کر لیا۔ کشتی نے ایک رخ اختیار کر لیا تھا۔

لیکن بادبان زیادہ عرصے تک ساتھ نہیں دے سکتے تھے' یا زیادہ دور نہیں چل سکتے تھے کیونکہ لانچ ان کی بہ نسبت کافی وزنی تھی' اور وہ صرف وقتی طور پر کارآمد تھے۔ بہر طور ان سے کام لیا

جاتا رہا۔

ہلکا پھلکا ناشتہ کیا گیا اور فاران پھر انجن میں جت گیا۔ زرنام کو اس نے اپنی مدد کیلئے ساتھ لے لیا تھا۔ حالانکہ زرنام بیچارہ اس سلسلے میں بالکل بودا تھا۔ وہ کسی بھی انجن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ یوں بھی ایک ڈاکٹر کو لانچ کے انجن سے کیا واسطہ ہو سکتا تھا' لیکن بہر طور وہ فاران کے ساتھ اس کے مددگار کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔

ساوان نے خود بھی اپنی خدمات فاران کو پیش کر دی تھیں' اور شاید فاران اس سے زیادہ مطمئن تھا۔

ہوا بہت تیز نہیں تھی' اور بادبان کام کر رہے تھے' لیکن ابھی بادبانوں سے لانچ کے سفر کو ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ دفعتاً ایک ہولناک آواز ایک مستول سے نکلی اور مستول ٹوٹ گیا۔ بادبان کی قوت وزنی لانچ کو آگے بڑھانے کیلئے ناکافی ثابت ہوئی تھی' اور ہوا کا دباؤ اس پر بڑھ گیا جس کی وجہ سے مستول ٹوٹ گیا۔ ایک بادبان مستول میں لٹک گیا تھا۔ یہی شکر تھا کہ ٹوٹا ہوا مستول نیچے نہیں آ رہا تھا۔ ورنہ لوگوں کے زخمی ہونے کا بھی خطرہ ہو سکتا تھا۔

اب صرف ایک بادبان رہ گیا تھا۔ جسے لانچ کی حفاظت کے فرائض انجام دینا تھا' لیکن فاران نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ بادبان زیادہ عرصے تک ساتھ نہیں دے سکے گا' چنانچہ اس نے فوری طور پر عمل کیا' اور اس بادبان کو بھی نیچے اتار لیا' اور اس وقت لانچ کی رفتار بالکل سست ہو گئی تھی۔ تب مزدوروں نے بیس بیس فٹ لمبے وہ دونوں چپو سنبھال لئے جو کشتی کے دونوں کناروں پر بندھے ہوئے تھے۔ تین تین آدمیوں نے ان چپوؤں کو کنڈوں میں ڈالا' اور مزدور کشتی کھیلنے لگے۔

لیکن یہ صورتحال بھی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام مزدور تھک کر چور چور ہو گئے۔

ان کی حالت کے پیش نگاہ فاران نے حکم دیا کہ چپوؤں سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا' اس لئے انہیں ہٹا دیا جائے' اور چپو واپس اس جگہ لگا دیئے گئے۔ کشتی ایک دفعہ پھر موجوں کے رحم و کرم پر جا پڑی اور موجیں اسے آہستہ آہستہ دھکیلنے لگیں۔ ہم سب کے چہروں پر اب پریشانی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ سفر کی رفتار تو تقریباً رک چکی تھی' اور انجن کے درست ہونے کا ابھی تک کوئی امکان نہیں تھا۔ دوپہر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ فاران انجن کو اسٹارٹ کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اس نے انجن کے بہت سے حصے کھول ڈالے تھے۔ ٹوٹی ہوئی تو کوئی چیز نظر نہیں آئی' لیکن ان حصوں کو صاف کر کے دوبارہ لگانے پر بھی انجن اسٹارٹ نہیں ہوا۔ فاران مایوسی سے سر ہلانے لگا' پھر اس نے کہا۔

''ایک غلطی ہوگئی...... ہم سے کاش' ہم کسی لانچ انجینئر کو بھی ساتھ لے لیتے۔''

''کیا خیال ہے۔ فاران صورتحال بہتر ہونے کے امکانات نظر نہیں آتے؟'' میں نے سوال کیا۔

''بس کیا بتاؤں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ممکن ہے کچھ اور دھوپ پڑ جائے تو انجن اسٹارٹ ہو سکے۔'' فاران نے جواب دیا' اور ہم خاموش ہو گئے۔ چڑھتا ہوا سورج آہستہ آہستہ ڈھلتا رہا اور پھر شام ہو گئی۔

شام کو ہوا کا رخ بدل گیا' اور کسی قدر تیز ہو گئی۔ تیز ہوائیں اتنی تیز نہیں تھیں کہ سمندر میں طوفان کا خطرہ پیدا ہو جاتا' لیکن وہ کشتی کو اچھی خاصی رفتار سے لے کر بھاگ رہی تھیں' اور کشتی اب تیزی سے ایک سمت بڑھ رہی تھی۔ بڑی الجھنوں کا شکار ہو گئے تھے ہم سب کے سب۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ مجھے سب سے زیادہ حیرت ساداں کے پرسکون چہرے کو دیکھ کر ہوتی تھی۔ کشتی اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ ہواؤں نے اس کیلئے راستے کا تعین کیا تھا' اور ہم اس راستے کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔

کشتی کے آخری گوشے میں کھڑے ہوئے ساداں کے نزدیک پہنچ کر میں نے کہا۔

''صورتحال بڑی پریشان کن ہو گئی ہے' ساداں۔''

''کیوں؟'' اس نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔

''تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔ جب طوفان آ رہا تھا۔ تب بھی تم اتنے ہی پرسکون تھے' اور اب بھی میں تمہارے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھ رہا ہوں۔''

''کیا آپ میری بات پر یقین کریں گے' چچا جان۔ میرا مطلب ہے جو کچھ میں کہوں گا اسے میرے دماغ کی خرابی تو نہیں تصور کریں گے۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو؟ کہو......'' میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم جس منزل کی جانب بڑھ رہے ہیں وہ ہی ہمارا مطمح نگاہ ہے۔ ہم وہاں تک ضرور پہنچیں گے۔ آپ اس بات پر یقین کر لیں کہ حالات کیسی بھی شکل اختیار کریں' لیکن بہرطور ہمیں وہاں پہنچنا ہے۔''

''اور یہ بات تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟'' میں نے سوال کیا اور ساداں کے ہونٹوں پر ایک پراسراری مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں اس سلسلے میں کوئی خاص بات نہیں کہوں گا۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ کچھ نہ سنائی دینے والی آوازیں میرے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ طوفان اور یہ راستے کی رکاوٹیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں' ہمیں منزل تک پہنچنا ہے۔'' میں عجب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

مجھے گمان گزرا کہ کہیں ساداں کی ذہنی حالت تو متاثر نہیں ہوئی ہے' لیکن وہ ہر طرح سے مطمئن نظر آ رہا تھا۔ بہرطور میں نے اس سلسلے میں اس سے کوئی بات نہیں کی۔ کم از کم اس بات کا تو مجھے بھی اندازہ تھا کہ حالات پراسرار ہیں' اور ساداں کو جو مشن اس کے آباؤ اجداد نے سونپا ہے ان

میں وہ سب اس کی امداد بھی کر رہے ہیں۔ ساداں کی یہ بات سن کر مجھے یک گونہ سکون محسوس ہوا تھا۔ بہرطور کشتی بڑھتی رہی۔

ستارے نکل آئے' چاند روپوش تھا۔ ستاروں کی مدہم چھاؤں میں ہم سمندر کی چمکتی ہوئی موجوں کو دیکھتے رہے۔ ساری رات کوئی سکون سے نہیں سو سکا تھا۔ کسی کو اگر اونگھ آ بھی جاتی تو وہ چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگتا۔ بے یار و مددگار سمندر کے سینے پر وقت گزارنے کا تصور سب ہی کیلئے ہولناک تھا۔ خاص طور پر فاران جو جہازراں رہ بھی چکا تھا۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ پریشان تھا۔ کیونکہ سمندر کی پراسرار زندگی کے بارے میں وہی سب سے زیادہ پریشان تھا۔ اسے یقیناً علم تھا کہ اگر کشتی اسی طرح سمندر کے سینے پر بھٹکتی رہی تو بالآخر ایک دن وہ آ جائے گا جب خوراک ختم ہو جائے گی' اور پھر وہ تمام سلسلہ شروع ہو جائے گا جسے قصے کہانیوں کی باتیں کہا جاتا ہے' لیکن جس کی حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا' یا کم از کم وہ تو قطعی نہیں جو کسی نہ کسی طرح سمندر میں کسی ہولناک حادثے کا شکار ہو چکا ہو اور تقدیر نے اسے بچا کر دوبارہ زندگی کی طرف لوٹا دیا ہو۔

رات گزر گئی' لیکن دوسری صبح جو ابھی پوری طرح ابھرنے بھی نہیں پائی تھی' ہمارے لئے خوشیوں کا پیغام لائی تھی۔ دور افق کے سرے پر ہم نے ایک سیاہ لکیر دیکھی تھی' اور سیاہ لکیر کوئی جزیرہ ہی ہو سکتی تھی۔ ہم سب ایک جگہ جمع ہو گئے' اور جزیرے کی طرف دیکھنے لگے۔ مزدور شور مچا رہے تھے' اور وہ عربی زبان میں جثیرہ...... جثیرہ پکار رہے تھے' اور فاران کے کہنے پر انہوں نے ایک بار پھر چپو سنبھال لئے۔ کم از کم ایک منزل نظر آ گئی تھی' اور اب اس منزل کی جانب سفر کیا جا سکتا تھا۔

چنانچہ کشتی کا رخ اس طرف ہو گیا۔ آہستہ آہستہ واضح ہوتا جا رہا تھا۔ لکیر نمایاں ہو گئی تھیں اور ہم سب اب مسرت سے سوچ رہے تھے کہ بالآخر وہ مشکل حل ہو گئی جو ہم سب کو وسوسوں کا شکار کر رہی تھی۔ ہم سب بے حد خوش ہو گئے تھے۔ جزیرہ آہستہ آہستہ قریب آتا جا رہا تھا' اور کشتی اس کی جانب بڑھ رہی تھی' لیکن جب ہم جزیرے کے کچھ اور قریب پہنچے تو یہ دیکھ کر ہم پر ہیبت طاری ہو گئی کہ جزیرے کے گرد چاروں طرف بڑی بڑی چٹانیں ہیں۔

اور وہاں بڑی بڑی شوریدہ سر لہریں اٹھ رہی ہیں جو ان چٹانوں سے ٹکراتیں تو ایک مہیب شور پیدا ہوتا۔ اگر کشتی ان موجوں کی لپیٹ میں آ کر چٹانوں سے ٹکرا گئی تو چند لمحات کے اندر اندر سارے اعضاء فضا میں بکھر جائیں گے۔ ہم نے آپس میں مشورہ کیا۔ فاران نے کہا کہ کشتی کو زیادہ نزدیک نہ لے جایا جائے' بلکہ کسی ایک جگہ رک کر تیرتے ہوئے جزیرے تک پہنچا جائے۔ اس تجویز سے میر صادق اور زرنام کو تھوڑا سا اختلاف ہوا۔ زرنام نے کہا۔

''لیکن کشتی کو اسی طرح سمندر میں تو نہیں چھوڑا جا سکتا جس میں ہمارا ساز و سامان ہے اسے کس طرح وہاں تک لے جائیں گے۔''

''آپ کا کہنا درست ہے مسٹر زرنام' لیکن یہ تو دیکھئے کہ سمندر میں اس طرح ہم بے یار و

مددگار ہو گئے ہیں کہ اگر ہم اس جزیرے میں نہ اترے تو ہماری زندگیاں بھی خطرے میں پڑ جائیں گی۔ جس طرح جزیرے کے گرد چٹانیں بکھرے ہوئی ہیں' اور جس طرح موجیں اس کے پاس سر ابھار رہی ہیں۔ اگر کشتی بھی موجوں کی لپیٹ میں آ کر کسی چٹان سے ٹکرا جائے تو ہماری زندگی ہی محال ہو جائے گی۔ ان حالات میں ہم سامان کی فکر کریں یا اپنی۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن پھر ہمارے کھانے پینے کا کیا ہو گا؟''

''اس کیلئے میرے ذہن میں ایک تجویز ہے جو ساز و سامان ہم کسی بھی طرح ان واٹر پروف تھیلوں میں بھر کر لے جا سکتے ہیں وہ ہم اپنی پشت پر لاد کر چلیں' اور کشتی کو اسی جگہ چھوڑ دیا جائے۔''

''اور...... اور اگر اس جزیرے سے واپسی کا فیصلہ کرنا پڑا تو......؟''

''جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا...... یہ تو ممکن نہیں کہ ہم سمندر کے سینے پر زندہ رہیں۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ خشکی پر زندگی کی تلاش کریں' اور اگر موت ہی آنی ہے تو سمندر کے سینے پر بھی آئے گی' اور خشکی پر بھی۔'' فاران نے جواب دیا۔

بہرطور سب تیار ہو گئے۔ درحقیقت اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا' لیکن اس کیلئے کچھ حفاظتی انتظامات بھی کئے گئے تھے۔

کینوس کے تھیلے اپنی پشت پر باندھ کر ہم نے اپنی کمر میں رسیوں کے پھندے ڈالے۔ رسی کا ایک سرا سب سے آگے فاران کی کمر میں تھا' سب سے پیچھے میری کمر میں۔ درمیان میں تمام مزدور اس ایک پھندے سے منسلک تھے۔ اس طرح کم از کم کسی ایک کی جان کے زیاں کا خوف نہیں رہا تھا۔ ہم نے بالآخر کشتی چھوڑ دی۔ سب سے پہلے فاران نیچے اتر گیا' اور اس کے بعد ایک ایک کر کے ہم سب۔ فاران تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ کسی ایسے راستے کی تلاش میں تھا۔ جہاں سے سمندر کی دیوہیکل موجیں انہیں سمندر کی چٹانوں سے ٹکرانے سے روک سکیں۔ فاران کی زیرک آنکھوں نے ایسی جگہ ڈھونڈ لی اور سب سے پہلے وہی خشکی پر اترا تھا' اس کے بعد ہم سب۔

چاروں طرف اونچی اونچی اور ویران چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کے گرد ریتیلی زمین تھی۔ کافی دور دور تک کوئی پودا یا پانی کا چشمہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بالکل ویران اور بے آب و گیاہ علاقہ تھا۔ جہاں برہنہ اور بدصورت چٹانوں کے رنگ ہزار سال کی گردش لیل و نہار کے باعث گہرا سیاہ پڑ گیا تھا اور انہیں دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی تھی۔ یوں لگا تھا جیسے یہ چٹانیں ان کی بے بسی کو دیکھ کر قہقہہ لگا رہی ہوں۔

پرندے یا کیڑے وغیرہ بھی نظر نہیں آ رہے تھے' البتہ چند مقامات پر گہرے پتھریلے گڑھوں میں بارش کا پانی بھرا ہوا تھا' لیکن اس میں سے ناقابل برداشت بدبو اٹھ رہی تھی اور یوں بھی اس میں ریت کی اتنی آمیزش تھی کہ اگر شدید ترین پیاس بھی لگ رہی تھی۔ تب بھی یہ پانی چکھا تک نہیں جا سکتا تھا۔

ہم سب نے کمر سے بندھی ہوئی رسیوں سے خود کو آزاد کروالیا۔ ان رسیوں کے لچھے بنا کر کندھے پر ڈال لئے گئے تھے۔ درمیان سے ٹکڑے کر کے یہ لچھے بنائے گئے تھے۔ کیونکہ ایک آدمی یہ رسی لے کر نہیں چل سکتا تھا۔ نجانے آگے ہمیں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ بہرطور سمندر میں تیر کر یہاں تک پہنچ گئے تھے' اور تھکن سے چور چور تھے۔ یوں بھی اسی وقت سے جب سے طوفان نازل ہوا تھا۔ ہم سب مسلسل جدوجہد میں مصروف تھے۔ چنانچہ زرنام کے مشورے پر سب سے پہلے یہی فیصلہ کیا گیا کہ کوئی مسطح جگہ دیکھ کر آرام کی ٹھانی جائے' اور اس وقت تک سوتے رہیں جب تک نیند پوری نہ ہو جائے۔ سب ہی نے اس بات سے اتفاق کیا۔ کیونکہ سب ہی کے بدن تھکن سے چور تھے۔ ایسی جگہ تلاش کرنے میں کوئی زیادہ وقت نہیں ہوئی۔ بس ہم سمندر سے کافی دور ہٹ گئے تھے کیونکہ پانی کا شور بہت شدید تھا اور ہماری نیند میں رکاوٹ بن سکتا تھا' لیکن نیند میں تو اس وقت صور اسرافیل بھی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ ہم سب لوگ گہری نیند سو گئے۔

پھر ہم اس وقت جاگے جب سورج ڈوب چکا تھا۔ شام کے ہولناک سائے پہاڑی چٹانوں پر اتر آئے تھے' اور چٹانیں ان میں روپوش ہو کر رہ گئیں۔ اتنی گہری تاریکی چھاتی جا رہی تھی کہ چند لمحات کے بعد ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ ہمارے پاس روشنی کا انتظام موجود تھا' لیکن اسے محفوظ رکھا گیا تھا۔ ضرورت نہ تھی روشنی جلانے کی۔ کیڑے مکوڑے تو یہاں پہلے بھی نظر نہیں آئے تھے۔ اس لئے یہ خطرہ بھی نہیں تھا کہ زمین پر کوئی ایسی چیز نظر آ جائے گی' جس کی وجہ سے ہمیں جان کا خطرہ لاحق ہو جائے۔

دن گزر گیا تھا' چنانچہ اب بھوک بھی لگ رہی تھی۔ فاران کے مشورے پر سب نے اپنے اپنے کینوس کے تھیلے کھولے' اور تھوڑی تھوڑی سی خشک غذائیں معدے میں اتار لیں۔ سمندر کی نم ہواؤں نے ہمارے بدن نم کر دیئے لیکن یہ نمی اس وقت بری لگ رہی تھی۔

صبح کو جب ہم جاگے تو سورج بلند ہو چکا تھا اور فضا میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ سیاہ چٹانیں بھی اس دھوپ میں چمک سی گئی تھیں۔ دور بہت دور بہت کافی دور ہمیں کوئی سرخ شے نظر آئی یہ شے ایک بلند جگہ نظر آ رہی تھی۔ فاران اسے دیکھنے لگا' اور پھر تھوڑی دیر دیکھتے رہنے کے بعد اس نے مجھے متوجہ کیا۔

''سر! براہ کرم دیکھئے میرا خیال ہے۔ یہاں انسانی وجود موجود ہے۔'' اس نے کہا' اور میں اس کے اشارے کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ سرخ شے مجھے بھی نظر آ گئی تھی' لیکن یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کیا ہے۔ میں نے فاران سے پوچھا' تو فاران کہنے لگا۔

''یقیناً کوئی سرخ کپڑا ہے جو فضا میں لہرا رہا ہے۔''

''اوہ......'' میرے ہونٹ سکڑ گئے۔

''کیوں؟''

"تم اس سرخ کپڑے کے بارے میں کیا اندازہ لگا سکتے ہو فاران؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن جو خیال آپ کے ذہن میں آیا ہے' وہ میرے ذہن میں بھی آیا ہے۔"

"مثلاً......" میں نے سوال کیا۔

"یہ کپڑا کسی ایسے سیاح کا بھی ہوسکتا ہے جو یہاں پہنچا ہو لیکن یہاں پھنس کر رہ گیا ہو۔"

"ہاں...... یہ ہی خیال میرے ذہن میں بھی تھا۔ اس نے ممکن ہے امداد طلب کرنے کیلئے کپڑا کسی بلند جگہ باندھ دیا ہو۔"

"ہاں...... ہوسکتا ہے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے۔" فاران نے پوچھا۔

"کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"کچھ تو کرنا ہوگا۔"

"کیا کریں' اب تو کشتی بھی ہم سے چھن چکی ہے۔"

"یہ تو ہے' لیکن زندگی کم از کم ابھی محفوظ ہے۔ یہاں رہ کر ہم زندگی بچانے کی کوئی ترکیب بھی سوچ سکتے ہیں۔ اگر کشتی ہی میں پڑے رہتے تو آپ یقین کیجیے بہت جلد ہماری زندگیوں کا خاتمہ ہو جاتا۔"

"میں متفق ہوں تم سے' اور جانتا ہوں کہ تم سمندری زندگی سے بہت اچھی طرح واقف ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"بہرحال آؤ۔ ان لوگوں سے بھی بات کر لیں' اور انہیں بھی یہ سرخ کپڑا دکھا دیں۔ ممکن ہے ان میں سے کوئی ایک ہمیں صحیح رائے دے سکے۔" فاران نے گردن ہلا دی۔

اور تھوڑی دیر کے بعد ہم نے ان سب کو وہیں جمع کر لیا۔ وہ سب اس سرخ کپڑے کے بارے میں اپنی اپنی رائے دینے لگے' لیکن ان سب کی رائے ایک دوسرے سے اختلاف نہیں رکھتی تھی۔ سب کا یہ ہی خیال تھا کہ کسی مصیبت زدہ انسان نے اپنی امداد کیلئے یہ سرخ کپڑا باندھا ہے۔

"تو پھر اس کی طرف بڑھا جائے۔" فاران نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔ یہاں ان چٹانوں میں زندگی تو نہیں گزاری جا سکتی۔ اب کوئی اور سہارا بھی نہیں رہ گیا۔" میں نے کہا' اور سب مجھ سے متفق ہوگئے۔ ابھی تک کسی نے کوئی شکایت کا لفظ نہیں کہا تھا۔ کہتا بھی کوئی کیا' حالات کچھ اس طرح تبدیل ہوئے تھے کہ اس سلسلے میں کسی کو ذمہ دار ٹھہرایا نہیں جا سکتا تھا۔ سمندری موجوں نے ہمارا رخ بدل دیا تھا' اور ہم اس جزیرے پر آ پڑے تھے۔ ویسے یہاں آنے کے سلسلے میں سب ہی نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ ہماری زندگیاں خطرے میں پڑ سکتی ہیں۔ اگر واپس آ سکے تو ایک عالیشان خزانہ لے کر آئیں گے اور اگر زندگیاں ویران

علاقے ہی میں ختم ہونا ہیں تو پھر ہو جائیں۔ اس کی پروا ابھی تک کسی کو نہ تھی' چنانچہ آپس میں ابھی تک مکمل اتحاد و اتفاق تھا' اور یہ اتحاد و اتفاق ہی ہماری زندگیوں کا ضامن ہوسکتا تھا۔

چنانچہ ہم صبر و سکون کے ساتھ کہیں پھسلوان اور کہیں کھردری چٹانوں پر سفر کرنے لگے' پر چٹانیں کہیں کہیں سے درمیان میں رخنہ بھی رکھتی تھیں جنہیں عبور کرنا زیادہ مشکل نہ ہوا' اور یوں ہم طویل سفر طے کر کے سمندر سے دور ہوتے گئے۔ اس کے بعد ہم چٹانوں کے آخری حصے تک پہنچ گئے جہاں ریتلی زمین کا سفر شروع ہونا تھا جو کھردری اور کہیں سے کہیں چٹانوں سے بھری ہوئی تھی' لیکن چٹانوں کے بالکل دامن میں ہم نے جو کچھ دیکھا' اسے دیکھ کر ہم ششدر رہ گئے۔

یہاں کئی ٹوٹی پھوٹی ہوئی کشتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ ان کے تختے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے' اور ان کشتیوں کے درمیان کہیں کہیں انسانی پنجر بھی نظر آ رہے تھے۔ ہم سب یہ دہشتناک منظر دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے۔ فاران عجیب سی نگاہوں سے اس منظر کو دیکھتا رہا' پھر اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"کیا خیال ہے' اس منظر کو دیکھنے کے بعد نیچے اترا جائے' یا نہ اترا جائے۔"

"کیا مطلب ہے اس بات سے......؟"

"پتہ نہیں نیچے کون سی ایسی جگہ ہو' جو ہمارے لئے ہولناک ثابت ہو۔ آخر یہ کون لوگ ہیں جو یہاں آ کر موت کا شکار ہوگئے۔ یہ انسانی پنجر کچھ سمجھ میں نہیں آتے' اور یہ کشتیاں...... یہ کشتیاں یہاں تک کیسے پہنچیں۔ سمندر کے کنارے تو ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ یہاں تک یہ کیسے لائی گئیں۔"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" میں نے کہا۔

"ممکن ہے کوئی سمندری طوفان انہیں چٹانوں کے اوپر سے اڑا کر یہاں لایا ہو؟"

"یہ بات ناقابل یقین ہے۔"

"فاران میرا خیال ہے ہمیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ جو کچھ بھی ہوگا وہ تقدیر ہی کا فیصلہ ہوگا آؤ نیچے چلتے ہیں۔" میں نے کہا۔ ساداں میرے پیچھے ہی کھڑا ہوا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر بولا۔

"اگر آپ لوگ نیچے جانے سے خوفزدہ ہیں تو میں سب سے پہلے نیچے اترتا ہوں۔ اگر میں زندہ سلامت رہوں اور کوئی مشکل پیش نہ آئے تو پھر آپ لوگ بھی آ جائیے۔"

"نہیں نہیں ہم میں سے کوئی بھی نہیں ڈرتا۔" فاران نے جواب دیا۔ زرنام اور میر صادق بھی ہم سے متفق ہوگئے اور ہم سب نیچے اتر گئے۔ بھوری ریتلی زمین پر پہنچ کر ہم نے ان ٹوٹی ہوئی کشتیوں کو دیکھا۔ وہ کہن سالی کا شکار تھیں اور خستہ ہوگئی تھیں' اور پھر انسانی پنجروں کو دیکھنے لگے۔ دس بارہ انسانی پنجر پڑے ہوئے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر' کہیں کہیں خالی کھوپڑیاں نظر آ رہی تھیں اور ان کے پنجر غائب تھے۔

ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون لوگ تھے' اور یہاں کس طرح موت کا شکار ہوگئے۔

ہم انہی سوچوں میں گم ان تمام اشیاء کو دیکھ رہے تھے۔

البتہ اس منظر کی دہشت سب پر چھائی ہوئی تھی۔ سوائے سادان کے۔ وہ بے جگر نوجوان نہ جانے کس طرح اتنا بے خوف اور نڈر ہو گیا تھا۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا تھا۔ سادان کی پوری زندگی ہی میرے سامنے تھی۔ اچانک اس میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں میری سمجھ سے باہر تھیں۔ وہ اب بھی پرسکون نظر آ رہا تھا' اور اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا جو ماحول سے اتنا لاپروا اور بے خبر ہو۔

بالآخر جمود ٹوٹا اور فاران بولا۔

''اس ماحول کی دہشت ناکی سے انکار نہیں کیا جا سکتا' لیکن ہمیں اس پر توجہ نہیں دینی چاہیے۔ بہرحال ہمیں آگے بڑھ کر زندگی تلاش کرنی ہے۔''

''تو ٹھیک ہے' آگے بڑھو۔'' میں نے کہا' اور ہم سب یہاں سے آگے چل پڑے۔ کھردری اور پتھریلی زمین پر تیز رفتاری سے سفر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ہماری رفتار سست تھی۔ ہم سب نے اپنے اپنے ہتھیار احتیاط سے سنبھالے ہوئے تھے۔ کیونکہ اس وقت یہ ہمارا بہترین سہارا تھے۔ آگے پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

جس جگہ ہم سفر کر رہے تھے' چڑھائی تھی۔ جب ہم نے چڑھائی عبور کر لی تو ہمیں پیلے رنگ کی جھاڑیوں کے جھنڈ نظر آئے۔ ایک لمحے کیلئے ہم یہاں پر رکے اور پھر جھاڑیوں میں داخل ہو گئے۔ گھاس تھی جو نرم تھی اور اس کے درمیان سے گزرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی' لیکن ان میں سے گزرنے کے بعد پھر کھردری زمین اور چٹانیں تھیں۔

البتہ یہاں بہت بڑی بڑی چٹانیں تھیں' اور ان چٹانوں میں سوراخ بھی نظر آ رہے تھے۔ یہ سوراخ خطرناک بھی ہو سکتے تھے۔ ممکن ہے ان میں کوئی پہاڑی جانور پوشیدہ ہو۔ چوکنے رہنے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ وہ سرخ کپڑا اب بھی کافی دور نظر آ رہا تھا اور اب مزید واضح ہو گیا تھا۔ ایک لمبے بانس میں بندھی ہوئی کوئی قمیض تھی۔ اسے دیکھ کر ہمیں اندازہ ہو گیا کہ بہرحال کوئی انسان یہاں پہنچا ضرور ہے۔ دفعتاً سادان نے کہا۔

''چچا جان ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر یہ سرخ کپڑا انسانوں یا سمندری جہازوں کو متوجہ کرنے کیلئے باندھا گیا ہے تو کیا اسے اس جگہ باندھنا تھا۔ اس کیلئے تو بہترین طریقہ یہ تھا کہ ساحل پر کسی بلند چٹان پر یہ بانس نصب کیا جاتا۔ یہاں اس کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔ سادان کی بات اس قدر جامع اور وزن دار تھی کہ میں حیران رہ گیا۔ درحقیقت سرخ کپڑا سمندر سے تو نظر نہیں آتا تھا' پھر اس کی موجودگی کیا حیثیت رکھتی ہے۔ فاران' میر صادق اور زرنام بھی ہمارے پاس ہی موجود تھے۔ وہ بھی اس مسئلے پر غور کرنے لگے' لیکن کسی کے ذہن میں یہ بات صاف نہ ہوئی' پھر ملما نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ بات کسی قدر حیرت انگیز ہے' لیکن ہمیں اس کیلئے زیادہ متردد

نہیں ہونا چاہیے۔ ٹھیک ہے' اس سرزمین پر جو کچھ بھی پیش آئے گا بھگتنا پڑے گا۔''

دوسرے لوگوں نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ہم آگے بڑھتے رہے' اور بالآخر اس بانس کے پاس پہنچ گئے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ بانس نصب کیا گیا تھا اور وہ سرخ کپڑا کسی کی قمیض ہی تھی' لیکن تاحد نگاہ خاموشی اور ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا' لیکن چند گز کے فاصلے پر ہی ایک اور انسانی ڈھانچہ نظر آیا جو بالکل ہی سوکھا ہوا تھا اور خاصا پرانا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے گردن جھٹکی۔

''بڑی ہولناک جگہ ہے۔'' میں متاثر لہجے میں بولا۔ کسی نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اتنا سفر کرنے کے بعد ہم تھک گئے تھے' چنانچہ آرام کی ٹھانی۔ زمین پر بیٹھے تو یوں محسوس ہوا جیسے اب اٹھا ہی نہیں جائے گا۔ چنانچہ باقی وقت یہیں پر گزارنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ کوئی جلدی نہیں تھی۔ بس آہستہ آہستہ سفر کرنا تھا' تقدیر جہاں بھی لے جائے۔

شام ہو گئی جگہ جگہ آگ روشن کر لی گئی تھی اور اس روشنی کیلئے ہم نے وہ خشک گھاس استعمال کی تھی جو جلنے میں بہت ہی عمدہ تھی۔ یعنی آہستہ آہستہ جلتی تھی اور جلدی آگ پکڑ لیتی تھی۔ آگ ہم نے فاصلے فاصلے سے روشن کر دی تھی اس لئے اس کی تپش یہاں تک ہمیں پہنچ رہی تھی۔

تمام سیاہ فام نوجوان بندوقیں لئے ہوئے پہرہ دے رہے تھے۔ رات کو کسی حادثے سے نمٹنے کیلئے ہم نے یہ ہی فیصلہ کیا تھا کہ دو' دو مزدور جاگ کر اپنی ڈیوٹی انجام دیں گے۔ حالانکہ کوئی حادثہ متوقع نہیں تھا۔ نہ یہاں انسان نظر آتے تھے اور نہ جانور۔ دور دور تک چٹیل میدان پھیلے ہوئے تھے۔ اگر کوئی خطرہ تھا تو صرف ان چٹانوں میں بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے غاروں سے۔ ممکن ہے ان غاروں میں کچھ پوشیدہ ہو۔

کھانے پینے سے فارغ ہو کر ہم ایک جگہ جمع ہو گئے۔ کچھ عجیب سی مایوسی ذہن میں گھر کر رہی تھی۔ اگر مطمئن تھا تو صرف ساوان۔ اس کے چہرے کی جانب دیکھ کر یہ نہیں لگتا تھا کہ وہ کسی خطرناک مہم پر نکلا ہوا ہے اور اسے واقعات کی کوئی تشویش ہے۔ وہ ہم سے کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا اور شاید کسی سوچ میں گم تھا۔ اس لئے ہم نے اسے اپنے درمیان شریک کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر اس کا دل چاہتا تو خود ہی یہاں پہنچ جاتا۔

فاران نے بھی سادان کی یہ کیفیت محسوس کی تھی۔ چنانچہ وہ کہنے لگا۔

''مجھے اس نوجوان پر سخت حیرت ہوتی ہے۔ یہ حالات سے کس قدر بے پروا ہے۔ جیسے ان واقعات پر اسے کوئی تشویش نہ ہو۔''

''خیر یہ تو ناممکن ہے کہ مسٹر سادان کو ان واقعات کا کوئی اندازہ نہ ہو' لیکن وہ حد سے زیادہ نڈر نوجوان ہے۔'' زرنام نے اپنی رائے ظاہر کی۔

''ہاں...... وہ ان حالات سے بالکل لاپروا نظر آتا ہے۔ شاید وہ ضرورت سے زیادہ دلیر اور

لا پروا ہے۔'' میر صادق نے بھی بولنا مناسب سمجھا۔ میں خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ فاران نے کہا۔

''ویسے ہم اس حادثے کا شکار ہو کر اپنی منزل کھو بیٹھے ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ کہ یہ جزیرہ کتنا وسیع و عریض اور بڑا ہے۔ جزیرہ ہے بھی یا نہیں کیونکہ...... ساحل پر کھڑے ہو کر بھی ہی محسوس ہوتا ہے کہ اس کا کوئی موڑ نہیں ہے' اور یہ زمین دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ ہم صحرائے اعظم میں داخل ہو چکے ہوں۔'' فاران نے کہا۔

''ہاں میں خود بھی اس موضوع پر سوچ چکا ہوں۔ اگر ہم صحرائے اعظم میں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں تک کا سفر نا کام نہیں رہا۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' فاران بولا۔

''بہر طور کرنا کیا ہے اور اب ہم کتنی دور چلیں گے اور کب تک یہ بے مقصد سفر کرتے رہیں گے۔'' زرنام بولا۔

''دیکھو مسٹر زرنام۔ اس سفر کو بے مقصد تو کہا نہیں جا سکتا اگر حالات ہمارا ساتھ دیتے تو اس منزل تک پہنچ جاتے' لیکن کسی بھی مہم میں اس قسم کے واقعات تو متوقع ہوتے ہی ہیں۔ اب تقدیر کے فیصلوں کا انتظار کرنا چاہیے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ اپنے نقشوں کے ذریعے اس جگہ کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے......؟'' میر صادق نے مجھ سے سوال کیا۔

''نہیں...... اگر ہم اپنی منزل کی جانب سیدھے روانہ ہوتے تو میں یقین کر سکتا تھا کہ ہم کون سی سمتوں میں سفر کرنا ہے۔ نقشے آپ کے سامنے موجود ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ان پر غور کر سکتے ہیں' ہمیں تو یہاں ابھی تک کوئی ایسی علامت نہیں ملی' جس سے ہم اس جگہ کا تعین کر سکیں۔'' میں نے جواب دیا۔ بات معقول تھی۔ فاران نے کہا۔

''ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے تقدیر بھی کوئی حیثیت رکھتی ہے۔ جو بھی اس نے ہمارے لئے متعین کیا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔''

''میں بھی آپ سے متفق ہوں مسٹر فاران۔ ...... اور شاید سادان اس بات پر بہت زیادہ بھروسہ رکھتا ہے اس لئے اس نے ابھی تک فکر بھی نہیں کی۔'' میں نے سادان کی پوزیشن صاف کرتے ہوئے کہا۔ مجھے خدشہ تھا کہ ان لوگوں کو شبہ نہ ہو جائے۔ سادان کی حد سے زیادہ لاپروائی ان لوگوں کیلئے شبہ کا باعث بن سکتی تھی۔ میں نے یہ بھی فیصلہ کیا تھا کہ سادان کو سمجھاؤں گا کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ شریک رہے' اور ان سے الگ رہنے کا مظاہرہ نہ کرے ورنہ حالات ہمارے لئے نقصان دہ ہو سکتے ہیں۔ رات آرام کیلئے ہی تھی۔ کب تک باتیں کرتے رہتے۔ نیند آئی اور سو گئے۔ دو جوان جاگ رہے تھے' اور پھر اس وقت آنکھ کھلی' جب بندوق کی آواز فضا میں گونجی۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔

میں ہی نہیں تمام لوگ جاگ گئے تھے۔ ایک سیاہ فام نوجوان نے گولی چلائی تھی۔ ہم سب اس کے قریب پہنچ گئے تھے۔

''کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہ ادھر چٹان کے پیچھے مجھے کوئی دوڑتا ہوا نظر آیا تھا۔'' سیاہ فام نے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اور تم نے اس پر گولی چلا دی؟''

''ہاں...... نجانے کون تھا؟'' سیاہ فام نوجوان نے کہا۔

''اوہ...... چلو دیکھیں کہیں کوئی انسان ہی نہ ہو۔'' میں نے کہا۔ چند افراد کو ہم نے یہاں چھوڑ دیا اور باقی سب بندوقیں سنبھال کر اس نوجوان کے ساتھ آگے بڑھ گئے' جس نے گولی چلائی تھی۔ وہ نوجوان پوری طرح چوکنا تھا۔ رائفل کے ٹرائیگر پر اس نے انگلی رکھی ہوئی تھی اور وہ پوزیشن لئے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔

چند لمحات کے بعد ہم اس چٹان کے نزدیک پہنچ گئے' جہاں نوجوان نے کسی کو دوڑتے ہوئے دیکھا تھا۔

اور دوسرے لمحے میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ چٹان کے عقب میں ایک ننگ دھڑنگ آدمی بیٹھا تھا۔ ستاروں کی دھندلی روشنی میں اس کا ہیولا نمایاں تھا۔ اس کے پاؤں میں گولی لگی تھی اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے زخم کو پکڑے ہوئے بیٹھا تھا۔ آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا۔ ہم سب اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ یہ شخص مہذب دنیا کا باشندہ ہی معلوم ہوتا تھا لیکن غیر مہذب انداز میں اس کے بال بکھرے ہوئے تھے' داڑھی بڑھی ہوئی تھی لیکن برہنہ تھا۔ حالانکہ وہ قوی ہیکل' تندرست و توانا معلوم ہوتا تھا۔

گولی نے اس کی پنڈلی کا گوشت پھاڑ دیا تھا اور دوسری طرف نکل گئی تھی۔ میں نے جلدی سے ایک کپڑا نکالا اور اس کے زخم پر کسنے کیلئے اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ دوسرے لوگوں نے رائفلیں تان لی تھیں تاکہ اگر وہ شخص کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے تو اس سے نمٹا جا سکے۔ میں نے اس بات کی پروا نہیں کی تھی۔ چند لمحات کے بعد میں نے رومال کس کر اس کے زخم پر باندھ دیا۔ وہ نرم نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا اور اس کے حلق سے کراہیں نکل رہی تھیں۔

''کون ہو تم؟'' اس کام سے فارغ ہو کر میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔ اس نے آہستہ سے گردن اٹھائی اور انتہائی نحیف آواز میں بولا۔

''مجھے سہارا دو' لٹا دو۔'' زبان انگریزی تھی۔ لہجہ بھی درست ہی تھا۔ یقینی طور پر وہ تعلیم یافتہ اور مہذب آدمی ہی تھا۔ شاید وہی جس نے اپنی مدد کیلئے بانس پر کپڑا لٹکایا تھا' اور میں نے اس کا سر اپنے زانوں پر رکھ لیا۔

زرنام، میر صادق، سادان اور میں اس کے گرد بیٹھ گئے تھے۔

"ہمیں بہت افسوس ہے کہ تم ہمارے ایک آدمی کی گولی سے زخمی ہو گئے۔ مگر تم ہو کون یہاں ان حالات میں مادر زاد برہنہ۔ یہ کیا قصہ ہے؟"

"مجھے اپنی برہنگی کی کوئی فکر نہیں تھی لیکن اب تم آ گئے ہو تو براہ کرم کوئی کپڑا میرے بدن پر بھی ڈال دو۔ اس نے درد بھرے لہجے میں کہا، اور زرنام نے جلدی سے اپنی قمیض اتار کر اس کے جسم کے نچلے حصے پر ڈال دی۔

"شکریہ۔" وہ کمزور آواز میں بولا۔

"تمہارے زخم کی کیا کیفیت ہے؟ ویسے گولی پنڈلی میں گھسی نہیں بلکہ اسے رگڑتی ہوئی نکل گئی ہے۔"

"شاید مجھے شدید تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔ بہرحال تمہارا شکریہ کہ تم نے اتنی ہمدردی کا ثبوت تو دیا۔ یقینی طور پر تم نے مجھے کوئی جانور سمجھ کر گولی چلائی ہوگی۔" اس نے شستہ لہجے میں کہا۔

"ہاں...... بس یہ غلطی ہو گئی۔ ہمیں بہت افسوس ہے۔ میرا خیال ہے انہیں اٹھا کر اس جگہ لے چلو جہاں ہمارا ساز و سامان رکھا ہوا ہے...... ڈاکٹر زرنام اس سلسلے میں اس کی مدد کر سکیں گے۔"

"ہاں...... کیوں نہیں۔ میں بھی یہی کہنے والا تھا۔" زرنام نے کہا اور ہم اسے بازوؤں میں سنبھالے ہوئے وہاں لے آئے جہاں ہمارا ساز و سامان رکھا ہوا تھا۔ زرنام نے پہلے اپنا عمل شروع کر دیا۔ اس کے زخم پر باقاعدہ بینڈیج کر دی گئی تھی۔ اس کے بعد زرنام نے اسے ایک انجکشن دیا جس سے اس کے پاؤں کی تکلیف کم ہو سکتی تھی، اور تھوڑی دیر بعد شاید اسے درد میں کچھ سکون محسوس ہوا۔ اس کی آنکھوں میں ممنونیت کے آثار تھے۔ ہم سب یہ تشویش زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر میں نے پوچھا۔

تمہارے علاوہ یہاں کوئی نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی؟ میں نے اس سے سوال کیا۔

"نہیں کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہوگی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

سادان نے جلدی سے چند بسکٹ نکالے اور اس کے بعد ان پر مکھن وغیرہ لگا کر انہیں اس کے سامنے پیش کیا۔ اس نے جلدی جلدی وہ تمام بسکٹ حلق میں ٹھونس لئے، پھر سادان نے اسے پانی پیش کیا اور وہ کافی حد تک مطمئن نظر آنے لگا، پھر وہ سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہیں ہم سب کی طرف باری باری اٹھ رہی تھیں، اور پھر اس نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم سب لوگ بھی کسی لالچ کے تحت ہی یہاں آئے ہو گے۔ سونا، ہیرے، ہاتھی دانت یا وہ خزانے جو صحرائے اعظم کی زندگی سے منسوب ہیں؟"

"تو کیا...... تو کیا یہ افریقہ کا کوئی جزیرہ ہے؟" فاران نے بے صبری سے سوال کیا۔

"جزیرہ......" وہ متحیرانہ انداز میں بولا۔ "یہ جزیرہ تو نہیں ہے، بلکہ صحرائے اعظم کا ایک ساحل ہے۔"

"اوہ...... اوہ...... ویری گڈ۔ گویا یہاں سے ہم افریقہ کے اندرونی علاقوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔"

"اندرونی علاقے۔" اس نے پھر ہم لوگوں کو حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ "یہ افریقہ کا اندرونی علاقہ ہی ہے۔ میرے دوستو! نجانے تم کس تصور میں بھٹکے ہوئے ہو۔"

"اچھا، اچھا۔ یقیناً ہو گا۔ ظاہر ہے تم اس کے بارے میں بہتر جانتے ہو، لیکن تم یہاں کب سے ہو؟"

"کب سے۔ میرا خیال ہے مجھے یہاں ایک سال سے زیادہ ہو گیا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"تنہا۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں تنہا...... بالکل تنہا۔ یہ ویرانے میرے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتے۔ یہاں کوئی جاندار نہیں ہے۔ دور دور تک نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"تو پھر تم زندگی کس طرح گزارتے ہو۔" میں نے پوچھا۔

"قدرت نے ساحل سمندر پر ہمارے لئے غذا کا بندوبست کر دیا ہے لیکن ہم یہاں سے نہیں جا سکتے۔ چٹانوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے رخنوں میں مچھلیاں آ پھنستی ہیں اور وہی ہماری زندگی کا باعث بنتی ہیں۔ جب تک زندگی ہے جی رہے ہیں اور جس دن موت آئے گی وہ دن ہماری نجات کا دن ہو گا۔" قوی ہیکل شخص نے مایوس لہجے میں کہا۔

"تم تندرست و توانا ہو۔ اس قسم کی مایوسی اچھی نہیں ہوتی۔ اپنے بارے میں کچھ اور بتاؤ گے یہاں کیسے آ پھنسے؟"

"کوئی نئی کہانی نہیں ہے۔ ایک جہاز میں سیکنڈ آفیسر تھا۔ جہاز تباہ ہو گیا، آگ لگ گئی تھی اس میں۔ بہت سے لوگوں نے زندگی بچانے کیلئے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ میں بھی انہی میں سے ایک تھا اور پھر زندگی لہروں کے دوش پر گھسیٹتی ہوئی یہاں تک لے آئی۔ اس تنہا اور ویران علاقے میں میں نے زندہ رہنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ یہاں سے نکلنے میں بہت خطرہ ہے۔ عظیم الشان دلدلیں پھیلی ہوئی ہیں۔ جو زندہ ہیں اور ہر جاندار کو ہڑپ کرنے کے انتظار میں آنکھیں بچھائے رہتی ہیں۔

ہولناک جنگل ہیں، جن میں وحشی درندے بستے ہیں۔ ان جنگلوں کو عبور کرنا ناممکن ہے۔ بائیں سمت کے دلدلی جنگل کو چھوڑ کر دائیں سمت سفر کیا جائے تو خوفناک درندے منتظر رہتے ہیں، اور

دائیں سمت چھوڑ کر بائیں سمت سفر کرو تو ان خوفناک دلدلوں میں بنی ہوئی پگڈنڈیوں سے گزرنا ممکن ہے۔ کئی بار جی چاہا کہ خوفناک دلدلوں میں کود کر جان دے دوں لیکن زندگی بڑی پیاری چیز ہوتی ہے۔ میں یہ نہ کر سکا اور بالآخر ان ساحلوں پر آ گیا۔ یہاں زندگی گزار رہا ہوں' موت کے انتظار میں۔''

''اوہ ..... بڑی ہولناک کہانی ہے تمہاری۔ خاص طور سے تمہاری یہ تنہائی۔ یقینی طور پر تنہا ان ویرانوں میں زندگی بسر کرنا موت سے بھی بہتر ہوگا' لیکن تم نے یہاں سے نکلنے کی کوئی اور کوشش نہیں کی؟''

''میں نے کہا نا ں۔ تین اطراف ہیں۔ ایک سمت سمندر کی اور دوسری سمت جنگلوں کی اور تیسری دلدلوں کی۔ ہر طرف موت ہی موت ہے۔ بس اس کا منتظر تھا کہ اگر زندگی باقی ہے اور مہذب دنیا دیکھنا نصیب میں ہے تو ممکن ہے کہ کوئی بھولا بھٹکا جہاز اس طرف آ جائے۔''

''یہ بانس اور اس پر سرخ کپڑا تم نے ہی لٹکایا ہے۔''

''ہاں یہ میری ہی کوشش تھی۔ پہلے یہ بانس اور کپڑا سمندر کے کنارے لگا ہوا تھا لیکن تیز ہوائیں اسے کئی بار سمندر میں لے جا چکی ہیں۔ چنانچہ میں نے اسے وہاں سے ہٹا کر یہاں اس جگہ لگایا ہے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ کوئی کبھی اس طرف آ جائے گا' لیکن تم' تم یہ بتاؤ کہ تم زندہ سلامت یہاں تک کیسے پہنچے۔ یہ چٹانیں تو بہت ہولناک ہیں۔ بہت سی کشتیاں جو سمندری جہازوں سے بچ کر یہاں پہنچیں' ان چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں۔ سمندری طوفان ان کشتیوں کو نجانے کہاں سے کہاں لے جاتا ہے اور اس میں سوار آدمی زندہ نہیں بچتے ہیں۔''

''ہم نے چند کشتیاں ان چٹانوں کے اس طرف دیکھی ہیں۔ یہ آخر کس طرح؟''

''تم کیا سمجھتے ہو سمندر کا پانی مخصوص دنوں میں ان چٹانوں کو عبور کر لیتا ہے اور اس ریتلی زمین تک پہنچ جاتا ہے۔ کشتیاں بہ آسانی ان چٹانوں کے اوپر سے گزر کر یہاں تک آ جاتی ہیں۔''

''خدا کی پناہ'' اتنی بلندیاں۔''

''ہاں...... بہت دور دور تک سمندری پانی ہوتا ہے۔ یہ جگہ جہاں تم اس وقت بیٹھے ہوئے ہو بعض اوقات پانی سے بھر جاتی ہے۔'' اس نے جواب دیا اور ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ سمندری لہروں کا یہ خوفناک کارنامہ ہمارے لئے بہت تعجب خیز تھا کیونکہ وہ چٹانیں بہت ہی بلند تھیں۔ بہر طور یہ شخص تو یہاں رہ چکا تھا اس لئے جھوٹ نہ بول رہا ہوگا۔ ہمیں اس سے کافی ہمدردی ہوئی' پھر فاران نے کہا۔

''میرا خیال ہے' مسٹر میر صادق آپ کا لباس ان صاحب کے جسم پر پورا آ سکتا ہے۔ آپ انہیں اپنا کوئی لباس دے دیں۔''

''ضرور۔'' میر صادق نے جواب دیا اور لباس نکالنے چلا گیا' پھر سادان نے اس سے سوال

''ویسے آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟''

'پراڈو سے اور میرا نام تھمسن ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''ہوں۔'' سادان پرخیال انداز میں اسے دیکھ کر گردن ہلانے لگا۔ میر صادق نے اسے اپنا

ں پیش کر دیا۔

''تم یہ لباس پہن لو۔'' میر صادق نے کہا اور وہ لباس دیکھ کر ہنسا اور پھر کہنے لگا۔

''مجھے صرف ذیلی بدن کیلئے کوئی کپڑا درکار ہے۔ یقین کرو لباس پہننے کی عادت ہی اب ختم

ئی ہے۔''

''تو یہ پتلون پہن لو۔ اوپری بدن برہنہ رہنے دو۔'' میر صادق نے جواب دیا اور اس نے اکی ہدایت پر عمل کیا۔ بڑی بے تکلفی سے وہ سب کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ صرف ٹانگ کے زخم کی ے تھوڑی سی لنگڑاہٹ کا شکار تھا' ورنہ اس کے بدن میں اور کوئی کمزوری نظر نہیں آتی تھی۔ تھوڑی پہلے جو اس کی کیفیت تھی وہ اب ختم ہو گئی تھی۔

پتلون کا پائنچہ اس کے بدن سے ہٹا دیا گیا تھا۔ اس نے اپنے اعضاء کو متحرک کرتے ہوئے

''تم نے بتایا نہیں کہ تم لوگ یہاں تک کس طرح پہنچے؟''

''وہی کہانی ہماری بھی ہے' جو تمہاری ہے۔ ہمارا جہاز بھی تباہ ہو گیا تھا۔ ایک بڑی لانچ کے لیے ہم سمندر میں سفر کرنے لگے' لیکن سمندری طوفان نے ہماری لانچ کو ان علاقوں کی طرف مار دیا اور ہم بہر طور ان چٹانوں تک پہنچ گئے۔ ہم نے لانچ بہت دور چھوڑ دی اور تیر کر ان چٹانوں پہنچے ورنہ لانچ چٹانوں سے ٹکرا بھی سکتی تھی۔

''سو فیصدی۔ اس کے بعد تمہارے اعضاء فضا میں بکھرے پڑے ہوتے۔ میں اپنی آنکھوں ایسے کچھ مناظر دیکھ چکا ہوں۔'' تھمسن نے بتایا۔

''مسٹر تھمسن کیا آپ ہمیں ان جنگلوں تک لے جا سکتے ہیں' جہاں سے آگے گزرنے کا ہے۔ دلدلوں کی سمت تو آگے سفر کیا جا سکتا ہے لیکن اب چونکہ ہم کافی تعداد میں ہیں اس لئے ع ہو کر ان جنگلوں سے گزر سکتے ہیں۔'' تھمسن پرخیال نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''ہاں۔ تم لوگ کم از کم مسلح ہو اور کسی بھی خطرے سے نمٹ سکتے ہو' لیکن یہ بات میری سمجھ یں آئی کہ جہاز کی تباہی کے بعد فرار ہوتے ہوئے بھی تم اچھا خاصا ایمونیشن ساتھ لے آئے اس نے ایک چبھتا ہوا سوال کیا۔

دراصل اس سوال کا ہمارے پاس کوئی موزوں جواب نہیں تھا لیکن فاران جلدی سے بولا۔

''ہم افریقہ کے اندرونی علاقوں میں مہم کیلئے نکلے تھے اور پوری طرح چاق و چوبند تھے۔

ہمارا پروگرام یہ ہی تھا کہ افریقہ کے کسی ساحل پر نکلیں اور پھر وہاں سے اندرونی علاقوں میں دا
ہوں۔ ہمارے پاس اس مقصد کیلئے یہ ایمونیشن موجود تھا جو ہم نے جان بچاتے ہوئے بھی جان
زیادہ قیمتی رکھا اور اسے لئے ہوئے لانچ پر اتر گئے۔'' ٹھمسن عجیب سی نگاہوں سے ہمیں دیکھ
صاف ظاہر تھا کہ اسے ہماری اس بات پر یقین نہیں آیا تھا' پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر

''ظاہر ہے افریقہ میں داخل ہونے کی وجہ یہاں کی روایات ہی ہوں گی' جسے اس سے
غرض نہیں ہے۔ ہاں اگر تم میرا بوجھ برداشت کرنا پسند کرو تو میں تمہیں ان جنگلوں کی سمت لے جا
گا اور تم اگر زندہ بچ کر نکل گئے تو شاید میں بھی بچ جاؤں۔ ورنہ میں تو یہاں ان پہاڑوں میں چا
میں موت کا انتظار کر رہا ہوں۔''

''بالکل بے فکر رہو۔ ہم تمہارا پورا پورا خیال رکھیں گے۔'' میں نے کہا اور وہ مطمئن نظر آ
لگا' پھر بولا۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ بہت عرصے بعد میں نے اپنے جیسے انسانوں کو دیکھا ہے' کسی
بات کی ہے۔ ورنہ یقین کرو میں تو اپنی زبان بھی بھولتا جا رہا تھا۔'' ہمیں اس کی کیفیت کا احسا
بہرطور ہم نے اسے سونے کیلئے کہا اور پھر ہم خود بھی لیٹ گئے۔ اس شخص کے مل جانے سے وہ م
حل ہو گیا تھا' جو ہمارے ذہن میں کھٹک رہا تھا' لیکن اس کے بعد یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ یہاں
افریقہ کے اندرونی ملکوں میں داخلہ بہت مشکل ہے۔ تاہم مشکلات سے نمٹنے کیلئے ہی تو ہم نے یہ
کیا تھا۔

سب لوگ نیم غنودہ سے ہو گئے تھے لیکن سادان جاگ رہا تھا۔ دوسرے دونو جوانوں
اب ڈیوٹی سنبھال لی تھی۔ ہر چند کہ یہاں اس آدمی کی موجودگی اور اس کی سنائی ہوئی کہانی کے
پہرے کی ضرورت نہیں تھی' لیکن چونکہ یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ پہرہ دیا جائے گا اس لئے
مزدوروں کی ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد دو دوسرے مزدوروں نے ڈیوٹی خود بخود سنبھال لی تھی۔

سادان کھسکتا ہوا بالکل میرے قریب پہنچ گیا اور بولا۔

''میں محسوس کر رہا ہوں چچا جان کہ آپ جاگ رہے ہیں؟'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں...... ظاہر ہے ان حالات میں پرسکون نیند تو مشکل سے ہی آ سکتی ہے۔ یا پھر
وقت جب ہم تھکن سے چور ہو گئے ہوں۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے۔'' سادان نے جواب دیا۔

''خود تمہاری کیا کیفیت ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''چچا جان میں بہت مطمئن ہوں۔ کوئی الجھن یا پریشانی کی بات نہیں۔ ویسے ایک با
عرض کروں آپ سے؟'' سادان نے کہا۔

''ہاں...... ہاں کہو۔''

''یہ شخص مجھے مشکوک نظر آتا ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''کون؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''یہ ہی ٹھمسن۔''

''کیوں؟''

''اس کی وہ کیفیت نہیں جو ہونی چاہیے' آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اگر خوراک بھی ملتی رہے تو اس
مانے میں ذہنی قوتیں بحال رہ سکتی ہیں۔ آدمی تنہائی سے پاگل ہو جائے لیکن یہ شخص ہوش و حواس
یں ہے۔''

''ممکن ہے وہ بہت زیادہ مضبوط قوت ارادی کا مالک ہو۔ ممکن ہے وہ اپنے آپ پر قابو پاتا
ہا ہو۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ کچھ لوگ زبردست قوت ارادی رکھتے ہیں
لن اس قوت ارادی کو قائم رکھنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ تاہم جب یہ ہمارے لئے غلط ثابت نہیں
تا ہم خواہ مخواہ اس کے چکر میں کیوں پڑیں۔'' سادان نے خود ہی بات ختم کر دی۔

''غلط کس طرح ثابت ہو گا سادان۔ ایک تن تنہا آدمی بھلا ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے۔'' میں نے
ہا اور سادان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے لیٹا ہوا آسمان کو گھورتا رہا۔

''اس کے علاوہ اگر تمہارے ذہن میں کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ۔'' میں نے اسے مخاطب کیا
لن اس نے کروٹ بدل لی تھی۔ اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا تو میں بھی خاموش ہو گیا۔

بہرطور وہ نوجوان تھا۔ اس کے ذہن میں بہت ساری باتیں آ سکتی تھیں۔ زیرک بھی تھا۔ جو
چھ اس نے سوچا تھا ایک طرح سے مناسب تھا لیکن بظاہر مجھے کوئی ایسی بات نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں
ی سو گیا۔

اور دوسری صبح جب ہم جاگے تو سورج ہمارے سروں پر آ چکا تھا۔ کافی دیر ہو گئی تھی۔ ٹھمسن
لے جاگ رہا تھا اور ایک چٹان سے ٹیک لگائے بیٹھا خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ ہم سب اپنے اپنے
مولات میں مصروف ہو گئے۔ میں نے اس سے خیریت پوچھی تو وہ مسکرا کر بولا۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''سفر کیلئے تیار ہو۔''

''ہاں۔''

''چلو اچھا ہے۔''

''میں ایک مضبوط آدمی ہوں۔ خاص طور پر ان چٹانوں کے درمیان زندگی بسر کرتے کرتے
ف کا احساس میرے ذہن سے نکل چکا ہے۔ اگر تم تھوڑی سی عنایت کرو تو ایک بیساکھی قسم کی کوئی
مجھے دے دو تاکہ میں اس کے سہارے چل سکوں۔''

"اگر تمہیں چلنے میں کوئی دقت ہے تو ہم تمہیں ایک اسٹریچر پر لٹا لیں گے۔ ہمارے پاس اس کا بندوبست بھی موجود ہے۔"

"نہیں نہیں...... اب میں اتنا بھی نکما نہیں ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

شکل وصورت سے وہ خاصا وحشی نظر آتا تھا لیکن اس کا انداز گفتگو بہت نرم تھا۔ اس کے وحشی نظر آنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ اس نے ایک طویل عرصہ ان چٹانوں میں گزارا تھا اور اس کے اندر انسانی صفات ختم ہو گئی تھیں، لیکن اپنے جیسے انسانوں کے درمیان آ کر اس نے پھر سے اپنی یادداشتیں بحال کر لی تھیں۔

ہلکا پھلکا سا ناشتہ ہوا اور اس کے بعد پھر سفر شروع ہو گیا۔ تھمسن کو فاران نے سہارا دیا ہوا تھا۔ ویسے اس کو ایک بیساکھی بھی مہیا کر دی گئی تھی، لیکن وہ بڑے اطمینان سے سینہ تانے چل رہا تھا۔ بیساکھی سے چلتے ہوئے ایک ہلکی سی لنگڑاہٹ اس کے اندر پیدا ہو گئی تھی لیکن اس کی چال میں کسی قسم کی کمزوری نہیں تھی، یا تھکن کے آثار نہیں تھے، اور وہ ہماری رفتار سے ہمارا ساتھ دے رہا تھا۔

سفر جاری رہا۔ راستے میں تھمسن نے بتایا کہ یہ جگہ بلندی پر ہے لیکن یہ بلندی کچھ اس طرح کی ہے کہ محسوس نہیں ہوتی۔ یوں لگتا ہے کہ سیدھا راستہ دور چلا گیا ہے لیکن تھوڑی دور جانے کے بعد ڈھلان شروع ہو جاتے ہیں، اور ان ڈھلانوں میں ہی دلدلیں اور جنگل بکھرے ہوئے ہیں۔

سورج کے ساتھ ساتھ ہمارا سفر جاری رہا۔ ہم میں سے کوئی بھی یہ سفر ختم کرنے کیلئے تیار نہیں تھا، جب تک کہ شام نہ ہو جائے اور یہی ہوا بھی۔

سفر کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی، لیکن ہم اتنی دور نکل آئے تھے کہ اب سمندر کا نام ونشان بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ غالباً ہم نے آٹھ یا دس میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا، پھر جس وقت شام ہوئی تو ہم نے ان بلندیوں کے ڈھلان دیکھے۔

یہ ڈھلان ناقابل عبور نہیں ہے اور اس کے دوسری جانب جنگل پھیلا ہوا تھا۔ بائیں سمت کافی دور ہٹنے کے بعد سپاٹ میدان تھے جہاں ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔

یقیناً یہ دلدلیں تھیں اور دھواں چھوڑتی ہوئی دلدلیں جس قدر خطرناک ہوتی ہیں، ان کا تصور بھی انسان کیلئے مشکل ہے۔ ان دلدلوں کے نیچے آتش فشاں ہوتے ہیں اور بعض جگہ یہ اس قدر کھولتی ہوتی ہیں کہ کوئی بھی جاندار اگر اس میں گر پڑے تو جھلس کر رہ جائے۔ بہرطور ہمیں، دلدلیں چھوڑ کر دوسرا رخ اختیار کرنا تھا۔

جنگل گھنے ضرور تھے، لیکن ہماری تعداد اتنی تھی کہ ان گھنے جنگلوں میں ہم اپنے بچاؤ کا انتظام کرتے ہوئے سفر کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہ سفر ہمیں مشکل نہ محسوس ہوا، البتہ ہم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ رات کو ہم یہیں قیام کریں گے اور کل دن کی روشنی میں، ان ڈھلانوں کو عبور کر کے جنگل میں داخل

ہو جائیں گے۔ چنانچہ بہتر جگہ کا انتخاب ہونے لگا۔

یہاں دور دور تک ویسی ہی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں، جیسی ہم پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ ان چٹانوں میں زیادہ غار تو نظر نہیں آ رہے تھے لیکن بہرطور کہیں کہیں سے کھوکھلی ضرور محسوس ہوتی تھیں۔

ہم نے ایک مسطح سا گول میدان منتخب کر لیا اور اس میں پڑاؤ ڈال لیا۔ آج ہمارے پاس جلانے کیلئے کوئی چیز نہیں تھی لیکن اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی، البتہ یہ احساس دل میں ضرور تھا کہ جنگل کی سمت سے جنگلی جانور اس طرف آ سکتے ہیں۔ تھمسن سے اس سلسلے میں سوال کیا گیا تو اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... جنگل میں درندے موجود ہیں لیکن وہ ان ڈھلانوں کو عبور کر کے کبھی چٹانوں تک نہیں آتے۔ آج تک میں نے کسی درندے کو اوپر آتے نہیں دیکھا۔"

"اس کی وجہ؟"

"خدا جانے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن کوئی درندہ جنگل کو عبور کر کے اوپر تک نہیں آیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہاں اسے کسی جاندار کی موجودگی کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔" تھمسن نے جواب دیا۔

"شاید یہی بات تمہیں بھی محفوظ رکھے ہوئے ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور تھمسن بھی مسکرانے لگا۔

"پتہ نہیں کون سی بات مجھے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

ہم لوگ آرام کرنے لگے۔ پہرے پر موجود دونوں مزدور مستعد تھے۔ حسب معمول یہی طے کیا گیا تھا کہ دو گھنٹے کے بعد ان کی ڈیوٹی بدل دی جائے گی، پھر نجانے وہ رات کا کون سا پہر تھا جب ایک تیز چیخ فضا میں لہرائی اور میری آنکھ کھل گئی۔

آخری رات کا چاند آسمان پر کھلا ہوا تھا اور اس کی مدھم روشنی نے آسمان اور منور کر رکھا تھا۔

ابتدائی لمحات تو چیخ کی وجہ میری سمجھ میں نہ آ سکی، لیکن اس کے بعد یہ احساس میرے ذہن سے زائل نہ ہوا کہ میں نے کوئی آواز سنی ہے۔ دونوں کہنیاں زمین پر ٹکاتے ہوئے، میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں لیکن ماحول میں کوئی تبدیلی مجھے نظر نہ آئی۔ سب سو رہے تھے۔ ممکن ہے یہ بات میری سماعت کا واہمہ ہو۔ میں نے سوچا اور کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

لیکن لیٹے ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی اور ذہن دوبارہ نیند کی آغوش میں پہنچا بھی نہیں تھا کہ دفعتاً بہت سے قدموں کی آواز سنائی دی، اور پھر عجیب وحشیانہ سی چیخیں ابھرنے لگیں۔ اب شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں اچھل کر رہ گیا، لیکن اس وقت گدی سے ایک ٹھنڈی چیز آ لگی۔ میں نے وحشت زدہ انداز میں پلٹ کر دیکھا اور جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر متحیر رہ گیا۔

تھمسن تھا، جس کی بغل میں اب بیساکھی نہیں تھی وہ بڑے اطمینان سے تنا ہوا کھڑا تھا۔

یوں لگا تھا جیسے اس کی ٹانگ کا زخم اچانک ٹھیک ہو گیا ہو۔ اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی رائفل کی نال میری گردن پر ٹکی ہوئی تھی۔

میں نے ہوش و حواس قائم کرنے کی کوشش کی۔ یہ منظر ناقابل یقین تھا' لیکن اطراف میں دوسرے ناقابل یقین منظر بھی بکھرے ہوئے تھے۔

وہ تقریباً بارہ تیرہ افراد تھے جو تھمسن ہی کی طرح بالکل تنہا تھے' اور ان کے ہاتھوں میں رائفلیں دبی ہوئی تھیں۔ سب کے سب سوتے ہوئے لوگوں پر رائفلیں تانے کھڑے تھے' اور سونے والے غالباً ان کی ٹھوکروں سے آہستہ آہستہ جاگ رہے تھے۔ درحقیقت یہ منظر خواب سا محسوس ہوتا تھا۔ یہاں ان لوگوں کی موجودگی کیسے ممکن تھی۔ اس ویرانے میں تو تھمسن کے سوا کوئی نہیں تھا۔ میں نے غور سے دیکھا تو یہ مجھے تھمسن ہی کی نسل کے آدمی محسوس ہوئے۔ میرے عین سامنے جو شخص رائفل تانے کھڑا ہوا تھا' اسے دیکھ کر ایک لمحے کیلئے میری پلکیں جھپک گئیں۔

یہ کوئی عورت تھی۔ لباس سے بے نیاز' اپنے آپ سے بے نیاز' وحشت خیزی کا جیتا جاگتا نمونہ' بڑے عجیب سے انداز میں کھڑی ہوئی تھی۔ جسے دیکھ کر ذہن پر قابو پانا مشکل ہو جائے' لیکن اسے اپنی کوئی فکر نہیں تھی۔ وہ تو رائفل کی نال سے میر صادق کے سینے کو کھٹکھٹا رہی تھی۔ میر صادق بھی خوفزدہ سا ہو کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

چھ مزدور بھی ان کی رائفلوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے' اور وہ دو جو پہرہ دے رہے تھے' بے ہوش پڑے تھے۔ یقیناً ان پر حملہ کر کے انہیں یا تو ہلاک کر دیا گیا تھا۔ یا پھر بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ اوہ...... وہ چیخ کی آواز ان میں سے شاید کسی کی ہوگی' اور یہ رائفلیں' یہ ہمارے علاوہ کسی اور کی نہیں تھیں۔ ہمارے پستول بھی ان لوگوں نے اپنے قبضے میں کر لئے تھے۔ گویا وہ ہم سب پر قابو پا چکے تھے' لیکن کیسے؟...... آخر کیسے؟

اس ناقابل یقین منظر پر کیسے یقین کیا جا سکتا تھا۔ تنہا' تھمسن! اور پھر اس کی کہانی اور اس کے بعد یہ سب کے سب۔

ہوش و حواس پوری طرح جاگ اٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان میں اچھی تعداد عورتوں کی بھی تھی۔ تقریباً دس گیارہ مرد تھے۔ ان چٹانوں کے پیچھے سے نکل کر آگے آ گئے تھے' لیکن اب بھی منظر پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

''کھڑے ہو جاؤ دوست! کھڑے ہو جاؤ۔'' تھمسن کی آواز ابھری۔ اس نے میری گردن پر ٹھوکا دیا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے اور کھڑا ہو گیا۔

تھمسن ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

''یہ سب کیا ہے؟''

''اس کے بارے میں تفصیل تمہیں خود بخود معلوم ہو جائے گی۔ پہلے اپنے ساتھیوں کو حکم دو''

کہ اگر اپنی زندگی کھونا نہیں چاہتے تو کوئی جدوجہد کرنے کی کوشش نہ کریں۔'' میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

تھمسن کی بات سب نے ہی سن لی تھی اور مجھے دہرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ سب ہی بری طرح حیرت کا شکار تھے۔ یہاں تک کہ سادان بھی متحیر نظر آ رہا تھا۔ ہرچند کہ اس کے چہرے پر خوف کا شائبہ تک نہ تھا' لیکن حیرت تو بہرحال اسے بھی تھی۔ جب ان لوگوں نے پوری طرح ہم پر قابو پالیا تو انہوں نے دوسرا عمل کیا۔

یعنی رسیوں کے وہ ٹکڑے' جو ہمارے پاس تھے' لے کر ہمارے ہاتھ پشت پر کسنے لگے۔ انہوں کی بندشیں اتنی سخت اور وحشیانہ سی تھیں کہ ہم جنبش بھی نہ کر سکے اور ہمیں ہاتھوں کی ہڈیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ ان کے پاس لمبے لمبے چھرے تھے۔ جن سے انہوں نے رسیاں کاٹ لیں اور اس طرح ہم سب کو قید کر دیا گیا۔ وہ ان دونوں مزدوروں کو بھی گھسیٹ کر اس جگہ لے آئے تھے جو تھوڑے فاصلے پر بے ہوش پڑے تھے۔ ان کے سر زخمی تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کے سروں پر کوئی وزنی شے مار کر انہیں بے ہوش کیا گیا تھا۔

بہرطور ہم سب کسی آفت کا شکار ہو چکے تھے' اور یہ آفت پوری طرح سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اس کا کوئی سرا ذہن میں آتا ہی نہیں تھا۔

تھمسن کی کہانی تو بڑی دلدوز تھی' لیکن یہ اس کے ساتھی کہاں سے آ گئے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا' لیکن اس علاقے میں یہ مہذب وحشی کہاں سے آ گھسے۔ ننگ دھڑنگ مرد اور ننگ دھڑنگ عورتوں کو دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا۔ اگر تھمسن نے باقاعدہ انگریزی زبان میں گفتگو نہ کی ہوتی تو مجھے یہ یقین نہ آتا کہ ان کا تعلق کسی طور مہذب دنیا سے ہے۔ ممکن ہے اس کے دوسرے ساتھی بھی انگریزی زبان سے واقف ہوں' لیکن یہ کون تھے۔ آخر یہ کون تھے؟

میں سوچتا رہا۔ ان سب نے ہمیں ایک جگہ بٹھا دیا اور ہمارے گرد رائفلیں لئے ہوئے پہرہ دیتے رہے۔ سادان میرے قریب تھا۔ اس نے میرے چہرے کی طرف غور سے دیکھا۔ اب اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش نہیں تھے۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

''تم مسکرا رہے ہو سادان؟'' میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''ہاں۔ چچا جان!'' سادان بدستور اطمینان بھرے لہجے میں بولا۔

''کیوں' آخر کیوں؟'' میں نے متعجب انداز میں پوچھا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ یہ شخص مشکوک نظر آتا ہے۔'' سادان نے کہا۔

''ہاں۔ تم نے کہا تھا۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''بس چچا جان! مجھے یقین نہیں آ رہا تھا اس کی کہانی پر' یا پھر آپ یوں سمجھ لیں کہ وہ قوتیں جو میری رہنمائی کر رہی تھیں پھر بار بار ہوشیار کر رہی تھیں کہ اس شخص سے ہوشیار رہو' لیکن آپ سے

انحراف بھی نہیں کرسکتا تھا۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ سادان اس قسم کے شک وشبہات کا شکار تھا تو وہ مجھ سے اس کا اظہار ہی نہ کرتا۔ بلکہ اس سلسلے میں کوئی عمل کر ڈالتا۔ ممکن تھا کہ سادان کے اس عمل کو ہم کوئی احمقانہ اقدام تصور کرتے۔

رات زیادہ باقی نہ تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد دن کی روشنی نمودار ہونے لگی۔ روشنی کی کرنیں نمودار ہوئیں تو ماحول ایک دم جاگ پڑا۔

وحشی عورتوں کے بال لمبے لمبے تھے اور ان کی کمر تک پہنچ رہے تھے۔ باقی بدن پر لباس نام کی ایک دھجی بھی نہیں تھی۔ وہ اس طرح آزادانہ طور پر چل پھر رہی تھیں، جیسے انہیں احساس ہی نہ ہو کہ وہ عورت ہیں۔ ان کے چہروں پر دہشت برس رہی تھی۔ دن کی روشنی میں یہ چہرے اور وحشیانہ محسوس ہونے لگے تھے، پھر تھمسن نے آگے بڑھ کر کہا۔

''اٹھو تم نے ڈھلان کا سفر کرنا ہے۔''

''جو کچھ تم کہو گے ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے، تھمسن، لیکن ہم نے تمہارے ساتھ بہتر سلوک کیا تھا کیا اس کے عوض تم اپنے بارے میں تفصیل نہیں بتاؤ گے۔''

''بہت بے چین ہو تفصیل جاننے کیلئے؟''

''ہاں۔''

''تھوڑا سا سفر طے کرلو۔ اس کے بعد تمہیں تمام تفصیلات پتہ چل جائیں گی۔'' تھمسن نے مسکراتے ہوئے کہا اور رائفل سے ہمیں اشارہ کیا۔

اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ ہم نیچے کی طرف سفر کریں۔ ان سب نے ہمارا سامان اٹھا لیا تھا۔ ہمیں ایک ہی جگہ رکھا گیا تھا اور وہ سب ہمارے گرد گھیرا ڈالے چل رہے تھے۔ یوں ہم ان ڈھلانوں پر سفر کرنے لگے، جن کے بارے میں ہم نے سوچا تھا کہ دن کی روشنی میں انہیں عبور کریں گے، اور پھر جنگلوں میں داخل ہوں گے۔

ڈھلانوں کو عبور کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی اور وہ ایسے تھے کہ ان پر قدم جما کر چلا جائے اور ہم چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم ان کے اختتام تک جا پہنچے۔

یہ ڈھلان کہیں کہیں ڈھلان کی شکل میں بھی تھے۔ ایسے ہی ایک کٹاؤ کے سامنے ہم نے ایک بہت بڑا سا سوراخ دیکھا، جو یقیناً انسانی ہاتھوں سے تراشا گیا تھا۔

اس سوراخ کے سامنے تھمسن نے ہمیں رکنے کا اشارہ کیا اور ہم رک گئے۔ تھمسن مسکرا کر اندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''یہ ہماری پناہ گاہ ہے۔ اس سوراخ کی دوسری طرف ایک کشادہ غار ہے اور ہم اس غار میں محفوظ رہتے ہیں۔ تم لوگ بیٹھ جاؤ۔ چونکہ غار میں تمہارے لئے گنجائش نہیں نکل سکے گی۔'' اس نے کہا

اور ہمیں وہیں چھوٹی چھوٹی چٹانوں کے پاس بٹھا دیا گیا، پھر ان میں سے کچھ لوگ غار میں داخل ہوئے اور لمبے لمبے کھونٹے نکال لائے، جو لوہے کے بنے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے پاس اس قسم کا خاصا سامان معلوم ہوتا تھا۔

کھونٹے گاڑنے کے بعد انہوں نے ہمارے ہاتھوں میں بندھی ہوئی رسیاں ان کھونٹوں سے باندھ دیں۔ گویا ہم جانوروں کی طرح باندھ دیئے گئے تھے۔

یہ دوسری افتاد تھی جو ہم پر پڑی تھی۔ پہلی مصیبت سے بچ کر تو یہاں تک آ گئے تھے لیکن اب یہ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ اس مصیبت سے ہم کیسے بچیں گے۔ تھمسن کا مقصد بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

اولاً تو یہ مہذب وحشی ہی ہمارے لئے حیرت انگیز تھے۔ بدن ڈھانپنے کیلئے ان کے پاس کچھ نہ کچھ تو ہوگا، لیکن یہ لباسوں تک سے بے نیاز ہو گئے تھے، اور پھر ان کے چہروں کی دہشت، خدا کی پناہ، جس چہرے پر نگاہ ڈالو عجیب وغریب کیفیت کا حامل تھا۔

میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا رہا۔ ان کی سرگرمیاں میری سمجھ سے باہر تھیں۔ ان میں سے بہت سے اندر چلے گئے تھے، چند باہر تھے، جو شاید ہماری نگرانی کر رہے تھے۔ رائفلیں وغیرہ سب انہوں نے اندر رکھ دی تھیں، لیکن ان کے پاس چاقو نظر آ رہے تھے جو ان کے ہاتھوں ہی میں تھے۔ یہ چاقو بھی عمدہ ساخت کے تھے اور خاص طور پر ان جنگلوں میں تیار نہیں کئے گئے تھے۔ سورج پہلے ہی سروں پر پہنچ چکا تھا اب وہ واپسی کا سفر طے کرنے لگا اور ہمارے سروں سے گزر گیا۔ دھوپ خاصی تیز تھی۔ ہمیں اپنے بدن کے کھلے حصے جھلستے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ پیاس اتنی شدید تھی کہ حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔ ہمارے سامان میں پانی کی کافی مقدار تھی لیکن ہمیں اتنی دسترس نہ تھی کہ ہم پانی تک پہنچ سکیں۔ ایک بار تھمسن میرے نزدیک سے گزرا تو میں نے اسے آواز دی اور وہ رک گیا اور مضحکہ خیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''کہو کیا بات ہے؟''

''تھمسن کیا تم ہمیں اس جگہ مار دینا چاہتے ہو۔ اگر تمہارے ذہن میں ایسی کوئی بات ہے تو بہتر ہے کہ ہماری رائفلوں کی گولیاں ہمارے اندر اتار دو۔ یوں سسکا سسکا کر کیوں مار رہے ہو۔''

''کیا تکلیف ہے تمہیں؟'' اس نے رعونت سے پوچھا۔

''ہم بھوکے بھی ہیں اور پیاسے بھی۔''

''تو میں کیا کرسکتا ہوں۔''

''بھوک تو برداشت کی جا سکتی ہے لیکن پیاس...... میرا خیال ہے کہ ہم میں سے ضرور کچھ مر جائیں گے۔''

''نہیں، ہم تمہیں مرنے نہیں دیں گے۔ تم بے فکر رہو میں ابھی پانی بھجواتا ہوں اور رہی

خوراک کی بات تو وہ تمہیں شام تک ہی مل سکتی ہے۔ پانی کا بھی یہاں معقول انتظام ہے۔ پانی کی تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔'' تھمسن نے کچھ سوچ کر جواب دیا اور واپس اس غار میں چلا گیا جو انسانی ہاتھوں کی تراشی ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ برتن میں پانی لے آیا۔ یہ برتن بھی ہمارے ہی تھے۔ وہاں موجود لوگوں نے ان برتنوں میں پانی پیا اور پانی پی کر ہمیں کافی سکون ہوگیا۔ تھمسن نے خود اپنے ہاتھوں سے مجھے پانی پلایا تھا اور میرے نزدیک بیٹھے ہوئے کہا۔

''تم مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے تھے؟''

''ہاں۔''

''تو اب پوچھو؟''

''تھمسن میں تمہاری ان غیرانسانی حرکتوں کے بارے میں جاننے کا خواہش مند ہوں۔''

''غیرانسانی؟'' تھمسن نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ اس کا قہقہہ بڑا ہی وحشتناک تھا۔ میں اچنبھے سے اسے دیکھتا رہا' پھر میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیوں میری بات میں کون سی ایسی بات تھی جس پر تمہیں اتنی ہنسی آئی۔''

''ہنسنے کی بات ہے۔ تم میری حرکتوں کے بارے میں پوچھ رہے ہو تو سنو۔ اب ہم انسان نہیں رہے ہیں۔ طویل عرصہ گزر گیا اتنا طویل کہ اب تو ہمیں مہذب رہنا یاد بھی نہیں ہے بس تم جیسے لوگ کبھی کبھار یہاں پہنچ کر ہمیں اس دنیا کی یاد دلا دیتے ہیں۔''

''اوہ...... تو اس کا مطلب ہے کہ تم بہت عرصے سے یہاں آباد ہو۔''

''ہاں...... ماہ و سال کا حساب ہمارے ذہنوں سے نکل چکا ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس وقت بچے تھے اور اب جوان ہوگئے ہیں۔ میرا خیال ہے ہم میں سے سب سے معمر شخص جارج ہے۔ جارج کو تو تم دیکھ ہی چکے ہوگے وہ بوڑھا جواب کافی کمزور ہوگیا ہے' لیکن تم اسے اتنا کمزور بھی نہ سمجھنا وہ اب بھی تم میں سے کسی بھی شخص سے نبردآزما ہوسکتا ہے۔''

''میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں تھمسن؟'' میں نے کہا۔

''ہاں...... ہاں...... میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں۔ تمہیں ضرور بتاؤں گا۔ بہت پرانی بات ہے' اتنی پرانی کہ ہم اس کے سن و سال کا تعین نہیں کر سکتے ہم پراڈو سے چلے تھے۔ ہمیں ایک طویل سفر کر کے الجزائر پہنچنا تھا۔ ہمارا جہاز دقیانوسی قسم کا تھا اور اس کے ذریعے یہ طویل سفر ہمیں خطرے کا باعث ہی نظر آتا تھا' لیکن ہم ترک وطن پر مجبور تھے۔ اس جہاز پر ہماری تعداد تقریباً اڑھائی سو افراد تھی' لیکن سمندر میں ہمارا جہاز طوفان کا شکار ہوگیا۔ وہ ہولناک واقعہ اب بھی مجھے یاد آتا ہے تو کبھی کبھی میں اپنے دل میں محسوس کرنے لگتا ہوں۔ ہم انتہائی ہیبتناک سفر کر کے یہاں پہنچے۔ چھوٹی چھوٹی کشتیاں' ڈونگیاں ہماری مددگار تھیں۔

بہت سے لوگ ان چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئے۔ جو زندہ بچے' ان کی تعداد تقریباً ربی کے قریب تھی۔ ان میں بچے بھی تھے اور بوڑھے بھی اور نوجوان افراد بھی' لڑکیاں بھی تھیں اور مرد بھی۔ ہم کسی نہ کسی طرح ان چٹانوں کو عبور کر کے یہاں تک آ گئے تھے۔ اس وقت ہم شدید خوف و ہراس کا شکار تھے۔ ہم نے یہاں قیام کیا۔ کھانے پینے کی کوئی چیز ہم بچا کر نہیں لا سکے تھے۔ چنانچہ تیزرفتاری سے سفر کرتے ہوئے ہم ان جنگلوں میں داخل ہو گئے لیکن جنگلوں میں وحشی جانوروں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ ہم پر حملہ آور ہوئے اور ہم میں سے تقریباً بارہ افراد کو چٹ کر گئے۔

ہم افراتفری کے عالم میں واپس اس جگہ پہنچ گئے۔ میں نے تم سے غلط بات نہیں کہی تھی۔ نجانے کیوں یہ جانور ڈھلان عبور کر کے اوپر نہیں آتے' البتہ جب بھی ہم جنگلوں میں نیچے جاتے ہیں یہ ہم پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ اب تو ان کی تعداد بہت کم رہ گئی ہے۔ ہم نے ان میں سے بے شمار جانور ہلاک کر دیئے ہیں کیونکہ ہمیں خوراک انہی جنگلوں سے حاصل کرنی پڑتی ہے۔ ہم ہر قسم کے جانوروں کو شکار کر کے کھا لیتے ہیں' لیکن اب یہ جانور اتنے کم رہ گئے ہیں کہ ہمیں ہفتوں کوئی شکار نہیں ملتا۔ چنانچہ جنگلی پھل اور گھاس پھونس پر ہی گزارہ کرنا پڑتا ہے یا پھر ہم میں سے کوئی بیمار ہو جائے تو ہم اسے اپنی غذا بنا لیتے ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' میں بری طرح چونک پڑا' اور تھمسن کے ہونٹوں سے ایک کریہہ قہقہہ ابل پڑا۔

''مطلب مت پوچھو دوست بس یہ انسانیت کی انتہا ہے۔ ہاں تو میں تم سے کہہ رہا تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد ہم ہفتوں شدید بھوک اور پیاس کا شکار رہے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے رہے۔ ہم میں سے بہت سے افراد جاں بحق ہو گئے' پھر ہم میں سے ہی ایک گروہ نے جس کی تعداد ستائیس کے قریب تھی یہ جنگل عبور کر کے یہاں سے جانا چاہا ان میں سے کچھ لوگ دلدلوں کی سمت گئے اور خوفناک دلدلوں نے انہیں ہضم کر لیا۔ کچھ جنگلوں کی سمت گئے اور جانوروں کا نوالہ بن گئے۔ صرف چھ افراد زندہ واپس آ سکے۔

انہوں نے جنگلوں کا حال سنایا' اور ان جنگلوں کا حال یہ ہے کہ یہاں آگے چل کر بے شمار معوبتوں کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ جنگلوں کے دوسری طرف انسانی آبادی بھی ہے' لیکن وہ ہم سے بھی زیادہ غیرانسانی حیثیت رکھتے ہیں۔ افریقہ کے سیاہ فام قبائل جو نجانے کیسی کیسی ہولناک روایتیں رکھتے ہیں۔ یہ چھ افراد واپس آئے تو اس کے بعد کافی عرصے تک کسی اور کو فرار ہونے کی جرأت نہ ہوئی' لیکن زندہ رہنے کیلئے اب یہ ضروری تھا کہ ہم ان درندوں سے جنگ کریں۔

چنانچہ ہم نے ان چاقوؤں کی مدد سے بھالے بنائے اور جنگلوں میں گھس گئے۔ پہلی بار ہم نے دو تیندوے شکار کئے اور ان تیندووں نے ہم میں سے کچھ افراد کا پیٹ بھر دیا۔

اب یہ ہی سلسلہ ہو گیا تھا۔ ہم جنگل میں گھستے اور جو بھی حشرات الارض یا جانور ہمارے ہاتھ آتا ہم اسے ہلاک کر کے لے آتے اور اپنے پیٹ کی آگ بجھاتے۔ اسی دوران ہم نے پانی حاصل کیا۔ اس کیلئے ہم نے ایک بڑا کنواں کھودا' جو اس غار کے اندر موجود ہے۔ جس سے ہمیں بہترین پانی مہیا ہو گیا ہے' لیکن خوراک کا مسئلہ باقی تھا۔ بھوک ہمارا مقدر بن چکی تھی۔

اکثر یوں بھی ہوتا کہ ہم میں سے دو چار ان جانوروں کا شکار کرتے ہوئے خود ان جانوروں کا شکار ہو جاتے۔ تقریباً تین سال گزرے تھے کہ ایک گروہ نے سرفروشی کا ارادہ کیا' اور وہ گروہ اس جنگل میں داخل ہو گیا۔ دلدلوں کی طرف رخ کرنا تو حماقت کی ہی بات تھی۔ چنانچہ اس کے بعد کوئی دلدلوں کی سمت تو نہیں گیا' البتہ ان جنگلوں سے اکثر گروہوں نے سفر کیا' اور جانے والوں میں سے کوئی واپس نہ آ سکا۔ اس طرح ہماری تعداد گھٹتی رہی۔

تب ہم نے اپنے لئے ایک لائحہ عمل مقرر کیا۔ ہم نے یہ غار اس قابل بنایا کہ اس میں ہم نے اپنے لئے ایک پناہ گاہ بنا لی۔ غار اندر سے بہت زیادہ کشادہ نہیں تھا' لیکن ہم لوگوں کیلئے بہت کافی ہے۔ عموماً ہم باہر ہی زندگی گزارتے ہیں۔ ہاں...... اس وقت جب جنگلی جانوروں کی یلغار ہو یا پھر وحشی سیاہ فام اس طرف آ نکلیں تو ہم ان غاروں میں پناہ لیتے ہیں۔ ابھی تک ہم نے ان سیاہ فاموں سے کوئی جنگ نہیں کی' کیونکہ ہمارے پاس جنگ کرنے کیلئے ہتھیار نہیں ہیں' لیکن یہ کبھی کبھی ہی ہوتا ہے۔ اس وقت جب کچھ قبائل نبرد آزما ہو جائیں اور شکست خوردہ لوگ راہ فرار اختیار کر کے اس طرف آ نکلیں تو ہمارا ان سے سامنا ہو جاتا ہے' لیکن انہوں نے بھی ہم سے کوئی خاص تعرض نہیں کیا۔

پھر ہم نے اپنے بنائے ہوئے قانون کے مطابق انسانی زندگی ترک کر دی اور لباس اتار کر پھینک دیئے۔ اب ان لباسوں کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ہم سمندر کے راستے فرار نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اس طرف سمندری جہاز کبھی نہیں آتے۔ ہم جنگلوں کی سمت جا نہیں سکتے تھے' کیونکہ اس طرف بھی ہمیں راستہ نہیں ملتا' اور دلدل تو ویسے ہی ہماری زندگی کی خواہاں تھی۔ جب ہم ایسی وحشیانہ زندگی بسر کرنے کیلئے مجبور ہو گئے تھے تو ہم انسانی اقدار کے پابند کیوں رہتے۔ ہمارے ہاں...... ہر عورت سب کی عورت ہے' ہر مرد ہر عورت کا مرد ہے۔ یہ عورتیں بچے جنتی ہیں۔ بچے بڑے ہو جاتے ہیں لیکن ان کی ملکیت میں ہوتے ہیں۔ ہاں وہ ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں' جو ان کیلئے ہوتی ہیں' اور اس طرح ہم یہاں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ خوراک کیلئے ہم بہت زیادہ پریشان تھے۔ چنانچہ جب ہم نے اپنے کاندھوں سے انسانی اقدار کا چولا اتار پھینکا تو پھر کچھ دوسری تبدیلیاں بھی ہم نے اپنے اندر پیدا کیں۔

مثلاً سب سے پہلے کارروائی ان تین سیاہ فام وحشیوں کی تھی' جو جنگلوں سے بھاگ کر یہاں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ ہم نے سب سے پہلے سیاہ فاموں کا گوشت کھایا اور ہمیں اپنے بدن میں ایک

نئی توانائی محسوس ہوئی' اور اس کے بعد ہمیں انسانی گوشت اور خون کا چسکا لگ گیا۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ کبھی کبھی سیاہ فام وحشی بھٹک کر یہاں آ نکلتے اور ہم بڑی چالاکی سے ان کا شکار کرتے۔ یوں ہمارے لئے بہترین غذا مہیا ہو جاتی۔ ہماری تعداد یہاں زیادہ نہیں رہی تھی۔ زیادہ سے زیادہ چالیس یا پینتالیس افراد ہوں گے جن میں تقریباً سترہ عورتیں ہیں اور پندرہ مرد۔ ہاں بچے بھی ہیں ہمارے درمیان جو بہرطور جوان ہو کر ہماری جگہ لے لیں گے۔ ہمیں یہ یقین ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی باہر نہیں نکل سکے گا۔ شاید ایک دن اس قبیلے کا آخری فرد بھی ختم ہو جائے یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ بچے پیدا ہونے کی تعداد بڑھ جائے اور یہ قبیلہ پروان چڑھتا جائے۔

بہرطور ہم میں سے اب اتنے افراد باقی رہ گئے ہیں۔ جب ہم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو ہم اس کی لاش ضائع نہیں کرتے' بلکہ کھا لیا کرتے ہیں اور اکثر سمندر کے راستے بھی کبھی کبھی بھولے بھٹکے لوگ اس طرف آ نکلتے ہیں جنہیں ہم اپنے لئے تحفہ سمجھتے ہیں۔ سمندر کی مچھلیاں بھی ان گڑھوں میں آ کر آباد ہو جاتی ہیں اور ہمارے لئے غذا بن جاتی ہیں۔ اس طرح اب ہمیں غذائی قلت نہیں ہے لیکن انسانی گوشت ہمارے لئے مرغوب ترین ہے اور ہم اس کیلئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔''

تھمسن کے ہونٹوں پر بھیانک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

اور میری رگ و پے میں برچھیاں سی اتر رہی تھیں۔

ہم آدم خوروں کے جال میں آ پھنسے تھے۔ یہ وحشی آدم خور جو مہذب دنیا سے تعلق رکھتے تھے۔ بلاشبہ ان سیاہ فاموں سے زیادہ خوفناک ثابت ہو رہے تھے' جو جنگلوں میں آباد ہوتے ہیں' اور جنہیں ذہنی طور پر شکست دی جا سکتی ہے۔

میں سہمی ہوئی نگاہوں سے تھمسن کی شکل دیکھتا رہا۔ وہ میری کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا' پھر میں نے اس سے کہا۔

''تھمسن! تم نے یہ سرخ کپڑا کیوں باندھ رکھا ہے یہاں؟''

''جہازوں کیلئے نہیں۔ جہازوں کیلئے اگر یہ نشان باندھا جاتا تو وہ ساحل پر ہوتا۔ یہ تو ان لوگوں کیلئے ہے جو بھٹک کر اس طرف نکل آتے ہیں اور سرخ کپڑا دیکھ کر اس طرح چل پڑتے ہیں۔ اس طرح ہم لوگوں کو شکار کرنے کیلئے طویل سفر طے نہیں کرنا پڑتا۔ چٹانوں کا سفر بے حد دشوار کن ہے۔ اس کا اندازہ تمہیں خود بھی ہو چکا ہو گا۔'' تھمسن نے جواب دیا۔ وہ مدھم لہجے میں گفتگو کر رہا تھا اور شاید ہی اس کے الفاظ کسی کے کانوں تک پہنچ رہے ہوں۔

میں نے سوچا کہ یہ بھی اچھا ہی ہے۔ کم از کم دوسرے لوگ تو اس ہیبت کا شکار نہ ہوں کیونکہ خوف کا شکار ہونے کے بعد تمام صعوبتیں ختم ہو جاتی ہیں' اور میں کسی بھی طور بے بسی کی مدت قبول نہیں کر سکتا تھا اور آخری دم تک جدوجہد جاری رکھنے کا خواہش مند تھا۔ ہر چند کہ میرے قویٰ اس اعلیٰ کارکردگی کے مالک نہیں رہے تھے جس طرح کے تھے' لیکن اس کے باوجود زندگی چونکہ نہایت

فراغت سے گزاری تھی' لیکن اس بدن میں کافی طاقت تھی۔

چند لمحات سوچتے رہنے کے بعد میں نے پھر ٹھمسن کو مخاطب کیا۔

''تمہارے پاس آتشیں اسلحہ نہیں ہے؟''

''تمہاری آمد سے ہماری بہت بڑی مشکل حل ہو گئی ہے۔ ہم میں سے بیشتر آتشیں اسلحہ استعمال جانتے ہیں۔ ہر چند کہ اتنا وقت ہو چکا ہے کہ اب وہ استعمال ہمارے ذہن میں نہیں رہا' لیکن جو نہیں جانتے انہیں تربیت دی جا سکتی ہے۔ تم جیسا کوئی گروہ آج تک ہمارے ہاتھ نہیں لگ سکا جس کے پاس اتنے ہتھیار موجود ہوں' لیکن اب یہ تمہارے ہتھیار ہمارے کام آئیں گے۔'' اس نے جواب دیا اور گردن ہلانے لگا' پھر میں نے کہا۔

''ٹھمسن ہم بہت بھوکے ہیں۔ کیا تم ہمیں کھانے کیلئے کچھ نہیں دے سکتے؟''

''سورج ڈھل جانے کے بعد۔ تمہاری خوراک تمہارے لئے محفوظ رکھی ہوئی ہے۔ فکر نہ کرو' ہمیں ان چیزوں سے اب زیادہ دلچسپی نہیں رہی ہے۔ یہ چیزیں ہمیں پھیکی اور بے مزہ معلوم ہوتی ہیں۔ کچا گوشت' کچی مچھلی اور انسانی گوشت جس قدر لذیذ ہوتا ہے کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔'' ٹھمسن اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور آگے بڑھ کر اس غار میں داخل ہو گیا۔ میرا سر چکرا رہا تھا......

اگر ہم میں سے دو چار آدمی بھی ان لوگوں کا شکار ہو گئے تو باقی لوگوں میں بددلی پھیل جائے گی۔ کیا کرنا چاہیے مجھے۔ میں سوچ رہا تھا لیکن بظاہر کوئی ترکیب نظر نہیں آتی تھی۔ ہمارے پاس ہتھیار تھے' وہ ان کے قبضے میں تھے اور بہر طور ان میں سے چند افراد ہتھیاروں کا استعمال جانتے تھے۔ چنانچہ اگر ہم نے کسی طرح ان بندشوں سے نجات حاصل کر بھی لی تو وہ ہمیں بھون کر رکھ دیں گے۔ چنانچہ کوئی ایسی ترکیب ہونی چاہیے' جو ہمارے لئے کارآمد ہو سکے۔ میری نگاہیں ساوان کے چہرے پر جم گئی تھیں' اور اچانک ہی میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا۔

''ساوان۔'' میں نے اسے آواز دی اور ساوان چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

''تم اندازہ کر چکے ہو ساوان کہ ہم کن حالات کا شکار ہو چکے ہیں۔''

''اندازہ تو سب ہی کر چکے ہیں چچا جان! کوئی خاص بات۔'' ساوان نے پوچھا۔

''ہاں۔ ہماری زندگیاں خطرے میں ہیں۔ یہ لوگ ہمیں مار ڈالیں گے۔ کیا زندگی بچانے کیلئے جدوجہد نہیں کرو گے۔''

''یقیناً کرنی چاہیے' چچا جان! لیکن اس کی کوئی ترکیب میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''میں تمہیں ایک ایسا مشورہ دے رہا ہوں ساوان' جو شاید کسی بھی حالت میں نہ دے سکتا لیکن اس وقت ہم سب کی زندگیاں ایسے ہولناک خطرے سے دوچار ہیں کہ اگر ہم نے انسانی اقدار ذہن میں رکھا تو موت کا شکار ہو جائیں گے۔ سنو ان لوگوں میں کئی عورتیں بھی ہیں اور ان عورتوں کو

کئی عورتوں کو میں تمہاری طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے دیکھ چکا ہوں۔ ساوان اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہے کہ تم کسی عورت کو اپنے جال میں پھانسو اور اس کے ذریعے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ یہ سب انگریزی زبان سے واقف ہیں اور باآسانی ہمارا مافی الضمیر سمجھ سکتی ہیں۔''

ساوان چند لمحات بھونچکے انداز میں دیکھتا رہا' پھر اس کے چہرے پر شرم کے آثار نمودار ہو گئے لیکن صورتحال اسے بھی سمجھ میں آ رہی تھی' پھر اس نے دھیمے انداز میں کہا۔

''چچا جان! مگر...... یہ مجھ سے...... یہ مجھ سے۔''

''ساوان...... ضرورت کے تحت ہمیں یہ سب کرنا پڑ رہا ہے۔ تم بھول جاؤ کہ اس وقت تمہارے سامنے کون کون ہے۔'' میں نے کہا۔

''جو حکم۔'' ساوان نے آہستہ سے کہا۔

مجھے خود بھی اپنے اس مشورے پر ندامت تھی' مگر کیا کرتا' صورتحال ایسی ہی تھی۔ ہاں میں نے یہ بات غلط نہیں کہی تھی کہ میں نے دن کی روشنی میں چند عورتوں کو للچائی ہوئی نگاہوں سے ساوان کی جانب متوجہ دیکھا تھا۔ دو تین لڑکیاں ساوان کو دیکھ کر کھسر پھسر کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ میں بھی طرح جانتا تھا کہ ساوان مردانہ وجاہت کا ایسا نمونہ ہے کہ اس کی طرف سے کم از کم صنف نازک نگاہ پھیر ہی نہیں سکتی' لیکن یہ وحشی لڑکیاں اس طرح ہمارے لئے کچھ کارآمد ہو سکتی تھیں۔

سورج چھپا تو ہماری بھوک ہمارا برا حال کر چکی تھی۔ وہ سب کے سب خوراک کیلئے ہمارے پاس پہنچ گئے۔ ہماری ہی چیزیں تھیں' جنہیں انہوں نے اپنے ہاتھوں میں اٹھا رکھا تھا' بلکہ خود ہمیں اپنے ہاتھوں سے کھلانے لگے۔ اس وقت میری مسرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے چند لڑکیوں کو بھی کام کرتے دیکھا۔

میرے سامنے تو ایک مرد تھا' لیکن ساوان' میر صادق اور تین مزدوروں کے سامنے لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ لڑکی جو ساوان کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی بڑے والہانہ انداز میں ساوان کو دیکھ رہی تھی۔ میں نے ساوان کا چہرہ دیکھا تو اس نے نگاہیں پھیر لیں۔ اگر میری نگاہیں اس سے ملتی تو وہ شرما جاتا لیکن میں نے محسوس کر لیا تھا کہ ساوان بھی میٹھی نگاہوں سے اس وحشی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

لڑکی حسب معمول برہنہ تھی اور ساوان کے چہرے پر شرم کی سرخی بھی نظر آ رہی تھی' اور یہ سرخی اس کے حسن میں مزید اضافہ کر رہی تھی۔

لڑکی اسے آہستہ آہستہ کھانا کھلاتی رہی جبکہ تمام لوگ فارغ ہو چکے تھے' لیکن وہ لڑکی ساوان کے سامنے سے نہ اٹھی' اور کافی دیر کے بعد وہ اس جگہ سے اٹھی تو اس کے چہرے پر مسرت و انبساط کے جذبات تھے۔ میں اس سے ساوان کو گفتگو کرتے دیکھ چکا تھا۔ گویا ساوان نے اپنے کام کا آغاز کر دیا تھا۔ اس کے بعد ایک حیرت انگیز واقعہ ہوا۔ لڑکی واپس آ گئی اور اس کے ہاتھ میں وہی لمبا چاقو

تھا۔

اس نے چاقو سے سادان کی رسیاں کاٹ دیں اور اسے آزاد کرلیا۔ غالباً وہ اپنے لوگوں سے گفتگو کر کے اور اجازت لے کر آئی تھی۔

وہاں موجود لوگوں نے اس کی اس حرکت پر کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ سادان اپنی کلائیاں مل رہا تھا۔ لڑکی نے اس کا بازو پکڑا اور ایک طرف چل پڑی۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ میر صادق' زرنام اور فاران بھی مسکرا رہے تھے۔ میری اور سادان کی گفتگو یقیناً ان کے کانوں تک بھی پہنچی تھی اور وہ سادان کو کامیاب دیکھ کر بہت مسرور تھے۔ دفعتاً فاران نے عربی زبان میں مجھ سے کہا۔

''بلاشبہ تمہارا مشورہ بہترین تھا اور یہ بھی دلچسپ بات ہے کہ عورت کسی بھی خطے میں' کیسی ہی حیثیت اختیار کیوں نہ کر جائے' بہرطور عورت ہی رہتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سادان اسے رام کر لے گا۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔ اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی صورتحال نہیں ہے۔ فاران ویسے میں تمہیں ایک بات سے آگاہ کر دوں۔ ہماری زندگی شدید خطرے میں ہیں۔ یہ لوگ آدم خور ہیں۔'' میں نے آواز دبا کر کہا' لیکن فاران کے علاوہ زرنام اور میر صادق نے بھی یہ الفاظ سن لئے تھے۔

ان کے چہرے دہشت زدہ پڑ گئے تھے' پھر فاران نے پوچھا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا؟'' اس کے لہجے میں اب بھی دہشت کا کوئی عنصر نہیں تھا۔ دوران سفر میں بارہا فاران کی نڈر فطرت سے متاثر ہوا تھا۔ بہرطور میں نے میر صادق اور زرنام کو دیکھا دونوں کے اندر نمایاں تبدیلی نظر آ رہی تھی۔ اب سے کچھ دیر پہلے وہ خود کو قیدی ضرور سمجھ رہے تھے لیکن اس بات نے کہ یہ آدم خور ہیں' ان دونوں کے چہروں پر زردی کھنڈ دی تھی۔ تب میں نے کہا۔

''ٹھمسن مجھے اپنے بارے میں بتا چکا تھا۔ یہ لوگ ہمیں اس لئے لائے ہیں کہ ایک ایک کر کے ہمیں اپنی خوراک بنالیں۔ یہ مہذب دنیا سے ہی تعلق رکھتے ہیں' لیکن اب ان کا اس تہذیب سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ تم نے وہ انسانی کھوپڑیاں اور پنجر دیکھے ہوں گے' وہ سب، ان ہی کے شکار تھے۔'' میں نے کہا۔

فاران نے آنکھیں بند کر کے گردن جھکا لی تھی۔ میر صادق اور زرنام خوف سے کانپ رہے تھے۔ تب میں نے آہستہ سے کہا۔

''ہمیں بددل نہیں ہونا چاہیے۔ میں تم سب سے کہہ رہا ہوں' سادان اپنا کام ضرور کرے گا۔ میں تو شاید تم لوگوں کو یہ خطرناک بات نہ بتاتا۔ تمہیں اس لئے سب کچھ بتانا ضروری ہو گیا کہ سادان کامیاب ہو جائے اور ہم اپنے ہتھیار حاصل کر لیں یا خدا کرے آزاد بھی ہو جائیں تو ہم لوگوں کو ان پر ذرا بھی رحم نہیں کرنا ہے بلکہ ان سب لوگوں کو بھون کر رکھ دینا ہے۔ ان کے

پاس ہتھیار نہیں ہیں لیکن یہ لوگ ہتھیاروں کا استعمال جانتے ہیں اس لئے پھرتی سے جو بھی سبقت لے جائے گا وہی کامران رہے گا۔'' میں نے کہا اور ان تینوں نے گردن ہلا دی۔

رات ہوئی تو ایک عجیب منظر نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ وہ سب کے سب غار سے باہر نکل کر ہم سے کچھ فاصلے پر جمع ہو گئے تھے۔ وہ سب کے سب عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگے۔ کوئی رقص کر رہا تھا' کوئی یوں ہی بلاوجہ اچھل کود کر رہا تھا۔ چند ایسے تھے جو عورتوں کو بازوؤں میں دبوچ کر کسی ایک طرف جا پڑے تھے۔ کوئی حجاب' کوئی پردہ نہیں تھا۔ سارے کے سارے وحشیانہ شرمناک حرکتیں کرنے میں مصروف تھے' اور انہوں نے ہم سے کوئی حجاب نہیں رکھا تھا۔

ہم میں سے بیشتر کو آنکھیں بند کر لینا پڑیں۔ مزدور جو نوجوان تھے' ان مناظر سے شاید ان حالات میں بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سادان اور اس لڑکی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ وہ دونوں نجانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔

بہرطور خاصی رات تک' اس وقت تک جب تک یہ لوگ اپنی حرکات کر سکتے تھے' اپنی حرکات میں مصروف رہے۔ اس کے بعد سب ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ اب ہمارے سامنے کوئی نہیں تھا۔

رات گزرنے لگی۔ میں نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ اپنی پلکوں کو جڑنے نہ دوں۔ جبکہ ہم میں سے چند لوگ اس خوفناک کیفیت میں بھی سو گئے تھے اور اوندھے سیدھے پڑے نظر آ رہے تھے۔

وہ غالباً رات کا دوسرا پہر تھا' جب میں نے ایک سائے کو اپنی طرف رینگتے دیکھا اور میں اسے پہچان گیا تھا۔

سادان ہی تھا اور اس وقت اس کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ زمین پر رینگتا ہوا میرے نزدیک پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے چاقو کا پھل چمک رہا تھا' اور چند ہی لمحات کے بعد اس نے میرے عقب میں پہنچ کر میری رسیاں کاٹ دیں۔

میں مسرت سے اچھل پڑا تھا' پھر میں نے وفور مسرت سے سادان کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

''سادان تم کامیاب ہو گئے؟''

''ہاں۔'' سادان کی آواز میں ایک عجیب سی سرد مہری تھی۔

''وہ لڑکی کہاں ہے؟''

''میں نے اسے ہلاک کر دیا۔''

''کک...... کیسے؟'' میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''اسی چاقو سے' یہی چھری میں نے اس کی گردن پر پھیر دی تھی۔'' سادان نفرت سے بولا۔

اس کے بعد اس سے کچھ نہ کہہ سکا تھا۔

پھر سادان اسی طرح رینگتا ہوا فاران کے نزدیک پہنچا اور چند لمحات کے بعد فاران کے حلق

سے بھی ایک آواز نکل گئی۔ حالانکہ وہ شاید اونگھ رہا تھا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ہم میں سے ایک ایک کر کے سب ہی آزاد ہو گئے۔ تب ساداں دوبارہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔

''میں نے آتشیں اسلحے کا پتہ بھی لگا لیا ہے۔ وہ غار ہی کے اندر ہے' لیکن اس وقت غار کے چار آدمی سو رہے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے داخل ہونے سے وہ جاگ نہیں اٹھیں گے۔''

''ان کی تعداد چار ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں' لیکن ہمیں ان پر اس طرح حملہ آور ہونا ہے کہ ان کے حلق سے آوازیں تک نہ نکل سکیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی چیخ پڑا تو قرب و جوار میں بکھرے ہوئے تمام وحشی جاگ جائیں گے اور پھر ہمیں ان سے نجات ملنا ممکن نہ ہو گی۔''

''فکر نہ کرو۔ یوں کرتے ہیں کہ ہم چاروں غار کی طرف رینگتے ہوئے چلتے ہیں اور پھر ہم اچانک ہی ان پر پوری طرح ہوشیاری سے حملہ کر دیں گے۔'' میں نے کہا اور ساداں نے مجھ سے اتفاق کیا۔

تمام مزدور بھی ہوشیار اور چوکنے ہو گئے تھے' لیکن انہیں اسی طرح کھونٹوں کے پاس بیٹھے رہنے کی ہدایت کر دی گئی تھی' جس سے وہ بندھے ہوئے تھے۔ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جب ہم لوگ انہیں آواز دیں تو وہ ہوشیار ہو جائیں۔ اس طرح ہم چاروں زمین پر رینگتے ہوئے ایک ایک کر کے غار کی جانب بڑھنے لگے۔

زمین پر رینگنے سے سرسراہٹیں پیدا ہو رہی تھیں' لیکن ہم حتی الامکان یہ کوشش کر رہے تھے کہ یہ سرسراہٹ بلند نہ ہونے پائے۔

سب سے پہلے ساداں ہی غار کے اندر کودا تھا کیونکہ وہ پہلے اس غار کو اندر سے دیکھ چکا تھا لیکن اس نے اس طرح نیچے چھلانگ لگائی تھی جس طرح بلی کودتی ہے اور اس کے قدموں کی ذرا سی آواز پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ہم سب نے اسی کے انداز میں اس کی تقلید کی۔

غار میں اندھیرا تھا' لیکن سونے والوں کے خراٹے ہماری رہنمائی کر رہے تھے۔ ہم ان کی سمت بڑھنے لگے۔ ساداں میرے ساتھ تھا۔ ہم تاریکی میں آنکھیں پھاڑتے ہوئے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہم نے اپنے سانس تک روکے ہوئے تھے۔ چند لمحات کے بعد ہماری آنکھیں تاریکی میں دیکھنے کے قابل ہو گئیں تو ہم نے ان چاروں وحشیوں کو دیکھ لیا جو اوندھے سیدھے پڑے سو رہے تھے۔ ہم دبے قدموں ان کے سروں پر پہنچ گئے اور پھر ہم نے اچانک ان پر اس طرح حملہ کیا کہ ان کی آوازیں بھی نہ نکل سکیں۔

ہمارا ایک ہاتھ ان کے منہ پر جما ہوا تھا اور دوسرا گردن پر' اور ہم سب ان کی گردنوں پر اپنی قوت صرف کر رہے تھے۔ بلاشبہ یہ آسان کام نہیں تھا۔ اگر وہ جاگ رہے ہوتے تو شاید ہمارے

نہ آ سکتے کیونکہ انسانی گوشت اور اس وحشت ناک ماحول کی کھلی آب و ہوا نے ان کے جسموں میں بے پناہ قوت پیدا کر دی تھی۔ ان میں سے ایک نے تو زرنام کو اٹھا کر اتنا اونچا پھینکا کہ زرنام زور سے نیچے گرا' لیکن فاران نے زرنام کی یہ کسر پوری کر دی تھی۔ اس نے وحشی کو کھڑے ہونے کی مہلت نہیں دی تھی اور کوئی وزنی چیز اس کے سر پر دے ماری۔ جو اسے غار میں سے ہی کہیں مل گئی تھی۔

وحشی کی آواز اب بھی بلند نہیں ہو سکی تھی کیونکہ فاران نے وہ وزنی چیز اسے مارتے ہی اس کا منہ پوری قوت سے بھینچ لیا تھا۔

آن کی آن میں ہم نے ان چاروں کو موت کے منہ میں اتار دیا تھا۔ ان کے سر زور زور سے زمین سے ٹکرائے اور اس طرح کہ زمین ان کے خون سے چکٹ تر ہو گئی۔ اس کے باوجود ہم کوئی خطرہ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ہم ان کے سروں کو زور زور سے زمین پر پٹکتے رہے اور جب تک ان کے بھیجے نہ نکل گئے' ہم نے انہیں نہیں چھوڑا۔

خون بہت زیادہ نہیں بہہ رہا تھا' اور ہمیں خطرہ تھا کہ ہمارے پاؤں اس خون سے پھسلنے نہ لگیں۔ اس لئے ہم نے یہاں بھی احتیاط رکھی۔ ساداں نے مجھے اشارہ کیا اور ہم لوگ اس اسلحے کے پاس پہنچ گئے' جو ہمارا اپنا تھا اور ایک کونے میں ڈھیر کر دیا گیا تھا۔

یہ وحشی اس وحشت ناک ماحول میں شاید عقل و خرد سے بھی عاری ہو گئے تھے۔ کیونکہ اگر یہ اسلحہ کو منتشر کر دیتے اور اپنے پاس احتیاط سے رکھتے تو شاید ہمارے ہاتھ یہ اتنی آسانی سے نہ لگتا۔ زیادہ ہمیں باندھ کر اتنے مطمئن ہو گئے تھے کہ اس کے بعد انہیں کسی بات کی فکر نہیں ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد سارا اسلحہ ہمارے قبضے میں آ گیا اور ہم اسے سنبھال کر اسی آہستگی سے باہر کی جانب رینگنے لگے۔

غار سے اوپر چڑھنے کیلئے ہمیں ذرا سی جدوجہد کرنا پڑی تھی کیونکہ سوراخ کے بعد نیچے اچھی خاصی گہرائی تھی جو پانچ چھ فٹ سے کم نہیں تھی' لیکن بہرطور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا' جسے اوپر چڑھنے میں دقت پیش آتی۔

ہم اوپر نکلے' رائفلیں وغیرہ سنبھال کر غار کے دہانے کے پاس رکھی گئیں' اور ایک ایک کر کے سب ہی نیچے آ گئیں۔ اب انہیں ان مزدوروں تک پہنچانے کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں بھی احتیاط سے کام لیا گیا تھا' اور ہم ایک ایک کر کے ایک ایک انچ رینگتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ جب تک ہم اپنے ساتھیوں تک نہ پہنچ جاتے اور رائفلیں انہیں تقسیم نہ کر دیتے' تب تک ہم خطرات سے دوچار تھے۔ چنانچہ جس قدر محنت ہو سکتی تھی' ہم نے کی اور بالآخر ہم اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے۔ ہمارے دل مسرت سے دھڑک رہے تھے' اور ہم خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے۔ زندگی جو موت کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی واپس لوٹ آئی۔ رائفلیں' مزدوروں کو تقسیم کر دی گئیں اور وہ بھی

خوش وخرم نظر آنے لگے۔

اس کے بعد دوسرے اقدامات کا یقین کیا گیا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ اس جگہ رکنا مناسب نہیں۔ خاص طور سے اس غار کو نشانہ بنانا ہے۔ کیونکہ اگر وحشی اس غار میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تو پھر انہیں باہر نکالنا ممکن نہیں ہوگا' اور ان میں سے کسی ایک کی زندگی بھی نہ صرف ہمارے لئے بلکہ ہم جیسے بے شمار لوگوں کیلئے خطرناک ہو سکتی ہے۔

ہم نے ایسی ابھری ہوئی چٹانوں کا انتخاب کیا' جن کے پیچھے ہم مورچے بنا کر وحشیوں پر فائرنگ کر سکیں اور انہیں غار میں داخل ہونے سے بھی روک سکیں۔ ان کے پاس صرف چاقو تھے اور ان چاقوؤں کی مدد سے ہی وہ ہم پر حملہ کر سکتے تھے۔ ہر چند کہ ان کے یہ چاقو بہت خطرناک تھے شاید وہ انہیں پھینک کر مارنے کے بھی ماہر ہوں' لیکن بہرطور ان چاقوؤں سے وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ چنانچہ ہم صبح ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

ہمیں علم نہیں تھا کہ وہ کہاں کہاں سوئے پڑے ہیں اس لئے ہم انتظار کر رہے تھے کہ جب وہ ہم تک پہنچیں تو ہم انہیں نشانہ بنائیں' اور اس کیلئے ہم کافی کشادہ اور وسیع علاقے میں پھیل گئے تھے۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی۔ نیند یا سہولت کا کوئی شائبہ بھی نہیں تھا۔ ہم صبح کا انتظار کرتے رہے اور پھر سپیدۂ سحر صحیح طور سے نمودار بھی نہیں ہوا تھا کہ چار وحشی ہمیں اس طرف آتے دکھائی دیئے' جہاں ہم کھونٹوں سے بندھے ہوئے تھے۔

وہ پر اطمینان انداز میں چلتے ہوئے وہاں تک پہنچے' پھر انہوں نے خالی کھونٹے دیکھے۔ ان کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلیں' لیکن ان آوازوں میں گولیوں کی آوازیں بھی شامل ہو گئیں۔

پہاڑیاں اور چٹانیں فائرنگ کی آوازوں سے گونج اٹھی تھیں۔ وہ چاروں زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ ہم میں سے کسی کا بھی نشانہ برا نہیں تھا۔ فائرنگ کی آواز ظاہر ہے دوسرے وحشیوں کو چونکانے کیلئے کافی تھی۔ چنانچہ چند ہی لمحات کے بعد ہم نے پانچ چھ وحشیوں کو اس طرف دوڑتے دیکھا' اور ان دوڑتے ہوئے لوگوں پر اتنی کامیابی سے نشانہ لگایا گیا کہ نشانہ بازی کا کمال تھا۔ وہ اچھل اچھل کر گرے اور زمین پر گر کر تڑپنے لگے' اور اس کے بعد تو وحشیوں پر یلغار ہو گئی۔

سب ہی چونکہ نیند سے جاگے تھے اس لئے صورتحال سے بے خبر دوڑے چلے جا رہے تھے ہماری گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے' پھر ان میں سے کچھ نے غاروں کی طرف چھلانگیں لگائی تھیں' لیکن اس میں انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ چونکہ غاروں کے قریب فاران' میر صادق آدمیوں کے ساتھ موجود تھے۔ ان لوگوں کو وہیں غار کے دہانے پر نشانہ بنا دیا گیا' اور اس کے وحشیوں میں ابتری پھیل گئی۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ صورتحال ان کے شدید خلاف ہو گئی ہے۔ نجانے وحشی موت کا شکار ہو گئے تھے۔ ہم اپنی زندگیاں بچانے کیلئے یہ وحشیانہ جنگ کر رہے تھے۔ اس

بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ ان میں سے کسی پر رحم کیا جائے۔ عورت ہوتی یا مرد ہم ان پر بے دریغ گولی چلا رہے تھے' لیکن پھر ہمیں کچھ بچے بھی دوڑتے نظر آئے۔ ہم میں سے کوئی بھی اتنا شقی القلب نہیں تھا کہ ان بچوں کو بھی گولیوں کا نشانہ بنا لیتا۔ ظاہر تھا کہ وحشیوں کی یہ نسل پروان چڑھ رہی تھی اور یہ بچے بھی بڑے ہو کر اپنے سرپرستوں کی تقلید کرتے' لیکن جو کچھ بھی تھا' انہیں ان کے خون میں نہلانا ہمارے بس کی بات نہیں تھی۔ ہم میں سے کسی نے بھی ان پر گولی نہیں چلائی اور وہ ادھر ادھر دوڑتے رہے' بلکہ ان کی وجہ سے کچھ وحشیوں کو بھی ان ڈھلانوں پر پہنچنے کا موقع مل گیا جو اوپر جا کر چٹانوں کی اوٹ میں پوشیدہ ہو سکتے تھے۔ وہ وحشی ہمارے ہاتھ نہ آ سکے۔ بچے بھی ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ وحشی شاید سمجھ گئے تھے کہ ہم بچوں کو نشانہ نہیں بنا رہے۔ ان کے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں تھا کہ وہ ہم سے اپنا انتقام لیتے۔

بہرطور جب روشنی پوری طرح پھیلی تو ہم نے وحشیوں کی لاشیں گنیں۔ تقریباً تیس وحشی لقمۂ اجل بن چکے تھے۔ جن میں تیرہ عورتیں تھیں اور سترہ مرد۔ باقی فرار ہو گئے تھے اور اب ان کی واپسی کی کوئی توقع نہیں تھی۔ کیونکہ وہ سمجھ چکے تھے کہ ہمارے پاس آتشیں ہتھیار موجود ہیں اور ان ہتھیاروں کی موجودگی میں ان کی ایک نہ پیش آئے گی۔

ان آدم خوروں سے وقتی طور پر چھٹکارا پا لیا گیا تھا' اور اب ان کی فوری مڈبھیڑ کا کوئی خدشہ نہیں تھا۔ ہر چند کہ ان کی تعداد اب بھی تشویشناک تھی' لیکن بہرطور ہم وقتی طور پر ان سے محفوظ ہو گئے تھے اور اب ہمارے سامنے جنگل کی سمت کا راستہ تھا۔ دلدل کا منظر ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور اب وہ ہمارے سامنے تھا۔ جگہ جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا اور جب یہ دھواں فضا میں منتشر ہوتا تو سڑی ہوئی دلدل کی ناگوار بو ہماری ناکوں سے ٹکراتی' جس میں گندھک کی بو کی آمیزش ہوتی تھی۔

چنانچہ اس طرف کا رخ کرنا بھی موت کو قریب لانے کے مترادف تھا' البتہ جنگل کشادہ ہے اور ہم نے اس طرف سفر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہم میں سے ایک گروہ یہیں رکا رہا اور پانچ افراد غار کی طرف چل پڑے تاکہ غار میں سے اپنا سامان دوبارہ نکال کر اپنے قبضے میں لے لیا جائے۔ ہم پانچوں نے اپنا وہ سامان باہر لا کر ڈھیر کر دیا' جسے وحشیوں نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ اس سامان کو ترتیب دے کر دوبارہ اپنے شانوں سے باندھا گیا اور اس کے بعد ہم نے اس خوفناک علاقے کو خیرباد کہا اور جنگلوں کی طرف بڑھ گئے جہاں نجانے کون سی آفتیں ہماری منتظر تھیں۔

وحشیوں کی لاشوں میں ٹھمسن کی لاش بھی موجود تھی۔ چنانچہ اب یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہ فوری طور پر منظم ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کا سربراہ ہی مارا گیا تھا۔ ہم تیز رفتاری سے چلتے ہوئے جنگلوں میں داخل ہو گئے۔ ٹھمسن کی سنائی ہوئی کہانی اب بھی ہمارے ذہن میں تھی اور ہمیں ہر لمحہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ ابھی کہیں سے کوئی جنگلی درندہ حملہ آور ہوگا۔ رائفلیں ہمارے ہاتھوں میں تیار تھیں' اور ہم نے سفر کرتے ہوئے اپنا رخ کچھ اس طرح رکھا تھا کہ ہر طرف دیکھا جا سکے۔ دو آدمی داہنی سمت رخ کر

کے چل رہے تھے' دو بائیں سمت' دو عقب میں اور باقیوں کا رخ تو سامنے تھا ہی۔

ہمارے چلنے کی رفتار بہت زیادہ تیز نہیں تھی کیونکہ جنگل کا تعین کئے بغیر اس میں دوڑنا ایک احمقانہ بات ہوتی' لیکن دوپہر تک ہم ان جنگلوں کے درمیان اتنا سفر طے کر چکے تھے کہ وہ علاقہ بہت ہی دور ہو گیا تھا' اور اب اگر وہ وحشی ہمارا تعاقب بھی کرتے تو اس میں کافی وقت صرف کرنا پڑتا۔

تھوڑی دیر کیلئے وہاں رک کر ہم نے خوراک آپس میں تقسیم کی لیکن بیٹھے نہیں' کیونکہ جنگلوں کے بارے میں کوئی صحیح اندازہ نہیں تھا۔ راستے میں چلتے ہوئے ہم نے پیٹ کی آگ بجھائی اور بدستور آگے بڑھتے رہے' پھر جب شام ہوئی تو ہم انتہائی گھنے جنگلوں کے جھنڈ میں تھے' اور ابھی تک ہمیں نہ تو کسی درندے کی آواز سنائی دی تھی اور نہ اس کے قدموں کی چاپ' لیکن اندازہ یہی ہوتا تھا کہ یہ جنگل درندوں سے محفوظ نہیں ہے۔ ان کے نشانات جگہ جگہ مل رہے تھے۔ بالآخر رات ہوئی لیکن گھنے جنگلوں کی یہ رات بے حد خوفناک تھی۔ درخت اتنے گھنے تھے کہ چاندنی ان کے نیچے نہیں آ سکتی تھی۔

اس پرخطر جنگل میں رات گزارنے کیلئے تمام ضروری اقدامات کر لئے گئے تھے۔ خشک ٹہنیوں کی یہاں کوئی کمی نہیں تھی۔ انہیں اکٹھا کر کے اپنے گرد آگ کا حصار قائم کر لیا۔ ٹہنیوں کا ایک ڈھیر اکٹھا کر لیا گیا تھا تاکہ آگ برابر روشن رکھی جا سکے۔ پہرہ دینے کیلئے چار چار آدمی منتخب کئے گئے۔ میری' سادان کی اور باقی لوگوں کی بھی ڈیوٹی تھی۔ آگ اس طرح روشن کی گئی تھی کہ جنگل کے گھنے درخت اس سے محفوظ رہیں۔ اس کا امکان تھا کہ کہیں گھنے درخت آگ نہ پکڑ جائیں۔

کچھ دلچسپ واقعات بھی پیش آئے تھے۔ مثلاً رات کے پہلے پہر جب کوئی بھی نہیں سویا تھا' ایک درخت سے خوفناک پھنکاریں سنائی دیں۔ یہ درخت ہمارے عین سروں پر تھا۔ فوراً درخت پر روشنیاں ڈالی گئیں۔ تین گز لمبا اور کافی موٹا ایک ناگ درخت کی ایک شاخ پر بل کھا رہا تھا۔ وہ آگ کی گرمی اور تپش سے خوفزدہ اور بے چین ہو گیا تھا مگر کسی طرف کھل کر بھاگنے کی ہمت بھی نہ کر پا رہا تھا۔ عین ممکن تھا کہ نیچے گر پڑے۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ اسے ہلاک کر دیا جائے۔

سادان نے نشانہ لگایا اور سانپ کے چیتھڑے اڑ گئے۔ یا پھر...... یہ دوسرے پہر کی بات ہے کہ ہمیں شیر کی غراہٹ سنائی دی۔ شیر بہت قریب تھا' لیکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم چوکنے رہے۔ رات بھر میں شیر کئی بار قریب آیا' لیکن آگ کے حصار میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکا۔

اس طرح یہ ہولناک رات گزری۔ کوئی بھی لمحہ بھر نہیں سو سکا تھا۔ دوسری صبح سب کی حالت غیر تھی' سوائے سادان کے۔ نہ جانے سادان کو کیا ہو گیا تھا۔ اس سے قبل وہ اس حالت میں کبھی نظر نہیں آیا تھا۔ سفر کرتے ہوئے میں نے اس سے یہ سوال کر لیا۔

''سادان۔ تم میں حیرت انگیز تبدیلیاں دیکھ رہا ہوں۔''

''کیسی تبدیلیاں چچا جان!'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''تمہیں بہترین قوت ارادی کا مظاہرہ کرتے دیکھ رہا ہوں۔'' سادان چند لمحات توقف کئے رہا پھر بولا۔

''چچا جان! میں آپ کو پہلے بھی کچھ حقیقتیں بتاتا رہا ہوں۔ درحقیقت یہ قوت ارادی میری اپنی میراث نہیں تھی بلکہ یوں لگتا ہے جیسے مجھے بخشی گئی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے سوال کیا۔

''آپ یقین کیجیے چچا جان کہ یہ سب کچھ میری اندرونی قوتوں کا کرشمہ نہیں ہے۔ اس وقت سے جب سے میں نے اس صندوق کے راز کو پایا اور مجھے یہ علم ہوا کہ میرے شانوں پر ایک ایسی ذمہ داری ہے' جو میرے آباؤ اجداد اٹھاتے چلے آئے ہیں' اور اسے پورا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ ایک عزم میرے اندر سے ابھرا۔ میں نے سوچا کہ اس پراسرار اور ہولناک کہانی کا انجام مجھ پر ہے اور یقینی طور پر مجھے ہی اس خوف آشام ملکہ کے خاتمے کا شرف بخشا جائے گا۔

چچا جان! میں نے اس وقت صرف ایک بات سوچی وہ یہ کہ وہ جو ناکام رہے ہیں' ممکن ہے ان میں قوت ارادی کی کمی رہی ہو۔ میں کسی بھی قیمت پر اس کو انجام دوں گا۔ سارے جہاں کی صعوبتیں میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ کسی بھی مشن کی انجام دہی کیلئے انسان کو اپنے جسم کا رواں رواں وقف کرنا پڑتا ہے۔ میں نے یہ عزم اپنے سینے میں موجزن کیا اور اس کے بعد جتنی بھی صعوبتیں مجھے پیش آ سکتی ہیں' میرے لئے بے اثر اور بے مقصد ہوں گی۔ کچھ ایسی پراسرار قوتیں مجھے اپنے دوش پر سنبھالے ہوئے ہیں' جو میرے لئے بھی اجنبی ہیں' لیکن مجھے یہ آوازیں ہر سمت سے سنائی دیتی ہیں کہ میں کامرانی کی طرف بڑھ رہا ہوں۔ میرا کوئی قدم غلط نہیں ہے۔ ہم بہرطور اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہیں' اور راستے کی صعوبتیں کچھ بھی ہوں لیکن ہم کامیاب و کامران رہیں گے۔

بس یوں سمجھ لیں کہ مجھے اپنی منزل پانے کی خوشی ہے اور اس خوشی کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔'' سادان نے جواب دیا۔

میں حیران رہ گیا تھا۔ سفر جاری رہا۔ گھنے جنگل کا سلسلہ اب تقریباً ختم ہو گیا تھا اور اب خال خال درخت نظر آ رہے تھے' پھر ایک بہت ہی وسیع اور کشادہ جھیل ہمارے سامنے آ گئی۔ دور ہی سے جھیل دیکھ کر ہمارے چہرے کھل اٹھے تھے۔ مزدوروں نے تو جھیل کی جانب دوڑ لگا دی تھی' لیکن میر صادق نے انہیں روکا اور وہ رک گئے۔

''کہاں بھاگ رہے ہو تم؟'' میر صادق غصے میں بولا۔

''پانی...... پانی۔'' تمام مزدور بیک وقت بولے۔

''یہ پانی کسی سوئمنگ پول کا نہیں ہے' بلکہ افریقہ کے گھنے علاقوں کی ایک جھیل ہے۔ سمجھے تم لوگ۔ یہاں تمہیں لاکھوں خطرات پیش آ سکتے ہیں۔ پہلے اس جھیل کا جائزہ لے لیا جائے اس کے بعد

تم اس میں تیر سکتے ہو۔'' مزدور سنبھل گئے اور ہم آہستہ آہستہ جھیل کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں کی فضا روشن تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ جھیل کا پانی چمک رہا تھا۔ پاٹ تقریباً سو گز چوڑا تھا' اور جس جگہ ہم رکے تھے وہاں سے تقریباً ایک فرلانگ دور جھیل دائیں ہاتھ کو مڑ کر نظروں سے اوجھل ہو جاتی تھی۔

چنانچہ اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد مزدوروں کو اجازت دے دی گئی' اور وہ کپڑے اتار کر گہرے پانی میں کود گئے۔ ان کے حلق سے قہقہے نکل رہے تھے اور وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ ہم نے بھی طویل عرصے کے بعد غسل کیا۔ ایسی صاف شفاف جھیل تھی کہ اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ اس طرح کے کسی ویران علاقے میں ہے۔ جھیل کا دوسرا کنارہ جابجا گڑھوں اور چھوٹی چھوٹی کھائیوں سے بھرا ہوا تھا۔

ہم غسل کرتے رہے' اور دفعتاً سادان کی آواز ابھری۔

''چچا جان...... چچا جان! ذرا اس طرف دیکھیے۔ اس طرف...... وہ اس طرف۔'' وہ ایک سمت اشارہ کر رہا تھا۔ میرے ساتھ سب ہی کی نگاہیں اس سمت اٹھ گئیں اور ہم نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ کوئی جھیل کے اس کنارے پر موجود تھا۔ یقیناً کوئی انسان ہی تھا۔ شاید کوئی جنگلی وحشی لیکن وہ کہنیوں کے بل سر اٹھائے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے کھڑے ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ہم بغور اسے دیکھتے رہے پھر فاران آہستہ سے بولا۔

''یہ کیا قصہ ہے؟''

''خدا جانے۔'' میں نے کہا۔

''پتہ لگایا جائے؟''

''کوئی خطرہ نہ ہو؟''

''خطرات تو ہر جگہ ہیں۔ ایسا کرو ہم میں سے دو آدمی وہاں جاتے ہیں اور اسے دیکھتے ہیں۔ باقی رائفلیں لے کر تیار رہیں۔ ممکن ہے کوئی ایسی ضرورت پیش آ جائے۔''

''مگر...... مگر اسے دیکھنے کی ہی کیا ضرورت ہے؟'' زرنام نے کہا اور ہمارے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ڈاکٹر صاحب ہم ان علاقوں میں آئے ہیں تو انہیں نظر انداز کرنا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

میں اور سادان آہستہ آہستہ جھیل میں اترنے لگے۔ کمر کمر پانی میں پہنچنے کے بعد ہم نے تیرنا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اس کنارے پر پہنچ گئے' جہاں وہ سیاہ فام پڑا ہوا تھا۔ سیاہ فام کا نچلا دھڑ بری طرح زخمی تھا۔ اس پر جگہ جگہ سے گوشت غائب تھا اور اس کے زخموں سے خون رس رہا تھا۔ انتہائی قوی ہیکل بدن کا مالک تھا اور ایک عجیب سی شخصیت کا نوجوان تھا۔ اس کے بدن پر ا

شدید زخم تھا لیکن اس کے چہرے پر کرب کے آثار نہیں تھے۔

ہمیں دیکھ کر اس کے سفید سفید دانت نمایاں ہو گئے۔ آنکھوں میں تھکن اور نڈھال سی کیفیت نظر آ رہی تھی۔ سادان اور میں اس کے قریب بیٹھ گئے۔ ہم نے اسے بغور دیکھا۔ اس کے چہرے پر رنگین نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ گلے میں عجیب و غریب قسم کی ہڈیوں کی مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔ ہم نے اس کے زخم کو دیکھا۔ زخم بہت خراب تھا۔ اس کیلئے ڈاکٹر زرنام کی فوری ضرورت تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اشارے سے زرنام کو اس طرف بلایا۔ زرنام کیلئے یہاں تک آنا ایک بہت بڑا مسئلہ تھا' لیکن چونکہ میں بلا رہا تھا اس لئے اس نے جھیل میں اترنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تب میں نے سادان سے کہا۔

''سادان بہتر یہ ہے کہ تم وہاں چلے جاؤ...... اور پھر زرنام کو صورتحال بتاؤ۔ یا پھر ہم ایسا کیوں نہ کریں کہ اس نوجوان کو اٹھا کر اس سمت لے چلیں۔''

''مشکل ہے۔ پانی میں اس کا زخم اور خراب ہو سکتا ہے۔'' سادان نے جواب دیا۔ یہ بات بھی سمجھ میں آنے والی تھی۔

بہر طور سادان کو دوسرے کنارے پر جانا پڑا۔ ڈاکٹر زرنام اپنا فرسٹ ایڈ بکس لے کر اس کی طرف آ گیا۔ صورتحال چونکہ دوسری طرف لوگوں کو معلوم ہو چکی تھی اس لئے ایک ایک کر کے سب ہی سیاہ فام کے نزدیک پہنچ گئے۔ ڈاکٹر زرنام نے اپنا بکس نکالا اور اس کے زخم صاف کرنے لگا۔ خاصا بگڑا ہوا زخم تھا۔ شاید کئی دن پرانا معلوم ہوتا تھا۔ سیاہ فام نوجوان نے آنکھیں بند کر لی تھیں' لیکن زخم کی صفائی کے دوران بھی کیا مجال جو اس کے حلق سے ایک بھی کراہ نکلی ہو۔ وہ بہت ہی باہمت اور پرجوش نوجوان نظر آتا تھا اور اس کے زخم پر بینڈیج کر دی گئی۔ نوجوان حیرت سے اپنے زخم پر بندھی ہوئی ان پٹیوں کو دیکھ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر ممنونیت کے جذبات تھے۔ دفعتاً مجھے نجانے کیا سوجھی' میں نے کسی اور زبان میں اس سے پوچھا۔

''تم کون ہو' اور تمہارے یہ زخم کیسے آیا؟'' یہ زبان مجھے بخوبی نہیں آتی تھی۔ بس یہاں رہ کر جو مختلف معلومات میں نے حاصل کی تھیں' انہی کے تحت زبانیں میں نے سیکھ لی تھیں' جو افریقہ کے اندرونی خطوں میں بولی جاتی تھیں۔ نوجوان نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا تو میں نے منگوالی زبان میں اس سے یہی سوال کیا۔ جب وہ یہ زبان بھی نہ سمجھا تو میں نے سواتی زبان میں اس سے کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں پوچھا کہ وہ کون ہے۔

''فروزن۔'' اس نے جواب دیا اور میں مسرت سے اچھل پڑا۔ سواتی زبان کے یہ الفاظ اس کی سمجھ میں آ گئے تھے۔ میں نے اپنی یادداشت مجتمع کی اور کہا۔

''تمہارا نام فروزن ہے؟''

''ہاں۔'' نوجوان نے جواب دیا۔

''یہ زخم کیسے آیا تمہارے۔''

''شیر نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔'' نوجوان نے جواب دیا۔

''اوہ...... کس جگہ؟''

''اس جگہ۔'' نوجوان نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا' اور جس طرف اس نے اشارہ کیا تھا ادھر تقریباً سات فٹ لمبا اور بے حد توانا شیر مردہ پڑا تھا۔ ایک نیزہ اس کے حلقوم میں پیوست تھا۔ ہم سب حیرت زدہ رہ گئے۔ نوجوان کے اشارے کی طرف سب ہی نے اس طرف دیکھا تھا۔

''اوہ...... تو تم نے اپنے دشمن کو ہلاک کر دیا؟''

''اوہ...... تو تم نے اسے ہلاک کر دیا؟'' سادان نے بھی اس طرف دیکھ کر کہا۔

''ہاں......'' نوجوان نے مسکرا کر جواب دیا۔ اس کی آنکھیں بے حد حسین تھیں اور اس قوی ہیکل بدن کی وجہ سے وہ بے حد شاندار شخصیت کا مالک نظر آتا تھا۔

''واہ...... فروزن تم تو بہت دلیر ہو۔ اتنے بڑے شیر کو قتل کر ڈالا تم نے۔'' فروزن نے کوئی جواب نہیں دیا بس مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا' پھر میں نے کہا۔

''یہ زخم تمہارے اسی شیر نے لگائے تھے؟''

''ہاں۔''

''لیکن تم یہاں کس لئے آئے تھے؟''

''اس زخم کی وجہ سے مجھے چلنے پھرنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ کچھ بہتر ہو جائے تو میں یہاں سے سفر شروع کر دوں۔''

''تم کب سے یہاں ہو؟''

''چار سورج اور چار چاند گزر چکے ہیں۔'' نوجوان نے جواب دیا۔

''گویا چار دن؟''

''ہاں......'' وہ بولا۔

''کیا اس دوران اور درندے یہاں نہیں آئے۔'' میں نے پوچھا۔

''آئے تھے مگر مجھے مردہ سمجھ کر چلے گئے۔'' وہ آہستہ سے ہنس پڑا۔

''وہ کیسے؟'' میں نے سوال کیا۔

''میں سانس روک کر اوندھا لیٹ جاتا ہوں اور وہ مجھے سونگھ کر چلے جاتے ہیں۔''

''اوہ...... خدا کی پناہ' تمہیں خوفناک مشکلات سے گزرنا پڑا ہوگا۔'' نوجوان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس وہ خاموش بیٹھا اپنی جگہ مجھے گھورتا رہا۔

''تمہارا قبیلہ کہاں ہے فروزن۔'' میں نے سوال کیا' اور اس نے پھر ایک جانب اشارہ کر

دیا۔ اس طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑی ٹیلوں کی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔

''ان پہاڑیوں کے دوسری طرف؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''ہم تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟'' میں نے سوال کیا اور اس نے ممنونیت سے گردن جھکا دی۔ میرے اس سوال کے جواب میں اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔

چند لمحات میں اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا پھر میں نے خود ہی کہا۔ ''اگر میں تمہیں تمہارے قبیلے میں لے چلوں تو تمہارے قبیلے کے لوگ ناراض تو نہیں ہوں گے؟'' اس نے معصومانہ انداز میں زور زور سے گردن ہلائی' پھر بولا۔ ''تمہارا یہ احسان وہ نہیں بھولیں گے۔''

سادان اور دوسرے لوگ کھڑے ہماری باتیں سن رہے تھے۔ میں نے سادان کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولا۔

''کوئی حرج نہیں ہے۔''

''اوہ...... اوہ...... تم بھی سوانی زبان جانتے ہو؟''

''اور بھی بہت سی زبانیں سیکھی ہیں میں نے' چچا جان۔ آپ بھول رہے ہیں۔'' سادان مسکرا کر بولا۔

''اس وقت میں خود ہی کو تیس مار خان سمجھ رہا تھا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یہ نوجوان خوش بختی کی علامت ہے ہمارے لئے۔'' سادان بولا۔

''وہ کیسے؟''

''کم از کم اس جنگل میں کسی دوست کی شکل تو نظر آئی۔ اگر یہ لوگ ہماری رہنمائی کا باعث بن سکیں تو اس سے عمدہ کیا بات ہوگی؟''

''میاں اس کے امکانات ہیں۔''

''بھئی مسئلہ کیا ہے؟ کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلے۔'' فاران نے کہا' اور ہم اسے صورتحال بتانے لگے۔ فاران گہری سوچ میں ڈوب گیا اور بولا ''اور تو کوئی بات نہیں ہے کہیں اگر یہ بھی آدم خور نکلے۔''

''بظاہر تو نہیں ہیں۔''

''بہرحال رسک لیا جا سکتا ہے۔ اسٹریچر نکلوایا جائے۔'' فاران بولا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم تیار ہو گئے۔ نوجوان کو اسٹریچر پر لٹایا گیا اور مزدوروں نے یہ اسٹریچر اٹھا لیا۔ نوجوان ہماری رہنمائی کرنے لگا اور ہم پہاڑیوں کی سمت چل پڑے۔

سفر تیز رفتاری سے ہو رہا تھا۔ پہاڑیوں کے کنارے تو اردگرد پھیلے ہوئے تھے' جسے ہم نے اوپر سے دیکھا تھا۔ تھوڑی دور ہی تھے کہ دفعتاً ہم نے ڈھول بجنے کی آوازیں سنیں۔ یہ آوازیں تیز

ہوتی جارہی تھیں۔ نوجوان نے اسٹریچر پر اٹھتے ہوئے کہا۔

"رک جاؤ' وہ تمہارے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں۔" اور ہم رک گئے۔

"کسی طرح مجھے کھڑا کردو۔" وہ بولا...... اور چند لمحات کے بعد ہم نے اسے کھڑا کردیا۔ ہم اسے دونوں طرف سے سہارا دیئے ہوئے تھے۔

پھر نوجوان کے حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکلنے لگیں۔ وہ گانے والے انداز میں چیخ رہا تھا۔ اس نے منہ کے آگے بھونپو سا بنالیا تھا۔ جنگل کی خاموشیوں میں اس کی یہ آواز عجیب لگ رہی تھی۔ دیر تک وہ اسی انداز میں چیختا رہا۔

دفعتاً ڈھول بند ہوگئے۔ اب اس کی آواز کی گونج اور بلند ہوگئی تھی' پھر اچانک پہاڑیوں کے عقب سے بے شمار افراد دوڑتے ہوئے اس طرف آرہے تھے۔ ان کی رفتار بہت تیز تھی۔ ہم سب سناٹے کے عالم میں انہیں دیکھ رہے تھے۔ بڑا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ حسین نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔" وہ بولا۔ "میں نے انہیں صورتحال سے آگاہ کردیا ہے۔" ہم سب خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ آن کی آن میں وہ ٹڈی دل ہمارے پاس پہنچ گیا تھا' پھر وہ اسٹریچر کے گرد جمع ہوگئے۔ ایک قوی ہیکل بوڑھا شخص روتا ہوا نوجوان سے لپٹ گیا' وہ اسے بری طرح چوم رہا تھا۔

ان لوگوں کے ہجوم میں ہم لوگ نوجوان سے دور ہوگئے۔ بہرحال ہم ان کی کارروائیاں دیکھتے رہے' پھر نوجوان کے اسٹریچر کو دوسرے لوگوں نے سنبھال لیا اور برق رفتاری سے آگے بڑھنے لگے' البتہ وہ بوڑھا شخص ہمارے قریب آگیا تھا۔

"مجھے علم ہوا ہے کہ تم لوگ ہماری زبان جانتے ہو؟"

"ہاں۔" میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔

"تم نے فروزن پر احسان کیا ہے۔ فروزن میرا بیٹا ہے۔ میرا نام ہومانو ہے۔ میں اس قبیلے کا سردار ہوں۔" اس نے کہا۔

"ہمیں خوشی ہے سردار تمہارے بیٹے کی جان بچ گئی!"

"کیا تم کچھ عرصہ کیلئے ہمارے مہمان بن کر ہمارے اوپر احسان کروگے؟"

"خوشی سے سردار۔" میں نے کہا اور بوڑھا ہاتھ اٹھا کر اسی طرح چیختا رہا۔ بہت سے افراد قریب آگئے اور ہم سے ہمارا سامان ہمارے ہاتھوں سے لے کر سروں پر رکھ لیا۔ سردار کے اشارے پر ہم آگے بڑھ گئے۔

پہاڑیوں کے دوسری جانب ایک بستی آباد تھی' کسی قدر تہذیب یافتہ بستی۔ وہ لوگ درختوں کی چھالوں سے بنے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ کچھ کے لباس کھالوں سے بنے ہوئے تھے۔

ایک مخصوص طرز کے جھونپڑے بنائے ہوئے تھے۔ یہ جھونپڑے چھوٹے' بڑے ہر قسم کے تھے۔ ایک بڑے جھونپڑے میں ہمارے رہنے کا بندوبست کیا گیا۔ ہمارا سارا سامان وہاں رکھ دیا گیا تھا۔ جھونپڑے کے سامنے بہت وسیع احاطہ تھا' جہاں درخت اگے ہوئے تھے اور درختوں کے نیچے جھونپڑے بنے ہوئے تھے جو رہنے کیلئے استعمال ہوتے تھے۔

ہماری پہلی تواضع گوشت اور دودھ سے کی گئی تھی۔ یہاں پہنچ کر بے حد سکون ہوا۔

"کیا خیال ہے چچا جان! آسانیوں کا دور شروع ہوگیا۔" ساوان بولا۔

"وقتی ہے ساوان۔" میں نے کہا۔

"ہاں...... چچا جان۔ بہرحال شدید مشکلات کے بعد یہ سب کچھ ہوا ہے۔"

"شاید......" میں نے مختصراً کہا۔

"آپ مجھ سے متفق نہیں ہیں شاید۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ شاید۔"

"نہیں ایسی بات بھی نہیں ہے۔"

"اب دیکھیے ناکشتی کی تباہی' یہ آدم خور وحشیوں سے ملاقات اس کے بعد پرخطر جنگلات کیا مشکلات نہیں تھیں؟"

"بے شک تھیں۔"

"اور اس کے بعد یہ آرام؟"

"وقتی ہیں...... ساوان۔"

"ٹھیک ہے لیکن ہے سہی۔" وہ بولا۔

"ہاں۔ اس سے میں نے کب انکار کیا۔"

"ان حالات میں سکھ کے جو لمحات مل جائیں گے وہ غنیمت ہیں۔"

"ہیں' لیکن اس لمحات کو مستقل تو نہیں کہا جاسکتا۔"

"بہرحال میں مطمئن ہوں۔"

"میں بھی مطمئن ہوں ساوان مسئلہ ان لوگوں کا ہے۔" میں نے دوسروں کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں...... ان کے بارے میں' میں سمجھتا ہوں تو مجھے واقعی پریشانی ہوتی ہے۔"

"مجھے خوف ہے ساوان کہ کہیں ان کی قوت برداشت جواب نہ دے دے اور وہ بددل نہ ہو جائیں۔"

"اپنا ہی نقصان کریں گے۔"

"وہ کیوں؟"

''دیکھیے نا۔ یہ حالات ناگزیر تھے۔ ہم خود بھٹک گئے ہیں۔ یہ سب کچھ ہمارے بس میں تو نہیں تھا۔''

''شاید اسی لئے یہ خاموش ہیں۔''

''یہ خاموشی ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔ اگر یہ بددل ہو گئے تو ہم انہیں واپسی کی اجرت دے دیں گے۔ بہرحال انہیں ملنا وہی ہے' جو ہم طے کر چکے ہیں اور ان کیلئے وہ بھی برا نہیں ہے۔'' سادان نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

قبیلے والے ہماری بڑی خاطر کر رہے تھے۔ رات کو ہمارے لئے سالم بکرے بھون کر لائے تھے اور پہاڑی بکروں کا یہ گوشت ہمیں بہت لذیذ محسوس ہوا تھا۔ دو خادموں کو ہماری ضروریات کیلئے مختص کر دیا گیا تھا۔

خوب رات گئے بوڑھا سردار ہمارے پاس آیا اور اس نے بتایا کے فروزن اب ٹھیک ہے۔ اس نے بڑی احسان مندی کا اظہار کیا تھا' پھر اس نے اپنے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''میرے قبیلے کا نام لواسیہ ہے۔ ہومانو ایک مشن پر قبیلہ شگایہ گیا ہوا تھا لیکن شگایہ والوں نے بددیانتی کی اور قاصد کو گرفتار کر کے لواسیہ سے جنگ مول لے لی' اور اب شگایہ' لواسیہ کے قہر سے نہ بچ سکے گا! بس فروزن کے صحت مند ہونے کا انتظار ہے۔'' سردار کئی گھنٹے ہمارے پاس بیٹھا رہا۔ وہ اپنے قبیلے کے بارے میں بہت کچھ بتا رہا تھا اور ہمیں حیرت تھی۔ فاران' میر صادق اور زرنام بھی نزدیک بیٹھے ہوئے تھے اور سادان انہیں اس گفتگو کا ترجمہ کر کے سناتا جا رہا تھا۔ بوڑھے سردار نے بتایا۔

''لواسیہ اور شگایہ کی دشمنی ازلی ہے' اور یہ دشمنی ابد تک جاری رہے گی' یہ جادوگروں کی پیشن گوئی ہے۔ کیونکہ اس دشمنی کی بنیادیں بہت گہری ہیں۔ یہ بنیادیں اس وقت پڑیں جبکہ دلدلوں کی دوسری جانب زمین کی گہرائیوں میں ایک شخص پیدا ہوا۔ یہ گہرائیاں دلدلوں سے پرے آج بھی موجود ہیں۔'' سردار نے بتایا کہ اس شخص کے پاس ایک گائے تھی۔ اس سے پہلے یہاں کبھی کوئی گائے پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس شخص کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام لواسیہ اور دوسرے کا شگایہ تھا۔ یہ دونوں قبیلے اسی نسل سے ہیں۔ دلدل سے پیدا ہوئے' اس پہلے آدمی کے پاس ایک گائے تھی' پھر اس گائے نے ایک بچھڑا دیا۔

اور اس شخص نے یہ گائے اور بچھڑا اپنے دونوں بیٹوں کو دے دیا۔ وہ بچھڑا لواسیہ کے بڑے بھائی' شگایہ نے چھین لیا۔ چھوٹے بھائی کو اس پر سخت غصہ آیا اور اس نے اپنے باپ سے شکایت کر دی۔ باپ نے شگایہ کو سمجھایا کہ وہ لواسیہ کو اس کا بچھڑا واپس کر دے مگر شگایہ کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ تنگ آ کر اس نے کہا۔

''بیٹے تو ساری زندگی اس بچھڑے کے پیچھے بھاگتا رہے گا اور اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ اس وقت سے شگایہ اور لواسیہ میں دشمنی کی بنیاد پڑ گئی' جو نسل در نسل آج تک جاری ہے۔ ان کے درمیان لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں اور ان لڑائیوں کا سبب وہی گائے اور بچھڑا ہیں۔ آئے دن قتل و غارت گری ہوتی ہے۔''

شگایہ والے لواسیہ کے بچھڑے ہنکا لے جاتے ہیں اور لواسیہ والے وہاں کی گائے پکڑ لاتے ہیں۔ یہ قبیلہ خاصے بڑے گروہ کی شکل میں ہے اور بقول سردار کے' ان کی صحیح تعداد کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ کبھی ادھر کے کچھ مرد کم ہو جاتے ہیں کبھی ادھر کے۔

یہاں کی رسم و روج بڑی انوکھی ہیں۔ ایک ایک مرد کی کئی کئی بیویاں ہوتی ہیں اور ایک ایک عورت سے کئی مرد شادیاں کر سکتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر شخص کا مرنے سے پہلے ایک بیٹا ضرور ہونا چاہیے۔ چنانچہ جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کا بھائی یا کوئی قریبی رشتہ دار اس لڑکی سے شادی کر لیتا ہے اور جو بچے پیدا ہوتے ہیں ان کی ولدیت اس مرنے والے شخص سے منسوب کی جاتی ہے اور ان کا نام بھی اس شخص کے نام پر رکھا جاتا ہے۔ اگر کسی شخص کے بھائی کنوارے مر چکے ہوں تو اس کا فرض ہے کہ وہ پہلے اپنے ہر بھائی کیلئے ایک بیوی کرے تا کہ اس کا سلسلہ اور نام چلتا رہے۔

جادوگر ان کے نزدیک عظیم قوتوں اور قدر و منزلت کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ اسے خدا اور انسان کے درمیان واسطہ قرار دیتے ہیں۔

ان کا یہ نظریہ بہت دلچسپ تھا کہ آدمی سوتا ہے تو اس کی روح نکل کر آفاق کی پنہائیوں میں گشت کرنے نکل کھڑی ہوتی ہے۔ اس گشت کے دوران اس کا گزر جہاں جہاں سے ہوتا ہے' اور اس کی ملاقات جن جن چیزوں سے ہوتی ہے' وہی اسے خواب میں نظر آتی ہیں' اور ان کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ موت' بیماری اور مصیبتیں اجداد کی روحیں نازل کرتی ہیں۔ جب خواب میں ان کی روحیں ان کے نزدیک سے گزرتی ہیں تو وہ یکلخت اس پر ٹوٹ پڑتی ہیں اور وہ بیمار ہو کر موت کا شکار ہو جاتا ہے۔

وہ یہ اعتقاد بھی رکھتے تھے کہ دنیا کو پیدا کرنے والی کوئی ہستی ہے ضرور۔ ان کا مورث اعلیٰ ایک سفید گائے کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس گائے کو کسی اور نے پیدا کیا جس کے بارے میں انہیں معلومات نہیں۔ بالآخر سردار نے بڑی عجیب باتیں سنائیں اور بتایا کہ شگایہ سے جنگ کرنے کیلئے اس نے اپنے بیٹے کو بھیجا تھا لیکن شگایہ والوں نے اس سے زیادتی کر کے جنگ کو ناگزیر بنا دیا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ صرف فروزن کے صحتیاب ہونے کا انتظار ہے' جنگ شروع کر دی جائے گی۔

سردار کے جانے کے بعد ہم اس بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ ''اب کیا خیال ہے کیا ہم ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہوں گے؟'' فاران نے ہنس کر کہا۔

''نہیں بھائی! مجھے تو ان وحشیوں کی جنگ کے تصور سے ہی خوف محسوس ہوتا ہے۔ کیسی عجیب روایات ہیں ان کی۔'' زرنام نے لرزتے ہوئے کہا۔

''ہاں اس جدید دور کی جدید تہذیب میں یہ ساری باتیں بہت عجیب محسوس ہوتی ہیں لیکن

صحرائے اعظم ان ہی داستانوں کی سرزمین ہے۔''

رات کو ہم سونے کی کوشش کرتے رہے اور چونکہ سکون کی جگہ تھی اس لئے گہری نیند آئی۔

دوسرے دن سب ہی بہت دیر سے جاگے تھے۔ ناشتہ تیار تھا۔ وہ ہمارے لئے بہترین غذا مہیا کر رہے تھے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ہماری گفتگو ہوئی۔

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ان سے کیا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔'' میر صادق بولا۔

''صرف ایک۔'' میں نے کہا۔

''وہ کیا؟''

''اس سمت کے بارے میں معلوم کریں گے، جو ہماری منزل ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں ان سے اور کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔'' میں نے جواب دیا۔

''یہ کیا کریں گے مسٹر زرمناس۔''

''بس کسی مناسب موقع پر۔''

''یہاں قیام کریں گے ابھی۔''

''میرے خیال میں مسٹر میر صادق ہمیں چند روز یہاں ضرور گزارنے چاہئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طویل اور تھکا دینے والی مہم کے دوران یہ پہلا موقع ہے کہ ہم ایک محفوظ جگہ قیام پذیر ہیں۔ ستانے اور آرام کرنے کے اس موقع کو ہاتھ سے گنوانا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس کے بعد ہمیں دشوار گزار راستوں کے سفر پر چل پڑنا ہے۔

تقدیر کے کھیل ہمارے اختیار سے باہر ہوتے ہیں، اگر ہم سیدھے راستے پر چلتے رہے تو شاید اب تک منزل پر پہنچ گئے ہوتے۔''

''ہاں۔'' میر صادق نے ایک گہری سانس لی۔

''یہ صرف میری رائے ہے۔ مسٹر میر صادق۔ آپ میں سے ہر ایک اپنی رائے دینے کا مجاز ہے۔ اگر کوئی تجویز آپ کے ذہن میں ہو تو ضرور بتائیں، ہم اس پر غور کریں گے۔''

''نہیں کوئی تجویز نہیں ہے میرے ذہن میں۔''

''جنگلوں کی زندگی اس سے مختلف نہیں ہوتی۔ مسٹر میر صادق ان میں ہی سب کچھ ہ ہے۔''

''ہاں، مجھے اندازہ ہے۔''

''اور پھر دولتمند بننے کیلئے یہ سب کچھ ضروری ہے۔'' فاران مسکراتا ہوا بولا۔ سب مسکرا لگے تھے۔

تیسرے دن فروزن اپنے قدموں سے چل کر ہمارے پاس آیا۔ بڑا شاندار جوان تھا۔ ہمارے لئے تحائف لایا تھا اور یہ تحائف بیش قیمت پتھر اور سونے کے بھدے زیورات تھے۔ ا

نے یہ تحائف ہم لوگوں میں تقسیم کر دیئے اور تمام چہروں پر زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ مہذب دنیا میں یہ پتھر کھوں روپے کی مالیت کے تھے۔ بددل ہونے والے زندگی سے معمور ہو گئے۔ چہروں پر خوشی کی لامت تھی۔ مجھے سکون ہوا تھا کم از کم ان بیچاروں کے کچھ تو آنسو خشک ہوئے۔

پھر ایک دن شام جنگلی نقارے کی آواز گونجی اور دل دہل گئے۔ ہم سب باہر نکل آئے۔ لان جنگ ہوا تھا۔ ہر گھر سے جنگجو اور خون آشام نکل نکل کر آ رہے تھے۔ وہ بھالے، خنجر، کلہاڑے ر پھرے لے کر وسیع چوک میں جمع ہو رہے تھے۔ ہر طرف شور غوغا مچا ہوا تھا۔ بڑے بڑے گڑھاؤ ابرتن چوک میں جمع کر دیئے گئے تھے اور ان میں مچھلی کی شراب بھر دی گئی۔

شراب عام ہو گئی تھی۔ سب سے پہلا جام فوجوں کے سالار نے لیا۔ یہ ایک دیوقامت سیاہ م تھا، جس کے بدن پر جانوروں کی کھوپڑیاں سجی تھیں۔ اس کے بعد شراب عام ہو گئی۔ ہر ایک کیلئے ی کا جام پینا ضروری تھا۔

وہ رات عجیب مصیبت میں گزری۔ جھونپڑوں کے قریب بستی کی عورتیں اور بچے شور مچا رہے ے۔ وہ رزمیہ گیت گا رہے تھے۔ یہ غل غپاڑہ ناقابل برداشت تھا۔ مجبوری تھی۔ ساری رات اسی رح گزر گئی۔ دوسری صبح قبیلہ جنگ پر جا رہا تھا۔ بوڑھا سردار شیر کی کھال پہنے ہوئے تھا اور اس کے ر پر شیر کی کھوپڑی کسی ہوئی تھی، وہ ہمارے پاس آ کر بولا۔

''معتقد مہمانو! جنگ ناگزیر ہے اور ہمیں افسوس ہے کہ ہم تمہیں اپنی بستی میں چھوڑ کر جنگ جا رہے ہیں۔ جب ہم وہاں سے لوٹیں گے تو بہت سی کھوپڑیاں اور عورتیں ہمارے ساتھ ہوں گی۔ ان کے مویشیوں کے گلے کے گلے ہنکا لائیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ تم ہمارا انتظار کرو گے۔ اب ں اجازت دو۔''

سردار نے ہمیں سینے سے لگایا اور پھر ہم نے اس عظیم الشان لشکر کو وہاں سے جاتے ہوئے تھا۔ ساوان نے ہنس کر کہا۔

''اصولاً تو ہمیں ان لوگوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہونا تھا لیکن افسوس ہم یہاں ان کا ار کریں گے۔''

''یہ کون سا اصول ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ ہم خاموشی سے یہاں سے نکل چلیں۔ تم نے تصویر دوسرے رخ پر غور نہیں کیا ہے۔'' میر صادق بولا۔

''تصویر کا دوسرا رخ؟'' ساوان نے پوچھا۔

''ہاں..... اگر انہیں جنگ میں شکست ہوئی تو کیا دوسرے قبیلے والے اس قبیلے پر یورش نہ کر گے۔ اس وقت کے بارے میں سوچا ہے تم نے۔'' میر صادق بولا۔ بات معقول تھی۔ ایک لمحے ے ہمارے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔

میر صادق نے جو کچھ کہا تھا اس کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان حالات میں ہم

مصیبت میں پھنس سکتے تھے۔ فروزن نے ہمیں قیمتی تحائف دیئے تھے۔ سیاہ فام مزدوروں کیلئے تو یہ تحائف اس قدر قیمتی تھے کہ وہ ان کی حفاظت کے خیال سے راتوں کو سو بھی نہیں پا رہے تھے۔ دوسرے لوگ بھی انہیں پا کر خوش تھے۔ بے نیاز تھے تو میں اور سادان کہ ہمیں ان چیزوں سے چنداں دلچسپی نہیں تھی۔

''کیا خیال ہے میر صادق، ہمیں کس طرف چلنا چاہیے۔'' سادان نے کچھ دیر تک سوچتے رہنے کے بعد سوال کیا۔

''ابتدائی طور پر تو اس طرف...... کیونکہ ان لوگوں کا رخ دوسری طرف ہے۔ اس طرح ان سے مڈبھیڑ کا خطرہ نہیں ہوگا۔ اس کے بعد ہم نقشے کے مطابق منزل کا تعین کر لیں گے۔ میر صادق نے جواب دیا اور میں نے فاران کی طرف دیکھا۔

''تو آپ کا کیا خیال ہے فاران صاحب؟''

''اصولی طور پر میں مسٹر میر صادق سے متفق ہوں کیونکہ ہم ان جنگلوں کی سیاحت کیلئے تو نہیں آئے ہیں۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ ہم اپنی طلب میں کامیاب ہو کر اپنی دنیا میں واپس چلے جائیں۔ اس طرح اس قبیلے کے لوگوں کا انتظار کرنے سے کیا فائدہ۔''

''اگر سب کی یہ ہی رائے ہے تو ٹھیک ہے ہمیں اعتراض نہیں ہے۔'' میں نے کہا' اور اس کے بعد اس موضوع پر گفتگو کی گنجائش نہیں رہی۔ گویا ہم سب متفقہ طور پر اس بات پر تیار ہو گئے تھے کہ موقع پاتے ہی یہاں سے نکل جائیں۔ اس فیصلے کے بعد میرے دل میں ایک ذرا سی خلش پیدا ہو گئی تھی۔ یہ لوگ لاکھ جنگلی صحیح لیکن فروزن اور اس کے باپ نے ہمارے ساتھ بہت بہتر سلوک کیا تھا اور وہ ہمیں اس امید پر چھوڑ کر گئے تھے کہ واپسی پر وہ ہمیں یہاں پر پائیں گے' لیکن یہ ان کی اپنی سوچ تھی۔ باقی لوگوں کا کہنا بھی درست تھا۔ اگر انہیں شکست ہو جاتی اور اس کے بعد یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ وحشی جنگلی ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ ہم انہی لوگوں میں شامل ہوتے جو شکست خوردہ ہوئے ہیں' جن کے ساتھ یہ جنگلی بہتر سلوک نہ کرتے ہوں گے کیونکہ فروزن اور اس کا باپ یہ کہہ کر گئے تھے کہ واپسی پر وہ مردوں کے سر اور عورتیں لے کر آئیں گے۔

تو کیا یہ ممکن نہیں ہوگا کہ وہ شکست کھا جائیں اور ان کے دشمن اس قبیلے کا رخ کریں' اور پھر وہ یہاں سے سر اور عورتیں لے جائیں اور ان سروں میں ہمارے سر بھی شامل ہوں گے۔

طے یہ کیا گیا کہ ہمیں آج ہی رات کو موقع پاتے ہی یہاں سے داہنی سمت دریائی دلدلی علاقے کی جانب سفر کرتے ہوئے دور نکل جانا چاہیے۔ اتنی دور کہ یہ لوگ ہمارا پتہ نہ پا سکیں اور اس کے بعد جب ہم مناسب جگہ پہنچ جائیں تو اپنا صحیح راستہ تلاش کر لیں۔

سرِ شام ہی آسمان بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔ فضا میں نمی گھلی ہوئی تھی' جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ بارش کسی بھی وقت ہو سکتی تھی' لیکن ابھی تک بارش کا کوئی وجود نہیں تھا۔ رات کے تقریباً بارہ بجے

ئے اور تاریکی گہری ہوتی چلی گئی۔ قبیلے کی وہ عورتیں اور وہ لوگ جو ہماری خدمات پر مامور کئے گئے تھے ہمیں رات کا کھانا دے گئے تھے۔ اس کے علاوہ ہمارے لئے آگ روشن کر دی گئی تھی تاکہ مچھروں وغیرہ سے بچاؤ ہو سکے۔ یہاں مچھر بہت ہو گئے تھے اور کافی بڑے بڑے تھے۔

آگ ہم نے روشن رہنے دی۔ ایک بجے ہم سب تیار ہو گئے۔ بستی کے کچھ جوان پہرے پر مامور تھے اور لمبے بھالے لئے ہوئے ان گلیوں پر تعینات تھے' جو باہر سے آنے والے راستوں کی سمت میں تھیں' لیکن ہم نے عقبی راستوں کا انتخاب کیا تھا۔

چنانچہ صحیح وقت پر ہم تیار ہو کر ان راستوں کی جانب چل پڑے۔ دو دو کی تعداد میں ہم لوگ آگے بڑھے تھے تاکہ کسی کو کوئی شبہ نہ ہو سکے' اور ہمارا انداز بھی اس طرح کا تھا کہ جیسے ہم چہل قدمی کر رہے ہوں۔ حالانکہ رات کے اس پہر چہل قدمی کرنا کسی طور مناسب نہیں تھا' لیکن بہرطور اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ یہ اتفاق کی بات تھی یا پھر بادلوں کی وجہ' یا رات کا پہر کہ ہمیں کسی نے دیکھا نہیں تھا' اور ہم سب بالآخر اس جگہ جمع ہو گئے جہاں سے ہمیں آگے کی جانب سفر کرنا تھا۔ تاریکی اتنی شدید تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا' لیکن یہ ہی موقع ہمارے لئے بھی بہتر تھا۔ اس تاریکی سے فائدہ اٹھا کر ہم جتنی دور نکل جاتے اس میں ہماری فائدہ تھا ورنہ دن کی روشنی ہمارے فرار کیلئے بہتر ثابت نہ ہوتی۔

ہم آگے بڑھتے رہے۔ اس گھور تاریکی میں سفر کی رفتار اتنی تیز نہ تھی' جتنی ہونی چاہیے تھی۔ جگہ جگہ ٹھوکریں پڑ رہی تھیں اور یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ہمارا اگلا قدم ہمیں کہاں لے جائے۔ موت اور زندگی ہمارے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ نجانے کہاں اختتام تھا۔ اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ دلدلیں بھی متوقع تھیں اور حشرات الارض بھی۔ درندوں کا بھی خطرہ تھا' لیکن بہرطور ان تمام خطروں کے ساتھ ہم آگے بڑھ رہے تھے اور ہماری یہ ہی کوشش تھی کہ جس طور بھی ممکن ہو سکے قبیلے سے دور نکل جائیں۔

راستہ چٹانی تھا اور فکر یہ تھا کہ ابھی جنگلوں کا راستہ شروع نہیں ہوا تھا۔ ویسے بھی اس بات کا تعین نہیں کیا جا سکتا تھا کہ جس راستے کی طرف ہم بڑھ رہے ہیں وہاں آگے چل کر ہمیں کتنے فاصلے جنگل ملیں گے' لیکن جو کچھ بھی تھا' اب تو یہ سفر طے کرنا ہی تھا۔

ہم اندھوں کی طرح ٹھوکریں کھاتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور ساری رات یہ سفر جاری رہا اور شکر تھا کہ کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا تھا' جو ہمارے لئے تکلیف دہ ہوتا اور پھر جب صبح کا اجالا پھیلا تو ہم نے جنگل کو اپنے بائیں سمت پھیلے ہوئے دیکھا۔ گویا ہم جنگل کے کنارے کنارے سفر کرتے رہے تھے اور جنگل بہت پہلے آ گیا تھا۔

جنگل کے اس حصے میں جنگلی جانوروں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں' جن پر ہم نے پہلے غور نہیں کیا تھا۔ ان آوازوں کو سن کر ہم کانپ کر رہ گئے۔

سادان ہمارے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور میر صادق اور زرنام نے جنگلوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"خدا کی پناہ...... اس کا مقصد ہے کہ جنگلوں کا سلسلہ بہت دور سے شروع ہو گیا تھا۔"

"ہاں...... رات اتنی تاریک تھی کہ ہم جنگل کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکے۔"

"میرے خیال میں صحرائے اعظم میں داخل ہونے کے بعد ہم نے اپنی زندگی کا سب سے خطرناک سفر کیا ہے۔" زرنام بولا اور میں ہنسنے لگا۔

"کیا کہا جا سکتا ہے' ڈاکٹر زرنام۔ ہم تو ہر لمحے کسی نہ کسی خطرے سے دوچار رہے ہیں۔

"لیکن کیا اندازہ ہے ہم کتنی دور نکل آئے ہیں؟" میر صادق نے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ رات بھر کا سفر ہمیں ان سے دس یا بارہ میل دور لے آیا ہوگا کیونکہ سفر کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس لئے اس سے زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا جا سکا ہوگا۔"

"بہر طور بری طرح تھکن ہو گئی ہے۔ کیا خیال ہے کچھ دیر آرام کیا جائے۔" ڈاکٹر زرنام نے کہا اور میں نے کہا۔

"نہیں۔ ڈاکٹر زرنام یہ وقت قطعی آرام کیلئے مناسب نہیں ہوگا۔"

"کیوں ڈیئر۔"

"یہ پوچھنے کی بات نہیں ہے۔ ڈاکٹر زرنام' یہ تو سمجھنے کی بات ہے۔ ہمیں اس وقت تک آگے بڑھتے رہنا چاہیئے جب تک ہم کوئی مناسب جگہ تلاش نہ کر لیں۔ جنگلوں میں داخل ہو کر اگر ہم آرام کے بارے میں سوچیں گے تو میرا خیال ہے جنگلی جانوروں کا نوالہ بن جائیں گے۔ آرام کا کوئی تصور بھی نہیں ہونا چاہیے۔" فاران نے کہا۔

"مگر تھکن۔"

فاران کا کہنا بھی درست ہی تھا۔ ان نامانوس جنگلوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا اور خاص طور سے اس مشکل میں جب کہ اندر سے وحشی جانوروں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بہر طور ہم اس کے کنارے کنارے سفر کر رہے تھے۔ کافی دور پہنچنے کے بعد ہمیں ایک تالاب نظر آیا۔

پانی دیکھتے ہی سب لوگ بے قابو ہو گئے' لیکن فاران نے جلدی سے سب کو روکا۔

"پاگل بننے کی کوشش مت کرو۔ اس ویران جنگل میں تالاب کا وجود سب سے خطرناک چیز ہے۔"

"کیوں؟" زرنام نے چونک کر کہا۔

"اس لئے کہ ایسے سنسان تالابوں میں وحشی درندے ہی پانی پینے کیلئے آتے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے' لیکن پانی...... میرا مطلب ہے یہ اس وقت ہماری شدید ترین ضرورت

ہے۔ اگر ہم غسل کر لیں تو چاق و چوبند ہو سکتے ہیں۔"

"تو پھر کیا یہ کیا جا سکتا ہے کہ چند لوگ بندوقیں لے کر پہرہ دیں اور چند لوگ غسل کر لیں۔ اس کے بعد باقی بھی اس طرح کریں اور اگر جنگلی جانور اس طرف آئیں تو ان پر بے دریغ فائرنگ کر دی جائے۔"

"ٹھیک ہے' ایسا کر لو لیکن تالاب کے کنارے قیام کسی طور مناسب نہیں ہوگا۔"

"مناسب۔"

پھر یہی ہوا۔ پہلے ہم لوگوں نے غسل کر لیا اور مزدور بندوقیں لئے قرب و جوار میں نگاہیں رکھے رہے' لیکن اتفاق کی بات تھی کہ کوئی جانور نہیں پہنچا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ دن نکل آیا تھا اور جانور عام طور پر شام کے جھٹپٹے میں یا پھر رات کو تالاب پر پانی پینے آتے ہیں۔ بہر طور ہمیں ان کے پنجوں کے نشان ملے تھے۔ جن میں شیر کے پنجوں کے نشان بھی تھے۔

بڑا خوفناک ماحول تھا۔ ہم لوگوں نے غسل کرنے کے بعد بندوقیں سنبھال لیں اور پھر تمام مزدور غسل کرنے لگے۔ غسل سے فارغ ہو کر ہم لوگوں نے کھانے پینے کا انتظام کیا تھا اور کھانے سے فارغ ہو کر ہم آگے بڑھ گئے۔

تالاب سے آگے بڑھنے کے بعد ایک چٹانی میدان شروع ہو گیا تھا۔ جو بتدریج بلند ہوتا جا رہا تھا۔ جب ہم اس کی بلندی پر پہنچے تو سورج طلوع ہو چکا تھا اور دھوپ کی اچھی خاصی تمازت محسوس ہو رہی تھی۔ بلندی پر چٹانیں تھیں جس کے نیچے کافی سایہ تھا۔ ان سایہ دار چٹانوں کے نیچے قیام کرنا ہم نے مناسب خیال کیا' اور ان کے نیچے کی جگہ صاف ستھری کر کے وہاں لیٹ گئے۔ طے یہی کیا گیا تھا کہ دن کا وقت ہے۔ ہر چند کہ کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن مزدور یہاں بھی پہرہ دیں۔ چنانچہ دو' دو آدمیوں کی ڈیوٹی لگا دی گئی۔

شام کو تین چار بجے تک ہم لوگ آرام کرنے کے بعد آگے بڑھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ چنانچہ سب کے سب لیٹ کر سو گئے۔ نیند تھی کہ ایسی ٹوٹی کے تن بدن کا ہوش ہی نہ رہا' پھر جب سورج خاصا ڈھل گیا تو ایک ایک کر کے ہم سب جاگ گئے۔ اطراف میں سوئے ہوئے مزدور ہمیں نظر نہیں آ رہے تھے غالباً وہ ہم سے پہلے جاگ کر اپنے معمولات میں مصروف ہو گئے ہوں گے۔ فاران' میر صادق' زرنام' میں اور سادان انگڑائیاں لے لے کر مسکراتی نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے پھر زرنام کہنے لگا۔

"بارہا اس سلسلے میں گفتگو کی جا چکی ہے' لیکن زبان یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتی کہ انسان بڑی عجیب و غریب خصوصیات کا حامل ہے۔ اعلیٰ ترین بستروں میں بھی اسے اس طرح نیند نصیب ہوتی ہے اور ان پتھریلی چٹانوں میں بھی...... مگر یہ مزدوران کی آوازیں قریب سے نہیں آ رہیں۔ کہاں گئے یہ سارے کے سارے۔ کہیں واپس تالاب پر تو نہیں پہنچ گئے۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ویسے واقعی کہاں گئے یہ سب۔'' میں نے چونک کر دیکھا اور پھر بلندی پر پہنچ گیا۔ ایک چٹان کے اوپر کھڑے ہو کر میں نے چاروں طرف دیکھا۔ مزدوروں کا واقعی قرب و جوار میں کوئی نشان نہیں تھا۔ دفعتاً میرا ماتھا ٹھنکا۔ ایک ہولناک خیال میرے دماغ میں سرایت کر گیا۔ یہ مزدور کہیں دھوکہ تو نہیں دے گئے۔ میں نے سوچا اور چٹانوں سے نیچے اتر آیا۔ میرے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ میں نے بے اختیار اس سامان پر نگاہ ڈالی جو ہم نے ایک جگہ بار کر دیا تھا' اور یہ دیکھ کر میرے دیوتا کوچ کر گئے کہ سامان کے بے شمار تھیلے غائب ہیں۔ چند تھیلے موجود تھے' ہتھیار بھی موجود تھے لیکن باقی چیزیں غائب تھیں۔

''فاران۔'' میرے حلق سے سرسراتی آواز نکلی' اور فاران چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

''خیریت' کیا بات ہے؟''

''فاران' مزدور غالباً ہمیں دھوکہ دے کر بھاگ گئے ہیں۔''

''کیا؟'' فاران خوفزدہ انداز میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے لوگوں کی کیفیت اس سے زیادہ مختلف نہیں ہوئی تھی' اور اس کے بعد تو بڑی افراتفری مچ گئی۔ سب چاروں طرف مزدوروں کو تلاش کر رہے تھے۔ ساوان اور میر صادق تو کافی دور تک دوڑے چلے گئے تھے' لیکن یوں لگتا تھا جیسے مزدور ہمارے سوتے ہی فرار ہو گئے تھے' اور ان کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ دفعتاً فاران کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

''آہ...... ان لوگوں نے ہماری بے ہوشی کی نیند سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''اپنی اپنی جیبیں دیکھو۔ کیا تمہارے پاس وہ تحائف موجود ہیں جو فروزن نے ہمیں دیئے تھے۔''

فاران کی بات نے سب کو ایک دم پھر سراسیمہ کر دیا۔ میں اور ساوان چونک کر اپنی جیبیں دیکھنے لگے۔ وہ ہیرے اور قیمتی مالائیں غائب تھیں جو سچے موتیوں کی تھیں اور جو فروزن اور اس کے باپ نے ہمیں دی تھیں۔ مزدوروں نے ہماری جیبوں تک کو صاف کر دیا تھا۔ ساوان کے حلق سے بے اختیار ایک قہقہہ نکل گیا' اور سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

''کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟''

''ان لوگوں نے سوچا کہ جو مل گیا اسے ہی غنیمت سمجھ کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی جائے۔''

''تم ہنس رہے ہو۔ ساوان' حالانکہ یہ ایک المناک حادثہ ہے۔'' میر صادق بولا۔

''ہنسنے کی بات ہی ہے۔ تم دیکھو ناں...... وہ ہم سب سے زیادہ سمجھدار نکلے۔''

''مگر یہ کمبخت گئے کہاں اور کدھر جائیں گے؟''

''کتے کی موت مریں گے۔ کمبخت علاقوں کی پہچان تک نہیں رکھتے۔ زرنام دانت پیس کر بولا اور پھر ساوان نے کہا۔

''اب تو انہیں گالیاں' کوسنے دینے کے علاوہ اور کچھ کیا بھی نہیں جا سکتا۔ ظاہر ہے ہم انہیں تلاش کرنے میں وقت ضائع نہیں کریں گے۔''

''میں تو بہت بددل ہو گیا ہوں اس سفر سے۔ بتاؤ...... وہ ہمارا سامان بھی لے گئے۔ کھانے پینے کی چیزیں بھی ہیں ان تھیلوں میں یا سب نکال لے گئے۔''

''دیکھو...... دیکھو' جلدی سے دیکھو......'' فاران بولا اور سب تھیلے کھول ڈالے گئے۔ مزدوروں نے انصاف سے کام لیا تھا۔ انہوں نے ان تھیلوں سے چیزیں نہیں نکالی تھیں اور چند تھیلے لے کر فرار ہوئے تھے۔ گویا وہ زندہ رہنا چاہتے تھے۔

ہم لوگ کافی دیر تک اس واقعہ پر رنج و غم کا اظہار کرتے رہے۔ فاران' زرنام اور میر صادق بری طرح دانت پیس رہے تھے۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا اگر مزدور مل جاتے تو وہ انہیں گولیوں سے بھون ڈالتے' یا ان کا خون پی لیتے' لیکن بے بسی تھی۔ ظاہر ہے وہاں نہیں جا سکتے تھے۔ کوئی بھی راستہ ایسا نہیں تھا' جس کے بارے میں صحیح طور سے فیصلہ کیا جا سکتا کہ اس راستے سے گزرنے کے بعد ہم کسی مناسب جگہ پہنچ جائیں گے۔

اس واقعہ کے بعد ہم لوگوں میں خاصی تبدیلی آ گئی۔ بددلی سی پیدا ہو گئی تھی۔ حالانکہ شام ہو چکی تھی اور تھکن بھی اتر چکی تھی' لیکن ہمارے ساتھیوں کا انداز کچھ ایسا تھا' جیسے ابھی وہ آگے کے سفر کا ارادہ نہ رکھتے ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد فاران نے اس کا اعلان بھی کر دیا۔

''ہم لوگ اس وقت سفر نہیں کریں گے۔ بلکہ رات بھی یہیں گزاری جائے گی اور ہم لوگ کل صبح اپنے سفر کا آغاز کریں گے۔''

میں نے یا ساوان نے اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ ہم ان کے دکھ میں برابر کے شریک ہونے کا اظہار کر رہے تھے۔ ویسے یہ حقیقت بھی تھی کہ ان مزدوروں کے بھاگ جانے سے ہم بھی کو تھوڑی سی الجھن ہو گئی تھی۔ ابھی تو ہم شدت سے ان کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔

شام تک یعنی اس وقت تک جب تک رات نہ ہو گئی۔ خاصی اداسی کا دور دورہ رہا۔ سب اپنے طور پر خاموش تھے۔ کسی نے کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی' پھر میں نے ہی فاران کو مخاطب کیا۔

''ہمیں اس چھوٹی سی بات پر اس طرح بددل نہیں ہونا چاہیے مسٹر فاران۔ ابھی تو ہمارے سامنے بہت سے مراحل ہیں۔''

''ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے' لیکن ان بدبختوں سے ایسی امید نہیں تھی۔''

''کوئی بات نہیں فاران۔ تم اتنی معمولی معمولی باتوں کو مت سوچو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ کیا وہ کسی رہنما کے بغیر واپسی کا سفر طے کر لیں گے۔''

"میرے خیال میں ناممکن ہے اور ان کمبخت کتوں کا مرجانا ہی بہتر ہوگا۔ اگر مجھے ان میں سے کوئی نظر آ جائے اور وہ کسی تکلیف کا شکار ہوں تو میں دو گولیاں تو اس کے سینے میں اتار سکتا ہوں اس کی مدد نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے فاران، لیکن اب کیا کیا جائے، بھروسے کے لوگ تھے۔ پتہ نہیں اتنی جلدی کیوں مایوس ہو گئے۔ حالانکہ ابھی تک تو ہمیں کوئی ایسا خوفناک واقعہ بھی پیش نہیں آیا، جس میں زندگی کے لالے پڑ جاتے جبکہ آگے کے حالات اور خطرناک ہو سکتے ہیں۔ ویسے مسٹر فاران، مسٹر میر صادق اور زرنام اب ہم پانچ افراد رہ گئے ہیں۔

اور یہاں بھی میں آپ کو ایک بار پھر حالات سے آگاہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اچھی طرح سوچنے سمجھنے کے بعد فیصلہ کریں کہ آپ لوگ اپنے طور پر بھٹکیں گے تو نہیں، بددل تو نہیں ہو جائیں گے، سفر میں اب مشکلات کا آغاز ہوا ہے اور ہمیں بار بار زندگی اور موت سے ہمکنار ہونا پڑے گا۔ اس وقت آپ لوگ مجھے یا سادان کو ذمہ دار قرار تو نہیں دیں گے۔ کیونکہ کامیابی اور ناکامی میں ہم برابر کے شریک ہیں، اور میں نے جو پیشکش آپ لوگوں کو کی ہے وہ اس وقت ان جنگلوں میں بھی برقرار ہے۔ اگر آپ لوگ واپسی پسند کریں تو جا سکتے ہیں۔ میری پیشکش آپ کے پاس محفوظ ہے اور آپ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"

"نہیں میرے دوست! ہم بہت سے خطرناک مراحل سے گزر چکے ہیں اور اس کے بعد یہ الفاظ ہمارے لئے مناسب نہیں ہیں۔ وہ کرائے کے ٹٹو تھے، بھاگ گئے۔ میں اپنے ان الفاظ کی تصدیق اپنے دوست زرنام اور میر صادق سے بھی چاہتا ہوں۔ میں نے اس سلسلے میں کچھ غلط کہا ہے، میر صادق۔"

"نہیں مسٹر فاران۔ جو کچھ ہوا ہے اس نے ہمیں بددل ضرور کر دیا ہے لیکن اس کو آپس میں کسی کو قصوروار قرار نہیں دے سکتے۔ سوائے اس کے کہ مزدوروں کے انتخاب میں غلطی کی گئی۔"

"مزدوروں کا انتخاب میں نے کیا تھا اور اگر ہم مہذب دنیا میں واپس پہنچے اور وہ ہمیں مل گئے تو تم دیکھو گے کہ میں ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں، لیکن بہرطور ہم سب انسان ہیں اور کہیں کسی مرحلے پر بھی کوئی غلطی ہو سکتی ہے۔ کیا آپ لوگ اس بات سے متفق نہیں ہیں۔" فاران نے نرم انداز میں کہا اور اس کے لہجے کی نرمی نے میر صادق اور زرنام کو ٹھنڈا کر دیا۔

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" انہوں نے بالآخر کہا۔ اس کے بعد بات ختم ہو گئی اور ہم نے آگے چلنا شروع کر دیا، لیکن اب طبیعت میں پہلے جیسی بشاشت اور چونچالی نہیں رہ گئی تھی۔ سارا دن سفر کیا، کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا سوائے اس کے کہ علاقہ بدل جانے سے موسم کی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ سرد ہوا کے جھونکے بدن سے ٹکرانے لگے تھے اور یوں لگتا تھا کہ موسم بتدریج سرد ہوتا چلا جائے گا۔

فاران نے اس بدلے ہوئے موسم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ "یوں لگتا ہے جیسے آگے کا علاقہ برفانی ہو۔"

"اتنے مختصر سے سفر میں اتنا بدلا ہوا موسم مل سکتا ہے۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے؟" میر صادق بولا۔

"سرزمین افریقہ حیرتوں کی سرزمین ہے۔ یہاں کسی بات پر حیرت حماقت کے مترادف ہے۔ نجانے کیسے کیسے حالات سے واسطہ پڑے۔" فاران نے جواب دیا۔

سفر جاری رہا۔ اندازہ درست تھا۔ جنگل ختم ہوتے جا رہے تھے اور وسیع میدان نظر آنے لگے تھے۔ پہاڑی ٹیلے تاحد نگاہ بکھرے ہوئے تھے اور ان کے اختتام پر برف پوش چوٹیاں نظر آ رہی تھیں اس لئے سفر کی ساتویں رات ہم ایک برفانی علاقے میں گزار رہے تھے۔

ڈاکٹر زرنام سب سے زیادہ پریشان تھا۔ اس رات اس کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی۔ ایک ٹیلے کے دامن میں ہم نے پڑاؤ ڈالا۔ ضروریات زندگی سے فارغ ہو کر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ فاران نے کہا۔

"ابھی تک ہم اپنی منزل کی علامات نہیں پا سکے۔ یہ اندازہ تو لگایا جائے کہ ہم صحیح سمت سفر کر رہے ہیں یا نہیں۔ یا منزل سے بھٹک رہے ہیں۔ صحرائے اعظم مختصر نہیں ہے کہ گھوم کر بالآخر اس جگہ آ جائیں گے جو ہمیں مطلوب ہے۔"

"ہم صحیح راستے پر ہیں۔" سادان نے سکون سے کہا۔ وہ بے اختیار بول پڑا تھا۔

"اتنے دعوے سے یہ بات کیسے کہہ رہے ہو۔" فاران نے سوال کیا، لیکن سادان نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ "میں نے تم سے سوال کیا ہے سادان۔"

"ایں۔" سادان چونک پڑا۔

"تم اتنے دعوے سے کیسے کہہ رہے ہو یہ بات؟"

"کون سی بات؟" سادان حیرت سے بولا۔

"یہی کہ ہم صحیح راستے پر ہیں۔"

"میں...... میں نے کہی یہ بات!" سادان تعجب سے ہماری شکلیں دیکھنے لگا۔ میں بوکھلا گیا۔ سادان کی کیفیت سے واقف تھا۔ وہ الہامی گفتگو کرنے لگتا تھا لیکن دوسرے لوگ تو اس کیفیت سے واقف نہیں تھے۔

"کیا تم نے ابھی یہ جملے نہیں کہے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

فاران اور میر صادق عجیب سی نگاہوں سے سادان کو دیکھنے لگے، پھر فاران نے کہا۔

"اگر تم مذاق کر رہے ہو بیٹے! تو میرا خیال ہے کہ یہ وقت مذاق کیلئے موزوں نہیں ہے۔ ہم

لوگ اتنے عجیب و غریب حالات کا شکار ہیں کہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہاں سے واپسی کا تصور بھی بڑا پریشان کن ہے۔ اگر ہم تینوں تمہارا ساتھ چھوڑنا بھی چاہیں تو یہ ہمارے لئے ممکن نہیں، لیکن اگر صورتحال یہ ہی رہی اور ہم اندھا سفر کرتے رہے تو پھر شاید ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ ہم اپنی منزل نہیں پا سکیں گے۔" فاران نے کہا۔

"نہیں مسٹر فاران، بددل ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہاں آنے کے بعد ہمیں انہی تمام حالات سے دوچار ہونا تھا۔ ظاہر ہے صحرائے اعظم کا سفر معمولی بات نہیں تھی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن صورتحال اب ہمارے لئے کچھ عجیب سی ہو گئی ہے۔ آپ لوگ جس خاموشی اور سکون کے ساتھ سفر کر رہے ہیں وہ بھی حیرت انگیز ہے۔ جبکہ منزل کا کوئی تعین نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے مسٹر فاران؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ میں سب سے پہلے اس بات کا یقین کرنا چاہتا ہوں کہ ہم جس راستے پر سفر کر رہے ہیں وہ صحیح ہے یا نہیں۔"

"میں نے کہا ناں...... ہم صحیح راستوں کی طرف سفر کر رہے ہیں۔" سادان پھر بول اٹھا اور فاران چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ابھی تم نے اس بات کی تردید کی تھی۔"

"لیکن اب میں کہتا ہوں کہ ہماری سمت درست ہے۔" سادان نے کہا۔

"کیا نقشے کے مطابق تم اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو کہ ہماری سمت درست ہے؟" فاران نے وہ نقشہ سامنے پھیلاتے ہوئے کہا، جو ہم لوگوں نے ترتیب دیا تھا۔

"ہاں...... ہم فرینہ کی ترائیوں میں سفر کر رہے ہیں۔ آگے چل کر یہ پہاڑ ایک دیوار کی مانند ہوگا، جس کے دوسری طرف جانے کے راستے مفقود ہوں گے، لیکن ان میں راستے ہیں اور انہیں راستوں سے گزر کر ہم اس پہاڑی دیوار کے دوسری طرف جا سکیں گے، اور اس طرف پہنچ کر شاید اس طرف پہنچ کر......" سادان نے بےخودی کے عالم میں کہہ دیا تھا، اور میری حالت خراب ہو رہی تھی۔ وہ لوگ اس سلسلے میں سوال کر سکتے تھے جس کا میرے یا سادان کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا۔

"نقشے میں تو اس دیوار کی کوئی نشاندہی نہیں ہے۔"

"نہ ہو، میں جو کہہ رہا ہوں۔" سادان نے کہا۔

"تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو یہ بات۔"

"بس جو میں نے کہا اور جو آپ نے سنا وہ مکمل ہے۔ اس کے بعد کسی سوال کی گنجائش نہیں۔" سادان کے لہجے میں ایک عجیب سی متانت تھی۔ فاران، میر صادق اور زرنام اسے دیکھنے لگے لیکن ان کے چہروں کے تاثرات خوشگوار نہیں تھے۔

"یہ مطلق العنانی ہم میں سے کسی کو بھی پسند نہیں آئے گی۔" فاران نے کہا۔

"نہ آئے، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔" سادان نے برا سا منہ بنا کر کہا اور ہمارے پاس سے ہٹ گیا۔

"کیوں زرمناس صاحب! آپ سادان کے اس رویے کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔" فاران نے سوال کیا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر فاران کو خاموش رہنے کیلئے کہا اور پھر دھیمے لہجے میں بولا۔

"نوجوان خون ہے اس پر اتنی توجہ مت دو۔"

"توجہ دینا ضروری ہے۔ آپ خود سوچیں مسٹر زرمناس زندگی اتنی معمولی چیز تو نہیں ہے، جسے مفروضات پر قربان کر دیا جائے۔"

"مگر مسٹر فاران ان تمام باتوں کے بارے میں تو آپ پہلے بھی سوچ چکے تھے۔ یہ باتیں نئی نہیں ہیں۔" میں نے کسی قدر سرد لہجے میں کہا۔

"ہاں، مگر ہمیں ایسے حالات کا علم نہیں تھا۔"

"ہمیں بھی نہیں تھا۔"

"اگر سادان راستوں کے معاملے میں اتنے پرسکون ہیں تو ہمیں مطمئن کرنے کیلئے کچھ کہیں۔"

"میں اسے مجبور نہیں کر سکتا۔"

"یہ تو کچھ عدم تعاون کی بات ہوئی۔" فاران نے ہونٹ سکیڑ کر کہا۔

"ممکن ہے آپ کو ایسا محسوس ہو رہا ہو، لیکن حقیقت حال یہ نہیں ہے۔ میری گزارش ہے کہ آپ پرسکون رہیں۔" میں نے کہا اور فاران چند لمحات تک میری طرف دیکھتا رہا، پھر گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ میں نے اس کے چہرے پر بےاطمینانی محسوس کی تھی۔

اس رات کے قیام میں میں نے موقع پا کر سادان سے گفتگو کی۔

"مجھے تمہارے اس رویے پر اعتراض ہے سادان۔" اور سادان چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"میں نہیں سمجھا چچا جان۔"

"حقیقت سے صرف میں اور تم واقف ہو۔ جبکہ دوسرے لوگوں کو ہم ایک جھوٹی کہانی سنا کر یہاں لائے ہیں۔"

"ہاں...... یہ درست ہے۔"

"ان لوگوں کا اطمینان بھی ضروری ہے۔"

"کچھ عرض کروں چچا جان! آپ برا تو نہیں مانیں گے؟"

"کہو۔"

"ان لوگوں کی موجودگی اب مجھے گراں گزرنے لگی ہے۔ بہتر ہوتا ہم اپنی مہم کا آغاز کسی اور

طرح کرتے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ ان لوگوں کا ساتھ صرف اس حد تک ہوتا کہ یہ ہمیں معقول معاوضہ لے کر یہاں تک پہنچا دیتے اور اس کے بعد ہمارا ان سے کوئی واسطہ نہ رہتا۔ مجھے ان کے سوالات گراں گزرتے ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے ساداں لیکن یہ ممکن نہ ہوتا کہ اس طرح کوئی ہمارے ساتھ یہاں تک آتا۔''

''ان لوگوں کو اور بڑے معاوضے کی پیشکش کر دی جاتی۔''

''خیر اب یہ بعد از وقت کی باتیں ہیں۔ ویسے میں محسوس کرتا ہوں کہ ان لوگوں کی موجودگی غنیمت ہے۔''

''ہاں...... اس شکل میں کہ خوامخواہ سوالات کر کے ذہن کو پریشان نہ کریں۔''

''تم ایک ایسی مہم پر نکلے ہو ساداں جو تمہارے لئے عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ تمہیں دماغ ٹھنڈا رکھنا ہوگا۔ ان لوگوں کو یہاں تک لے آئے ہو تو برداشت کرو...... کوئی ایسی بات مت کرو جو ان کیلئے شبہ کا باعث ہو۔''

''آپ یقین کریں۔ میں جان بوجھ کر ایسی بات نہیں کرتا۔ اگر وہ کوئی ایسی بات کر دیتے ہیں جو سچ نہیں ہوتی تو میری زبان خود بخود بول پڑتی ہے۔'' ساداں نے جواب دیا۔

''تمہارے خیال میں ہم صحیح راستے پر ہیں۔''

''وثوق سے کیسے کہہ رہے ہو۔''

''یہ بات آپ جانتے ہیں۔ چچا جان! میری رہنمائی کی جا رہی ہے۔ بہت سی نادیدہ قوتیں میری ہمسفر ہیں۔ یہ میرے اجداد کی روحیں ہیں، جن کی نگاہ مجھ پر ہے۔''

''اوہ......'' میں خاموش ہو گیا۔ اس طلسمی حقیقت سے کم از کم میں انحراف نہیں کر سکتا تھا۔

صحراؤں کا سفر دوسرے روز شروع ہو گیا۔ پہاڑ، جنگل، دلدلیں، خطرناک علاقائی جنگلی جانور۔ اس وقت ہم نے ایک ایسی جگہ قیام کیا جہاں تا حد نگاہ چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ پیچھے ایک چوڑا درہ تھا جس میں کہیں کہیں درخت اُگے ہوئے تھے۔

رات ہو گئی تھی۔ ہم آرام کی غرض سے لیٹ گئے۔ فاران، میر صادق اور زرنام کا رویہ اب کچھ بدل گیا تھا۔ وہ بددل ہو گئے تھے۔ تینوں نے ہم سے دور آرام کیلئے جگہ بنائی تھی۔

دفعتاً میر صادق کے حلق سے ایک آواز نکلی۔ ''...... وہ ...... وہ کیا ہے۔'' مخاطب کوئی نہیں تھا، لیکن ہم سب اٹھ کر بیٹھ گئے۔ بہت دور درے میں ہم نے آگ روشن دیکھی تھی۔ آگ کے شعلے رات کی تاریکی میں چمک رہے تھے اور ان سے سفید سفید دھواں بلند ہو رہا تھا۔ فاران، میر صادق اور

ام نے اب بھی ہم سے اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ میں اور ساداں بھی کھڑے ہو کر آگ یکھتے رہے۔ تب میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''ممکن ہے مقامی لوگ ہوں یا یہ بھی ممکن ہے کہ سیاحوں کی کوئی پارٹی۔'' میری اس بات کا ان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فاران، زرنام اور میر صادق آپس میں کچھ گفتگو کر رہے تھے، پھر ان نے میری طرف رخ کر کے کہا۔

''کیا خیال ہے مسٹر زرمناس! کیا وہاں چل کر دیکھا جائے؟''

''مناسب تو نہیں۔ اگر وہ مقامی لوگ ہوں تو ہم ان کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں کہ کس م کے لوگ ہیں اور ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔''

''اور اگر غیر مقامی ہوئے تو......؟'' فاران نے سوال کیا۔

''تب بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ لوگ کون ہیں اور ان کا رویہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا۔''

''ہم یہ خطرہ مول لینا چاہتے ہیں۔'' فاران بولا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ ہے کہ تینوں اس طرف جا رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں وہ کون ہیں اور وہاں کیا کر ہے ہیں۔''

''اصولی طور پر یہ مناسب نہیں ہوگا، مسٹر فاران۔''

''میں کسی اصول کو نہیں مانتا...... زرنام اور میر صادق بھی میرے ساتھ ہیں۔ اصول کی بات نے توڑ دی ہے، مسٹر! یوں سمجھیے کہ اب ہمارے درمیان وہ مفاہمت نہیں رہی جو اب سے کچھ ے قبل تھی۔''

''اس کی وجہ جان سکتا ہوں؟''

''تعجب ہے، آپ سمجھدار انسان ہو کر یہ بات کہہ رہے ہیں۔ کیا ہمیں صرف سیاہ فام ں کی حیثیت دے دی جائے تو کیا ہم میں سے کوئی اسے قبول کرے گا۔'' فاران بولا۔

''نہیں...... یہ بات نہیں ہے۔ آپ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ سیاہ فام غلاموں کی حیثیت کچھ اور ۔ آپ ہمارے دست و بازو ہیں۔''

''نہیں، مسٹر زرمناس! ساداں صاحب کا رویہ اس بات کا مظہر نہیں ہے کہ وہ ہمیں اپنا ہم تے ہیں۔''

''بہر حال میں آپ کو اس غلط فہمی سے دور کرنے کیلئے کوئی مناسب الفاظ نہیں پاتا، لیکن ارائے ہے کہ کم از کم رات کی تاریکی میں آپ وہاں تک پہنچنے کی کوشش نہ کریں۔''

''یہ صرف رائے ہے یا حکم؟'' فاران نے پوچھا۔

''میں نے کہا نا...... صرف رائے۔'' میں نے بھی کسی قدر خشک روی سے جواب دیا۔ فاران

کے رویے سے میں خود بھی جھنجھلا سا گیا تھا۔

''تو ٹھیک ہے۔ رائے ماننا یا نا ماننا ہماری مرضی ہے۔ ہم تینوں ادھر جا رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں کیا صورتحال ہے۔ اگر آپ چلنا چاہیں تو چلیں ورنہ جیسا آپ پسند کریں۔''

''جب آپ فیصلہ کر چکے ہیں تو میں آپ کو روکنے کا حق نہیں رکھتا۔''

''ہم یہ ہتھیار ساتھ لے جا رہے ہیں۔ ممکن ہے ہمیں ان کی ضرورت پیش آ جائے۔''

''ٹھیک ہے۔ جیسا آپ مناسب سمجھیں۔'' میں نے لاپروائی سے کہا' اور وہ تینوں اپنے ہتھیار اٹھا کر درے کی طرف چل پڑے۔ سادان خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا' پھر اس نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

''کوئی حرج نہیں' کوئی حرج نہیں۔ جو ہو رہا ہے ہونے دیا جائے۔'' میں نے چونک کر سادان کی طرف دیکھا۔ وہ حسب معمول وجدان کے عالم میں بول رہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک پڑا۔

''وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟'' اس نے سوال کیا۔

''ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ بیٹھو جانے دو انہیں' خود ہی واپس آ جائیں گے۔'' میں نے جواب دیا اور سادان خاموش ہو گیا۔

فاران' میر صادق اور زرنام تاریکی میں گم ہو گئے۔ شعلے اب بھی نظر آ رہے تھے لیکن ان کے اطراف میں کیا تھا اس کا اندازہ یہاں سے نہیں ہوتا تھا۔ میں تشویش زدہ نگاہوں سے ادھر دیکھتا رہا۔ سادان بھی میرے پاس ہی خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ بہت دیر گزر گئی۔ فاصلہ اتنا تھا کہ اب تک وہ لوگ اسے طے کر چکے ہوں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ لوگ ہیں کون۔ حالانکہ فاران' میر صادق اور زرنام کا یہ انداز نہ ہوتا تو شاید میں خود بھی ان کے ساتھ اس جگہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا' لیکن وہ لوگ علیحدگی اختیار کر رہے تھے تو پھر میرے ذہن میں بھی یہ خیال آیا کہ میں کیوں ان کو اس طرح اہمیت دوں۔ جیسا وہ مناسب سمجھیں کریں۔

ہم لوگ انتظار کرتے رہے۔ رات گزرتی رہی' لیکن فاران' میر صادق اور زرنام واپس نہیں آئے' پھر غالباً آدھی رات گزر گئی۔ نہ جانے ان لوگوں پر کیا بیتی۔ ویسے فائرنگ وغیرہ کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ رات کے سناٹے میں اگر چیخنے چلانے کی آوازیں پیدا ہوتیں تو یہاں تک پہنچ جاتیں۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہوا لیکن اب اس سے زیادہ حماقت بھی مناسب نہیں تھی۔ میں نے سادان سے سونے کیلئے کہا اور وہ اطمینان سے لیٹ گیا۔ وہ بے فکر نوجوان تھا اور اسے کسی چیز کی فکر نہ تھی۔ رات گزرتی رہی اور بیٹھے ہی بیٹھے میں بھی نیند کی لپیٹ میں آ گیا۔

صبح کو اس وقت آنکھ کھلی جب فاران میرا شانہ جھنجھوڑ رہا تھا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ہمارے اطراف میں پندرہ سولہ افراد کھڑے ہوئے تھے۔ یہ سب

لباسوں میں ملبوس تھے' البتہ ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے۔ لباس بھی اتنے میلے کچیلے اور بوسیدہ ہو ئے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ طویل عرصے سے صحرائے اعظم کا سفر کر رہے ہیں اور خاصی پریشان حالی کے عالم میں بسر کر رہے تھے۔ ان کی داڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں' بال الجھے ہوئے تھے' آنکھوں سے کسی قدر وحشت اور تھکن نمایاں تھی لیکن ہوش و حواس میں ہی تھے۔ ان میں سے ایک چوڑے شانے والے شخص نے میری طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔

''مجھے ایڈگر کہتے ہیں۔ پروفیسر ایڈگر۔ جرمن ہوں اور سیاحوں کی حیثیت سے صحرائے اعظم میں آیا تھا۔''

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی ایڈگر۔'' میں نے بھی گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد سادان نے بھی ان سب سے مصافحہ کیا۔ فضا ٹھیک ٹھاک ہی تھی۔ کوئی ایسی بات نہیں تھی' جس سے ہم لوگوں کو کسی پریشانی سے دوچار ہونا پڑتا۔

''مسٹر فاران نے آپ کے بارے میں تفصیلات بتائی ہیں۔ ہمیں آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔'' ایڈگر نے کہا۔

''شکریہ...... شکریہ۔''

''ویسے میں اس ٹیم کا سربراہ ہوں' اور میری ہی سربراہی میں یہ تمام لوگ صحرائے اعظم کے سفر پر نکلے تھے۔ ہم لوگ ہاتھی دانت کی تلاش میں یہاں آئے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں ہمارے علم میں تھیں۔ ہاتھی دانت ہمیں اچھی خاصی مقدار میں مل گیا ہے لیکن اس کی بار برداری ہمارے لئے بڑی مشکل ہو گئی ہے۔ بڑا سست سفر ہو رہا ہے ہمارا اور اس سفر میں ہمیں خاصی مشکلات درپیش ہیں۔ ہمیں مزید آدمیوں کی ضرورت تھی تاکہ ہماری افرادی قوت بڑھ سکے۔''

''ہاں یقیناً۔ ویسے کتنی مقدار میں ہاتھی دانت آپ نے حاصل کر لیا ہے۔''

''بہت کافی ہے۔ ہم نے صرف اتنا اپنے ساتھ لیا جتنا بار کر سکتے تھے۔ باقی ایک بہت بڑا ذخیرہ ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔''

''ہاں...... اس قسم کی چیزوں کو لاد کر لے جانا ایک بڑا مسئلہ ہے' لیکن آپ نے اس بارے میں پہلے نہیں سوچا تھا۔''

''سوچا تھا اور بہت سارے انتظامات کر کے چلے تھے' لیکن صحرائے اعظم کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے' اور ہماری وہ سواریاں ہمارا ساتھ نہیں دے سکیں جن کو ہم بڑے اعتماد سے اپنے ساتھ لائے تھے' اور اس کے بعد بالآخر ان ہی دو پیروں پر تکیہ کرنا پڑا۔'' ایڈگر نے کہا۔ خوش اخلاق اور ملنسار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اچھی گفتگو کر رہا تھا۔ فاران' میر صادق اور زرنام بھی خوش نظر آ رہے تھے۔ یعنی اب ان کے چہرے پر وہ کیفیت نہیں تھی جو پہلے تھی۔

اور یہ ہی بات مجھے شبہ میں مبتلا کر رہی تھی۔ میں نے ان تمام افراد کو دیکھا۔ کچھ جرمن تھے

اور کچھ یورپ اور دوسرے علاقوں کے باشندے' ایک چوڑے شانوں والا پستہ قد بوڑھا سا تھا۔ جس کے خدوخال مجھے کسی قدر ایشیائی نظر آئے تھے۔ بہرطور وہ بھی یورپی ہی تھا۔ نیلی آنکھوں اور مخصوص رنگ کی وجہ سے اسے یورپین ہی سمجھا جا سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور چھوٹی عمر کا نوجوان آدمی تھا جس کے بال لمبے لمبے اور اخروٹی تھے اور بری طرح بکھرے ہوئے تھے' لیکن اس کا چہرہ نرم اور حلیم تھا۔ بدن پر بہت سارے لباس لادے ہوئے تھا۔

غالباً وہ سردی کا مریض تھا۔ ناک کا اگلا حصہ سرخ ہو رہا تھا لیکن خدوخال میں بے حد جاذبیت اور کشش تھی۔ یہ تمام افراد ہماری جانب نگراں تھے۔ میں نے انہیں بیٹھنے کیلئے پیشکش کی اور مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں جانتا کہ آپ کے پاس رسد کے کیا انتظامات ہیں' لیکن ہمارے پاس جو کچھ موجود ہے ہم بطور مہمان نوازی اسے آپ کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں۔''

''اگر کافی ہو تو پلوایئے۔ ہم تو اس کا ذائقہ بھی بھول گئے ہیں۔'' ایڈگر نے کہا اور میں نے ہنستے ہوئے گردن ہلا دی۔

''اس سلسلے میں میر صادق' زرنام اور فاران بھی آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ فاران اور زرنام نے گردن ہلائی اور دوستانہ انداز میں کافی تیار کرنے لگے۔ مجھے حیرت تھی کہ ان کا موڈ ایک دم کیسے بدل گیا۔ اس سے قبل وہ بالکل عدم تعاون پر آمادہ تھے' لیکن ان سب لوگوں کے سامنے ان کے رویے میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔ کافی تیار ہو گئی اور اس کی خوشبو فضا میں پھیلنے لگی۔

ایڈگر نے کافی کی تین پیالیاں پی تھیں۔ جتنی کافی تھی ایک ہی دفعہ میں ختم ہو گئی' لیکن ہم نے مہمانوں کی مدارت میں کمی نہ چھوڑی تھی۔ ان لوگوں نے بڑی بیدردی سے کھایا پیا اور میرے دل میں تشویش کے آثار پیدا ہونے لگے۔ ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر ہمارا ان کا ساتھ رہا تو دو ہی دن کے بعد ہم بھوکے مرنے لگیں گے' اور اس کے بعد یہ ویران جنگل ہوں گے اور ہماری کسمپرسی لیکن بہرطور کچھ کہہ نہ سکتا تھا' البتہ فاران اور زرنام کا انداز میرے لئے اب بھی پریشان کن تھا۔ میں ان لوگوں کے اچانک بدل جانے والے رویے کے بارے میں کچھ نہیں سمجھ سکا تھا۔

میں نے ابھی اس سلسلے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا لیکن میں جاننا چاہتا تھا کہ ان لوگوں کا مزید اپنا کیا پروگرام ہے۔ تمام ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد ایڈگر میرے نزدیک بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

''آپ کے دوست نے مجھے اپنی مہم کے بارے میں تفصیلات بتائی ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ آپ کے ساتھی مزدور فرار ہو گئے ہیں اور آپ کا کافی سامان بھی لے گئے ہیں۔ بہرطور صحرائے اعظم میں ایسے ڈرامے ہوتے رہتے ہیں۔ ہم لوگوں سے پوچھیے ہم نے ایک طویل

رصہ ان جنگلوں میں گزارا ہے۔ کیسے کیسے بھیانک واقعات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ بہرطور میں آپ ے گفتگو کرنا چاہتا ہوں' مسٹر زرمناس۔''

''ہاں...... ہاں...... فرمایئے۔'' میں نے خوش اخلاقی سے کہا۔

''اگر آپ کے ذہن میں کوئی ایسا منصوبہ ہے' جس کے بارے میں آپ کو یقین ہے کہ آپ امیاب ہو جائیں گے۔ تو کیا آپ کو مزید ساتھیوں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میرا مطلب ہے' ن مزدوروں کی جگہ جو فرار ہو گئے ہیں۔''

''اگر میں اس کا اقرار کر لوں تو پھر؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہم آپ کا ساتھ دینے کیلئے تیار ہیں۔ ان مزدوروں کی حیثیت سے بھی اور بہتر ساتھیوں ی حیثیت سے بھی۔''

''لیکن آپ کا اپنا مشن تو پورا ہو چکا ہے۔ مسٹر ایڈگر۔''

''نہیں حسب توقع نہیں۔ آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں جو کچھ ہم نے جمع کیا ہے ے دیکھ لیں۔ ہر چند کہ یہ نہ ہونے سے بہتر ہے لیکن ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم مزید کچھ حاصل ریں۔''

''مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ صحرائے اعظم کی دولت کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ا اور پھر میں تقدیر کا قائل ہوں۔ ممکن ہے آپ لوگوں کا ساتھ میرے لئے بہتر ہو۔''

''اگر یہ بات ہے تو پھر آیئے اپنی جگہ چھوڑیئے اور وہاں چلیے جہاں ہم نے ہاتھی دانت ا کا ذخیرہ رکھا ہے۔''

''میں تیار ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ سادان اس سلسلے میں کچھ خاموش رہا۔ وہ بہت کم ے معاملات میں مداخلت کرتا تھا۔ ویسے میں جانتا تھا کہ اسے مداخلت کرنا ہوتی تو وہ بے تکان پڑتا۔ چنانچہ میں ان لوگوں کے ساتھ چل پڑا۔ فاران' زرنام اور میر صادق وغیرہ بھی ان کے تھے۔ ہم سب درے کا سفر کرتے ہوئے بالآخر اس جگہ پہنچ گئے جہاں ہم نے چھوٹی چھوٹی ریوں میں ہاتھی دانت کا ذخیرہ دیکھا۔

بہترین ہاتھی دانت تھا۔ یہ مضبوطی سے باندھ کر انہوں نے اس کی چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں بنا ی اور یقیناً وہ ان ڈھیروں کو اپنے شانوں پر لاد کر چلتے ہوں گے۔

''دیکھیے یہ ہے وہ ذخیرہ جس کی قیمت مہذب دنیا میں کافی ہو گی' لیکن اتنی بھی نہیں کہ ہم اپنی زندگی پر تقسیم کر سکیں۔ ہم یہاں سے کوئی بھی ایسی چیز حاصل نہیں کر سکے' جس کو لے کر ہم ب دنیا میں پہنچیں تو ہمارا ایک الگ مقام بن سکے۔ ہم اپنے اس سفر کو نامکمل سمجھتے ہیں' مسٹر اس......! چنانچہ اگر آپ کی مدد سے ہمارا یہ سفر مکمل ہو جائے تو اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور ہو گی۔''

''لیکن کیا آپ لوگ مزید صعوبتیں اٹھانے کیلئے تیار ہیں۔ میرا مطلب ہے آپ جو سفر کر کے یہاں تک پہنچے ہیں اسے پھر دوبارہ طے کرنے کیلئے تیار ہیں۔''

''یقیناً ظاہر ہے۔ ہمارا مقصد ہی یہ تھا' اور اگر انسان کو اس کا مقصد حاصل نہ ہو تو وہ بددل ہو جاتا ہے اور ہم سب بددل ہیں۔''

''آپ کے تمام ساتھی اس کیلئے تیار ہیں۔''

''سو فیصدی ہم میں سے کوئی بھی اس سے منحرف نہیں ہے۔''

''مگر اس ذخیرے کا کیا کیا جائے گا؟''

''اسے یہیں کسی پہاڑی غار میں پوشیدہ کر دیں گے اور اگر ہم کوئی ایسی شے دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئے جو اس ذخیرے سے کہیں زیادہ قیمتی ہو تو پھر اس طرف کا رخ نہیں کریں گے۔ بلکہ یہاں سے واپسی کا بندوبست کریں گے' اور اگر ایسا ممکن نہ ہو سکا تو پھر اسی پر قناعت کریں گے اور واپس یہاں پہنچ کر اس ذخیرے کو اٹھا لیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ مجھے آپ لوگوں کی اپنے ساتھ شمولیت پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا اور ایڈگر نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ اس کے دوسرے ساتھی بھی خوشی سے تالیاں بجانے لگے تھے' پھر ہم نے دوبارہ آپس میں ہاتھ ملائے اور آئندہ کا پروگرام طے کرنے لگے۔ ایڈگر نے وہ نقشہ دیکھا جو میرے پاس محفوظ تھا اور اس پر غور کرتا رہا' پھر اس نے کہا۔

''ہم اس راستے سے گزر کر آئے ہیں۔ بلاشبہ آپ بالکل صحیح راستے پر ہیں۔ ساوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے فاتحانہ نگاہوں سے زرنام' میر صادق اور فاران کو دیکھا اور بولا۔

''میں نہ کہتا تھا مگر آپ لوگ مجھ سے متفق نہیں تھے۔'' کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا' ایڈگر نے تجویز پیش کی۔

''بہتر یہی ہے کہ آج کا سارا دن اور ساری رات ہم اسی جگہ گزاریں تاکہ آئندہ سفر کیلئے اپنی تھکان اتار سکیں۔ اب تک آپ لوگ جو سفر کر چکے ہیں اس کے بعد ایک دن کا زیاں غیر معمولی نہیں ہوگا' لیکن ہم لوگ چاق و چوبند ہو جائیں گے۔''

''مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے۔ جیسا آپ پسند کریں۔ بہرطور اب آپ ہماری مہم کا ایک حصہ ہیں۔'' میں نے جواب دیا اور ایڈگر خاموش ہو گیا۔

بقیہ وقت دلچسپ گزرا۔ تمام لوگ ایک دوسرے سے متعارف ہو گئے تھے اور اپنے اپنے واقعات ایک دوسرے کو سنا رہے تھے۔ ساوان خاموش تھا۔ اس نے اس بات پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا' لیکن میں اس سے گفتگو کرنے کیلئے بے چین تھا۔ شام کو مجھے موقع ملا تو میں نے ساوان سے پوچھا۔

''جو کچھ ہوا اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے' ساوان؟''

''مقدس آوازیں خاموش ہیں۔'' ساوان نے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ مجھے اس بارے میں کسی بات سے آگاہ نہیں کیا گیا اور چچا جان! جس بات کی نشاندہی اوپر سے نہ ہو تو میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''اوہ...... ذاتی طور پر تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے؟''

''نہیں چچا جان! میں ذاتی طور پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ ہاں جو چیز میری مہم کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے اس پر میرے لئے بولنا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ آپ کا احترام سر آنکھوں پر۔''

''میں جانتا ہوں' ساوان! میں جانتا ہوں۔ بہرطور اگر یہ لوگ ہمارے ساتھ ہو گئے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ میں اور تم اس بات کو جانتے ہیں کہ ہمارا اصل مقصد کیا ہے۔ اب جب اس قسم کی دھوکہ دہی پر کمر باندھ ہی لی ہے تو پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' ساوان مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

آہستہ آہستہ تاریکیاں زمین پر اترنے لگیں اور تھوڑی دیر کے بعد صحرائے اعظم پر رات چھا گئی۔ یہ جگہ کافی محفوظ تھی اور ہم اس جگہ کافی وقت گزار چکے تھے اس لئے قرب و جوار کے ماحول سے بھی واقف ہو گئے تھے۔ موسم بھی ناخوشگوار نہیں تھا۔

رات کو ہم ضروریات زندگی سے فارغ ہو کر لیٹ گئے' لیکن میرے ذہن میں یہی تشویش تھی کہ خوراک کا کیا ہوگا۔

بہرطور تمام لوگ اس بات سے واقف تھے کہ خوراک کا اتنا بڑا ذخیرہ ہمارے پاس نہیں ہے کہ دیر تک ہم سب کیلئے کافی ہو۔ اس کا بھی کوئی بندوبست کیا جائے گا۔ ویسے صحرائے اعظم میں شکار کا فقدان نہیں تھا' اور اگر ہم ذرا سی کوشش کرتے تو گوشت کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع کر سکتے تھے۔ اس کیلئے رائفلوں کی گولیاں خرچ کرنا پڑتیں اور گولیاں یہاں پر سب سے قیمتی تھیں۔ جبکہ وہ لوگ ہتھیاروں سے محروم تھے' البتہ اس بات کا خیال رکھا گیا کہ ہتھیار حفاظت سے رکھے جائیں۔ فاران' میر صادق اور زرنام سے اب اس سلسلے میں کوئی بات پورے وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا' لیکن ساوان سے میں نے سرگوشی کی۔

''ساوان ہمارے پاس جو ہتھیار ہیں' اس وقت ان کی حفاظت سب سے زیادہ ضروری ہے۔'' ساوان چونک کر مجھے دیکھنے لگا' پھر آہستہ سے بولا۔

''میں نہیں سمجھا چچا جان! یہ خیال آپ کے ذہن میں کیوں آیا؟''

''ساوان یہ لوگ ہمارے ساتھ شامل ضرور ہو گئے ہیں لیکن ہم ان پر کلی بھروسہ نہیں کر سکتے۔ ہتھیار ہی اس وقت ہمارے معاون ثابت ہوں گے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن میر صادق' زرنام اور فاران کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

''ان پر بھی میں مکمل بھروسہ نہیں کر سکتا۔ ہمیں ان سے بھی ہوشیار رہنا ہوگا۔''

''عجیب بات ہے چچا جان! اگر یہ صورتحال تھی تو پھر آپ نے ان کی معیت قبول کیوں کی۔''

''اس وقت اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا لیکن میں نے اس وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ تم سے اس سلسلے میں گفتگو ضرور کروں گا۔'' میں نے کہا۔

اور سادان کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ کافی دیر گزر گئی۔ سادان خاموش تھا۔ آسمان صاف ہو گیا تھا۔ ستارے چمکنے لگے اور ماحول کی وحشت کسی حد تک کم ہو گئی۔ وہ سب خراٹے لے رہے تھے۔ جنگلوں کی نیند کے عادی ہو چکے تھے وہ لوگ، لیکن میں ابھی جاگ رہا تھا اور ہم دونوں کو ایک دوسرے کے جاگنے کا احساس تھا۔

دفعتاً ہم نے اپنے پیروں کے درمیان سرسراہٹ سنی اور ہم چونک پڑے۔

میں نے ذرا سی گردن اٹھا کر دیکھا، اور وہ نوجوان جوان میں سب سے زیادہ کمسن تھا، مجھے اپنی طرف کھسکتا ہوا نظر آیا۔ زمین پر ہاتھ جما کر وہ آہستہ آہستہ اوپر کھسک رہا تھا۔ ہمارے پیروں کے نزدیک پہنچ کر اس نے میرے اور سادان دونوں کے پیر ادھر ادھر کئے اور ان کے درمیان وہ رینگنے لگا۔ بڑی تعجب کی بات تھی۔ غالباً وہ ہم لوگوں سے اوپر آنے کی جگہ مانگ رہا تھا۔ بہر طور میں نے اور سادان نے اس کی یہ کوشش محسوس کی اور ہم تھوڑے سے کھسک گئے۔

اس حیرت انگیز واقعہ پر ہم نے کسی تعجب کا اظہار نہیں کیا تھا۔ نوجوان کو اتنی جگہ مل گئی کہ وہ ہم دونوں کے درمیان گھس آئے اور چند لمحات کے بعد اس کا سر ہمارے سروں کے نزدیک تھا۔

عقل میں نہ آنے والی بات تھی لیکن ہم حالات کا انتظار کر رہے تھے۔ نوجوان کے انداز سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہمیں اپنی اس حرکت سے لاعلم رکھنا چاہتا ہے۔ جب وہ ہمارے بالکل نزدیک پہنچ گیا تو اس نے گردن گھما کر ہم دونوں کو دیکھا اور سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔

''خدا کا شکر ہے کہ تم دونوں ہی جاگ رہے ہو۔''

''کیا بات ہے؟'' میں نے بھی اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''میں تم دونوں کو ایک بڑے خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ سرسراہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''دیکھو میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں، ازراہ انسانیت بھی کر رہا ہوں اور پھر اس میں میرا اپنا بھی مفاد وابستہ ہے۔'' اس نے گردن اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ تقریباً تمام ہی لوگ سو رہے تھے۔ گو فاصلے بہت زیادہ نہیں تھے لیکن کسی کے انداز سے اس بات کا اظہار نہیں ہوتا تھا کہ وہ جاگ رہا ہے۔ تب میں نے آہستہ سے پوچھا۔

''نوجوان تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''اپنے کان میرے چہرے کے قریب کر لو تاکہ آواز کی بازگشت کم سے کم ہو جائے ورنہ ہم ی ای وقت خطرات سے دوچار ہو سکتے ہیں۔'' میں نے اور سادان نے اس کی ہدایت کے مطابق ل کیا' اور ہمارے کان اس کے چہرے سے آ لگے۔

''ان لوگوں نے تمہاری زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''کن لوگوں نے؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے ان تمام ساتھیوں نے۔'' نوجوان نے جواب دیا اور ہمارے جسموں میں سرد لہریں ڑ گئیں۔ ہمارے کانوں میں نوجوان کی آواز کی سرگوشیاں گونج رہی تھیں، پھر میں نے خود کو سنبھال کر اے پوچھا۔

''ہمارے ساتھی بھی اس پروگرام میں شامل ہیں؟''

''ہاں...... وہ تینوں اس منصوبے کی تکمیل کا باعث بنے ہیں۔ بڑی عجیب و غریب گفتگو کی انہوں نے۔ میں تمہاری زندگیاں بچانا چاہتا ہوں اور کہہ چکا ہوں کہ میرا مفاد بھی اس سے وابستہ ہے۔''

''تمہارا کیا مفاد وابستہ ہے۔'' میں نے سوال کیا۔

''میں تم لوگوں کے ساتھ نکل جانا چاہتا ہوں۔''

''مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو درست کہہ رہے ہو۔''

''میں تمہیں بتائے دیتا ہوں اس کے بعد تم خود فیصلہ کر لینا۔'' نوجوان نے ہماری بات پر ان ہوئے بغیر کہا۔

''بتاؤ کیا بتانا چاہتے ہو۔''

''تم لوگ سرزمین مصر سے آئے ہو نا؟'' نوجوان نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''تم میں سے ایک کا نام سادان ہے اور دوسرے کا زرمناس۔''

''یہ بھی درست ہے۔''

''یہ تینوں افراد جو تمہارے ساتھ آئے ہیں یہ کسی خزانے کے لالچ میں تمہارے ساتھ تعاون نے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ تم لوگوں نے کسی خزانے کا نقشہ پیش کیا تھا جس کے تحت تم لوگ یہاں ہو۔''

''ہاں...... یہ بھی درست ہے۔''

''اور تم راستہ بھٹک کر اس طرف آئے ہو۔ یعنی تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ خزانے کی صحیح کون سی ہے۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔'' ساداں بولا۔

''تم لوگوں نے ان کیلئے ایک بڑی رقم مصر کے بینکوں میں جمع کرا دی ہے۔ ان سے یہ ہے کہ ناکامی کی شکل میں کم از کم وہ یہ رقم حاصل کر سکتے ہیں اور یہ رقم ان تینوں کیلئے ہے۔''

''ہاں یہ بھی ہوا ہے۔''

''اور کیا یہ بھی غلط ہے کہ تم قاہرہ میں متمول ترین لوگوں میں شامل ہوتے ہو۔ تم نے اس دولت سے ایک کشتی بھی تیار کی تھی اور تمہارا بے پناہ سرمایہ مصر کے بینکوں میں موجود ہے۔ کیا یہ تمام باتیں غلط ہیں؟''

''نہیں یہ بھی درست ہے۔ یہاں تک تو تم نے ٹھیک بتایا۔''

''تو سنو' ان لوگوں کا خیال ہے کہ' میری مراد تمہارے ان تینوں ساتھیوں سے ہے' کہ خزانے کا راستہ بھول چکے ہو۔ اب صرف صحرا میں آوارہ گردی کر رہے ہو۔ تمہیں خزانہ کبھی نہیں ملے کیونکہ وہ تمہارے ذہنوں سے محو ہو چکا ہے' اور جو نقشہ تم تیار کر کے لائے ہو وہ ناکارہ ہے۔ ایسی حالت میں جب تک تم یہاں ہو خزانہ وغیرہ تو حاصل نہیں ہو گا' بلکہ تمہاری زندگی خطرے میں رہے گی۔ ان لوگوں نے پروگرام بنایا ہے کہ یہاں سے واپس چلا جائے اور تم دونوں کو ہلاک کر کے وہاں جا کر تمہاری دولت پر قبضہ جما لیا جائے کیونکہ تم دونوں کے علاوہ وہاں اس دولت کا وارث کوئی نہیں ہے۔ تمہارے اہل خاندان میں بھی اور دور دراز کے عزیزوں میں بھی کسی شخص کا وجود نہیں ہے۔ اگر تمام باتیں غلط ہیں تو تم مجھے جھوٹا کہہ سکتے ہو' اور اگر یہ تمام باتیں صحیح ہیں اور سچ ہیں' یا پھر تمہارے لوگوں کو ان ہی تمام باتوں کا علم ہے تو یہ سمجھ لو کہ انہوں نے ہی ہمارے ساتھیوں سے یہ تمام باتیں کہی ہوں گی۔'' نوجوان پرجوش لہجے میں بولا اور میں آہستہ سے گردن ہلانے لگا۔

''معقول جواز ہے۔ بلاشبہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو سچ کہہ رہے ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن میرے دوست منصوبہ کیا ہے؟''

''منصوبہ یہ ہے کہ یہاں سے تم لوگ روانہ ہو اور کسی مناسب جگہ وہ لوگ تمہیں قتل کر دیں وہ تمہارے ہتھیاروں سے خوفزدہ ہیں' اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ تم دونوں بہت طاقتور اور ذہین ہو اس لئے وہ تمہیں موقع پا کر قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے آدمیوں کے پاس ہتھیار نہیں ہیں۔ یہ تمام لوگ صحرائے اعظم سے بری طرح اکتا چکے ہیں۔ اگر اکتا نہ چکے ہوتے تو بہت سے اچھے مواقع چھوڑ کر واپسی کی نہ ٹھانتے۔ جب تمہارے ساتھیوں نے ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اگر ممکن ہو سکے تو وہ ان کا ساتھ دیں اور خزانہ حاصل کرنے میں ان کی مدد کریں۔ خزانہ حاصل ہو جائے تو ان دونوں کو قتل کر دیا جائے اور وہ سب آپس میں یہ خزانہ تقسیم کر لیں۔ تو ہمارے ساتھیوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ وہ ہر قیمت پر وطن واپس جانا چاہتے ہیں۔ ورنہ صحرائے اعظم میں خزانوں کی تلاش بہت زیادہ مشکل کام نہیں ہے اور وہ خود بھی سب کچھ کر سکتے تھے۔

اور انہوں نے اسی لئے ہاتھی دانت پر اکتفا کیا ہے۔ ویسے ہاتھی دانت کے علاوہ ان لوگوں کے پاس کچا سونا بھی ہے جو ان لوگوں نے بڑی احتیاط کے ساتھ چھپا رکھا ہے۔ جب وہ خزانے کیلئے روانہ ہوئے تو تمہارے ساتھیوں نے انہیں پیشکش کی کہ وہ خود بھی ان کے ساتھ نکل جانا چاہتے ہیں قاہرہ میں ایک بڑی دولت جو تم دونوں کی ہے' اسے حاصل کرنے کے بعد آپس میں تقسیم کر لیں لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ تم دونوں کو قتل کر دیا جائے اور تم واپس سرزمین مصر نہ پہنچ سکو۔

ہمارے ساتھی ان تینوں کی بات پر رضامند ہو گئے ہیں اور انہوں نے ان تینوں سے گٹھ جوڑ کیا ہے اور فیصلہ کر لیا ہے کہ یہاں سے واپس جاتے وقت تم دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ تمہارے ساتھی محفوظ ہیں کیونکہ یہی تینوں تمہاری اس دولت کی نشاندہی کر سکتے ہیں جو قاہرہ میں ہے۔'' اور ساداں سکتے کے عالم میں رہ گئے تھے۔

جو کچھ اس نوجوان نے بتایا تھا اس میں ذرا بھی غلط گوئی نہیں تھی۔ اگر یہ تمام باتیں ان کے سامنے نہ کی جاتیں تو انہیں کیسے معلوم ہو جاتیں۔ ساداں نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''ان لوگوں کو ان کی اس سازش کا جواب دیا جائے گا۔''

''وہ کیسے؟'' میں نے پوچھا۔

''انہیں قتل کر دیا جائے اور ان کے جسموں میں گولیاں اتار دی جائیں۔'' ساداں نے غرا کر

''خود کو قابو میں رکھو ساداں' یہ کسی طور مناسب نہیں ہو گا۔''

''تو پھر ان کے ہاتھوں قتل ہو جاؤ۔''

''نہیں یہ بھی اتنا آسان نہیں ہے۔ ہم چوہے نہیں ہیں۔ اگر یہ بات ہمارے علم میں نہ بھی ہوتی تب بھی ہم اتنی آسانی سے ان کا شکار نہیں بن سکتے تھے۔ ان میں سے آدھے کم ہو جاتے۔''

''کیا ایسے غداروں کو سزا دینا مناسب نہیں ہے۔'' ساداں کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔

''نہیں ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی نقصان پہنچانے کا حق نہیں رکھتے۔ دنیا کا قانون لاگو نہیں ہے لیکن انسانیت کا قانون ہر شخص کے رگ و پے میں ہوتا ہے۔''

''لیکن یہ قانون انہوں نے توڑا ہے۔''

''وہ ان کا فعل ہے۔ ہمارا ضمیر ہمیں اس کی اجازت نہیں دے گا۔''

''لیکن اس بات پر مجھے بھی غصہ آ گیا۔''

''ٹھیک ہے' اس کے بعد جو کچھ کرنا ہے وہ تمہیں خود کرنا ہو گا میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔'' میں نے کہا اور ساداں چونک پڑا۔ وہ چند لمحات خاموش رہا پھر آہستہ سے بولا۔

''سوری چچا جان!''

''ہاں...... دوست اب تم بتاؤ کیا ہے تمہارا نام؟''

"ولیم پول۔"

"تم ہم سے کیا چاہتے ہو اور تم نے یہ قیمتی اطلاع ہمیں کیوں دی ہے؟"

"میں بس یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگ مجھے اور پروفیسر اطہر کو اپنی پناہ میں لے لیں۔"

"پروفیسر اطہر کون ہیں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"وہ بزرگ جو ایشیائی ہیں۔ ان کی کہانی میں بعد میں تمہیں سناؤں گا۔"

"کہاں ہیں وہ؟" میں نے پوچھا۔

"اس طرف سو رہے ہیں لیکن اگر تم چاہو تو میں اسی وقت انہیں جگا لوں گا۔"

"تمہارا نام ولیم پول ہے۔ جبکہ پروفیسر اطہر کسی ایشیائی ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ تمہار آپس میں کیا تعلق ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی تعلق نہیں صرف انسانی رشتوں کی بات کرو اور اسی انسانی رشتے کے تحت پروفیسر اطہ میرے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ میں تقریباً سولہ سال سے ان کے ساتھ ہوں۔"

"سولہ سال سے؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"گویا...... گویا پروفیسر اطہر تمہارے ہم وطن ہیں۔ میرا مطلب ہے وہ تمہارے ساتھ ہ رہتے ہیں۔"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"شاید تم اس پر یقین نہ کرو۔"

"ایسی کیا بات ہے جو ناقابل یقین ہے۔ میں جن حالات سے گزر رہا ہوں اس کے تحت مجھے ناممکن بات پر بھی یقین آ جاتا ہے۔" میں نے کہا۔

"تو سنو میں سولہ سال صحرائے اعظم افریقہ میں گزار چکا ہوں۔" ولیم پول نے جواب دیا۔

"سولہ سال صحرائے افریقہ میں...... تمہاری عمر کیا ہے؟"

"تقریباً بائیس سال۔"

"گویا تم چھ سال کے تھے جب تم افریقہ میں آئے۔"

"ہاں...... اور یہاں عجیب و غریب حالات کا شکار رہا۔ تم میری کہانی سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔" اس نے کہا۔

"تو کیا تم یہاں اکیلے تھے؟"

"نہیں میں اپنے مکمل خاندان کے ساتھ تھا۔ میرا مطلب ہے میرے والد، ماں اور دو بھائی بھی میرے ساتھ تھے، لیکن وہ سب آہستہ آہستہ لقمۂ اجل ہو گئے۔ صرف میں بچ گیا۔

"تب تو تمہیں صحرائے اعظم کے بارے میں بہت سی معلومات ہوں گی۔"

"یہ ساری باتیں تم ابھی کیوں پوچھ رہے ہو۔ وقت آنے پر میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ پہلے اپنے بچاؤ کا بندوبست کرو۔"

"ولیم پول! کیا پروفیسر اطہر ان لوگوں سے عدم تعاون کیلئے تیار ہو جائیں گے کہ انہیں چھوڑ کر ہمارا ساتھ دیں۔"

"ہاں...... میں نے کہا ناں۔ وہ خود بھی بہت اچھے انسان ہیں اور کسی بھی طور تمہارے ساتھ ہونے والی غداری کو پسند نہیں کریں گے۔ اگر ہم انہیں صورتحال بتائیں تو وہ سو فیصدی ہمارا ساتھ دیں گے اور پھر پروفیسر اطہر ایک ایسی شخصیت ہیں کہ تم تصور نہیں کر سکتے۔"

"مگر ایک سوال کا جواب دے دو ولیم!"

"پوچھو...... پوچھو وہ بھی پوچھو۔" ولیم پول نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم اس ٹولی میں کیسے شامل ہوئے؟"

"تشدد کے ذریعے ان لوگوں نے ہمیں اپنا غلام بنا لیا ہے۔ ہم ان کیلئے بار برداری کے مزدوروں کا کام دے رہے ہیں۔ ایک طرح سے ہر چند کہ ہم نے اپنے حالات کے تحت ان کے کسی بھی کام کیلئے انکار نہیں کیا۔ کیونکہ ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر ہم ان کی کسی بات سے انحراف کریں گے تو یہ ہمیں ہلاک کر دیں گے۔ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح ہم بھی مہذب دنیا میں پہنچنے کی کوشش کریں گے، لیکن اب جبکہ ہمیں موقع مل رہا ہے تو ہم ایسے وحشی لوگوں کا ساتھ کیوں دیں۔"

"گویا تم لوگ مہذب دنیا میں نہیں جانا چاہتے؟"

"یہ بات نہیں ہے، لیکن بھروسے سے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ ہمیں مہذب دنیا تک لے جانے کا باعث بن سکتے ہیں یا نہیں۔"

"ہاں...... یہ تو ٹھیک ہے۔ ویسے تم خود خواہش مند ہو اس بات کے کہ صحرا سے نکل کر مہذب دنیا تک پہنچ جاؤ۔"

"ہاں خلوص دل سے میں تو عرصے سے اس سلسلے میں سوچ رہا تھا۔"

"ہوں...... لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ تم نے چھ سال کی عمر سے صحرائے افریقہ میں زندگی گزاری ہے اور اس کے باوجود تم کافی مہذب ہو۔"

"میں نے کہا ناں، میری کہانی بہت عجیب ہے سنو گے تو دنگ رہ جاؤ گے۔ میں اپنے وطن سے بخوبی واقف ہوں اور اس کے تمام آداب جانتا ہوں۔"

"واقعی حیرت انگیز بات ہے۔ بہرطور ولیم پول! ہم تمہاری ہدایات پر عمل کرنے کیلئے تیار ہیں۔ یہ بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"سب سے پہلے یہاں سے دور نکلنے کی کوشش۔ ان لوگوں سے دور نکل جانے کا بندوبست۔" ولیم پول نے جواب دیا۔ سادان نے اوھر ادھر دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گیا' لیکن میں نے اسے لیٹے رہنے کا اشارہ کیا۔ خود ولیم بھی اس بات پر متفق تھا کہ سادان لیٹا رہے۔

"پہلے کوئی فیصلہ کرلیا جائے اس کے بعد ہم اس پر عمل کریں گے۔ اس سے قبل ان لوگوں کو ہوشیار کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔"

"میں کچھ اور چاہتا ہوں چچا جان!" سادان نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"یہ سب کے سب بے خبر سو رہے ہیں کیوں نہ ان کے ہتھیار ہم اپنے قبضے میں لے لیں۔"

"سادان! اتنا آسان نہیں ہوگا۔ بہر طور وہ خود بھی چوہے نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن اگر اس سلسلے میں کوئی مداخلت ہو تو پھر۔ صورتحال تو آپ کے علم میں آچکی ہے۔ جب وہ لوگ غدار ہیں تو پھر ہمیں انہیں ہلاک کرنے میں کیا عار ہو سکتا ہے۔"

"اچھا...... اچھا ٹھیک ہے۔ ہتھیار بھی حاصل کرلیں گے۔ پہلے تم یہ فیصلہ کرلو کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"جب آپ انہیں قتل نہیں کرنا چاہتے ہیں چچا جان! تو پھر ایک ہی ترکیب ہے' اور وہ یہ کہ ہم ان کے ہتھیار اپنے قبضے میں لے لیں اور یہاں سے نکل کر چلیں۔ مسٹر ولیم پول کو ساتھ لے لیں اور پروفیسر اطہر کو بھی جن کے بارے میں مسٹر ولیم نے ہمیں بتایا ہے۔"

"ٹھیک ہے' لیکن یہاں سے کتنی دور جاؤ گے۔ میرا مقصد ہے یہ لوگ ہمارا تعاقب کریں گے۔ ہم لوگ بہت زیادہ لمبا سفر تو نہیں کر سکتے۔"

"میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔" ولیم پول نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"یہاں سے بہت زیادہ دور نہیں جائیں گے۔ ہم لوگ جس جگہ ٹھہرے تھے وہاں سے بائیں سمت بہت مختصر سے فاصلے پر غاروں کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ چٹانیں جو سامنے نظر آرہی ہیں ان کے کچھ حصوں میں غار بھی ہیں۔ ان میں سے ہی کسی غار میں ہم پناہ لے لیتے ہیں۔ ان کو غلط راستے پر ڈالنے کیلئے ہم کچھ ایسے نشانات چھوڑ دیں گے جن سے انہیں یہ احساس ہو کہ ہم اس سمت نکل گئے ہیں' لیکن درحقیقت ان غاروں میں پناہ لیں گے اور انتظار کریں گے کہ یہ لوگ یہاں سے دور نکل جائیں۔"

"ولیم پول کی تجویز کافی حد تک درست ہے۔ میرے خیال میں مان لینی چاہیے۔" میں نے کہا اور سادان خاموش ہوگیا۔

وہ ان لوگوں کو قتل کرنے کے درپے تھا۔ نوجوان آدمی تھا' لیکن میں کم از کم بے گناہ لوگوں کو

وت کے گھاٹ اتارنا نہیں چاہتا تھا اور پھر وہ گنہگار ہی سہی وہ ہم سے سازش کر رہے تھے' لیکن کیا یہ ضروری تھا کہ ہم ان کی یہ حرکت دہراتے۔ ہم اپنے طور پر ان لوگوں کو نظر انداز کر کے اپنے کام کیلئے نکل سکتے تھے۔

بہر طور ہم میں سے کوئی بھی مجرم نہیں تھا اور اس مجرمانہ کارروائی کیلئے تیار نہیں تھا۔ سادان کی بری بات تھی۔ وہ جذباتی نوجوان تھا اور اس بات پر اسے بہت غصہ آ گیا تھا کہ ان لوگوں نے ہمارے خلاف کوئی سازش کی ہے۔

بہر طور میں نے اسے ٹھنڈا کرلیا تھا۔ اب دیر کرنا بیکار تھا۔ سادان اور اس نوجوان نے یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی کہ وہ ان کے ہتھیار حاصل کرلیں گے۔ ہتھیار حاصل کرنے کی بات پر خاص طور پر اس لئے زور دیا جا رہا تھا کہ اگر ہماری اور ان کی مڈبھیڑ ہوگئی تو وہ کم از کم ہتھیاروں سے مسلح نہ ہوں۔ وہ دونوں اس کام کیلئے چل پڑے۔

ولیم پول نے مجھے پروفیسر کے بارے میں بتا دیا تھا۔ پروفیسر ایک چٹان کی آڑ میں سو رہا تھا۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے رینگتا ہوا اس چٹان کے پاس پہنچ گیا اور پروفیسر اطہر کے نزدیک لیٹ گیا۔ میں نے اسے آہستہ آہستہ جھنجھوڑا تو اس نے آنکھیں کھول دیں' پھر کسی قدر ہکا بکا سے انداز میں بولا۔

"کون ہے' کیا بات ہے؟"

"پروفیسر براہ کرم خود کو سنبھالیے۔ میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں...... ہاں کہو...... میں خود کو سنبھالے ہوئے ہوں۔ پہلے نیند کے عالم میں تھا لیکن اب جاگ گیا ہوں۔"

"پروفیسر اطہر آپ ولیم پول کو جانتے ہیں۔"

"ہاں...... ہاں۔ کیوں نہیں' کیوں نہیں۔ کیا ہوا اسے؟" پروفیسر اطہر کے لہجے میں بے پناہ ت تھی۔

"کچھ نہیں ہوا اسے۔ اس نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔ اس کی تجویز ہے کہ ہم لوگ یہاں سے نکل چلیں۔ میرا مقصد ہے میں' ولیم پول' سادان اور آپ۔ کیونکہ ان لوگوں نے ے قتل کا پروگرام بنایا ہے۔"

"اوہ...... ولیم نے تمہیں تفصیلات بتا دیں۔ چلو اچھی ہی کیا۔ میں نے اسے یہ ہی مشورہ دیا ۔ میں نے اس سے یہی کہا تھا۔"

"ہاں ولیم نے مجھے بتا دیا ہے۔"

"تو تم ولیم کی بات پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو۔"

"ہاں' زندگی بچانا مقصود ہے پروفیسر۔ میرا ساتھی تو ان لوگوں کو قتل کر دینا چاہتا ہے لیکن میں

قتل و غارت گری نہیں چاہتا۔"

"ٹھیک ہے' لیکن یہ بڑے درندہ صفت لوگ ہیں اور اگر ہم ان کی دسترس سے دور نہ نکل گئے تو یہ ہمیں ضرور ہلاک کر دیں گے۔ تم جلدی سے تیاری کرو کہ یہاں سے نکل چلیں۔" پروفیسر اطہر نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

"جی ہاں...... یہاں سے نکلنے کی تیاری کر رہے ہیں ہم لوگ۔" میں نے کہا۔

"کچھ نہیں بس آپ تیار رہیں۔ بس تھوڑی دیر کے بعد ہم یہاں سے کوچ کرنے والے ہیں۔"

"میں تیار ہوں۔" پروفیسر اطہر نے جواب دیا۔ میری نگاہیں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں جہاں ولیم اور سادان اپنا کام سرانجام دے رہے تھے۔ میں نے انہیں بڑی خاموشی کے ساتھ رائفلیں اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اب صرف پستول رہ گئے تھے جو ان لوگوں کے لباسوں میں تھے' یا پھر وہ کارتوس جو ان کے لباسوں میں پوشیدہ تھے۔ یہ اتنی اہم چیز نہیں تھی۔ اصل چیز رائفلیں تھیں جن کی کارتوس کی پیٹیاں بھی فاران کے پاس ہی رکھی ہوئی تھیں۔ سادان' ولیم وہ چیزیں بڑی احتیاط سے اٹھا لائے اور انہوں نے ان چیزوں کو ہمارے ساتھ رکھ دیا۔

پروفیسر اطہر بھی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ لوگ ابھی گہری نیند سو رہے تھے۔ سادان آہستہ سے بولا۔

"ان کے پاس پستول رہ گئے ہیں۔ اگر میں پستول ان کے لباسوں سے نکالنے کی کوشش کرتا تو وہ یقینی طور پر جاگ جاتے۔ چنانچہ اب اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ پستول رہنے دو۔ پستولوں سے وہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ویسے بھی ہم کوشش کریں گے کہ وہ ہمارے نزدیک نہ پہنچنے پائیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میرے خیال میں اب یہاں رکنا مناسب نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ ولیم! تم یوں کرو کہ آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے اس بلندی سے نیچے اتر چلو' پھر ہم درے میں سے ہو کر اس جگہ پہنچ جائیں گے جس کی نشاندہی تم نے کی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ضروریات کا سامان۔"

"وہ سامان بھی ہم لے لیتے ہیں۔ میرا مقصد ہے کہ وہی سامان ہم لے سکیں گے تو ہمارے پاس محفوظ ہے۔ باقی اول تو سامان ہے ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو اس کا اٹھانا بھی اسی طرح مشکل ہے جس طرح پستول حاصل نہیں کئے جا سکتے۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ پہلے تم لوگوں کے ساتھ چلوں یا پہلے وہ نشان بنا دوں جن سے وہ لوگ غلط راستوں پر چل پڑیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم پہلے یہ نشان بنا دیتے ہیں۔ اس کے بعد گھومتے ہوئے اس جگہ پہنچ جائیں گے۔" ولیم پول نے مشورہ دیا اور میں نے اس کے اس مشورے پر بھی اتفاق رائے کیا تھا۔

اس کے بعد ہم نے سامان کے تھیلے اپنے جسموں سے باندھے اور پھر آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے نیچے ڈھلان میں اترنے لگے۔

ہم اتنی احتیاط سے یہ ڈھلان طے کر رہے تھے کہ ہمارے پاؤں کے نیچے سے کوئی پتھر آ کر بھی لڑھکنے نہ پائے تاکہ یہ لوگ ہوشیار نہ ہو جائیں۔ بلاوجہ کسی کو قتل کرنا مناسب نہیں تھا۔ ویسے میں نے ولیم پول اور پروفیسر اطہر کو بھی ایک ایک رائفل اور کارتوس کی پیٹی دے دی تھی۔ ایک رائفل ہمارے پاس بچ گئی تھی جسے سادان نے اپنے دوسرے شانے سے لٹکا لیا تھا۔

ہم لوگ نیچے اترتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد اتنے فاصلے پر آ گئے کہ وہاں سے ہماری باتوں کی آواز نہ سنی جا سکے۔ اس کے بعد سامان میں سے ہم نے کچھ چیزیں وہیں گرا دیں۔ اس کے بعد کچھ اور آگے بڑھے اور ایک آدھ چیز اور نیچے گرا دی۔ مقصد یہی تھا کہ وہ لوگ اس راستے پر چل پڑیں اور یہ سوچیں کہ ہم نے ادھر ہی سفر کیا ہے۔ یہ چیزیں ایسی تھیں کہ جن کے بارے میں یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم نے انہیں جان بوجھ کر گرایا ہے۔ کافی دور تک ہم اسی قسم کے نشانات چھوڑتے چلے گئے۔ ہمارے پیروں کے نشانات بھی تھے اور پھر وہ چیزیں مثلاً خشک دودھ کا ایک ڈبہ توڑ دیا گیا تھا اور وہ دودھ کے ڈبے سے دودھ گر رہا تھا اور ہم لوگ اسی سمت گئے ہیں۔ جب دودھ کا پورا ڈبہ خالی ہو گیا تو ہم نے وہاں کا سفر ملتوی کر دیا اور پھر بڑی احتیاط سے لمبا چکر کاٹ کر ولیم کے بتائے ہوئے راستے پر اس جگہ پہنچ گئے جہاں چٹان ابھری ہوئی تھی۔ ایک بہت بڑی چٹان کی آڑ میں ولیم نے ایک غار کی جانب اشارہ کیا اور کہنے لگا۔

"یہ غار اتفاق سے میں نے دیکھا تھا۔ ان لوگوں کو اس کے بارے میں پتہ نہیں ہے۔ میرے خیال میں ہم لوگوں کو اپنا تمام سامان اس میں منتقل کر دینا چاہیے۔ یہاں اور بھی چند غار ہیں۔"

"مگر ان لوگوں کے ساتھ تھے تم تو...... تمہیں ان غاروں کے بارے میں کیسے علم ہو گیا؟"

"بس یہاں قیام تھا ناں ہمارا۔ میں یونہی آوارہ گردی کیلئے نکل پڑا تھا۔ تب میں نے یہاں غار دیکھے تھے' لیکن میں نے کسی کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"کیوں......؟"

"بس اس میں بتانے کی کوئی بات نہیں تھی۔ اتفاق تھا' کیا ذکر کرتا ان سے۔"

"گویا تمہارے خیال میں یہ محفوظ ہیں۔"

"یقیناً' میرا دعویٰ ہے کہ ان کی توجہ اس طرف نہ ہو گی۔ وہ یہی سوچیں گے کہ ہم لوگ جلد سے جلد یہاں سے دور نکل گئے۔ ویسے انہیں اس بات کا اندازہ تو ہو جائے گا کہ تمہیں ہوشیار کرنے کا ذریعہ میں اور پروفیسر بنے ہیں۔ وہ یہ سمجھ لیں گے کہ تم صورتحال سے آگاہ ہو گئے ہو گے۔ اس کے بعد تو وہ ہماری تلاش میں دوڑ پڑیں گے یا پھر اپنا راستہ اختیار کریں گے۔"

''ٹھیک ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ہم نے اپنا سامان اس بڑے غار میں منتقل کر دیا۔ چٹانوں میں چھوٹے چھوٹے اور کئی غار تھے۔ چنانچہ میں اور پروفیسر اطہر ایک غار میں چلے گئے۔ ولیم پول اور سادان دوسرے غار میں پوشیدہ ہو گئے تھے۔ یہاں ہم رات گزرنے کا انتظار کرنے لگے۔ پروفیسر اطہر خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ چونکہ ہم جاگ رہے تھے اس لئے میں نے پروفیسر اطہر سے سلسلۂ گفتگو شروع کیا۔

''پروفیسر! آپ بھی وہ داستان سن چکے ہیں جو ولیم پول نے مجھے سنائی ہے۔''

''یقیناً اس نے تمہیں اس سازش کے بارے میں بتایا ہوگا جو تمہارے آدمی تمہارے خلاف کر رہے تھے۔''

''ہاں...... ویسے پروفیسر اطہر اس دور میں کسی پر بھروسہ کرنا مشکل کام ہے۔''

''یقیناً اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ میں حالانکہ اس دنیا سے ایک طویل عرصہ قبل الگ ہو چکا ہوں لیکن اس سے قبل کے واقعات آج تک میرے ذہن سے محو نہیں ہوئے۔''

''کیا آپ مجھے اپنے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گے پروفیسر؟''

''بس کیا بتاؤں...... یوں سمجھو جڑی بوٹیوں کا عاشق تھا۔ ہندوستان کے ایک قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں۔ قصبہ میری اپنی ملکیت میں تھا۔ یعنی میرے والد وہاں کے رئیس کی حیثیت رکھتے تھے اور قصبے کے اطراف کی تمام زمینیں ان کی تھیں۔ مجھے بچپن ہی سے ایک ایسے شخص کا ساتھ حاصل ہو گیا جو جڑی بوٹیوں کا ماہر تھا' اور جڑی بوٹیوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ شوق اتنا بڑھ گیا کہ میں اپنا وقت ان ہی چکروں میں گزارنے لگا۔

میرا یہ شوق میرے والد کو پسند نہ آیا۔ انہوں نے مجھے گھر سے نکال دیا اور میں اس شخص کے ساتھ چل پڑا۔ میں نے دنیا کے بہت سے حصوں میں پہنچ کر جڑی بوٹیوں کے بارے میں تحقیقات کیں اور بہت سی ایسی چیزیں دریافت کر لیں جو انسانی زندگی کیلئے بڑی کارآمد ہوتی ہیں' لیکن ہماری تحقیق کا یہ سلسلہ ختم نہ ہوا اور میں اپنے استاد محترم کے ساتھ صحرائے اعظم میں آ گیا۔

یہاں جڑی بوٹیوں کی بہتات تھی۔ میں ان کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا اور کافی حد تک کامیاب بھی ہو گیا۔ اسی اثناء میں میرے استاد محترم کا انتقال ہو گیا۔ ان کی موت نے مجھے پریشان کر دیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اپنی دنیا میں واپس لوٹ جانے کا خواہش مند تھا لیکن کچھ ایسے حالات کا شکار ہو گیا' جس کے بعد میرا یہاں سے نکلنا ممکن نہ ہو سکا۔ میں ایک ایسے قبیلے کے ہاتھ لگ گیا جو غیر مہذب تھا لیکن صحرائے اعظم کے دوسرے غیر مہذب قبیلوں سے بہت بہتر۔ وہاں میری دوستی اس قبیلے کے چند ایسے افراد سے ہو گئی جو میرے معتقد بھی تھے اور مجھ سے محبت بھی کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے کچھ اس قدر مجبور کر دیا کہ میں اپنی دنیا سے رابطہ ہی ختم کر بیٹھا۔

انہی دنوں ایک شخص مسٹر جیمسن مجھ سے ملا۔ ایک چھ سالہ بچی اس کے ساتھ تھی۔ بڑا دکھی انسان تھا۔ صحرائے اعظم میں سونے کی تلاش میں آیا تھا' اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ' لیکن حادثات کا شکار ہو گیا۔ اس کی بیوی مر گئی اور بیوی کے بعد چھ سالہ بچی اس کی ذمہ داری بن گئی۔ میں اس کا علاج کرنے لگا کیونکہ اس کی پنڈلی میں ایک بڑا زخم بن گیا تھا' اور جس کی وجہ سے وہ واپسی کی سکت نہیں رکھتا تھا' لیکن زخم اس قدر خراب ہو گیا تھا کہ اب اس میں کیڑے پڑنے لگے تھے۔ بہر طور میری ہر ممکن کوشش کے باوجود وہ جانبر نہیں ہو سکا اور مر گیا۔

اس کے بعد اس کی چھ سالہ بچی میری ذمہ داری بن گئی۔ اس کی پرورش کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ قبیلے میں جیسا کہ میں نے کہا کہ میری بڑی عزت تھی اور میں بڑے سکون کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ ولیم کی پرورش میں مجھے کوئی پریشانی نہیں ہو رہی تھی کیونکہ قبیلے کے لوگ اسے مجھ سے منسلک سمجھ کر اس کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔

ہم اسی طرح زندگی بسر کرتے رہے اور یوں میں نے زندگی کے سولہ سال گزار دیئے۔ ولیم پول اب جوان ہو گئی تھی اور اسے اس طرح بڑھتے دیکھ کر بعض اوقات مجھے خوف سا محسوس ہوتا تھا۔''

''ولیم پول۔'' میں نے درمیان میں بوڑھے پروفیسر اطہر کو ٹوکا۔ میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

''ہاں...... کیوں تمہیں تعجب کیوں ہوا؟''

''میرا مطلب ہے' وہ نوجوان' میرا مطلب ہے' وہ...... وہ لڑکی ہے؟''

''اوہ......'' بوڑھے کو اب جیسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ چند لمحات سراسیمہ نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہاں وہ لڑکی ہے۔ میں نے اسے ہمیشہ لڑکا بنا کر پرورش کیا ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ اس کا راز عام نہ ہونے پائے' لیکن بدنصیبی کہ ابھی میرے ہونٹوں سے یہ الفاظ نکل گئے۔ تاہم تم مجھے برے آدمی معلوم نہیں ہوتے' میں تم سے نہیں چھپاؤں گا۔ یہ لڑکی جیمسن لارڈ کی بیٹی اور میری ذمہ داری ہے۔ میں نے پول کو مہذب دنیا کے رسم و رواج سے مکمل طور پر واقف رکھا اور اسے مہذب دنیا کی تقریباً تمام زبانیں سکھائیں جو مجھے آتی تھیں۔ میں نے اسے دنیا کے بارے میں بھی تفصیلات بتائیں' اور آج بھی وہ اپنی دنیا سے قطعی طور پر ناواقف نہیں ہے۔ میں جانتا تھا کہ ولیم پول جوان ہو جائے گی تو اسے اپنی دنیا کی ضرورت پیش آئے گی۔ وہ ان وحشی قبیلوں میں زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ چنانچہ خود میرے ذہن میں بھی یہ بات عرصے سے پرورش پا رہی تھی کہ کسی طرح مہذب دنیا میں واپس چلا جاؤں اور ولیم پول کی ذمہ داری کو اپنے کاندھوں سے اتار دوں' پھر یہ لوگ قبیلے میں پہنچے۔ گرفتار ہو کر آئے تھے' ہماری دنیا سے تعلق رکھتے تھے۔ مجھ پر ان کی زندگیاں بچانے کی ذمہ داری عائد ہو گئی اور بالآخر میں طویل عرصہ سے اس قبیلے میں زندگی گزارنے کے بعد اس سے غداری کر کے

وہاں سے فرار ہوگیا۔

لیکن یہ بدنیت لوگ تھے۔ بدباطن اور شیطان صفت۔ ہم نے ان کی زندگیاں بچائی تھیں لیکن وہ ہم پر حکمران ہو گئے۔ انہوں نے ہمیں اپنے زیراثر کر لیا۔ میں چونکہ ایک مجہول سا انسان ہوں' کسی سے لڑنے کے قابل نہیں ہوں۔ اس لئے ان کے آگے کچھ نہیں کر سکتا۔ تاہم میری یہ خواہش تھی کہ کسی طرح بھی سہی میں اپنی دنیا میں پہنچ جاؤں۔ اس خیال کے تحت میں سفر کر رہا تھا کہ درمیان میں تم آ ٹپکے۔ ولیم پول نے ان لوگوں کی گفتگو سننے کے بعد مجھ سے کہا تھا کہ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان دو شریفوں کی زندگی بچائیں جو بے قصور ہیں۔ اس جذبے کے تحت ہم نے تم سے رابطہ قائم کر کے سب کچھ کیا ہے۔''

میں متحیرانہ انداز میں پروفیسر کی کہانی سن رہا تھا۔ ولیم پول کا چہرہ میری نظروں میں گھوم رہا تھا۔ وہ لڑکی ہے...... بڑے تعجب کی بات ہے' پھر میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔

''بہت انوکھی کہانی ہے آپ کی پروفیسر۔ میں بہت متاثر ہوا ہوں اور مجھے افسوس بھی ہے کہ آپ کو میری وجہ سے۔''

''یہ بات نہیں دوست! ان لوگوں کی اصلیت جان کر میں بھی پریشان تھا۔ یقین کرو دنیا سے جب میرا رابطہ ٹوٹ گیا تھا یہاں میرا کوئی نہیں تھا۔ قبیلے میں میری عزت تھی' وقار تھا جو اب میں کھو چکا ہوں' لیکن یہ سب کچھ میں نے ولیم پول کی وجہ سے ہی کیا تھا۔ ان لوگوں کو جاننے کے بعد میں خوفزدہ تھا کہ اگر پول کا راز کھل گیا تو وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔'' پروفیسر نے کہا اور میں خاموش ہوگیا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور پھر رات گزر گئی۔

سپیدۂ سحر نمودار ہوگیا۔ فضا میں پرندوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ میں اپنی کمین گاہ سے نکل آیا۔ اس بات کا جائزہ لینا چاہتا تھا کہ ان لوگوں کو ہمارے فرار کا علم ہوا یا نہیں' لیکن یہاں سے انہیں دیکھا جانا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے میں زمین پر رینگتا ہوا آگے بڑھ گیا اور پھر ایک بلند جگہ پہنچ کر میں نے وہاں نظر ڈالی اور یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہو سکتا تھا کہ رات ہی کے کسی حصے میں انہیں اس کا اندازہ ہوگیا تھا کہ ہم فرار ہو گئے ہیں اور شاید وہ اس وقت ہماری تلاش میں نکل گئے تھے۔

شکر تھا وہ اس طرف نہیں آئے تھے۔ تاہم دیر تک میں ادھر ادھر ان کے نشانات تلاش کرتا رہا مگر ان کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ تھوڑی دیر کے بعد پروفیسر بھی میرے پاس آ گیا۔

''کیا صورتحال ہے؟'' اس نے پوچھا اور میں نے اسے صورتحال بتا دی۔

''اس کا مطلب ہے ہماری چال کامیاب ہوئی۔ وہ ضرور ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے لیکن میں تمہیں ایک اور بات بتا دوں اگر وہ آگے چلے گئے ہیں تو ان کی واپسی مشکل ہے۔ تمہارے ساتھی اگر کوشش بھی کریں تو کامیاب نہیں ہو سکتے۔''

''کیوں؟''

''میں ان لوگوں کی بات کر رہا ہوں' جو اس صحرا سے اس طرح اکتائے ہوئے ہیں کہ ہر ت پر یہاں سے نکل جانا چاہتے ہیں۔ وہ کسی قیمت پر واپس نہیں آئیں گے۔''

''تب تو فارلن وغیرہ بری طرح مارے گئے۔ بہرحال اب ہمارا کیا پروگرام ہونا چاہیے یلیز؟''

''ہمارے درمیان کافی گفتگو ہو چکی ہے۔ میں تمہیں اپنا مافی الضمیر بتا چکا ہوں لیکن اب تک نے تم سے تمہارے پروگرام کے بارے میں سوال نہیں کیا۔''

''مثلاً؟''

''اس خزانے کی کیا حیثیت ہے۔ کون سا نقشہ ہے' مجھے دکھاؤ اور یہ کہ اگر تم راستہ بھول چکے اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟''

''آپ سے اس سلسلے میں بھرپور مدد ملے گی پروفیسر لیکن براہ کرم ذرا حالات پرسکون ہونے میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔''

''وہ لوگ ابھی تک اس طرف نہیں آئے تو یقین کر لو کہ اب وہ کبھی اس طرف نہیں آئیں ''

''پھر بھی پروفیسر! آیئے ان دونوں کو بھی بیدار کر لیں۔ صبح ہو چکی ہے۔'' میں نے کہا اور لہ سے واپس پلٹ پڑا۔ سادان کے غار کے نزدیک پہنچا تو وہ خود باہر آیا۔ اس کے پیچھے ولیم پول ی۔ میں نے عجیب سی نگاہوں سے اس لڑکی کو دیکھا۔ اس کے خدوخال پر غور کیا۔ اگر لڑکی کو تصور کر کے دیکھا جاتا تو واقعی وہ دلکش خدوخال کی مالک تھی۔ وہ مجھے اس طرح گھورتا دیکھ کر ی ہوگئی۔

''رات کیسی گزری پول؟''

''سو گیا تھا۔''

''سادان سے بات چیت ہوئی؟''

''مختصر۔''

''کیا تم دونوں دوست بن سکتے ہو؟''

''بن گئے ہیں۔''

''تب پھر دوستوں میں جھوٹ' فریب نہیں چلتا۔ سادان' ولیم پول لڑکی ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' سادان نے کہا اور ولیم پول بری طرح چونک پڑی۔

''وہ کیسے؟''

''یہ سوتے میں بولتی ہیں۔ انہوں نے عالم خواب میں مجھے اپنی پوری کہانی سنائی ہے۔ ایک

قبیلے کی داستان۔'' سادان نے مسکراتے ہوئے کہا' اور پول کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے پروفیسر کو دیکھا اور پروفیسر مسکرا دیا۔

''یہ غلطی مجھ سے بھی ہوگئی پول بیٹا! اور پھر میں نے ان سے جھوٹ بولنا ضروری نہیں سمجھا۔'' پول نے عجیب سی نگاہوں سے سادان کو دیکھا اور پھر گردن جھکا لی۔ بہرحال اس کے بعد ہم سنجیدہ ہوگئے۔

''کھانے پینے کا بندوبست کرو پول! ویسے کیا خیال ہے پروفیسر ہم آج کا دن اسی علاقے پر قربان کردیں؟''

''میرے دل کی بات چھین لی تم نے۔ نہایت مناسب خیال ہے۔ یہ جگہ ہمارے لئے محفوظ ہے۔'' پروفیسر نے کہا' پھر کوئی خاص بات نہ ہوئی۔ پول اب لڑکیوں کی طرح کام کر رہی تھی۔ اس نے زیادہ وقت غار میں گزارہ تھا۔ رات کو اس نے ایک تنہا غار ہی منتخب کیا۔ سادان کو میں اچھی طرح جانتا تھا وہ لڑکیوں کو دنیا کا انسان نہیں سمجھتا تھا۔ اس لئے مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

ہم تینوں ایک ہی غار میں جمع تھے۔ سارا دن ہم نے اطراف پر نظر رکھی تھی لیکن کسی انسان کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس سے ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ لوگ دور نکل گئے ہیں اور اب ان کی واپسی ممکن نہیں تھی۔ رات کو پروفیسر سے اس بات پر دوبارہ گفتگو ہوئی۔

''آپ نے ہماری وجہ سے اپنی مہم چھوڑی پروفیسر! اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟''

''میں نے کہا ناں...... تم مجھے اپنا پروگرام بتاؤ۔ اگر تم راستہ بھٹک گئے ہو تو شاید میں تمہاری مدد کرسکوں۔''

''دن کی روشنی میں تم یہ نقشہ دیکھ سکتے ہو پروفیسر! یہ ہماری خوش بختی ہوگی کہ تم ہماری رہنمائی کرو۔''

''میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں دوست۔''

''ہاں...... کہو۔''

''یہ صحرا موت کی بستی ہے۔ خزانے پرکشش ضرور ہوتے ہیں لیکن ان کا حصول آسان نہیں ہے۔ موت اتنی مہلت نہیں دیتی کہ ان کے حصول کے بعد تم اس سے فائدہ اٹھا سکو۔ بہت سی کہانیاں ہیں اس بارے میں۔''

''اس کے باوجود پروفیسر ہمیں اپنی مہم سرانجام دینی ہے۔''

''وہ کون سا علاقہ ہے جہاں تم جانا چاہتے ہو۔'' پروفیسر نے پوچھا اور میں اسے تفصیل بتانے لگا۔ پروفیسر ایک دم خاموش ہوگیا۔ جب میں خاموش ہوا تو اس نے کہا۔

''تمہیں اس جگہ کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔''

''یہ ایک راز ہے پروفیسر۔''

''میں تم سے تمہارا کوئی راز نہیں پوچھوں گا' لیکن اس صحرا میں میری آدھی زندگی گزری ہے۔ میرے تجربات سے فائدہ اٹھا سکو تو مجھے خوشی ہوگی۔ اس نگری میں قدرت نے اپنا سارا طلسم محفوظ کردیا ہے۔ جس علاقے کا تم ذکر کر رہے ہو' میں اس کے آس پاس ہی رہا ہوں۔ وہ دیوی کی بستی ہے۔ اس کی حکومت اور طلسمی دیوی اتنی انوکھی ہے کہ انسان اس کے بارے میں کچھ نہیں جان سکتا۔''

پروفیسر کی زبان سے دیوی کا نام سن کر ہماری عجیب کیفیت ہوگئی۔ خاص طور پر سادان کے انداز میں بے چینی پیدا ہوگئی۔ میں نے اسے محسوس کر کے سادان کا شانہ دبایا اور اسے پرسکون رہنے کی تلقین کی۔

''دیوی۔ یہ کیا ہے؟'' میں نے اجنبی بن کر پوچھا۔

''صحرائے عظیم کی ایک عظیم جادوگرنی جس کی حکومت دوردراز علاقوں تک ہے۔ وہ ایک عظیم ساحرہ ہے اور افریقی اسے ہزاروں سال سے پوجتے چلے آئے ہیں۔ تمہیں حیرت ہوگی کہ وہ ہزاروں سالوں سے زندہ ہے اور اس کی حکومت میں رہنے والے افریقہ کے عام علاقوں سے کہیں مختلف ہیں۔ ہرنی بھی اس کی حکومت کا ایک حصہ ہے۔''

''ہرنی۔''

''ہاں وہ قبیلہ جہاں میں نے زندگی گزاری ہے۔ یہاں سمراٹ خاندان کی حکومت تھی۔ یہ قبیلہ بے حد وسیع ہے۔ دیوی کی حکومت دور دور تک ہے اور اس کے باجگزاران چھوٹے چھوٹے علاقوں کے حکمران ہیں۔ ان کا تعین وہ خود کرتی ہے۔ تو میں بتا رہا تھا کہ وہ ہزاروں سال سے زندہ ہے اور اس کا سحر ان علاقوں پر مسلط ہے۔ ہزاروں میل کے علاقوں میں آباد قبائل اس کے باجگزار ہیں اور اسے پوجتے ہیں' اور وہ ان کیلئے نجات دہندہ ہے' اور کوئی کہیں بھی ہو' اس کے احکامات سے انحراف نہیں کرتا کیونکہ وہ ہر بات سے باخبر رہتی ہے۔ ان علاقوں میں اگر کوئی اس سے منحرف ہے تو صرف ہومانو...... وہ اس کی برتری قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ خود بھی بہت بڑا جادوگر ہے' اور اس کے قبضے میں کچھ ایسی قوتیں ہیں' جن پر دیوی کا زور نہیں چلتا' لیکن ہومانو کوئی قبیلہ آباد نہیں کرسکا۔ لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں اور وہ پہاڑوں میں رہتا ہے۔''

میں حیرت اور دلچسپی سے پروفیسر کے انکشافات سنتا رہا۔ سادان کی آنکھوں میں بھی حیرت کے آثار تھے۔ پروفیسر خاموش ہوا تو میں نے پوچھا۔

''ہومانو کا ٹھکانہ کہاں ہے؟''

''بھٹکتا رہتا ہے۔ کوئی مخصوص جگہ نہیں ہے اس کی۔''

''اگر کوئی اسے تلاش کرنا چاہے تو؟''

''ناممکن ہے۔ اتفاق ہی سے کسی کو نظر آتا ہے۔''

''اوہ......'' میں نے گہری سانس لی' پھر میں نے کہا۔

''تمہارا تعلق تو مہذب دنیا سے ہے۔ پروفیسر! کیا تمہیں اس بات پر یقین ہے کہ دیوی ہزاروں سال سے زندہ ہے؟''

پروفیسر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔

''زندگی کا ایک طویل دور میں نے اس بے یقینی کی کیفیت میں گزارا تھا۔ کسی طور پر یہ بات میں تسلیم ہی نہیں کرتا تھا' لیکن میرے دوست! قدرت نے اس خطے کو بھٹکے ہوئے لوگوں سے دور رکھا ہے۔ یہاں اس کے اسرار چھپے ہوئے ہیں۔ یہ جادوگری ہے۔ کسی سمت دیکھ لو۔ عجیب وغریب دنیا پھیلی ہوئی نظر آئے گی۔ بالآخر مجھے بھی تسلیم کرنا پڑا۔''

''گویا تم اس کی طویل زندگی تسلیم کر چکے ہو؟''

''ہاں...... یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔''

''تم نے اسے دیکھا ہے' پروفیسر؟''

''صرف ایک بار۔ اگر حقیقت پسند نہ ہوتا تو پاگل ہو جاتا۔''

''کیوں؟''

''اس کا حسن لازوال ہے۔ بے مثال ہے۔ حسن و جمال کا اگر کہیں کوئی انتہائی تصور ہے تو وہ اس سے کہیں آگے ہے۔ عورت کا وجود اس کی ذات میں مکمل ہے۔ پاگل کر دینے والا سحر ہے' اس کی ایک ایک ادا میں' لیکن میں نے خود کو اس کے سحر سے محفوظ رکھا۔''

''اب ایک اور سوال پروفیسر صاحب! یہ ہومانو اس سے کیوں نبرد آزما ہے۔''

''یہ بھی تاریخ ہے۔''

''وہ کیا؟''

''ایک روایت' ہومانو بھی ہزاروں سال سے اس سے منحرف ہے کیونکہ دیوی سے قبل ان علاقوں پر اس کی حکومت تھی' جو دیوی نے چھین لی۔''

''یہ ہی میں معلوم کرنا چاہتا تھا وہ ہزاروں سال سے زندہ ہے؟''

''اس کے بارے میں متضاد روایتیں ہیں۔ کچھ کا کہنا ہے کہ اسے بھی ہدایت حاصل کرنے کے راز معلوم ہیں اور کچھ کہتے ہیں کہ ہومانو ایک نسل ہے اور یہ دشمنی نسل در نسل چلی آ رہی ہے۔''

''وہ کیا چاہتا ہے۔''

''دیوی کا زوال۔''

''کبھی کامیاب نہیں ہو سکا وہ؟''

''کبھی نہیں بس اس کی چپقلش میں دوسرے جادوگر مارے جاتے ہیں۔''

''اگر ہومانو ایک نسل ہے تو وہ نسل کہیں آباد تو ہوگی۔''

''نہیں۔ وہ پہاڑوں میں گمنامی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ دیوی سے زیادہ پراسرار ہے۔''

پروفیسر نے بتایا' پھر چونک کر بولا۔ ''تمہیں اس داستان سے بہت دلچسپی ہو رہی ہے؟''

''ہاں۔ پروفیسر یہ داستان ہم دونوں کیلئے دلکش ہے۔ ویسے تم نے کبھی ہومانو کو دیکھا ہے۔''

''کبھی نہیں۔ بس کہانیاں سنی ہیں۔''

''خود تم نے شادی نہیں کی پروفیسر۔''

''نہیں مجھے زندگی کے دوسرے مشاغل سے ہی فرصت نہیں ملی۔ اگر یہ بچی میری زندگی میں نہ آتی تو زندگی کا بقیہ وقت بھی میں اپنی تخلیق اور جستجو میں گزار دیتا۔''

''لیکن پروفیسر اس کا کوئی فائدہ تو تھا نہیں آپ کو۔'' میں نے کہا اور پروفیسر بھنویں اٹھا کر مجھے دیکھنے لگا۔

''میں سمجھا نہیں......'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''آپ جڑی بوٹیوں پر تحقیقات کر رہے ہیں ناں۔''

''ہاں......''

''اور یقیناً اتنے عرصے میں آپ نے جڑی بوٹیوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر لیا ہو گا۔''

''ہاں...... بہت کچھ۔ اتنا کچھ کہ شاید مہذب دنیا کو اس پر یقین نہ آئے۔''

''مثلاً؟'' میں نے سوال کیا۔

''اس سوال کو رہنے دو۔ قدرت نے اس کائنات میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے۔ لاکھوں باتیں ایسی ہیں جو بعید از عقل ہیں لیکن ان کا کوئی نہ کوئی مفہوم ضرور ہے۔ زمین قدرت کا خزانہ ہے۔ اناج اگتا ہے تمہاری زندگیاں جلا پاتی ہیں۔ پھل پودے جو کچھ بھی ہیں' وہ تمہاری اپنی ذات کی بقا کیلئے ہیں۔ ہر کونپل میں ایک راز چھپا ہوا ہے جسے تم جان لو تو پھر ولی بن جاؤ انسان نہ رہو' لیکن قدرت نے یہ راز سربستہ رکھے ہیں۔ جتنی تمہاری ذہنی وسعت ہے اتنا تمہیں مل جاتا ہے۔ اس سے زیادہ مل جائے تو شاید تم اسے برداشت نہ کر سکو۔ جڑی بوٹیوں کا مسئلہ بھی یہ ہی ہے۔ کون سی شے ہے' جو ان کی مدد سے تمہیں حاصل نہیں ہو سکتی۔ تم سونے کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہو۔ سونا اتنا معمولی ہے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کچھ بوٹیوں کے معمولی سے قطرے تمہارے سامنے سونے کے انبار لگا سکتے ہیں۔'' پروفیسر نے کہا اور پھر چونک کر میری شکل دیکھنے لگا۔

میں دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بوکھلاہٹ دیکھ کر میرے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''نہیں ...... پروفیسر غلط فہمی کا شکار مت بنو۔ میں تم سے سونا بنانے کا راز نہیں پوچھوں گا۔ میں تم سے یہ نہیں معلوم کروں گا کہ سونا کس طرح بنتا ہے۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''کیا مطلب؟'' اب پروفیسر کے حیران ہونے کی باری تھی۔

''کوئی مطلب نہیں پروفیسر۔ جس طرح تمہاری زندگی میں ایسی باتیں ہیں' جنہیں تم دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو اسی طرح میری زندگی میں بھی کچھ راز ہیں۔ بہرطور اگر میں تم سے سونے کے بارے پوچھوں تو تم مجھے کبھی اس کا جواب مت دینا۔''

''تعجب خیز بات ہے۔ اس کے باوجود تم کہتے ہو کہ تم یہاں خزانوں کی تلاش میں آئے ہو۔''

''ہاں۔''

''مگر میرے دوست خزانہ حاصل کر کے تم کیا کرو گے؟''

''میں جو خزانہ حاصل کرنے آیا ہوں پروفیسر' وہ ذرا مختلف ہے۔''

''بتاؤ گے نہیں۔''

''نہیں' مناسب نہیں ہے۔'' میں نے سادان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ دفینے کہاں ہیں۔ کم از کم مجھے ان کے بارے میں بتاؤ۔ تمہارا نقشہ تک مکمل طور پر اس کی نشاندہی نہیں کرتا۔''

''پروفیسر! وہ جہاں بھی ہے' بہرطور دیوی کی ملکیت ہے اور ہم وہاں پہنچنا چاہتے ہیں۔''

''نقصان اٹھاؤ گے میرے دوست نقصان اٹھاؤ گے۔ تمہیں سونا چاہیے نا چلو اس کی ایک مقدار کا تعین کرلو۔ اتنا جتنا تم آسانی سے یہاں سے لے جاسکو زندگی بچا کر۔ میں تمہیں مہیا کر دوں گا۔ اگر اصلی اور کھرا سونا تمہیں مل جائے تو پھر تم میرے ساتھ مہذب دنیا کیلئے واپسی کا سفر اختیار کرو گے۔ بولو..... اگر میں تمہاری یہ خواہش پوری کر دوں تو کیا تم میری یہ خواہش پوری کر دو گے۔''

''نہیں' پروفیسر ہرگز نہیں۔'' میرے بجائے سادان بول اٹھا اور پروفیسر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ سونا' دولت' سب کچھ ہمارے پاس موجود ہیں۔ صحرائے اعظم سے ہمیں ایک بھی چمکدار پتھر کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا مقصد کچھ اور ہے۔ ہم اس مقصد کے حصول کیلئے یہاں آئے ہیں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو ہمیں وہ سمت بتا دو جہاں سے گزر کر ہم دیوی کے علاقوں میں داخل ہو جائیں گے۔''

''مگر..... مگر اس کا مقصد ہے کہ کوئی دفینہ حاصل کرنا تمہارا مشن نہیں ہے۔ اگر ایسی بات ہے میرے عزیز تو مجھے کچھ بتاؤ۔ تاکہ میں خلوص دل سے تمہاری مدد کر سکوں۔'' پروفیسر اطہر نے کہا۔

''تم مدد نہیں کر سکو گے پروفیسر' کیا فائدہ ان باتوں کا۔''

''تمہاری مرضی ہے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا' لیکن کم از کم یہ تو بتا دو کہ یہاں کتنے عرصے کام کرو گے۔''

''اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہمارا یہ سفر ایک ایسے غیر متعین کام کیلئے ہے' جس کی کامیابی یا ناکامی کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ہم جس مقصد کیلئے آئے ہیں وہ بڑا عجیب ہے' لیکن تم سے ہم صرف یہ ہی چاہتے ہیں کہ تم ہماری مدد کرو۔''

''ٹھیک ہے لیکن میرا کیا ہوگا؟''

''کیا مطلب؟'' سادان نے چونک کر پوچھا۔

''میں نے ان لوگوں کو چھوڑ کر تمہاری معیت اختیار کی ہے۔ مجھے کم از کم اتنا موقع تو دو کہ میں اپنے مشن کی تکمیل کر سکوں۔ میں پول کو مہذب دنیا تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ یہاں ان تاریک غاروں میں اس کی زندگی ختم ہو جائے گی۔ اگر میرا دوست جیمسن لارڈ مجھے یہ ذمے داری نہ سونپ جاتا تو میں اپنی پوری زندگی انہی علاقوں میں گزار دیتا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ واپس جاؤں۔ اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہیں سونا مہیا کر سکتا ہوں۔''

''نہیں پروفیسر! سونا یا دولت ہمارا مقصد نہیں ہے۔ میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔''

''ہوں..... اس کا مقصد ہے کہ تم ابھی مہذب دنیا میں واپسی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے لیکن تم دو افراد یہاں ایسا کون سا مشن انجام دے سکتے ہو جو انوکھا ہو۔''

''کوشش کریں گے۔''

''تو پھر تم کیا چاہتے ہو یہ بتاؤ کیا میں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں؟''

''یہ آپ پر منحصر ہے پروفیسر۔ اگر آپ چاہیں تو پول کو لے کر یہاں سے نکل سکتے ہیں۔''

''اب تو یہ بھی ممکن نہیں رہا۔ اپنی فطرت کا کیا کروں۔ اب تو میں اس پریشانی کا شکار ہو گیا ہوں کہ تم ایسی کوئی احمقانہ بات سوچ کر نہ آئے ہو' جسے انجام نہ دے سکو اور موت سے ہمکنار نہ ہو جاؤ۔''

''ہمیں اس کی پروا نہیں پروفیسر!'' سادان نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے تمہیں نہیں تو کیا ہے مجھے تو ہے۔ تم جوان ہو لیکن یہ شریف النفس آدمی بھی جو تمہارے ساتھ ہے' جس کے چہرے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے ارادے کا پکا اور قول کا سچا ہے' لیکن کاش میں تمہارے ذہنوں تک رسائی حاصل کر سکتا۔ کاش میں تمہیں اپنے خلوص کا یقین دلا سکتا۔ تمہیں بتا سکتا کہ میں تمہارے مشن سے منحرف نہیں ہوں اور نہ میں کبھی ہوں گا چاہے میرے جسم کی بوٹی بوٹی کر دی جائے۔''

سادان نے گہری نظروں سے میری جانب دیکھا۔ میں بھی سادان ہی کو دیکھ رہا تھا۔ پروفیسر کے بارے میں بات ہمارے ذہنوں میں الجھنے لگی تھی کہ ہم اسے اپنی حقیقت سے آگاہ کریں یا نہیں' لیکن پھر سادان نے اس کا فیصلہ کر لیا وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر آنکھیں کھول کر بولا۔

''مجھے اجازت مل گئی ہے پروفیسر کہ تمہیں اپنا شریک راز بنا لوں۔''

''کیا مطلب؟'' پروفیسر نے چونک کر پوچھا۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر گردن جھکا لی تھی۔ میں جانتا تھا کہ یہ اجازت ساداں کو کہاں سے ملی ہے۔

''مطلب یہ کہ پروفیسر ہمارا مطمح نگاہ وہی دیوی ہے' جس کے حسن و جمال اور جادوگری کی کہانیاں تم سنا چکے ہو۔ وہی حسین دیوی جو بہت بڑی جادوگرنی ہے۔ ہم اس کے پاس جانا چاہتے ہیں۔''

''ہاں...... وہی جادوگر ملکہ جو ہزاروں برسوں سے زندہ ہے' میں اس سے زندگی چھیننا چاہتا ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' پروفیسر کے چہرے پر خوف کے آثار پھیل گئے۔

''ہاں...... پروفیسر! میں اسے قتل کرنا چاہتا ہوں' اور اسی لئے اتنا طویل سفر کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔''

''دیوی کو قتل کرنے کیلئے۔'' پروفیسر کے لہجے میں خوف کی آمیزش تھی۔

''ہاں...... اسے قتل کرنے کیلئے اور تم اس بات سے اندازہ لگا لو کہ میرا مشن کس قدر نا قابل یقین ہے۔ یہاں لاکھوں وحشی قبیلوں کے درمیان میں اپنے مشن کی تکمیل کرنے آیا ہوں۔ صرف میرے چچا محترم میرے ساتھ ہیں۔ ہم لوگ کس قدر تنہا ہیں اس کا اندازہ آپ نے لگا لیا ہوگا' لیکن ہمارے سینے میں جو عزم ہے اس کا اندازہ آپ کیا یہ پورے قبائل مل کر بھی نہیں لگا سکتے' محترم پروفیسر۔ چنانچہ آپ اس بات کیلئے ہمارے آئندہ اقدامات کا تعین کر لیں۔ ہمارا اور آپ کا ساتھ کس طرح مناسب ہے۔ یہ سوچ لیں اور اس کے بعد فیصلہ کر لیں۔''

''مگر تم اسے قتل کیوں کرنا چاہتے ہو اور یہ سودا تمہارے دماغ میں کیوں ہے۔''

''یہ داستان آپ کو میرے چچا محترم سنا دیں گے۔'' ساداں نے کہا اور پھر میری طرف رخ بدل کر بولا۔

''میں نے اجازت لے لی ہے۔ چچا جان مجھے حکم ملا ہے کہ اس شخص کو شریک راز بنا لوں۔ یہ ہمارے لئے بہتر ثابت ہوگا۔ چنانچہ اگر آپ بہتر سمجھیں تو انہیں وہ کہانی سنا دیں' لیکن خبردار! لڑکی اس سے مبرا ہے۔ اسے صحیح صورتحال کا اندازہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ اس راز کو راز نہ رکھ پائے گی۔'' ساداں نے کہا۔

''میں گہری نگاہوں سے ساداں کو دیکھ رہا تھا' پھر میں نے تھکے تھکے انداز میں پروفیسر کو دیکھا اور گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں پروفیسر کو تمام صورتحال سے آگاہ کر دوں گا۔ جاؤ تم پول کو دیکھو۔'' ساداں نے گردن ہلائی اور ہمارے پاس سے چلا گیا۔ پروفیسر تصویر حیرت بنا میرے پاس بیٹھا ہوا تھا' پھر اس نے کہا۔

''بڑی انوکھی بات سنائی ہے تم نے مجھے' اور تمہارا یہ ساتھی نوجوان' درحقیقت صورت سے ہی پراسرار نظر آتا ہے۔ اتنا حسن و جمال جس کی مثال نوجوانوں میں کم ہی ملتی ہے۔ یہ شخص آخر دیوی کا دشمن کیوں بن گیا ہے۔ مہذب دنیا کا ایک مہذب نوجوان اتنا طویل سفر طے کر کے ایک جادوگرنی کو ہلاک کرنے آیا ہے۔ آخر کیوں؟...... آخر کیوں؟'' میں چند لمحات خاموش رہا' پھر میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''یہ اتفاق ہے پروفیسر کہ آپ کا تعلق بھی وہیں سے ہے' جہاں کا میں باشندہ ہوں۔ میرا تعلق بھی وہیں سے ہے۔''

''اوہ...... تو میرا خیال ہے...... واقعی مسٹر زرمناس مجھے آپ کے خدوخال پر دھوکہ ہوتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے آپ کا تعلق ایشیا سے ہو۔ اس بات سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے لیکن ساوان...''

''وہ مصری نژاد ہے۔''

''ہاں اس کے خدوخال مصری ہیں۔''

''اس کا تعلق فراعنہ کی نسل سے ہے اور صدیوں پہلے اس کے خاندان کی اس جادوگر ملکہ سے دشمنی چل گئی تھی۔ یہ دشمنی پشت در پشت منتقل ہوتی گئی اور اب دیوی کو قتل کرنا ساداں کی ذمہ داری ہے۔

''خدا کی پناہ...... تو واقعی وہ جذبۂ انتقام کے تحت یہاں تک آیا ہے۔'' پروفیسر آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

''ہاں۔ پروفیسر۔''

''بعید از عقل ہے۔ اس دور میں ایسی داستانیں قابل یقین نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس کے پاس ایسی کون سی قوت ہے۔ آخر' وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا' اور تم' زرمناس! تم خود بھی اس کے ساتھ چلے آئے' کیا یہ ہوش کی بات ہے۔''

''جو کچھ سمجھ لو پروفیسر! میری کہانی الگ ہے۔ جو اس داستان سے منسلک ہو گئی ہے لیکن اب بھی میں اس سے انحراف نہیں کر سکتا۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔ اسے سمجھاؤ اور واپس لوٹ جاؤ۔ انسان سے دشمنی کی جا سکتی ہے۔ کسی غیر انسانی قوت سے نہیں۔''

''وہ سمجھانے کی منزل سے نکل چکا ہے۔''

''اور وہ خزانہ؟''

''صرف ایک مفروضہ تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ پروفیسر سوچ میں گم ہو گیا تھا' پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔

''میں عجیب مخمصے میں پھنس گیا ہوں۔ کیا کروں...... کیا نہ کروں۔ میں پول کی وجہ سے

مہذب آبادیوں میں جانا چاہتا تھا تاکہ اس کو ایک بہتر مستقبل دے سکوں' لیکن موجودہ حالات میں میری دلچسپیاں جاگ اٹھی ہیں' اب تمہیں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔''

''میرا مخلصانہ مشورہ ہے پروفیسر ان چکروں' ان فکروں میں نہ پڑو۔ تم اپنے مشن کی تکمیل کرو۔ ہمارے سامنے کوئی راستہ نہیں ہے۔ تقدیر پر انحصار کر کے یہاں تک آ گئے ہیں اور آئندہ کیلئے کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔''

''گویا صرف زندگی کھونے آئے ہو۔''

''ممکن ہے ایسا ہی ہو۔'' میں نے کہا۔

''کیا یہ عقل کی بات ہے۔''

''بعض اوقات عقل کا ساتھ چھوڑنا پڑتا ہے۔'' پروفیسر سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

''پتہ نہیں تقدیر کیا ہے۔ بہرحال خود میں اتنی سکت نہیں پاتا کہ تنہا ویرانوں کو عبور کر سکوں۔ مجھے کسی کا سہارا چاہیے میں تمہارا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔ زرمناس! البتہ ایک وعدہ کرو مجھ سے۔ اگر میں زندہ نہ رہوں تو تم پول کو اپنے ساتھ لے جانا۔ اس کے بہتر مستقبل کیلئے جو کچھ کر سکو کرنا۔ بولو اتنا کر سکتے ہو میرے لئے۔''

''میں کیا کہوں پروفیسر۔ میری رائے ہے کہ تم اپنا سفر جاری رکھو۔ ممکن ہے کہ آپ کو کوئی اور پارٹی مل جائے اور آپ مہذب دنیا میں پہنچ جائیں۔ آپ ایسے لوگوں کا سہارا لے رہے ہیں پروفیسر جن کی کوئی منزل نہیں ہے۔''

''میں پول سے مشورہ کرلوں۔ اس کے بعد تمہیں جواب دوں گا۔''

''جیسا آپ مناسب سمجھیں۔'' میں گہری سانس لے کر بولا اور اس کے بعد ہم خاموش ہو گئے۔ کافی وقت اسی طرح گزر گیا۔

یہ رات بھی گزر گئی۔ صبح کو میں نے پروفیسر اطہر سے اس سلسلے میں سوال کیا تو وہ گردن ہلا کر بولا۔ ''ہمارا ساتھ مقدر بن گیا ہے۔ پول تمہارا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔''

''اوہ...... ٹھیک ہے۔ پروفیسر لیکن ہمیں اپنے سفر کا آغاز کرنا ہے۔''

''تمہارا مقصد صرف دیوی کی وادی میں داخل ہونا ہے۔''

''ہاں۔''

''تو اس کیلئے ہم ہرنی نہیں جائیں گے۔''

''پھر؟''

''پہاڑوں کے اس طرف ایک دوسرا قبیلہ آباد ہے۔ یہ قبیلہ بھی دیوی کے باجگزاروں میں ہے لیکن ہرنی سے اس کی ازلی دشمنی ہے۔ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ اگر دیوی ان کے درمیان نہ ہوتی تو شاید اب تک دونوں تباہ ہو چکے ہوتے۔''

''لیکن ہرنی تمہارا جانا پہچانا قبیلہ ہے۔''

''تم شاید میری کہانی بھول گئے ہو' میں ہرنی سے غداری کر کے بھاگا ہوں۔''

''اوہ... ہاں میں بھول گیا تھا۔''

''بہرحال تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں دیوی کی وادی لے چلوں گا۔ دیکھو موت کیا کھیل دکھاتی ہے۔ وہ جادوگرنی اگر اپنے دشمنوں سے واقف نہ ہوئی تو مجھے حیرت ہوگی۔''

اس کے بعد ہم نے اتولا کی جانب سفر شروع کر دیا۔ اطہر ان علاقوں کے چپے چپے سے واقف تھا۔ اسے ایک رائفل دے دی گئی تھی۔ ایک رائفل پول نے بھی سنبھال لی تھی۔ اس کے علاوہ کچھ سامان تھا' جو میں نے بار کر لیا تھا۔ پہاڑوں کا تکلیف دہ سفر جاری رہا' لیکن ایسی کوئی مشکل پیش نہیں آئی جو پریشان کن ہوتی۔''

سفر کی تیسری رات سادان نے کسی قدر بے چینی سے کہا۔ ''چچا جان! یہ لڑکیاں کیا ہر جگہ احمق ہوتی ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''یہ لڑکی پول میرے لئے تکلیف دہ ہوتی جا رہی ہے۔''

''اوہ کیا بات ہے؟''

''بس آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔ میں کیا بتاؤں آپ کو۔''

''اوہ...... تم نے اسے سمجھایا نہیں؟''

''فضول باتیں کرنے میں ساری لڑکیاں یکساں ہوتی ہیں۔ وہ بھی مجھ سے صرف عشق کرنے لگی ہے' میرے حصول کی خواہش مند نہیں۔''

''تب تم خاموشی اختیار کرلو اور اسے ٹالتے رہو۔''

''لیکن ان لوگوں کو ساتھ رکھنا کیا ضروری ہے؟''

''مجبوری ہے سادان! یہ ہمارے راستے مختصر کر دیں گے' البتہ میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی چچا جان!''

''یہ پراسرار قوتیں جو تمہاری راہنما ہیں اب کیا کہتی ہیں؟'' میرے اس سوال پر سادان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے' پھر وہ بھاری آواز میں بولا۔

''آپ کو افسوس ہوگا چچا جان!''

''کیوں ایسی کیا بات ہے؟''

''ہم دیوی کی سحر انگیز زمین میں داخل ہو چکے ہیں یہ اس کے جادو کی زمین ہے' یہاں سے قوتیں میرا ساتھ چھوڑنے پر مجبور ہیں۔''

”کیا مطلب؟“

”انہوں نے معذرت کی ہے مجھ سے' اور کہا ہے کہ اب میرے عمل کی سرزمین شروع ہوتی ہے آگے وہ میرا ساتھ نہیں دے سکیں گی۔“

”کوئی ہدایت ملی ہے تمہیں؟“

”نہیں چچا جان! لیکن میں ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیسی درخواست؟“

”اگر آپ برا محسوس نہ کریں۔ اگر آپ میری اس بات کو سنجیدگی سے سوچیں تو میں اس درخواست میں حق بجانب ہوں۔ یہ دونوں اپنی دنیا میں جا رہے تھے۔ آپ ان کے ساتھ واپس چلے جائیں۔ میرا مشن الہامی ہے' میں نہیں جانتا کہ میری تقدیر میرے لئے کون سے راستے منتخب کرتی ہے۔ یہاں تک آپ نے میرا ساتھ دیا اور اب میں اپنی منزل کے قریب تر ہو گیا ہوں۔ اب آپ آرام کریں اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔“

”ایک بات تم بھی کان کھول کر سن لو ساوان۔ جب تک زندگی باقی ہے میں تمہیں چھوڑنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ میرے لئے ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بات کرو۔“

”یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟“

”ہاں......“ میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا اور ساداں سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا' پھر بولا۔

”جیسا آپ مناسب سمجھیں' لیکن اس طرح مجھے اپنے کام میں مشکلات پیش آئیں گی۔ میں دلجمعی سے کام نہ کرسکوں گا۔

ٹھیک ہے۔ اس سے زیادہ میں آپ کو مجبور بھی نہیں کرسکتا۔ ہمارا معرکہ شروع ہونے میں زیادہ وقت نہیں ہے' اور اب میں خالی ہاتھ ہوں۔“ ساداں خاموش ہو گیا۔ ساداں الجھا ہوا تھا اور میں اس کی ذہنی کیفیت بخوبی سمجھتا تھا۔ میں خود بھی اچانک الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ ہم ایک ایسی مافوق الفطرت شخصیت سے انتقام لینے چل پڑے ہیں' جس کی قوت لامحدود تھی' صحرائے اعظم کے لاکھوں باشندے جس کے باجگوار تھے' اور اس قوت کے مقابلے میں ہم صرف بے یارومددگار افراد تھے..... یہ لڑائی انوکھی تھی۔ اس کے بارے میں تو ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔ بس جوش جذبات میں چل پڑے تھے۔

ساداں نوجوان تھا' جذباتی نوجوان' لیکن اس نے کچھ نہیں سوچا تھا۔ آخر یہ جنگ کس طرح ہوگی' دیوی سے کس طرح انتقام لیا جائے گا' اور اب تو وہ قوتیں بھی ساتھ چھوڑ گئی تھیں جن کے بل پر ساداں الہامی گفتگو کرتا تھا اور اپنے اس سفر سے مطمئن تھا۔ آخر اب کون سا ایسا معجزہ ہوگا' جو ہمیں سرخرو کرے گا۔ بہرحال اب صرف حالات ہماری قوت تھے۔ یہاں تک آنے کے بعد اس کا کیا سوال تھا کہ ہم اپنا ارادہ ترک کر دیتے' میں نے اب اس سلسلے میں ساداں کو پریشان کرنا مناسب نہیں

سمجھا۔

چنانچہ سارے مراحل طے کر کے ہم نے اتولا کی طرف سفر کرنا شروع کر دیا۔ یہ سفر پہلے کی بہت آسان تھا کیونکہ پروفیسر ہمارے ساتھ تھا' اور اسے جنگل کے راز معلوم تھے۔ اس نے مختلف مراحل پر اپنی دانش کا اظہار کیا۔ مثلاً سفر کی تیسری رات ہم ایک انتہائی خطرناک راستے پر تھے۔ جگہ جگہ دلدلیں بکھری ہوئی تھیں' ان سے شدید تعفن اٹھ رہا تھا۔ فضا میں گیس پھیلی ہوئی تھی۔ چونکہ رات ہو چکی تھی اس لئے اس وقت اس راستے سے نکل جانا ممکن نہیں تھا۔ گیس نے ہمیں پریشان کر دیا۔ رات گزارنا مشکل ہو گیا تھا۔

پروفیسر نے ایک جگہ منتخب کی اور ہمیں وہاں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ میں نے ٹوکا تو اس نے کہا ابھی واپس آتا ہوں۔ ابھی ہمیں زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی' یہاں رکے ہوئے کہ ہم نے ایک عجیب ہولناک منظر دیکھا۔ جس جگہ پر ہم قیام پذیر تھے۔ وہاں سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا سیاہ ٹیلا نظر آ رہا تھا۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ٹیلے میں تحریک پیدا ہو گئی اور اس کا حجم کم ہونے لگا۔ زمین پر جو دیکھا تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دو' دو انچ لمبے چیونٹے تھے جو ڈھیر کی شکل میں جمع تھے اور اب انسانی بو پا کر ہماری طرف چل پڑے تھے۔

نہ جانے یہ کیسے چیونٹے تھے۔ ہم سب بھاگ بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ دوڑتے ہوئے دلدلی گڑھے نہیں دیکھے جا سکتے تھے۔ ہم سب بری طرح وحشت زدہ ہو گئے' لیکن پروفیسر جلد ہی ہمارے پاس پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں مخصوص قسم کی جھاڑیاں دبی ہوئی تھیں۔ اس نے جلدی سے ان جھاڑیوں کو زمین پر رکھ کر آگ لگا دی۔ گھاس سے صندل کی سی خوشبو پیدا ہو گئی اور چیونٹے' جو ہمارے نزدیک پہنچ گئے تھے اس طرح سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے کہ ان کا نشان نہیں ملا۔ میں حیرت اور دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ فضا سے گیس بھی ختم ہو گئی تھی۔

”خدا کا شکر ہے میں بروقت پہنچ گیا۔“ پروفیسر نے گہری سانس لے کر کہا۔

”یہ کیا بلا تھی؟“

”صحرا کی سب سے خوفناک بلا۔ یقین کرو مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔“

”کیا مطلب؟“

”یہ بوٹی میں صرف فضا کی کثافت ختم کرنے کیلئے لایا تھا' لیکن اس وقت ہماری غیبی مدد ہو گئی۔ یہ گوشت خور چیونٹے تھے جو ہر جاندار کو اس طرح چٹ کر جاتے ہیں کہ اس کی ہڈیاں بھی نہیں چھوڑتے۔ انہیں بھگانے کیلئے صرف یہ بوٹی ہی کارآمد ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو ہم خوفناک حالات کا شکار ہو جاتے۔“

”خدا کی پناہ..... اس کا مطلب ہے ہم بال بال بچ گئے۔“

”ہاں...... یہاں قدم قدم پر ایسی خوفناک بلائیں بکھری ہوئی ہیں۔“

جھاڑیاں رات بھر سلگتی رہیں اور اس کی خوشبو فضا میں پھیلتی رہی۔ گیس کی بو بھی ختم ہوگئی اور چیونٹوں نے بھی دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کیا تھا' لیکن دوسرے دن پروفیسر نے اس بوٹی کے پود احتیاطاً اپنے ساتھ رکھ لیئے اور ہم نے تیزی سے سفر شروع کر دیا۔

چیونٹوں کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ جنگل' ندیاں' پہاڑیاں عبور کرتے ہوئے ہمارا یہ سفر جاری اور پھر ایک روشن صبح ہم نے دور سے سیاہ کوہانوں کا شہر دیکھا۔ اونٹ کے کوہان سے مشابہہ جھونپڑ کی ایک دنیا آباد تھی۔ وسیع و عریض میدان میں تا حد نگاہ یہ جھونپڑے پھیلے ہوئے تھے۔ پروفیس آواز ابھری۔

''یہ اتولا ہے۔'' میں حیران رہ گیا اور حیران نگاہوں سے اس عظیم الشان شہر کو دیکھنے جھونپڑوں کی ترتیب بلاشبہ قابل دید تھی لیکن نجانے کیوں شہر خالی نظر آ رہا تھا۔ اس کے درمیان متنفس موجود نہیں تھا۔ اس بات پر پروفیسر نے بھی حیرت کا اظہار کیا۔

''حالانکہ دن کا وقت ہے۔ ان لوگوں کو تو اپنی ضروریات میں مصروف ہونا چاہیے۔ اس علاوہ یہ اتنے غافل بھی نہیں ہوتے کہ کچھ اجنبیوں کی آمد سے لاعلم رہیں۔ نجانے کیا اسرار۔ بہر طور آگے آؤ۔ آگے بڑھو...... آگے چلتے ہیں...... دیکھتے ہیں۔'' پروفیسر نے کہا اور ہم آگے بڑ رہے۔ یہاں تک کہ قبیلے کے پہلے مکان کے سامنے پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر پروفیسر نے مقامی ز میں آواز لگائی۔

''کوئی ہے' کوئی ہے تو سامنے آئے۔'' مگر کوئی جواب نہ ملا۔ ہم خاموشی سے حیران کھڑ ادھر ادھر دیکھتے رہے' پھر پروفیسر نے جھونپڑے کے دروازے کے قریب پہنچ کر اسے کھولا او کے اندر جھانکنے لگا۔

''جھونپڑا خالی ہے۔''

''تعجب کی بات ہے کہ کیا اتولا کے تمام لوگ یہ شہر چھوڑ کر کہیں چلے گئے۔ یہ بات حیران کن ہے۔ حالانکہ یہ اتنا بڑا قبیلہ ہے کہ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے ہو گے۔''

''ہاں......'' دفعتاً ہمیں ایک وحشیانہ شور سنائی دیا' اور ہم اچھل پڑے' پھر ہم نے ایک ناک منظر دیکھا۔ ہمارے چاروں سمت سیاہ فام عورتیں ہماری جانب دوڑ رہی تھیں۔ ان کے انداز وحشت خیزی تھی۔ وہ خالی ہاتھ نہیں تھیں بلکہ ان کے ہاتھوں میں ہتھیار تھے۔ کسی کے ہاتھ میں سے بنے ہوئے ہتھیار تھے۔ کوئی ڈنڈا سنبھالے ہوئے تھی۔ ایک طویل القامت عورت جس تانبے کی طرح چمک رہا تھا ان سب سے آگے تھی۔ اس کے چہرے پر وحشت کے آثار تھے۔ میں اس نے ایک نیزہ سنبھالا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ انہیں روکنے کیا بندوق کا استعمال کریں۔

پروفیسر نے اسی پر فیصلہ صادر کیا اور ہم نے بندوقیں اٹھا کر ہوائی فائر کیئے۔ فائرنگ کا

کارآمد ثابت ہوئی اور عورتیں رک گئیں۔ ان کی وحشت کسی قدر کم ہوگئی تھی' لیکن ان کی آنکھوں اب بھی نفرت کے آثار تھے' پھر وہ طویل القامت عورت زمین پر نیزہ گاڑ کر اس کے پاس کھڑی ہی۔ اس کی آنکھیں ہم پر جمی ہوئی تھیں۔ ہم نے ابھی تک ان میں سے کسی پر فائر نہیں کیا تھا۔ تب فیسر بھاری لہجے میں بولا۔

''غلط فہمی کا شکار ہو کر کوئی ایسا اقدام نہ کرو' جو ہمارے اور تمہارے حق میں خطرناک ہو۔ میں سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔'' طویل القامت عورت کی آنکھوں میں ایک لمحے کیلئے حیرت کے آثار ودار ہوئے' پھر اس نے اپنا نیزہ زمین سے نکالا اور چند قدم آگے بڑھ کر اسے اسی انداز میں زمین گاڑ دیا' پھر اس کے منہ سے ایک غراتی ہوئی آواز نکلی۔

''تم دشمن کے آدمی ہو۔ کون ہو تم؟ کیوں آئے ہو یہاں؟''

''میں جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے والا ساحر ہوں اور اتولا میں قیام کیلئے آیا ہوں۔ ہم ب تمہارے لئے پیغام خیرسگالی لائے ہیں۔ ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔''

''جھوٹ بولتے ہو تم۔ تم دیوی کے ہرکارے ہو اور قبیلے کی سن گن لینے آئے ہو' لیکن یاد جو بغاوت سر ابھار چکی ہے' اب اسے ختم کرنا دیوی کے بس کی بات نہیں ہے۔'' یہ الفاظ ایسے تھے میں' پروفیسر' ساداں اور پول حیران رہ گئے۔ پروفیسر ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

''قبیلے کی عظیم عورت میں نے ایک بار پہلے بھی تم سے کہا ہے اور اب بھی کہہ رہا ہوں کہ غلط کا شکار ہو کر کوئی ایسا اقدام نہ کر بیٹھو جس پر بعد میں تمہیں افسوس ہو۔ تمہارے قبیلے کے مرد کہاں ۔ مجھے کسی مرد سے ملاؤ۔ میں اسے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کروں گا۔''

''بیکار باتیں مت کرو۔ پہلے یہ ثابت کرو کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ سچ ہے۔''

''میں ثابت کرنے کیلئے تیار ہوں۔ کیا تمہارے قبیلے میں کوئی بیمار شخص ہے؟''

''ہاں...... اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو' اور اپنے بارے میں ہمیں مطمئن کرنا چاہتے ہو تو میرے آؤ' لیکن خبردار تمہارے ہاتھ میں دھماکہ کرنے والے ہتھیار ہیں' انہیں ایک جگہ رکھ دو۔ تم ان اروں سے ہم سب کو نہیں مار سکو گے۔ ہم میں سے کچھ مر جائیں گے لیکن باقی سب تمہیں فنا کر گے۔''

''اور اگر میں یہ ہتھیار رکھ دوں تو کیا تم قسم کھا سکتی ہو کہ ہمیں اس وقت تک نقصان نہیں گی جب تک تمہیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ ہم تمہارے دشمن ہیں۔'' عورت نے گہری نگاہوں مجھے دیکھا اور پھر بولی۔

''ہاں...... ہم آدھے سورج کی قسم کھاتے ہیں کہ اس وقت تک تمہیں کوئی نقصان نہیں یں گے' جب تک ہمیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ تمہارا شمار ہمارے دشمنوں میں ہوتا ہے۔''

''تو ٹھیک ہے' یہ ہتھیار تمہارے سامنے ہیں۔'' پروفیسر نے کہا' اور اس کے اشارے پر ہم

سب نے اپنی اپنی رائفلیں نیچے رکھ دیں۔ عورت بے یقینی کے انداز میں ہمیں دیکھ رہی تھی' پھر وہ آہستہ سے بولی۔

''چند قدم پیچھے ہٹ جاؤ۔ اتنے پیچھے کہ تم دوڑ کر یہ ہتھیار نہ اٹھا سکو۔'' ہم نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور رائفلوں سے کافی پیچھے ہٹ گئے۔ ہم نے اپنا بقیہ سامان بھی وہیں رکھ دیا تھا۔ جب انہیں یقین ہوگیا کہ ہم دوڑ کر رائفلیں نہیں اٹھا سکیں گے تو عورت نے اشارہ کیا اور بہت سی عورتیں ہمارے ہتھیاروں کے گرد حلقہ بنا کر کھڑی ہوگئیں۔ ہم ان سے پرے تھے۔ طویل القامت عورت کے چہرے پر کسی قدر سکون کے آثار نظر آئے۔ اس نے ہماری طرف دیکھا اور کہا۔

''تم میں سے کون جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے والا ساحر ہے۔''

''میں۔'' پروفیسر نے کہا۔

''صرف تم میرے ساتھ آ جاؤ۔'' عورت نے کہا اور پروفیسر ان کے ساتھ چلا گیا۔ پول اور سادان اسی جگہ کھڑے ہوئے تھے' اور دوسری عورتیں کڑی نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہی تھیں اور پھر چند عورتیں آگے آئیں اور ان میں سے ایک نے کہا۔

''اگر تم بھی ہماری زبان سے واقف ہو تو آؤ ہمارے ساتھ۔ ہم اس وقت تک تمہارے قیام کا معقول بندوبست کر دیں گے' جب تک تمہارا ساتھی تمہارے درمیان نہیں پہنچ جاتا' اور ہم مطمئن نہیں ہو جاتے۔'' میں نے ایک لمحے کیلئے سوچا اور پھر گردن ہلا دی۔

ہمیں ایک جھونپڑے میں قید کر دیا گیا تھا۔ اندر سے یہ کوہان نما جھونپڑا بڑا وسیع اور کشادہ تھا' اور اس میں جگہ جگہ پیال کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ جو یقینی طور پر آرام کرنے کیلئے تھے۔ میں' سادان اور پول ان پیال کے ڈھیروں پر لیٹ گئے۔ ہم سب خاموش تھے۔ سادان کی زبان سے بھی کوئی لفظ نہیں نکل سکا تھا۔ کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ باہر عورتوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پول نے متعجبانہ انداز میں کہا۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ قبیلے کے مرد کہاں چلے گئے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے بس عورتوں کی بستی ہے۔''

''تم اس علاقے کی تمام زبانوں سے واقف ہو' پول!'' میں نے پوچھا۔

''ہاں..... ظاہر ہے۔ میں نے انہی کے درمیان زندگی گزاری ہے۔''

''مگر اس قبیلے میں تو پہلے کبھی نہیں آئی ہو گی تم؟''

''ہاں..... یہاں کبھی نہیں آئی' لیکن میں اس کے بارے میں کافی معلومات رکھتی ہوں۔ یہ قبیلہ بھی دیوی کے زیر تحت آتا ہے اور یہاں بھی اسی کی حکومت ہے۔''

''پول..... مناسب سمجھو تو مجھے دیوی کے بارے میں کچھ تفصیلات بتاؤ۔''

''مثلاً؟''

''کیا تم نے اسے دیکھا ہے۔''

''ہاں دیکھا ہے۔ وہ اتنی حسین ہے' اتنی خوبصورت اور اتنی جوان ہے کہ اس کے حسن کے ...ے جوانی اور حسن کا تصور ماند پڑ جاتا ہے۔ وہ مسکراتی ہے تو بجلیاں چمکنے لگتی ہیں۔ بلاشبہ وہ ساحرہ ہے' ایک ایسی ساحرہ' جس کے سحر کے آگے کوئی دوسرا سحر کارآمد نہیں ہوتا۔''

''ذرا بتاؤ وہ کیسی ہے؟''

''ظالم' جلاد اور تند خو۔ اپنے مخالفوں کو کبھی معاف نہیں کرتی۔''

''یہاں اس کے مخالف ہیں؟''

''بہت زیادہ' شمالی ساحلوں سے تو اس کی ہمیشہ چلتی رہتی ہے۔ شمال کے ساحر..... سحر میں ...ت آگے ہیں اور دیوی کو اگر کوئی خطرہ ہے تو صرف انہی سے ہے۔''

''یہ سب باتیں تمہیں کیسے معلوم ہوئیں' پول؟''

''ہرنی میں بہت سے ساحر رہتے ہیں اور چونکہ پروفیسر جڑی بوٹیوں کے ماہر تھے اور ساحر ...ا بھی اپنا ہم پلہ سمجھتے تھے' اس لئے ان سے یہ تمام باتیں کرتے رہتے تھے۔''

''ہوں..... تو ویسے تمہارا کیا خیال ہے کہ اتولا کی یہ عورتیں ہمیں زندہ رہنے کا حق دیں گی؟''

''آدھے سورج کی قسم ان کے ہاں بہت متبرک سمجھی جاتی ہے۔ اگر پروفیسر انہیں مطمئن ...نے میں کامیاب ہو گئے تو میرا خیال ہے ہمیں یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''خدا کرے پروفیسر اپنے مشن میں کامیاب ہو جائے۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

...زرتا گیا' رات ہو گئی لیکن پروفیسر واپس نہ آیا' پھر آدھی رات کا وقت تھا' اور ہم سب جاگ رہے ...م پروفیسر نے جھونپڑے کا دروازے کھولا' پھر وہ اندر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک مشعل تھی' جو ...نے جھونپڑے کے ایک حصے میں نصب کر دی۔ اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ ...ں اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''کیا رہا پروفیسر؟''

''بہت ہی حیرت انگیز' بہت ہی تعجب خیز۔ ایک ایسی خبر لایا ہوں کہ تم لوگ ششدر رہ جاؤ ...ہیں تو علم بھی نہ تھا کہ ہمارے یہاں سے نکلتے ہی حالات میں یہ تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ ایسی ...ں جو ہزاروں سال سے عمل میں نہیں آئیں۔'' پروفیسر نے کہا۔ ہم سب اشتیاق آمیز نگاہوں ...وفیسر کو دیکھنے لگے۔

اس کے چہرے کا اطمینان بتا رہا تھا کہ ہمارے لئے اب یہاں کوئی خطرہ نہیں رہا۔ میں نے ...سے پوچھا۔

''ہمارا آتش شوق نہ بھڑکاؤ پروفیسر بتاؤ کیا ہوا ہے؟''

''دیوی کیخلاف بغاوت ہوگئی ہے۔ شمال کے ساحروں نے بالآخر اپنے سحر کو اتنا وسیع کر لیا ہے کہ وہ دیوی کیخلاف بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ ہزاروں سال سے اس کیخلاف بغاوت کے منصوبے بنائے جا رہے تھے' اور ساحر نسل در نسل دیوی کے اس طلسم کدے کیخلاف عمل پیرا تھے۔ جہاں وہ صحرائے اعظم کے ایک وسیع علاقے کو کنٹرول کر رہی تھی۔ بالآخر ساحروں نے چھوٹے چھوٹے قبائل کو مجتمع کر کے وہاں اپنا سحر پھونک دیا ہے اور وہ سب کے سب قبائل اس کیخلاف جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اب قبیلوں میں جنگ ہو رہی ہے۔ اتولا کے سارے مرد لڑنے گئے ہوئے ہیں' اور یہ عورتیں بستی کی حفاظت کر رہی ہیں۔

''اوہ ..... اتولا کے لوگ دیوی کیخلاف لڑنے گئے ہوئے ہیں۔''

''نہیں اس کے حق میں۔ قبیلہ زورالا کے مرد بھی اس جنگ میں شریک ہیں اور یہ قبیلے بہت مضبوط سمجھے جاتے ہیں۔ پتہ نہیں وہ کون سے قبائل ہیں جو دیوی کیخلاف جنگ پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ میرے خیال میں تو ان کی شامت ہی آ گئی ہے کیونکہ یہی دو قبیلے مل کر صحرائے اعظم کے رقبے پر دباؤ ڈال سکتے ہیں' اور دیوی کا جادو ..... یقیناً شمالی ساحروں کو شکست دے دے گا۔'' پروفیسر پر خیال انداز میں بولا۔

''تمہارے ساتھ ان لوگوں کا سلوک کیسا رہا؟''

''کچھ نہیں۔ ایک آٹھ سالہ بچہ شدید بیمار تھا۔ میں نے اس کی بیماری کو سمجھا اور ایک ایسا عرق پلا دیا' جسے پیتے ہی اس کی کیفیت بدل گئی۔ اس طرح ہم ان لوگوں میں ایک مناسب جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔'' میں نے گہری سانس لی۔ سادان بھی مسکرانے لگا' اور پول نے بھی سکون کی سانس لی۔

''اس کا مطلب ہے کہ اب ہمیں یہاں کوئی خطرہ نہیں رہا۔''

''ہاں ..... فی الحال قدم جمانے کیلئے ایک جگہ مل گئی ہے' لیکن جن حالات میں جگہ ملی ہے وہ تم بخوبی جانتے ہو۔ اگر اتفاق سے ان قبیلوں کو شکست ہو گئی تو پھر یہ جگہ بھی محفوظ نہیں ہے۔''

''اس کا مقصد ہے کہ ہمیں یہاں سے بھی نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔''

''ہاں ..... ویسے اب میں تم پر ایک انکشاف کر دوں کہ اب دیوی کی وادی بھی یہاں سے دور نہیں ہے۔ حسین دیوی اتولا کے جنوب میں بیس میل کے فاصلے پر اپنی عظیم الشان سلطنت میں آباد ہے۔ یہ علاقہ محفوظ ترین علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ یقیناً جنگ اس کی سلطنت کے اطراف میں نہ ہو رہی ہو گی بلکہ اپنی ساحرانہ قوت سے کام لے کر اس نے اس جنگ کو کہیں دور دراز کے میدانوں میں رکھا ہو گا۔'' یہ گفتگو میرے اور پروفیسر کے درمیان ہو رہی تھی۔ پول یا سادان نے اس میں حصہ لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سادان کی آنکھوں میں ایک پُراسرار چمک لہرا رہی تھی جو نجانے کس سوچ کا نتیجہ

تھی۔

بہرطور پروفیسر کے سامنے میں اس سے اس بارے میں کوئی سوال نہ کر سکتا تھا' چنانچہ خاموش رہا۔ پروفیسر بھی پیال کے ڈھیر پر لیٹ گیا۔

بہرطور پروفیسر نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''وہ طویل القامت عورت سردار کی بیوی تھی' جو جنگ پر گیا ہوا تھا۔ یہ بڑی کروفر کی عورت ہے' اور یقین کرو کہ اگر کوئی چھوٹا موٹا قبیلہ قتل و غارتگری کرتا ہوا اس طرف آ نکلے تو یہ عورتیں اسے زندہ نہیں چھوڑیں گی۔ اول تو ان کی تعداد کافی ہے اور پھر یہ خونخوار فطرت کی مالک ہیں۔''

''ویسے لڑکے کی بیماری دور ہونے کی وجہ سے وہ حیرت انگیز طور پر ہم پر مہربان ہو گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہم چند روز یہاں گزارنا چاہیں تو ہمیں کوئی دقت نہیں ہو گی۔ بس خیال ہے ذہن میں تو صرف یہ کہ اگر اتولا کو شکست ہو گئی اور لڑنے والے ان کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر ہمارے لئے بھی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔''

''بہرطور کم از کم اس وقت تو ہم سکون کی سانس لے سکتے ہیں' جب تک یہ حالات پیدا نہ ہوں۔''

''ہاں ..... لیکن اس دوران ہمیں کوئی فیصلہ کر لینا ہو گا۔ میرے خیال میں اب آرام کرو۔ تھوڑی سی تھکن دور ہو جائے تو صبح کو ان انوکھے واقعات پر غور کریں گے۔'' پروفیسر نے کہا اور میں بھی اس سے متفق ہو گیا۔ ہم نے آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگے۔ سادان بھی پیال کے ڈھیر پر لیٹ گیا تھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر پول لیٹی ہوئی تھی۔ مجھے نیند آ گئی تھی۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ سادان نے پاؤں جھنجھوڑ کر مجھے جگا دیا۔ میں نے نندا سی آنکھوں سے سادان کو دیکھا اور پھر مستعد ہو گیا۔ سادان میرے کانوں کے قریب سرگوشی کے انداز میں بولا۔

''چچا جان! میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے نیند نہیں آ رہی۔ معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو سوتے ہوئے جگا دیا۔''

''نہیں کوئی بات نہیں۔ کہو کیا بات ہے؟''

''یہاں نہیں' باہر نکل کر چلیے۔ باہر سناٹا ہے' میں دیکھ چکا ہوں۔''

میں سادان کے ساتھ اٹھ کر باہر نکل آیا۔ سادان کے چہرے پر اب بھی وہی تاثرات نظر آ رہے تھے۔ باہر بیکراں سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ قبیلے کی کسی جھونپڑی میں کوئی چراغ نہیں جل رہا تھا' جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ بستی والے گہری نیند سو رہے ہیں۔ ستاروں کی مدھم چھاؤں میں' میں نے سادان کو دیکھا۔

''کیا بات ہے ساوان؟''

''میں بہت پریشان ہوں چچا جان!'' وہ بولا۔

''وجہ؟''

''وجہ آپ جانتے ہیں۔''

''اگر جانتا تب بھی تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔''

''کیا ہم غیر یقینی حالات سے نہیں گزر رہے۔'' ساوان نے کہا۔

''یقیناً ایسی ہی بات ہے' لیکن کیا تم ان حالات سے متاثر ہو کر یہ مہم ترک کر دینا چاہتے ہو؟''

''نہیں چچا جان! کبھی نہیں' لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ میری نادانی...... میری نادانی آپ کیلئے پریشانی کا باعث بن رہی ہے۔ کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا میں نے۔ میری یہ حماقت آپ کیلئے بھی مصیبت بن گئی ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اس کیلئے مجھے تنہا ہی سب کچھ بھگتنا چاہیے۔ آپ واپس چلے جائیے' چچا جان! میں بہت شرمندہ ہوں۔''

ساوان کی پریشانی بھی بجا تھی۔ میں اس کی شرمندگی کو محسوس کر رہا تھا چنانچہ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''اگر تم مجھے خود سے اتنا دور سمجھتے ہو ساوان تو مجھے اس کا افسوس ہے' اور میں خود ہی کو اس کیلئے قصوروار سمجھتا ہوں۔ ضرور مجھ سے ایسی کوتاہیاں ہوئی ہوں گی' جنہوں نے مجھے تم سے قریب نہ آنے دیا۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں چچا جان! بخدا ایسی کوئی بات میرے ذہن کے کسی گوشے میں نہیں ہے۔''

''پھر تم تنہا رہ کر کیوں سوچ رہے ہو۔ میں بہ ہوش و حواس تمہارے ساتھ آیا ہوں اور ہر طرح کے حالات میں تمہارے ساتھ ہوں۔ وقت جو فیصلہ بھی کرے گا' ہم اس میں ساتھ ہوں گے۔''

''میں کیا کہوں چچا جان۔'' ساوان نے گردن جھکا لی۔

''اگر مجھ پر ذرا بھی اعتماد کرتے ہو تو اس انداز میں نہ سوچو اور جو کچھ اس سلسلے میں کرنا چاہتے ہو' اس میں شریک سمجھو۔''

''میں اس قبیلے میں نہیں رہنا چاہتا۔ یہاں سے نکل چلیں اور کسی سنسان گوشے کو اپنائیں۔ ایک ایسی تنہا جگہ جہاں ہم سکون سے بیٹھ سکیں' تاکہ آئندہ اقدام کے بارے میں سوچ سکیں۔''

''ان لوگوں کے سلسلے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''پول اور پروفیسر کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔''

''ہاں۔''

''پول مجھے بہت تکلیف دیتی ہے۔ وہ اشاروں کنایوں میں ایسی گفتگو کرتی ہے کہ میں پریشان ہو جاتا ہوں۔ آپ بتائیے کہ میں اس ویران صحرا میں اس لئے آیا ہوں کہ عشق و محبت کی چاشنی سے لطف اندوز ہوں۔''

''ہاں...... تمہاری پریشانی بجا ہے۔''

''تو پھر مجھے بتائیے کہ میں اس الجھن سے کیسے چھٹکارا پاؤں۔'' ساوان نے کہا۔

''اگر تم کہو تو میں پروفیسر سے اس سلسلے میں بات کروں؟''

''وہ بے چارہ کیا کر سکے گا۔ اگر سچ جانیں تو مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ وہ اگر تنہا ہوتا تو میں اسے چھوڑنے کے بارے میں کبھی نہ سوچتا۔''

''بہرحال میرا مشورہ ہے' ساوان' کہ خود کو پرسکون رکھو۔ کچھ توقف کرو۔ اس مسئلے کا کوئی حل نکال لیں گے۔''

''جو حکم' میں تو پست ہو چکا ہوں۔''

''نہیں ساوان جس ہمت سے یہاں تک کا سفر کیا ہے اسے برقرار رکھو۔ ابھی تو تم کچھ بھی نہیں کر سکے ہو' ابھی تو نجانے کتنے مراحل سے گزرنا ہے۔'' میں نے کہا اور ساوان خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔

''ہم قیام نہیں کریں گے۔ یہاں رک کر آخر ہم کیا کریں گے۔ ان لوگوں سے ہمارا کیا واسطہ۔''

''ان عورتوں کو شیشے میں اتار کر ذرا ان علاقوں کی صورتحال اور معلوم کر لی جائے۔ اس کے بعد کے حالات کچھ بھی ہوں ہم آگے چل پڑیں گے۔''

''ٹھیک ہے' مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' ساوان نے کہا۔ میں گردن جھکا کر حالات پر غور کرنے لگا۔ دفعتاً ہم دونوں اچھل پڑے۔ تیز نسوانی چیخ اتنی بلند تھی کہ کان جھنجھنا اٹھے۔ ساوان متوحش نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا' پھر ایک اور چیخ سنائی دی۔ یہ مردانہ چیخ تھی لیکن اس آواز کو ہم نے پہچان لیا تھا۔ پروفیسر کی آواز تھی۔ پروفیسر نکل کر باہر آ گیا تھا۔

''وہ...... وہ لے گیا...... وہ لے گیا۔ ......وہ...... وہ لے گیا۔'' پروفیسر کے حلق سے ایک کرب زدہ آواز نکلی اور دوسرے لمحے وہ ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔

میں نے اور ساوان نے آگے بڑھ کر پروفیسر کو اٹھایا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کا دل تیز رفتاری سے دھڑک رہا تھا اور اس وقت اس کی کیفیت معصوم بچوں کی سی تھی۔''

''پروفیسر...... پروفیسر! ہوش میں آئیے۔ کیا ہوا' کیا بات ہے' کون کسے لے گیا؟'' میں

نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

’’وہ...... وہ میری بچی کو لے گیا۔ تم لوگ نہیں جانتے۔ تم کچھ نہیں جانتے۔ کوئی نہیں جان سکتا کہ وہ میری زندگی کا محور تھی۔ میں نے اسے اپنی اولاد کی طرح پالا ہے۔ اس کے سوا میرا دنیا میں ہے ہی کون؟ وہ...... وہ۔‘‘

’’پول...... کی بات کر رہے ہیں۔ پروفیسر؟‘‘

’’ہاں۔ میری بچی۔‘‘ پروفیسر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کی پروقار شخصیت مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔

’’کون تھا وہ پروفیسر؟‘‘

’’کوئی جنگلی شیطان‘ کوئی بدروح‘ جانوروں کی کھال اپنے جسم پر لپیٹے ہوئے تھا۔ سر پر سینگ تھے۔ وہ...... وہ بڑی بیدردی سے پول کو اٹھا کر کندھے پر لاد کر لے گیا۔ نہ جانے‘ نہ جانے اب وہ میری بچی کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟‘‘

’’حوصلہ رکھیں پروفیسر! حوصلہ رکھیں۔ ان جنگلوں میں ہمیں ہر حادثے کیلئے تیار رہنا چاہیے۔ آپ حوصلہ چھوڑ بیٹھے تو پھر کام کیسے چلے گا؟‘‘

’’مجھے کوئی نقصان پہنچ جائے کوئی حرج نہیں‘ میں مر بھی جاؤں مجھے پروا نہیں ہوگی‘ لیکن...... لیکن۔‘‘

’’مل جائے گی پول...... ہم اسے تلاش کریں گے۔ ہم اسے ضرور تلاش کر لیں گے۔ بس آپ اس کا حلیہ ذہن میں رکھیں۔‘‘

پروفیسر نے گردن جھکا لی۔ اس کی سسکیاں اب بھی جاری تھیں۔ باقی رات اسی طرح گزر گئی۔

دوسری صبح ہمارے لئے ناشتہ آیا۔ تازہ ہرن کا گوشت اور دودھ تھا۔ بمشکل تمام پروفیسر کو کچھ کھلایا پلایا گیا۔ وہ دو عورتیں‘ جو ہمارے لئے ناشتہ لائی تھیں جھونپڑے کے باہر موجود تھیں۔ پروفیسر نے ان میں سے ایک کو اندر بلایا اور وہ اندر آ گئی۔

’’کیا نام ہے تمہارا؟‘‘ میں نے پوچھا۔

’’سونی۔‘‘

’’وہ عورت کون تھی جس کا بچہ بیمار تھا؟‘‘

’’جینا...... سردار رکاشہ کی بیوی۔‘‘

’’ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔‘‘ میں نے سونی سے کہا‘ اور وہ گردن جھکا کر چل دی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ جینا اندر آ گئی‘ اور اس کی آنکھوں میں نرمی کے آثار تھے۔

وہ پروفیسر کے سامنے آئی‘ جھک کر زمین سے مٹی اٹھائی اور اسے ماتھے سے لگا لیا۔ ’’تو نے بڑی بہت بڑی پریشانی دور کر دی ساحر! میرا بچہ اب بالکل ٹھیک ہے۔‘‘

’’لیکن تیرا محسن تیرے قبیلے میں ظلم کا شکار ہو گیا‘ جینا۔‘‘

’’کیا ہوا...... کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟‘‘ جینا جھک کر بولی۔ اس کی حیران آنکھیں ہم سب کا جائزہ لے رہی تھیں...... پھر وہ چونک کر بولی۔

’’تم میں سے ایک کم ہے‘ کہاں ہے وہ؟‘‘

’’پروفیسر کی بیٹی‘ اس ساحر کی بیٹی‘ رات کو اس سے چھین لی گئی ہے۔‘‘ میں نے کہا۔

’’چھین لی گئی ہے۔ کہاں...... کون لے گیا اسے...... آہ میں کچھ نہیں جانتی مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔‘‘

’’اسے ایک شخص زبردستی لے گیا ہے۔‘‘

’’ناممکن‘ کس کی مجال ہے؟‘‘ وہ غرائی۔

’’ایسا ہوا ہے۔ جینا! تم خود دیکھ لو وہ ہمارے درمیان نہیں ہے۔‘‘

’’مگر کون تھا وہ...... قبیلے میں کوئی جوان نہیں ہے۔ کسے اس کی جرأت ہوئی ہے۔‘‘

’’ہم نہیں جانتے۔‘‘

’’کسی نے اسے دیکھا۔‘‘

’’ہاں...... میں نے دیکھا۔‘‘ پروفیسر نے کہا اور جینا کو اس کا حلیہ بتانے لگا۔ جینا کی آنکھوں میں گہری سوچ کے آثار تھے۔ اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی‘ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

’’نہیں اس حلیے کا اس قبیلے میں کوئی بھی تو جوان نہیں۔ اول تو یہاں ایک بھی جوان نہیں۔ سارے جوان جنگ پر گئے ہوئے ہیں‘ اور صرف ایسے کمزور اور لاغر بوڑھے یہاں پر رہ گئے ہیں جو جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ ان میں کوئی ایسا جوان‘ کوئی ایسا تندرست مرد نہیں‘ جو کسی لڑکی کو اس طرح اٹھا کر کندھے پر لاد کر لے جائے۔‘‘

’’پھر وہ کون ہو سکتا ہے جینا! تو تمہارے قبیلے میں داخل ہو کر ہمارے ساتھ یہ ظلم کر گیا ہے؟‘‘

’’میں اس کا پتہ لگاؤں گی۔ تم نے میرے اوپر احسان کیا ہے۔ میں اس کا صلہ ضرور دوں گی۔ یہ نہیں ہو سکتا‘ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں تمہیں بوڑھی مرجانہ کے پاس لے جاؤں گی۔ بوڑھی مرجانہ اپنے علم سے معلوم کر لے گی کہ تمہارے اوپر یہ ظلم کرنے والا کون ہے۔‘‘

’’مرجانہ کون ہے؟‘‘ سادان نے سوال کیا۔

''اس قبیلے کی سب سے بڑی جادوگرنی جو بہت علم رکھتی ہے۔ اس کا تجربہ قبیلے کیلئے بڑا کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ تم بےفکر رہو' مرجانہ تمہاری مدد کرے گی۔''

''تو پھر ہمیں اس کے پاس لے چلو۔ تم نہیں جانتی ہو کہ ہم اس کیلئے کس قدر پریشان ہیں۔ تمہارا بچہ بیمار تھا' تمہیں احساس ہوگا کہ اس کا دکھ کس طرح تمہارے سینے میں جاگزیں تھا۔ وہ میری بچی ہے' میری بیٹی ہے' میری لخت جگر......'' پروفیسر کی آواز رندھ گئی۔ تب جینا نے ہمدردی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولی۔

''ہم احسان کرنے والوں کو کبھی نہیں بھولتے۔ تم نے میرے بچے کو نئی زندگی دی ہے۔ تمہاری بچی کو واپس لانا میری ذمہ داری ہے۔ اٹھو...... آؤ...... میں تمہیں مرجانہ کے پاس لے چلوں۔'' عورت تیار ہوگئی۔ وہ خونخوار تاثرات اب اس کے چہرے سے مفقود ہو گئے تھے جو پہلی بار ہم نے دیکھے تھے۔ درحقیقت وہ دوستوں کا سا انداز اختیار کر چکی تھی۔

ہم تینوں اس کے ساتھ باہر نکل آئے۔ جینا نے اپنے ساتھ چار عورتوں کو بھی لے لیا' جو بڑی تندرست و توانا تھیں' اور وہ اپنے ہاتھوں میں بڑے بڑے نیزے لئے ہوئے تھیں۔ ان کے کسے ہوئے جسموں سے لگتا تھا کہ اگر کوئی مرد ان کے مقابل آ جائے تو وہ اسے پیس کر رکھ دیں گی۔ تندرست و توانا عورتوں کا یہ قافلہ بستی کے درمیان سے گزرتا رہا۔ وہ بستی کے شمالی سرے کی جانب جا رہی تھیں اور ہم ان کے ہمراہ تھے۔

میں پروفیسر سے دلی ہمدردی رکھتا تھا۔ جس طرح وہ بلک بلک کر رو رہا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنی بیٹی پول کو کس قدر چاہتا ہے۔ حالانکہ دونوں کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ وہ دونوں غیر مذاہب سے تعلق رکھتے تھے' لیکن محبتوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ کہیں بھی کسی بھی دل میں جاگزیں ہو سکتی ہے۔ مجھے اور ساداں کو پروفیسر سے بہت ہمدردی تھی۔

خاصا طویل سفر طے کرنا پڑا لیکن سفر کے دوران ہم نے اس بستی کو اچھی طرح دیکھ لیا۔ پوری بستی حالت جنگ میں تھی۔ جگہ جگہ ہتھیاروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ گو یہ ہتھیار بھدے' بے تکے طرز کے بنے ہوئے تھے جو کھانڈوں' تلواروں اور نیزوں پر مشتمل تھے' لیکن بہرصورت ان تیاریوں سے پتہ چلتا تھا کہ اگر قبیلے والوں کو شکست ہوئی اور دشمن اس طرف حملہ آور ہوا تو یہ عورتیں آخری وقت تک جنگ کریں گی۔

آخرکار ہم بستی سے باہر نکل آئے' پھر پہاڑی ٹیلوں کے درمیان چلنے لگے۔ مرجانہ غالباً ٹیلوں میں کہیں رہتی تھی۔ کافی سفر طے کرنے کے بعد ہم ایک پہاڑی ٹیلے کے دامن میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک غار کا بڑا دہانہ نظر آ رہا تھا۔ دہانے کے اندر سے بڑی عجیب عجیب خوشبوئیں ابھر رہی تھیں' اور خوشبوئیں باہر بھی پھیل رہی تھیں گو ہوا انہیں منتشر کر دیتی تھی' لیکن دہانے کے بالکل قریب پہنچنے

سے یہ خوشبوئیں خاصی تیز لگتی تھیں۔

جینا نے دروازے پر پڑے ہوئے ایک گول پتھر کو گھٹنوں کے بل جھک کر بوسہ دیا اور پھر مؤدبانہ انداز میں پکارا۔

''معزز مرجانہ! میں جینا ہوں۔ تجھ سے ملنے آئی ہوں۔ کیا مجھے اندر آنے کی اجازت ہے۔''

''آ جاؤ...... اور اپنے ساتھ اپنے ان تینوں ساتھیوں کو بھی لے آؤ جو مصیبت کا شکار ہیں۔'' اندر سے ایک بوڑھی آواز ابھری' اور ہماری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پروفیسر بھی متحیر نظر آ رہا تھا۔ ہم سب نے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھیں۔ مرجانہ مسکرا کر ہماری طرف پلٹی اور پھر ہمیں اندر آنے کا اشارہ کر کے خود اس غار کے دہانے سے اندر داخل ہوگئی۔

❀❀❀

تھا اور اندر ذرا بھی گھٹن کا احساس نہیں تھا۔ صاف ستھرا غار تھا اور ایک طرف پیال کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ ان کے نزدیک ہی کھانے پینے کی چیزوں کے برتن بڑے قرینے سے رکھے ہوئے تھے۔ ایک پورے لباس میں ملبوس بوڑھی عورت غار کے بیچوں بیچ بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے چھوٹی چھوٹی کھوپڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان کھوپڑیوں کی تعداد پندرہ اور بیس کے درمیان ہوگی۔ پتہ نہیں کسی جانور کی کھوپڑیاں تھیں یا انسان کے بچوں کی۔

لیکن بغور دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ نہ تو بچوں کی کھوپڑیاں تھیں نہ کسی اور جانور کی۔ وہ بندروں کی کھوپڑیاں تھیں۔ ان کھوپڑیوں کے درمیان چھوٹی چھوٹی ہڈیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ ایک عجیب سا جلال پھیلا ہوا تھا ان کھوپڑیوں اور ہڈیوں کا۔ جینا دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔

''تو جانتی ہے مرجانہ! تیرا علم جانتا ہے کہ ہم کس لئے آئے ہیں' اور میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ تجھے علم ہے۔ کیونکہ تو نے میرے ساتھ آنے والوں کی تعداد صحیح بتائی تھی۔''

مرجانہ نے پہلی بار ہم تینوں کو دیکھا اور پھر جینا کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔

''ہاں' مجھے ان کی آمد کا علم تھا۔ میں جانتی تھی کہ اجنبی ہمارے قبیلے میں آئے ہیں۔''

''اور تجھے یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ تین نہیں چار تھے۔''

''نہیں مجھے یہ معلوم نہیں تھا۔'' مرجانہ نے جواب دیا۔

''تو سن مرجانہ یہ چار تھے۔ تین مرد اور ایک عورت' لیکن عورت ان کے درمیان سے غائب کر دی گئی۔ رات کو کوئی اسے اٹھا لے گیا۔'' جینا نے بتایا اور بوڑھی عورت کے چہرے پر غور و فکر کے آثار پھیل گئے۔ اس نے کھوپڑیوں اور ہڈیوں کی جگہ میں تبدیلی شروع کر دی۔

وہ ایک ایک کھوپڑی اٹھا کر اس کی جگہ بدل رہی تھی اور ہڈیاں اس کے درمیان رکھتی جا رہی تھی' پھر وہ پتلی پتلی ہڈیوں سے ان کھوپڑیوں کو بجانے لگی۔ مختلف آوازیں ابھر رہی تھیں۔ کہیں بھدی اور کہیں کھنک دار۔ وہ ان کھوپڑیوں کے درمیان تبدیلیاں کرتی رہی اور کافی دیر کے بعد اس نے گردن

اٹھائی۔

''اوہ...... اوہ...... کیا وہ بھیڑیئے کی کھال میں ملبوس تھا؟'' اس نے پروفیسر کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ یہ بات بھی اس کے علم کو ظاہر کرتی تھی کہ وہ جانتی تھی کہ پروفیسر ہی اسے صحیح بتا سکتا ہے۔

''ہاں...... وہ کسی کھال ہی میں تھا۔ تاریکی کی وجہ سے میں اس کا اندازہ نہیں لگا سکا کہ وہ کون سے جانور کی کھال ہے۔''

''کیا اس کے سر پر دو سینگ ابھرے ہوئے تھے؟''

''ہاں...... ہاں۔ تیرا علم ٹھیک کہتا ہے مرجانہ۔''

''تو پھر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟''

''کیا مطلب؟''

''جو آدمی تیری بیٹی کو لے گیا ہے وہ برا آدمی نہیں ہے۔ جانتا ہے اس کا نام کیا ہے۔''

''کیا نام ہے؟'' جینا نے پوچھا۔

''ہومانو۔ اس علاقے کا سب سے بڑا جادوگر۔ دیوی کے مقابل آنے والا اس کا دشمن۔'' مرجانہ نے بتایا اور ہم سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ جینا بھی بوکھلاہٹ کے عالم میں دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''ہومانو......! لیکن...... لیکن وہ...... لیکن وہ......''

''یہ وہی بتا سکتا ہے۔ اس نے اپنے گرد جو خول چڑھا رکھا ہے اس کے پار دیکھنا ناممکن ہے۔ کیا ہے اس کے دل میں' یہ ہی جانتا ہے۔ ہاں یہ وہی جانے...... ہاں یہ وہی جانے۔''

بوڑھی گردان کرنے لگی۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ تب جینا نے ہماری طرف دیکھا اور گردن ہلانے لگی۔

''یہ صحیح ہے کہ ہومانو برا آدمی نہیں ہے۔ وہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس کا مشن صرف دیوی کیلئے ہے۔ نجانے کیوں اس نے یہ حرکت کی۔''

''لیکن ہمارے ساتھ یہ سب کچھ تمہارے قبیلے میں ہوا ہے۔ میں اپنی بیٹی کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ وہ ہم میں سے کسی کو اٹھا کر لے گیا۔ ہمارا اس سے کیا تعلق ہے؟''

''اس میں کوئی مصلحت ہوگی۔ یقیناً اس میں کوئی مصلحت ہوگی۔ کیوں مرجانہ! کیا تو یہ بتا سکتی ہے کہ ہومانو اسے لے کر کہاں گیا ہے؟''

''یہ معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سفید جھیل اس کا مسکن ہے' اور ان دنوں وہ وہیں پر مقیم ہے۔ تم اگر چاہو تو اسے وہاں تلاش کر سکتے ہو۔ بس میری بات ختم۔'' مرجانہ نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی تھی۔ جینا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اب مرجانہ کچھ نہ بتائے گی اس نے جو کچھ بتانا تھا بتا چکی ہے۔'' ہم سب جینا کے ساتھ باہر نکل آئے۔ سب ہی کے چہروں پر پریشانی جھلک رہی تھی' پھر میں نے پوچھا۔

''سفید جھیل کہاں ہے' جینا؟''

''بستی سے مغرب کی طرف چلے جاؤ۔ ناہموار راستوں اور پہاڑی دروں سے گزرنے کے بعد تمہیں نخلستان ملے گا۔ یہ نخلستان سفید جھیل ہی کا ہے اور ہومانو اس کے آس پاس ہی نظر آتا ہے۔ اگر تم اس علاقے میں پہنچ جاؤ تو وہ یقیناً تم سے ملاقات کرنے کی کوشش کرے گا' لیکن مجھے تعجب ہے' مجھے حیرت ہے۔'' میں نے پروفیسر کی طرف دیکھا اور وہ جلدی سے بولا۔

''میں جاؤں گا' میں جاؤں گا' میں تم دونوں کو پریشان نہیں کروں گا۔ ایک بار پھر میں تمہیں کہتا ہوں کہ تم میری الجھنوں میں نہ پڑو۔ تمہارا اپنا مسئلہ الگ ہے۔ میں اپنی بیٹی کو تلاش کرلوں گا۔ میں ان جنگلوں کی خاک چھانوں گا' کہیں بھی نکل جانے کی کوشش کروں گا' لیکن...... لیکن میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔''

''نہیں پروفیسر ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم سب آپ کے ساتھ چلیں گے۔'' میں نے ساوان کی بات کی تردید نہیں کی تھی۔ پروفیسر خاموش ہوگیا۔ جینا کہنے لگی۔

''مجھے افسوس ہے کہ یہاں تمہارے ساتھ یہ سب کچھ ہوا ساحر! تم نے ہم پر احسان کیا۔ بتاؤ ہم تمہاری کیا مدد کرسکتے ہیں؟''

''کچھ نہیں بس تمہارا شکریہ۔''

''پھر بھی میرا خیال ہے تم یہاں سے کھانے پینے کی چیزیں لے جاؤ۔ ان ہتھیاروں میں سے جو چاہو لے لو۔ ویسے تمہارے پاس آتشیں ہتھیار ہیں۔ ان کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور مؤثر۔''

''ٹھیک ہے' بہت بہت شکریہ۔'' پروفیسر نے کہا' اور اس کے بعد ہم وہاں نہیں رکے۔ جینا نے ہمیں بستی کی سرحد تک چھوڑا تھا اور اس کے بعد ہم وہاں سے آگے نکل گئے۔

صحرائے اعظم کا ایک ویران حصہ ہمارے سامنے تھا۔ ہمارا تو خیال تھا کہ اس بستی میں کچھ عرصہ رک کر حالات کا جائزہ لیں گے اور اندازہ لگائیں گے کہ اب ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہئے' لیکن یہ نئی افتاد آن پڑی تھی' اور پروفیسر کا رونا پیٹنا بھی حق بجانب تھا۔ اس نے درحقیقت اپنی زندگی لڑکی کیلئے ختم کرلی تھی۔ چنانچہ وہ اسے کیسے چھوڑ سکتا تھا؟ سفر جاری رہا۔ صبح سے شام ہوگئی اور پھر رات کو ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ ہم ابھی تک اپنی سمت سے نہیں بھٹکے تھے۔

دوسرے دن صبح ہم نے اپنے سفر کا آغاز کردیا تھا' اور جب دوپہر ہوئی تو ناہموار دروں اور کھائیوں کا یہ سلسلہ ایک نخلستان کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلے بھی پھیلے ہوئے تھے' اور یہ ٹیلے عجیب سی سفیدی اختیار کئے ہوئے تھے۔ درختوں کے تنوں میں بھی عجیب طرح کی سفیدی نظر آرہی تھی' اور شاید یہ سفیدی اس گھاس کی تھی۔ اس رنگ کی گھاس ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

بہرطور اس گھاس کے درمیان ایک جھیل موجود تھی' لیکن وہاں کوئی رہائش نہیں بنی ہوئی تھی۔ بہرطور ہم جھیل کے نزدیک پہنچ گئے۔ شام کے تقریباً چار بجے تھے۔ اطراف میں مکمل سناٹا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

درختوں پر پرندے بھی خاموش تھے۔ کبھی کبھی ان کے اڑنے سے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دیتی اور ہم چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگتے۔

''یہاں تو کسی کا وجود نہیں ہے۔'' پروفیسر کی غمناک آواز ابھری۔

''نہیں تمہارا یہ خیال غلط ہے۔'' ایک آواز ابھری۔ یہ آواز ایک درخت کے تنے میں سے آئی تھی' اور پھر درخت کے کھوکھلے تنے سے ایک آدمی باہر نکل آیا۔ یہ عجیب الخلقت آدمی تھا۔ پورے جسم پر جانوروں کی کھال منڈھی ہوئی تھی۔ سر پر ایک کنٹوپ سا پہنا ہوا تھا۔ جس میں جانور کے سینگ ابھرے ہوئے تھے' لیکن کنٹوپ کے نیچے جو چہرہ نظر آرہا تھا وہ ہمارے لئے تعجب خیز تھا۔ یقیناً یہ کسی یورپین نسل ہی کا باشندہ تھا۔ گہری سبز آنکھیں' ستا ہوا لمبا چہرہ' جوان العمر تھا' پتلے پتلے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے' اور ایک عجیب سی متانت چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔ دراز قد مرد تھا اور چست و چالاک نظر آتا تھا۔ بدن نہایت سڈول تھا۔ اگر وہ یہ جنگلی قسم کا لباس اتار دیتا تو بڑا اسمارٹ اور خوبصورت جوان نظر آتا۔ پروفیسر کے حلق سے بے اختیار آواز نکل گئی۔

''یہی تھا...... آہ...... یہ ہی تھا۔'' آنے والے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ہمارے نزدیک پہنچ گیا۔

''ہاں میں ہی تھا وہ...... میں ہی تھا۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ میں کڑی نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا' پھر میں نے بھاری آواز میں پوچھا۔

''تم پول کو اٹھا لائے ہو؟''

''ہاں۔''

''کیوں؟''

''میرا نام ہومانو ہے اور میں اس لڑکی کو ایک خاص مقصد کے تحت اٹھا کر لایا ہوں۔ تم یقین کرو مجھے اس کی ازحد ضرورت تھی۔ اب تم یہاں آ گئے ہو تو دوستوں کی طرح گفتگو کرو۔ ایسے جملے نہ کہو جو ہمارے درمیان تفرقے کا باعث بنیں۔''

''لیکن تم نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے۔''

''میں نے کہا ناں میں اس کیلئے مجبور تھا۔''

''کیا مجبوری تھی؟''

''اوہ...... اتنی جلدی تمہیں یہ سب کچھ معلوم نہیں ہوسکتا۔ آؤ میں تمہارے قیام کا بندوبست کردوں۔ یہاں تمہارے لئے کچھ دیر ٹھہرنا ضروری ہے۔'' اس نے کہا' اور پھر ساوان کی طرف دیکھنے

لگا۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سکڑ گئی۔ اس کے بدن کو جھٹکا سا لگا اور وہ دو قدم آگے بڑھ گیا اور سادان کے بالکل سامنے پہنچ گیا۔ اس نے بغور سادان کو دیکھا اور پھر اس کے حلق سے ایک ہذیانی سی آواز ابھری۔

''نہیں...... نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ تمہارا اس سے کیا تعلق ہے۔ تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟''

''کس سے؟'' سادان کے بجائے میں نے اس سے سوال کیا' لیکن ہومانو نے میری بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

''یہ نہیں ہو سکتا...... یہ نہیں ہو سکتا۔'' اس کے حلق سے ہذیانی انداز میں نکل رہا تھا' پھر وہ دوزانو بیٹھ گیا اور اس کی گردن سادان کے قدموں میں جا پڑی۔

''مجھے معاف کر دو...... شہنشاہوں کے شہنشاہ...... کے دست راست مجھے معاف کر دے۔ مصر کے فرمانروا مجھے معاف کر دے۔ مجھ سے غلطی ہوئی' مجھ سے بھول ہوئی۔''

اب ہماری حیران ہونے کی باری تھی۔ ہومانو نے سادان کو عجیب سے انداز میں پکارا' نجانے سادان کو کیا ہوا وہ جھکا اور اس نے اپنا ہاتھ ہومانو کے سر پر رکھ دیا۔

''کھڑا ہو جا...... کھڑا ہو جا...... میں تجھ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔'' سادان کے لہجے میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

ہومانو نے گردن اٹھائی اور پھر مؤدب انداز میں کھڑا ہوا اور وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''مجھے افسوس ہے۔ مجھے تو تیرا انتظار تھا۔ تو ہی تو ہے جو ان خطوں کی تقدیر بدلے گا۔ تو ہی تو ہے' جو میرا معاون ثابت ہو گا۔ ہاں ہم دونوں کا مشن ایک ہی ہے' ہم دونوں کا مشن ایک ہی ہے۔'' میں اور پروفیسر تعجب خیز نظروں سے ہومانو کو دیکھ رہے تھے۔ تب سادان نے پوچھا۔

''لڑکی کہاں ہے؟''

''اندر موجود ہے' آقا۔ اندر موجود ہے۔ میں نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ کوئی ضرر نہیں پہنچایا' میں نے اسے۔ وہ سکون سے ہے۔''

''لیکن تم اسے یہاں کیوں اٹھا لائے ہو؟''

''تو جانتا ہے۔ آقا...... یہ کہانی کوئی اور نہیں جان سکتا' لیکن تو جان سکتا ہے۔ دیکھ میری آنکھوں میں دیکھ' میرے چہرے پر دیکھ اور اندازہ لگا کہ میں اسے یہاں کیوں اٹھا لایا ہوں؟''

سادان اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر دھواں دھواں سا ہو رہا تھا' پھر وہ آہستہ سے بولا۔

''اوہ تو یہ بات ہے۔''

''کیا بات ہے سادان؟'' میں نے سادان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور وہ چونک پڑا۔

اس نے عجیب سی آنکھوں سے مجھے دیکھا' جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو' پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔

''نہیں چچا جان...... نہیں۔ اس کا اقدام ضروری تھا۔ درست تھا۔ اس کی بقا کیلئے یہ ضروری تھا' بلاشبہ ضروری تھا۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو' تم لوگ میری بچی کو اٹھا لائے ہو اور اپنی اپنی ہانک رہے ہو۔ میں کہتا ہوں فوراً میری بچی مجھے واپس کر دو۔'' پروفیسر نے آگے بڑھ کر ہومانو کا لباس پکڑ لیا اور اس نے گردن جھکا دی۔

''میں کچھ نہ کہوں گا۔ اب میرے لئے تم لوگ بہت محترم ہو گئے ہو۔ میں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گا۔ میرا ترجمان میرا آقا ہے' میرا ترجمان میرا آقا ہے۔'' اس نے کہا اور سادان پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''کیا بات ہے سادان؟'' میں نے سرگوشی سے اس سے کہا۔

''چچا جان! چچا جان! تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔ کسی طرح اس معاملے کو سنبھالیے پہلے۔ یہ ضروری تھا کہ ہومانو پول کو اٹھا لائے۔ یہ بہت ضروری تھا' چچا جان۔ میں آپ کو ساری تفصیل بتا دوں گا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم پروفیسر کو اس کیلئے کس طرح تیار کر سکتے ہیں؟''

''کیا گفتگو کر رہے ہو تم لوگ' مجھے بھی بتاؤ۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہو گئی' تم تو میرے ساتھی تھے۔ یہ کیا ہو گیا؟ یہ آدمی...... یہ آدمی...... اس نے میری بیٹی کو اغوا کیا ہے؟'' پروفیسر بولا۔

''ہومانو...... پول کو بلاؤ......'' میں نے کہا' اور اس نے ایک بار پھر گردن جھکا دی' پھر وہ درخت کے اس کھوکھلے تنے کی طرف رخ کر کے بولا۔

''رخ لالہ...... رخ لالہ باہر آؤ۔''

ہم نے اس نئے نام پر درخت کی طرف چونک کر دیکھا' لیکن چند ہی لمحات کے بعد پول اس درخت کے کھوکھلے تنے سے برآمد ہوئی۔ وہ انتہائی خوبصورت لباس میں ملبوس تھی جس میں جگہ جگہ باریک پتھر لگے ہوئے تھے' سر پر ایک عجیب سا تاج پہنے ہوئے تھی' جس میں ہیرے جگمگا رہے تھے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی' اور چہرے پر ایک عجیب سی شگفتگی تھی۔ وہ بڑے کروفر سے چلتی ہوئی باہر آئی۔ پروفیسر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''نہیں...... نہیں۔ ناممکن ناممکن یہ اتنی مطمئن ہے۔ کیسے آخر کیسے؟'' وہ متحیرانہ انداز میں بڑبڑاتا ہوا بولا۔ پول اسی پروقار انداز میں چلتی ہوئی پروفیسر کے پاس پہنچ گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی پرسکون مسکراہٹ تھی۔

''پول...... پول...... تو ٹھیک ہے۔ تو ٹھیک تو ہے بیٹی۔ میری بچی تو ٹھیک تو ہے ناں؟''

"ہاں بابا میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"لیکن کیا تو...... کیا تو اس شخص کو جانتی ہے؟"

"جانتی نہیں تھی لیکن اب جانتی ہوں۔"

"کیسے کیسے؟ میرا مطلب ہے تو...... تو یہاں خوش ہے۔" پروفیسر نے بے چین انداز میں اپنا سوال دہرایا تھا۔ پول نے ہومانو کی جانب دیکھا اور ہومانو نے گردن جھکا دی۔

"رخ لالہ...... اگر تو میرے ساتھ مطمئن ہے اگر تو میرے مقصد سے متفق ہے تو ان لوگوں کو اطمینان دلانا تیرا کام ہے' لیکن ٹھہرو۔ میرا خیال ہے کہ یہاں کھلی جگہ کھڑے رہنا مناسب نہیں ہے۔ آؤ میرے معزز مہمانو! میرے ساتھ آؤ' میرے ساتھ آؤ۔" ہومانو نے کہا' اور پروفیسر نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"نہیں تو جادوگر ہے۔ تو نے اس پر جادو کر دیا ہے۔ ہم تیرے ساتھ کہیں نہیں جائیں گے۔ بس میں پول کو لے جا رہا ہوں...... میں پول کو لے جا رہا ہوں۔"

"سنو معزز بزرگ...... تم ضرور اسے لے جا سکتے ہو' لیکن یہ اب تمہارے لئے عذاب بن جائے گی۔ یہ میرے بغیر اب ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ میری ہے۔ مجھے چاہتی ہے' مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

"نہیں...... نہیں...... یہ صرف تیرا جادو ہے۔ جس سے تو نے اس مسحور کر دیا ہے۔"

"اگر یہ بھی ہے تو پھر تم یہ سمجھ لو کہ تم اسے دنیا کے کسی خطے میں بھی لے جاؤ' لیکن یہ میری ہی جانب بھاگے گی۔ تم اسے پکڑتے رہو گے لیکن یہ مجھے ڈھونڈتی رہے گی۔ اس کوشش میں اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔"

"نہیں...... نہیں۔" پروفیسر نڈھال لہجے میں بولا۔ میں نے پروفیسر کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"پروفیسر اگر پول خوش ہے تو پھر تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیئے' اس کی زندگی کیلئے۔ لگتا ہے جیسے یہ سب کچھ ضروری ہے۔"

"کیا ہو گیا یہ...... کیا ہو گیا یہ؟ اس کا مقصد ہے کہ پول! اب ان ہی پہاڑوں میں بھٹکتی رہے گی اور اسی طرح اس کی زندگی ختم ہو جائے گی۔"

"نہیں میرا علم کہتا ہے ایسا نہیں ہوگا۔ تم آؤ تو سہی۔" ہومانو نے کہا' اور ہم سب درخت کے اس کھوکھلے تنے کی جانب بڑھ گئے۔ تنا اتنا وسیع بھی نہیں تھا کہ ہم سب اس میں سما جاتے۔ تعجب کی بات ہے' یہ ہمیں کہاں لے جا رہا ہے' لیکن تنے میں داخل ہو کر ہمیں ایک اور حیرت سے دوچار ہونا پڑا۔ تنے کے سوراخ کے بعد سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ ہم ان سے اترتے ہوئے بالآخر ایک بہت ہی کشادہ جگہ میں پہنچ گئے۔ ایک بہت بڑے ہال کی شکل تھی۔ چوکور ہال تھا۔ دیواریں پتھریلی تھیں اور

یقیناً انسانی ہاتھوں کا کارنامہ تھا۔ اس کمرے میں دنیا جہان کی آسائش تھی۔

عمدہ قسم کے پیال کے ڈھیر پر کھانے کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ بیٹھنے کیلئے پتھروں کو تراشا گیا تھا اور ان پر جانوروں کی کھال منڈھ دی گئی تھی۔ مجموعی طور پر یہ ایک ایسی جگہ تھی' جس کا اس یران علاقے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہومانو نے ہمیں بیٹھنے کیلئے کہا اور ہم سب بیٹھ گئے۔ تب ساداان کی طرف رخ کر کے بولا۔

"میرے آقا' میرے مالک! آپ ہی میرے مقصد کی تشریح کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ آپ کے سرپرست ہیں۔ آپ کو یہاں لے کر آئے ہیں۔ اس لئے آپ میرے لئے جس قدر قابل ترام ہیں' میں جانتا ہوں' لیکن اب میرا مشن تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ آپ ہی انہیں مطمئن یجیے۔" ساداان میری طرف رخ کر کے بولا۔

"ہومانو سرزمین مصر سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ تابش اور تالش کے خاص غلاموں میں اس کا رکیا جاتا تھا۔ اس وقت کہ جب ہمارے اجداد کی کہانی شروع ہوئی۔ ہومانو ہمارے ساتھ ہی رائے اعظم میں آیا۔ یہاں حالات کچھ ایسے ہوئے اور اسے قید کر لیا گیا۔ آسمانوں سے اس کیلئے کیا گیا کہ یہ صحرائے اعظم ہی میں رہے گا اور دیوی پر نگاہ رکھے گا۔ سو یہ ہی ہوا۔ یہ یہاں آباد ہو ا' لیکن اسے قائم رکھنے کیلئے کچھ اور لوازمات بھی درکار تھے۔ یہ اپنی نسل نہیں بڑھا سکتا تھا۔ اس اسے صحرائے اعظم سے باہر کی عورت سے شادی کی ضرورت تھی۔ سو یوں ہوا کہ ایک چینی سوداگر اجانب سے گزرا۔ صحرائے اعظم افریقہ میں بھٹکتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا' جہاں ہومانو کا قیام تھا۔ ں حالات نے اتنی سنگین شکل اختیار کی کہ اس نے اپنی بیٹی ہومانو کے حوالے کر دی اور ہومانو نے اسے شادی کر لی۔ اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ہومانو کا جانشین تھا۔ ہاں یہ ابدیت نہیں تے۔ ان کی زندگی ایک مخصوص حد تک ہوتی ہے اور اس کے بعد یہ ایک عام آدمی کی طرح ان کی ت واقع ہو جاتی ہے' لیکن باپ کا علم بیٹے کے سینے میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور وہ اپنے طور پر وہی کچھ محسوس کرتا ہے اور بن جاتا ہے جو اس کا باپ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ قدیم ہومانو کی نسل کا نواں ا اور ابھی تک یہ اپنا ساتھی منتخب نہیں کر سکا تھا۔ کیونکہ اسے بیرونی دنیا ہی سے آنا تھا۔ یوں اس ا کو پول نظر آئی اور اس نے اپنی زندگی کا مقصد پا لیا۔"

"لیکن...... لیکن اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ کسی کی مرضی کے بغیر اس کی بیٹی پر قبضہ کر لے۔" سر نے کہا۔

"محترم! اول تو پول آپ کی بیٹی نہیں دوسری بات یہ کہ یہ تو پول کا مقدر تھا۔ تقدیر اسے اس لے آئی تھی۔"

"پول سے پوچھیے' اس نے تو حقیقت پا لی ہے' اور اسے اب اس بات سے قطعی انکار نہ ہوگا مانو کی دلہن کہلائے۔ آپ یہ سوال پول سے کر سکتے ہیں۔"

''ہاں بابا! ہومانو کے بغیر میری زندگی نامکمل ہوگی۔ آپ کا جہاں دل چاہئے چلے جایئے' آپ کی دنیا آپ کو مبارک۔ میں نے اپنی منزل پا لی ہے۔'' پول نے جواب دیا اور پروفیسر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ وہ بظاہر کسی سحر کے زیراثر نہیں تھی۔ میں بھی بے اختیار مسکرا دیا۔ کیونکہ رات ہی کو سادان مجھ سے اس پریشانی کا اظہار کر چکا تھا کہ پول اس پر ملتفت ہے۔ اس طرح سادان کی جان بھی چھوٹ گئی تھی' لیکن پروفیسر تذبذب کے عالم میں تھا۔ وہ بار بار پول کی شکل دیکھنے لگا۔ ہومانو نے کہا۔

''رخ لالہ! اپنے عزیزوں کا خیر مقدم کرو۔ ان کی خاطر مدارت کرو...... یہ ہمارے مہمان رہیں گے۔ بہت تھوڑا وقت ہے' جب یہ میرا مقصد سمجھ لیں گے اور مجھ سے تعاون کریں گے۔'' پول نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور اس حصے کی طرف چلی گئی جہاں کھانے پینے کی چیزوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ اس نے ان میں سے چند چیزوں کا انتخاب کیا اور انہیں ہمارے سامنے سجا دیا۔ تمام چیزیں تر و تازہ تھیں۔ عمدہ قسم کے پھل' خشک میوے اور ایسی ہی چیزیں اور پنیر کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ نجانے ہومانو نے یہ سب کہاں سے مہیا کیا تھا۔ صحرائے اعظم کے اس خطے میں ان تمام چیزوں کا وجود تعجب خیز تھا' لیکن تعجب خیز تو خود ہومانو کی اپنی ذات بھی تھی۔ شکل و صورت سے یورپین نظر آنے والا یہ شخص بڑے شستہ لہجے میں گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے پروفیسر کو بھی مجبور کر دیا کہ وہ ان چیزوں میں سے کچھ کھائے۔

❀ ❀ ❀

بہت عرصے بعد ہمیں ایسے لوازمات مہیا ہوئے تھے۔ میرے کہنے سننے پر پروفیسر بھی کھانے ں شریک ہو گیا۔ ہومانو سادان کی وجہ سے بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔ ویسے میرے لئے بڑی حیرت لیز بات تھی۔ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ قدرت نے جو کچھ کیا بہتر ہے۔

مجھے اور سادان کو تو پول سے بس اس قدر دلچسپی تھی کہ وہ پروفیسر کی بیٹی تھی اور ہم میں آ شامل ری تھی۔ پروفیسر کا مسئلہ کسی حد تک جائز تھا۔ اس نے بالآخر پول کو اپنی بیٹی کی حیثیت سے پرورش کیا یا اور اس کے مستقبل کیلئے اس نے صحرائے اعظم میں اپنی طویل زندگی وقف کر دی تھی' اور بڑے ترام و آرام سے ایک قبیلے میں ایک معزز آدمی کی حیثیت سے رہ رہا تھا۔ وہیں اس کی زندگی گزر باتی' لیکن اس نے پول کیلئے اپنے آپ کو مہذب دنیا میں لے جانے کیلئے آمادہ کیا تھا۔

اب اگر اس کے سامنے بات آتی ہے کہ اس وحشی دنیا کا ہی ایک مرد پول پر اپنا تسلط جما کر سے یہیں محصور رکھنا چاہتا ہے تو اس کا دل بے چین ہونا ایک قدرتی بات تھی' لیکن موجودہ صورتحال کو لیا کہا جاتا۔

یہاں کی پراسرار دنیا' کہانیاں' ہماری سمجھ سے باہر تھیں' لیکن بہرطور ان کی ایک حقیت تھی۔ خاص طور پر میں سادان کے مسئلے پر ایک بار پھر متحیر رہ گیا تھا۔

ہومانو جیسا جادوگر سادان کو اپنا آقا کہہ رہا تھا اور سادان نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا تھا۔ بڑی حیرت انگیز بات تھی۔ پتہ نہیں سادان کا یہ جھگڑا کہاں تک طول اختیار کرے۔ بہرطور میں اس یں ملوث تھا ہی' خود میری اپنی زندگی کیا تھی؟ انہی تمام معاملات میں ملوث ہو کر رہ گیا تھا۔ میرا اپنا تمام مسئلہ بھی تقریباً ختم ہو ہی گیا تھا اور جس طرح پروفیسر کو پول سے دلچسپی تھی۔ اسی طرح مجھے سادان سے محبت تھی۔ میں سادان کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتا تھا۔ اس کے علاوہ میری زندگی میں تھا ہی کیا؟

بہرطور اس عجیب و غریب کمین گاہ میں رات ہو گئی۔ پول نے حسب معمول ہمارے لئے کھانے پینے کا بندوبست کیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے پول اس غار کے تمام رازوں سے بخوبی واقف ہو جو ایک حیرت انگیز بات تھی۔ یہ شخص جو یورپیوں جیسی شکل رکھتا تھا۔ بے حد پراسرار معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سبز چمک رات کی تاریکیوں میں اتنی گہری ہو گئی کہ ہم اس سے نگاہیں نہ ملا پائے'

البتہ پول خوش تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے وہ یہاں آ کر بے حد خوش اور مطمئن ہو۔

رات کے گہرے ہونے کے ساتھ ساتھ ہومانو میں حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ وہ ہمارے ساتھ آ بیٹھا۔ ''معزز دوستو! میں اپنے آقا کے ساتھ تعاون پر آپ کا شکر گزار ہوں' اور سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ رخ لالہ مجھے آپ ہی کے ذریعے ملی ہے۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میری زندگی میں وہ کیا اہمیت رکھتی ہے۔

اگر ممکن ہو سکے تو آپ اس طویل کہانی سے واقف ہوں اور اگر نہیں ہیں تب میری یہ جرأت نہیں کہ میں یہ کہانی آپ لوگوں کو سنانے کی کوشش کروں۔ کیونکہ میرا آقا سب جانتا ہے۔ میرے آقا نے میری پشت کی تیسری نسل کو شاید یہ اعزاز بخشا تھا کہ وہ دیوی کیخلاف اپنے آقا کی مدد کرے' لیکن بدنصیبی میری پشت کے اس تیسری نسل کے شخص کو کامرانی عطا نہ ہو سکی۔ وہ علم میرے سینے میں منتقل ہو گیا جس کے تحت مجھے کام کرنا تھا۔ میں نے اپنے اجداد کی کاوشوں کا جائزہ لیا اور ایک فیصلہ کیا۔ میں نے سوچا کہ دیوی کیخلاف براہ راست کاوش اب تک ناکام ہوتی رہی ہے۔ قہر و غضب کی وہ دیوی بے پناہ پراسرار قوتوں کی مالک ہے۔ اس کا جادو عظیم ہے۔ بلا شبہ وہ سب کچھ کر سکتی ہے اور صحرائے اعظم میں اس کے مقابل کوئی جادوگرنی موجود نہیں ہے۔ چونکہ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور شاید ہمیشہ زندہ رہے گی۔

اس لئے اس کے تجربات بہت وسیع ہیں' اور اس کی نسبت ہم لوگ بے حد کم تجربے کے حامل ہیں۔ براہ راست کوشش سے وہ واقف ہو جاتی ہے اور اپنا بندوبست کر لیتی ہے۔ میرے علم نے مجھے میرے آقا کے بارے میں بتایا' اور بتایا کہ بہت جلد۔ شاید میری زندگی ہی میں مجھ تک پہنچنے والا ہے۔ چنانچہ طویل عرصے سے میں نے دیوی کیخلاف صف آرائی شروع کر دی۔

میں نے قرب و جوار کے قبیلوں میں بے چینی پیدا کی۔ ان کا انتخاب کیا اور ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جو اس بے چینی کے نتیجے میں دیوی کیخلاف صف آرا ہو سکتے تھے۔ ایسے آٹھ قبیلے میرے بتائے ہوئے راستوں پر چل پڑے۔

اور یہ ایک حیرت انگیز اتفاق ہی نہیں' بلکہ میرے لئے ایک خوشخبری ہے۔ اس دور میں ان قبیلوں نے آغاز جنگ کیا' جب میرا آقا مجھ تک پہنچا۔ میں پیش گوئی کرتا ہوں آقا کہ وقت کتنا بھی لگ جائے لیکن اس کا اختتام میرے آقا کے ہاتھوں ہی ہوگا۔ جو اسے موت کی اس منزل میں پہنچا دے گا' جسے وہ بھول چکی ہے اور جس کے بارے میں اسے یقین ہے کہ وہ اسے کبھی نہیں آئے گی۔ ہاں میرا علم کہتا ہے کہ صدیوں پرانی انتقام کی اس کہانی کا اختتام میرا آقا ہی کرے گا۔'' ہومانو وجد کے عالم میں بول رہا تھا اور سادان کی آنکھیں شیشے کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں خون کی سرخی لہرا رہی تھی' اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

سادان نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ پراسرار قوتیں اس کا ساتھ چھوڑ چکی ہیں' جو یہاں تک اس کی رہنمائی کرتی رہی ہیں۔

اس کی یہ بات سن کر میں کسی حد تک پریشان ہو گیا تھا کہ سادان کو ملنے والی مدد ختم ہو چکی ہے اور اب وہ کہیں مشکلات کا شکار نہ ہو جائے۔

لیکن ہومانو جیسے آدمی کو دیکھ کر مجھے کسی قدر اطمینان ہو گیا تھا۔ یہ عجیب و غریب انسان' جو بے پناہ صلاحیتوں کا مالک ہے' یقیناً سادان کا زبردست دست راست ہو سکتا ہے' پھر ہومانو نے کہا۔

''وہ آٹھ قبیلے جو میری وجہ سے دیوی کے شدید خلاف ہو گئے تھے' جنگ کرنے نکل کھڑے ہوئے ہیں اور دیوی کے علاقہ کے قرب و جوار میں پھیلے ہوئے ہیں' اور قبائل پر ضرب کاری لگا رہے ہیں۔ نتیجہ کیا ہوگا؟ میں اس کا علم نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں قبیلوں کی اور اس کے لڑنے والے جنگجوؤں کی صلاحیتوں پر منحصر ہیں' لیکن آقا میں نے دیوی کو شدید ذہنی انتشار کا شکار کر دیا ہے۔ اس نے آج تک یہ ہی جال پھیلایا ہوا تھا کہ اپنی جادوئی قوتوں کو بروئے کار لا کر کچھ قبائل کو مراعات بخش دی تھیں اور کچھ کو اس نے پسماندہ رہنے دیا تھا۔ جن قبائل کو اس نے مراعات بخش دی تھیں وہ پسماندہ قبیلوں پر حاوی تھے اور پسماندہ قبیلے ان کے ظلم و ستم کے بوجھ تلے سسک رہے تھے۔

میں نے ان پسماندہ قبیلوں کو ابھارا اور انہیں ان قبیلوں کیخلاف جنگ کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اب یہ جنگ دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس سے میں دیوی کی وہ انفرادی قوتیں توڑنا چاہتا تھا' جن کی وجہ سے آج تک کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

باقی رہی اس کی اپنی طاقت تو اس کی بہت بڑی طاقت ان جنگوں میں مصروف ہے اور اب وقت ہے کہ ہم اس تک پہنچ سکیں۔''

سادان بے اختیار کھڑا ہو گیا۔ ''میں اس تک پہنچنا چاہتا ہوں' ہومانو۔ وہاں تک میری رہنمائی کر۔''

''آقا میں نے تیرے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کر دیا ہے اور وہ وقت دور نہیں جب میں تجھے اس کے پاس روانہ کر دوں گا۔''

میں اور پروفیسر' ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کو سن رہے تھے' پھر ہومانو نے کہا۔

''اس کا علم لامحدود ہے۔ وہ یقیناً اپنے علم کی قوتوں سے یہ پتہ چلا لے گی کہ تو کون ہے اور اس کے بعد تیرے خلاف صف آرا ہو جائے گی' لیکن آقا اس کی فکر نہ کرنا۔ صدیوں سے عظیم قوتیں تیری محافظ ہیں اور وہ یہاں تجھے تنہا نہ چھوڑیں گی۔ ہومانو کا علم تیرے ساتھ ہے۔ میں تجھے ایک ایسی چیز دوں گا جس سے تو یہاں کے قبائل میں بھی ممتاز ہوگا اور دیوی کا جادو بھی تجھ پر فوری طور پر اثر نہیں کرے گا۔ وہ چیزیں میں اپنے لئے استعمال نہیں کر سکتا تھا' آقا۔ مجھے اس کی اجازت نہ تھی۔ وہ صرف تیری ملکیت ہے اور تیرے لئے محفوظ رکھی تھیں۔''

رات کو جب لوگ سو گئے تو پروفیسر نے میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو یہ آدمی غلط معلوم ہوتا ہے۔"

"کیوں پروفیسر؟" میں نے پوچھا۔

"بس اس کی حرکتیں کچھ مشتبہ نظر آتی ہیں۔ سادان جوان ہے اور اس کے دل میں انتقام کا سودا سمایا ہوا ہے۔ کوئی بھی باعلم شخص اپنی قوتوں سے کام لے کر کسی بھی شخص کے بارے میں معلوم کر سکتا ہے۔ جس طرح مرجانہ نے ہمارے بارے میں معلوم کر لیا تھا۔ ہومانو چونکہ خود بھی دیوی سے دشمنی رکھتا ہے اس لئے اگر جادو کے زور سے اس نے سادان کا مقصد معلوم کر لیا تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہوگی۔ ایسی صورت میں تم سوچ لو کہ کہیں تمہارا یہ ساتھی نوجوان کسی مصیبت کا شکار نہ ہو جائے۔"

"نہیں پروفیسر اطہر! میں صرف اس کا درست راستہ ہوں۔ اسے ہدایت دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ میں نے جو کچھ دیکھا ہے' اس کے تحت میں اسے روک نہیں سکتا۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ بہتر ہے' آگے اس کی تقدیر' البتہ تمہارے لئے میری پیشکش ابھی تک برقرار ہے۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ مجھے بار بار یہ کہہ کر غصہ نہ دلاؤ۔ میری زندگی میری اپنی نہیں ہے۔ میں نے اپنی ایک ایک سانس کو پول کیلئے وقف کر دیا ہے اور صرف اس کی بہتری کیلئے مہذب دنیا کا سفر کرنا چاہتا تھا' لیکن پول مجھ سے چھن گئی۔ اب میں کیا کروں؟ کس طرح جیوں گا۔ مہذب دنیا میں جا کر کیا کروں گا؟ میں اب واپس قبائل میں بھی نہیں جا سکتا کیونکہ میں اپنے جہاز جلا چکا ہوں۔" پروفیسر نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"تو پھر؟"

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ جس کیلئے میں نے اپنا سفر بدلا' وہی مجھ سے علیحدہ ہو چکی ہے اب کیا کروں؟ یہ بات ہنوز تشنہ ہے۔"

"حالات ہم لوگوں کو کس سمت لے جا رہے ہیں۔ پروفیسر میری دلی خواہش ہے کہ تم بھی انہیں کا ساتھ دو۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے زرمناس! میں اس کے علاوہ کیا کر سکتا ہوں۔" پروفیسر بولا۔

دوسری صبح حسب معمول بے حد خوشگوار تھی۔ ہومانو اور پول ہمارے ساتھ غار میں نہیں رہے تھے وہ کہیں باہر نکل گئے تھے۔ پروفیسر اطہر جب جاگا تب ہی اسے معلوم ہوا کہ پول غار میں نہیں ہے۔

وہ بے چین ہو کر کھڑا ہو گیا اور پھر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پول کے ساتھ واپس آیا تھا۔ پول مسکراتی ہوئی آ رہی تھی اور پروفیسر کسی قدر مطمئن تھا۔ اس نے بدلے ہوئے انداز میں مجھ سے کہا۔

"یہ لڑکی...... یہ لڑکی تو بہت آگے بڑھ گئی ہے مسٹر زرمناس!"

"کیوں...... کیا ہوا؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"سوچو تو سہی اب وہ صرف ہومانو کا دم بھرتی ہے۔ جبکہ اس سے قبل اس کی نگاہ میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔"

"نہیں بابا۔ اب بھی تمہارا وہی مقام ہے' میرے ذہن میں۔ لیکن میں یہ ہی محسوس کرتی ہوں کہ میری منزل یہ ہی ہے۔ شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو...... کہ میں نے کئی بار خوابوں میں ایک شخص کو دیکھا ہے' بابا! میں نے اسے عجیب انداز میں دیکھا ہے۔ میں سمجھ نہیں سکی تھی کہ میں اسے چاہنے لگی ہوں' یا وہ صرف میرا خواب ہے' لیکن میں دیکھتی رہی ہوں۔ میں نے اس کے ساتھ بڑے بڑے جہازوں کی سیر کی ہے۔ میں نے اس کے ساتھ وہ دنیا دیکھی ہے' جو تمہاری دنیا ہے' اور مجھے اس کے بارے میں بڑی بڑی عجیب باتیں معلوم ہوئی ہیں۔"

"وہ کیا؟" پروفیسر اطہر نے پوچھا۔

"بابا! وہ دنیا میرے لئے بڑی انوکھی ہوگی۔ میں جانتی ہوں کہ میں اس میں ضم نہیں کر سکوں گی اور مجھے اتنی عجیب لگے گی کہ شاید میں بالکل پاگل ہو جاؤں' لیکن بہرطور مجھے وہ دنیا دیکھنے کا شوق تھا' اور اگر وہ دنیا مجھے دیکھنے کو مل جائے تو میں اپنے آپ کو بہت خوش نصیب سمجھوں گی۔ تم میرے لئے فکر مند مت ہو بابا۔ میں سمجھتی ہوں کہ مجھے میری منزل مل گئی ہے اور یہ ہی میرے لئے صحیح ہے۔"

"اور اگر تو اتنی خوش ہے تو پھر بھلا بوڑھے پروفیسر کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں تو خدا کے حکم پر شاکر ہوں' لیکن بہرطور میری بچی مجھے خود سے جدا مت کرنا۔ جتنی بھی میری عمر رہ گئی ہے وہ میں تیرے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"

"بابا' ہم اس زندگی میں جدا نہیں ہوں گے۔ تم بے فکر رہو۔" پول نے جواب دیا۔

پروفیسر اب خاصا بدلا بدلا نظر آ رہا تھا۔ ہومانو کو بھی اس نے عزت کی نگاہ سے دیکھا جبکہ اس سے قبل ہمیشہ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

آج کا دن کل کی بہ نسبت خوشگوار رہا۔ شام کو حسب معمول کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ہومانو نے اپنی اسکیم کا دوسرا حصہ ہمیں بتایا۔

"کل صبح میرے آقا سادان اور عظیم بزرگ تم دیوی کی رہائش کی جانب روانہ ہو جاؤ گے۔ میں تمہیں اس کے بارے میں جو کچھ بتاؤں گا اسے ذہن نشین کر لینا۔ جن وادیوں اور راستوں سے گزر کر تم جاؤ گے وہ پرپیچ اور دشوار گزار ہیں' لیکن تمہاری رہنمائی قدم قدم پر ہوگی اور پراسرار قوتیں ہمیشہ تمہارا تحفظ کریں گی۔ چنانچہ کسی بھی مرحلے پر گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ ہوگا وہ حالات کے تحت ہوگا۔

عظیم آقا' میں یہ انگوٹھی تمہیں دیتا ہوں۔ بندر کے نشان والی یہ انگوٹھی تمہارے آباؤ اجداد کی

امانت ہے جو مجھ تک پہنچی تھی۔ اس کے ذریعے تم پر بہت سے رازہائے پنہاں منکشف ہو جائیں گے اوراس کے ذریعے تمہیں بہت مدد ملے گی۔''

''ہومانو نے ایک انگوٹھی نکال کر اسے دے دی۔ جو کسی قسم کی لکڑی یا ایسی مضبوط چیز سے تراشی ہوئی تھی۔ یعنی اس کا گھیرا اور اس پر بنا ہوا سر' لکڑی کے ایک ہی ٹکڑے سے تراشا گیا تھا اور اتنا خوبصورت اور باریک کام سے منقش تھا کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔

ایک نگاہ دیکھنے سے اس پراسرار انگوٹھی کی حیثیت معلوم ہو جاتی تھی۔ سادان نے اسے بڑے احترام سے لے کر اپنے داہنے ہاتھ کی درمیانی انگلی میں پہن لیا' اور ہومانو مسکراتے ہوئے بولا۔

''تم کل صبح روانگی کیلئے تیار رہنا۔ میں' پول یا پول کے معلم پروفیسر تمہارے ساتھ نہیں جا سکیں گے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر تم غور کرو۔ حالات بھی یہ ہی کہتے ہیں اور ضرورت بھی اسی بات کی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ ہم خود بھی اپنے مشن پر تنہا ہی نکلیں گے۔ ہومانو! چند افراد ہم نے اپنے ساتھ لئے تھے اور انہیں دھوکا دے کر یہاں لائے تھے۔ حالانکہ ہم نے انہیں ان کی کاوشوں کا معاوضہ دے دیا تھا۔ لیکن بہرطور وہ بے ایمان تھے۔ انہوں نے ہمارے خلاف سازشیں شروع کر دیں' جس کی وجہ سے ہم نے انہیں چھوڑ دیا' لیکن بہرطور ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمیں آخری منزل تنہا ہی طے کرنا ہوگی' اور اس کیلئے میں مکمل طور پر تیار ہوں۔'' سادان نے جواب دیا۔

''تم فکر نہ کرو میرے آقا۔ تمہارے ساتھ ایک فوج ہوگی جو بہرطور تمہیں نقصان نہ پہنچنے دی گی۔ اب تم آرام کرو تاکہ کل صبح سفر کی تیاریوں کیلئے چاق و چوبند ہو جاؤ۔'' ہومانو نے کہا اور حسب معمول پول کو لے کر باہر چلا گیا۔

پروفیسر دیر تک مجھ سے بات چیت کرتا رہا۔ سادان اپنی سوچ میں گم تھا' پھر اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا' پھر جب ہم نے محسوس کیا تو وہ سو چکا تھا۔

بہرطور پروفیسر کو میں نے بہت سے دلاسے دیئے اور کہا۔

''پروفیسر! میری تو منزل ہی یہی تھی۔ اگر وہ یہ محسوس کرے کہ ہم لوگ مارے جا چکے ہیں' اوران کی زندگیاں یہاں بیکار ہو رہی ہیں تو وہ اپنے طور پر کوئی قدم اٹھالے ہمیں اعتراض نہ ہوگا۔'' میں نے کہا۔

پروفیسر اطہر غمناک آنکھوں سے مجھے دیکھتا ہوا اپنی آرامگاہ میں واپس چلا گیا تھا۔

علی الصبح ہم لوگ جاگے تو اطہر' پول اور ہومانو بھی جاگ چکے تھے۔ انہوں نے ہمارے لئے رخت سفر بھی باندھ دیا' اور گویا ہم روانگی کیلئے بالکل تیار تھے۔ نقشے کی تمام سمتیں اس نے مجھے اور سادان کو سمجھا دی تھیں' اور بالآخر ہم اس عجیب و غریب غار سے جھیل کی شمالی سیدھ میں چل پڑے۔ گویا اب ہمارا سفر دیوی کی وادی کی جانب تھا۔

سادان بہت مطمئن تھا' اور چونکہ یہاں رہ کر ہم بہت چاق و چوبند ہو گئے تھے اور ہمارے پاس خوراک کا بہترین ذخیرہ موجود تھا۔ اس لئے ہمیں کوئی فکر نہیں تھی۔

دو آدمیوں کا یہ قافلہ گھنٹے بھر میں اس پہاڑی بلندیوں تک پہنچ گیا۔ تقریباً نو یا دس میل آگے دلدل کی جھیل نظر آتی تھی' جس پر سورج کی روشنی پڑ رہی تھی' اور اس کی شعاعیں دلدل کو چاندی کی طرح جگمگا رہی تھیں۔ اس کے گرد میلوں تک سبزہ پھیلا ہوا تھا۔

دوپہر کو ہم دلدل کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں کھانا کھایا اور پھر اسی دلدل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر تک تو یہ راستہ بہت خوبصورت نظر آتا رہا لیکن آگے بڑھ کر اس میں کچھ دشواریاں پیدا ہو گئیں۔ گو یہ دشواریاں بہت پریشان کن تھیں۔ مثلاً بعض جگہوں پر دلدل نرم تھی اور اس پر سفر کرنا ذرا مشکل تھا' لیکن ہم نے احتیاط برتی۔ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھا' اور ہر قدم آگے بڑھتے رہے۔

لیکن ابھی تک مجھے یہ سفر سخت یا ناخوشگوار محسوس نہیں ہوا تھا۔ ویسے جہاں تک نظر کام کرتی تھی یا تو یہی دلدل تھی یا پھر بڑے بڑے مینڈک اچھلتے ہوئے نظر آتے تھے۔ یا پھر وہ چڑیاں جو کبھی کبھی اڑتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ بلکہ اس طرح سے کہا جائے کہ یہ چڑیاں پتلی دلدل کی رہنما تھیں تو غلط نہیں ہوگا۔

کہیں کہیں سبز بیلیں پھیلی ہوئی تھیں' لیکن آگے چل کر جو پریشان کن چیز ملی وہ دلدل سے اٹھنے والے زہریلے بخارات تھے۔ جو تنفس پر بار ڈال رہے تھے۔ خدا خدا کر کے شام کے قریب ایک مسطح زمین ملی۔ اس علاقے میں کافی گرمی تھی۔ مچھروں اور مینڈکوں کی وجہ سے ہم اسے آرام دہ جگہ نہیں کہہ سکتے تھے' لیکن دلدل کے پریشان کن سفر کے بعد یہ قدرتی فرش ہمیں بہت غنیمت محسوس ہوا۔ یہاں ہم نے رات کا کھانا کھایا۔

سادان حسب معمول مطمئن تھا' لیکن رات کو اسے سردی لگی اور بخار ہو گیا۔

میں نے جانوروں کی کھالیں جو ہومانو نے ہمارے سپرد کر دی تھیں' سادان پر ڈال دیں۔ اس کے چہرے پر زردی پیدا ہو گئی تھی۔

بہرطور رات کو میں نے اس کی تیمارداری کی۔ پروفیسر نے ہمیں کچھ جڑی بوٹیاں بھی دی تھیں' جن کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ یہ بوقت ضرورت کام آئیں گی۔ انہی میں سے ایک بوٹی اس نے بخار کی بھی دی تھی۔ میں نے یہی بوٹی سادان کو استعمال کرا دی۔

آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے اور زمین پر خاموش سناٹا مسلط تھا۔ سادان سو گیا تھا۔ میں چت لیٹ گیا تھا اور ستاروں سے آنکھیں لڑاتا رہا۔

دلدل زیادہ دور نہیں تھی اور زہریلے بخارات اٹھ اٹھ کر کاٹنے کو دوڑ رہے تھے۔ خدا خدا کر کے نیند آئی اور ان پریشان خیالات کا خاتمہ ہوا۔

صبح کو آنکھ کھلی۔ سورج نکل آیا تھا۔ میری نگاہ بے اختیار ساداں کی طرف اٹھ گئی۔ ساداں بیٹھا قرب و جوار کے ماحول کو دیکھ رہا تھا اور شکل سے کافی مطمئن نظر آ رہا تھا۔ گویا پروفیسر نے جو دوا دی تھی وہ بڑی کارگر ثابت ہوئی تھی۔ میں نے اس کی خیریت پوچھی تو اس نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔

"بس ٹھیک ہوں لیکن عجیب بخار تھا۔ ذرا سی دیر میں زبردست کمزوری محسوس ہو رہی ہے۔"

"بہتر یہ ہے کہ ہم یہاں سے تھوڑا سا آگے بڑھیں اور کوئی ایسی جگہ تلاش کر لیں جہاں تم مکمل طور پر آرام کر سکو۔ سفر ایک آدھ دن میں شروع ہو جائے گا۔"

"نہیں چچا جان! یہ مناسب نہیں ہے۔ میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں کہ اس معمولی سے بخار سے تھک کر بیٹھ جاؤں۔"

"لیکن ساداں! میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں مزید بخار آئے۔ یہ علاقہ ویسے ہی کچھ ناخوشگوار سا ہے۔" میں نے کہا۔

"نہیں چچا جان! ہم سفر کریں گے۔ میں جلد از جلد اپنی منزل تک پہنچ جانا چاہتا ہوں۔"

ساداں نے مجھے مجبور کر دیا۔ بہر طور ہم آگے چل پڑے۔ تین گھنٹے تک کوئی غیر معمولی بات نہ ہوئی اور ہم اس دلدلی علاقے سے دور نکل آئے۔ گویا اب اس دلدل سے پیچھا چھوٹ گیا تھا۔

اب راستہ پھر کچھ خوشگوار ہوتا جا رہا تھا۔ دوپہر سے پہلے ہی ہم ایک انتہائی پرفضا مقام پر پہنچ گئے۔ کوسوں تک سبزہ زار پھیلا ہوا تھا۔ جس میں جابجا پھول کھلے ہوئے تھے۔ ایسے حسین اور دلکش کہ بس نگاہ نہ ہٹے۔ پھولوں کے تختے اس طرح نظر آ رہے تھے جیسے انسانی ہاتھوں کا کارنامہ ہو۔

سامنے کی سمت ایک پہاڑ تھا' جو حسین سبزہ زاروں سے لدا کھڑا ہوا تھا۔ اس پر چھوٹے چھوٹے درخت جھول رہے تھے۔ شاید کوئی پندرہ سو فٹ کی بلندی پر قلعے کی سی فصیل نظر آتی تھی' جو اندازاً بارہ تیرہ سو فٹ بلند ہوگی' لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ فصیل نہیں تھی بلکہ پتھر کی چٹانیں تھیں جنہوں نے مل کر ایک دیوار قائم کر دی تھی۔

بے پناہ حسین خطہ تھا۔ یہاں آ کر طبیعت پر ایک خوشگوار سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ ہم پہاڑ کی جانب چل پڑے۔

سامنے ہی ایک سڑک نظر آ رہی تھی' جو سیدھی پہاڑ پر جاتی تھی' لیکن اس سڑک کے دونوں پہلوؤں پر کنارے بنے ہوئے تھے جو جگہ جگہ سے ٹوٹ گئے تھے۔

اس سڑک کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اگر یہ انسان کے ہاتھوں کا کارنامہ ہے تو پھر ان پہاڑوں کو توڑنے کا ذریعہ کیا ہوگا۔ زمانہ قدیم میں ڈائنامائیٹ وغیرہ کا بھی وجود نہیں تھا' اور اس کے بغیر پہاڑوں کو اس طرح کاٹ کر ہموار کر دینا ناقابل یقین سی بات تھی' لیکن یہ منظر ہمارے سامنے تھا۔ قرب و جوار میں وہی سبزہ زار حسین ترین نظارے پیش کر رہا تھا۔ دل ان نظاروں کو دیکھ کر جھوم جھوم جاتا تھا۔ کہیں کہیں سبز چمن کے درخت اور کہیں لمبے لمبے کھجوروں کے درخت تھے' جو سو فٹ سے

کم اونچے نہ ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک درخت پر شہد کی مکھیوں کے چھتے لگے ہوئے تھے۔

خرگوش' بارہ سنگھے اور ہرن اس طرح نظر آ رہے تھے' جیسے یہ علاقہ بلاشرکت غیرے ان کی ملکیت ہے۔ اس طرح گھومتے پھر رہے تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اتنا شکار دیکھ کر ہم دونوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔

ساداں فوراً نشانہ لگانے کیلئے تیار ہو گیا۔ اس نے گولی چلائی۔ نشانہ ایک بارہ سنگھے کا تھا۔ گولی بارہ سنگھے کا کاندھا توڑتی ہوئی نکل گئی تھی اور ہم دونوں اس طرف دوڑ پڑے۔ بارہ سنگھے کو ذبح کیا گیا۔ اس کو دیکھتے ہی طبیعت میں ایک جولانی سی آ گئی تھی' اور ہم لوگ بے حد خوش تھے۔ بارہ سنگھے کا گوشت بھوننے میں کافی وقت لگ گیا' اور اس کے بعد مزے لے لے کر ہم نے یہ لذیذ گوشت کھایا' اور اس کے بعد ہم نے سفر کا آغاز کر دیا۔

غروب آفتاب سے پہلے کچھ دیر پہلے ہم اس پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے۔ کچھ اور آگے بڑھے کہ شام کی سیاہی نے ہاتھ پھیلا کر اس ماحول کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس وقت ہم ایک درے جیسے راستے میں تھے۔ جو ایک پہاڑ کو درمیان سے کاٹ کر بنایا گیا تھا۔

بہرطور ان تمام چیزوں کو دیکھ دیکھ کر دیوی کی پراسرار قوتوں کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ہم یقیناً اس کی سرحد پر پہنچ گئے تھے۔

اس کا اندازہ ہمیں دوسری صبح ہو گیا۔ جب جاگے تو سورج پھر سروں پر ٹنگا ہوا تھا' لیکن سورج کی روشنی میں ہم نے جن لوگوں کو دیکھا انہیں دیکھ کر ہم بھونچکے رہ گئے تھے۔ ہمارے ہاتھ بے اختیار ہمارے ہتھیاروں کی طرف بڑھے' لیکن پھر دوسرے لمحے ہم مایوسی سے ہونٹ سکوڑ کر رہ گئے۔ ہمارے تمام ہتھیار ان لوگوں کے قبضے میں تھے۔

نظر آنے والے تقریباً پچاس افراد تھے۔ جو مختلف حصوں میں کھڑے چمکدار بھالے ہاتھ میں لئے ہمیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے بدنوں پر مخصوص قسم کے لباس تھے۔ غالباً چیتوں کی کھالوں کے عبا نما لباس جو دیکھنے میں کافی خوبصورت نظر آ رہے تھے۔ سروں پر بھی انہی کھالوں کا بنا ہوا خول سا پہنا ہوا تھا ان سب نے۔

میں نے اور ساداں نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور ساداں آہستہ سے بولا۔

"یہ تو اچھا نہیں ہوا۔ گویا ہم دیوی کے قیدی بن گئے۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے؟ بہرطور میرا خیال ہے اتنے سارے لوگوں سے بھڑنا اچھا نہیں ہوگا۔ اب جب ہم ان کی نگاہ میں آ ہی گئے ہیں تو پھر بہتر یہ ہے کہ خود کو ان کے حوالے کر دیں۔ ممکن ہے وہ دیوی تک لے جائیں۔"

"ٹھیک ہے میں آپ سے متفق ہوں چچا جان!" ساداں نے کہا۔

ہمیں گھیرے میں لئے ہوئے لوگوں نے جب دیکھا کہ ہم جاگ گئے ہیں تو ان کا گھیرا کچھ

تنگ ہونے لگا' پھر دو آدمی ہمارے سامنے آ گئے۔

وہ رکوع کے انداز میں میرے اور ساوان کے سامنے جھک گئے' پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''پہاڑوں کی عظیم ملکہ' ناقابل تسخیر سورج کی بیٹی' آسمان سے ہدایت حاصل کرنے والی تمہیں اپنی سرحد میں خوش آمدید کہتی ہے اور جاننا چاہتی ہے کہ تم کون ہو' اور کس غرض سے آئے ہو۔ کہاں سے آئے ہوں۔ یوں لگتا ہے کہ تمہارا تعلق افریقہ کی سیاہ وادیوں سے نہیں ہے بلکہ تم اس دوسری دنیا کے لوگ ہو' جہاں کے رہنے والے اپنے جادو میں کمال حاصل کر چکے ہیں' اور ایسی ناقابل یقین زندگی گزار رہے ہیں' جن کے بارے میں سن کر حیرت ہوتی ہے۔ کیا یہ درست ہے؟''

ساوان نے میری طرف دیکھا۔ گویا اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ کس قسم کی گفتگو ان سے کرنا مناسب ہوگی۔ میں اس دوران دل میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اس وقت ان لوگوں کے مطلب کی گفتگو کرنا مناسب ہوگی۔ کیونکہ ان بے شمار تنومند لوگوں سے مقابلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے جلدی سے کہا۔

''تمہارا خیال درست ہے۔ ہم اس دنیا کے باشندے ہیں اور سیاحت کی غرض سے اس صحرا میں آئے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ کون سی سرحد کس کی ہے۔ اگر ہم تمہاری ملکہ کی سرحد میں آ کر کسی جرم کے مرتکب ہوئے ہیں تو ہمیں اس کا افسوس ہے۔''

''عظیم المرتبت! کی ہدایت ہے کہ اگر آنے والے نیک طبع اور تعاون کرنے والے ہوں تو انہیں باعزت و احترام اس کے حضور میں لایا جائے' اور اگر وہ خودسر اور سرکش ہوں اور کسی کا احترام کرنے والے نہ ہوں تو انہیں ختم کر دیا جائے۔''

''فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے' جیسے پسند کرو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہم ملکہ کے حکم سے انحراف نہیں کر سکتے۔ یوں بھی تم لوگ شکل و صورت سے بھی اور گفتگو سے بھی اچھے انسان معلوم ہوتے ہو۔ اس لئے ہماری پیشکش ہے کہ ہمارے ساتھ چلو۔''

''ہم اس پیشکش کو رد نہیں کر سکتے۔''

''تم صرف دو ہو؟''

''ہاں صرف دو۔'' میں نے جواب دیا' اور اس شخص نے اپنے ساتھیوں کی طرف رخ کر کے دو گھوڑے طلب کئے۔ ہمارے لئے دو گھوڑے فوراً آ گئے تھے۔

میں اور ساوان ان پر سوار ہو کر ان عجیب و غریب لوگوں کے درمیان چل پڑے۔ گھوڑے قدآور اور سدھے ہوئے تھے' اور ان پر سفر کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس شخص کا رویہ بہت بہتر تھا' جو ہمارا رہنما تھا۔

ساوان نے چونکہ اندازہ کر لیا تھا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ مکمل تعاون کا ارادہ رکھتا ہوں

اس لئے وہ پرسکون تھا' اور گھوڑے سے گردن گھما گھما کر قرب و جوار میں پھیلے ہوئے حسین مناظر کا نظارہ کر رہا تھا۔ بالآخر ہم اس درے کے آخری حصے تک پہنچ گئے۔ بالکل ہی سامنے ایک عجیب سی جگہ نظر آئی تھی۔ غالباً پہاڑ کی گہرائیوں میں کوئی ندی بہہ رہی تھی۔ اس کی محراب میں سے گزر کر ہمیں آگے بڑھنا تھا۔

ندی کے کنارے پہنچ کر چند لمحات کیلئے وہ لوگ رکے اور انہوں نے گھوڑے کی زینوں میں اڑسی ہوئی مشعلیں نکال لیں۔ حالانکہ باہر کافی روشنی تھی' لیکن یقیناً اس سرنگ میں شاید طویل سفر کرنا تھا اور اس وجہ سے یہ مشعلیں روشن کی جارہی تھیں۔

روشنی کر دی گئی تھی' لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ شخص ہمارے قریب پہنچا اور اس نے زرد پٹیاں نکال کر ہمیں دیں اور پھر بولا۔

''ملکہ عالیہ کے اصولوں کے مطابق ان کے حضور تک پہنچنے والوں کو ان راستوں سے ناواقف رکھا جاتا ہے۔ اس لئے تمہیں یہ پٹیاں اپنی آنکھوں پر باندھنی ہوں گی۔''

''اور ہمارے گھوڑے۔ ہم انہیں صحیح راستوں پر کیسے چلا سکتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کی ذمہ داری تم ہم پر چھوڑ دو......'' اس نے کہا' اور میں نے گردن ہلا دی۔

میں ان سے تعاون کا فیصلہ کر ہی چکا تھا۔ اس لئے اب ان کے کسی مسئلے پر ٹانگ اڑانا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ پٹیاں ہم نے خود ہی اپنی آنکھوں پر باندھ لیں۔ ان لوگوں نے غالباً ہمیں دیکھ کر اطمینان کا اظہار کیا تھا' پھر ان میں سے کسی نے ہمارے گھوڑوں کی لگامیں پکڑ لیں' اور ہم اس عجیب و غریب ندی میں سفر کرنے لگے۔

گھوڑے کے پیروں سے ندی میں چھپاکے پیدا ہو رہے تھے اور وہ سست روی سے سفر کر رہے تھے۔ میں کوشش کے باوجود اس گھماؤ پھیراؤ کا کوئی اندازہ نہیں کر سکا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ندی لہریں لیتی ہوئی کئی موڑوں میں داخل ہوتی ہو' اور وہاں سے آگے بڑھتی ہو۔ عجیب و غریب چیز تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اگر میں اس راستے سے واپس جانا چاہوں تو صحیح سمت اختیار نہیں کر سکوں گا۔ یقیناً پٹیاں باندھنے کا مقصد کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوگا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم دوسری طرف نکل گئے۔ روشنی کا احساس بند آنکھوں سے ہی ہو گیا تھا۔ بہرطور ہمیں پٹیاں کھول ڈالنے کی اجازت مل گئی۔

میں نے دیکھا کہ ہم پہاڑ کے دوسرے پہلو میں ہیں۔ اتنے بڑے پہاڑ کو اس قدر جلد طے کر لینے پر مجھے بڑا تعجب ہوا تھا۔ ادھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ جس چوٹی کو ہم بہت اونچا سمجھ رہے تھے وہ بہت ہی قریب تھی۔ شاید وہ دو سو فٹ اونچی رہی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس طرف کی زمین اس طرف کی زمین سے بہت اونچی ہے۔ اب نامعلوم اس کو ضرورتاً اونچا کرنا پڑا تھا یا وہ قدرتی اونچی تھی۔

بہر حال اس وقت میں نے خود کو ایک بڑی پہاڑی پر پایا جو بالکل ایک پیالے کی وضع قطع کی تھی۔ عجب نہیں کہ یہ پہاڑ کسی زمانے میں آتش فشاں رہا ہو۔ گردوپیش کے تمام میدانوں میں کھیتیاں لہرا رہی تھیں اور بھیڑ بکریاں بڑی آزادی سے کلیلیں کرتی پھر رہی تھیں۔

اس کے بعد کچھ کھنڈر نظر آئے' لیکن ان تمام مناظر کو بغور نہ دیکھ سکے۔ ہم نے ان لوگوں کو آتے دیکھا جو گھوڑوں پر سوار تھے اور ان لوگوں سے کسی قدر مختلف لباسوں میں تھے' جو ہم لوگوں کو یہاں تک لائے تھے۔

✽ ✽ ✽

آنے والے ہمارے قریب پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر سینے پر ہاتھ رکھ کر گویا سلام کیا' اور پھر ہماری کمان ان کے سپرد کر دی گئی۔ وہ لوگ جو ہمیں یہاں تک لائے تھے' ہمیں ان کے حوالے کر کے آگے بڑھ گئے۔ گویا اب ہم ان نئے لوگوں کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔

نئے لوگوں میں سے اس شخص نے' جس نے آگے آ کر ہمیں سلام کیا تھا۔ ہماری رہنمائی کے فرائض سنبھال لئے تھے۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک ہمارا یہ قافلہ سفر کرتا رہا اور پھر ایک بہت بڑے غار کے دہانے کے پاس ہمیں ٹھہرا دیا گیا۔

دہانہ بہت ہی بلند و بالا تھا۔ یہاں ہمیں گھوڑوں سے اتار لیا گیا۔ غار کے دہانے کے دوسری طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ عجیب و غریب جگہ تھی۔ بہر طور ہم اس میں داخل ہو گئے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد تاریکی چھٹ گئی۔ دیواروں میں مخصوص طرز کی مشعلیں تھیں۔ یہ مشعلیں دیواروں میں [illegible] ہوئی تھیں اور نجانے اس میں کیا جل رہا تھا۔ ایک ہلکی سی خوشگوار خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

دیواریں منقش تھیں اور یہ تصویریں قدیم مصری طرز کی تھیں۔ مصر سے بہت دور اس عجیب غریب علاقے میں مصری طرز زندگی دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی تھی۔

ہم غار کی ایک محراب سے گزر کر دوسری محراب میں داخل ہو گئے' پھر بائیں طرف گھومے یہاں بڑے بڑے دروازے بنے ہوئے تھے' اور ان دروازوں پر مسلح پہرے دار کھڑے ہوئے تھے یقینا دیوی کی وادی میں آ پہنچے تھے' اور یہ سارا نظام دیوی ہی کے سلسلے میں تھا۔ اس کی رہائشگاہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہو گی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر چل کر ہمیں ایک بہت ہی بڑا کمرہ نظر آیا جس کے دروازے پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ ہمارے رہنما نے یہ پردہ اٹھایا اور گویا ہمیں اندر داخل ہونے کا حکم دیا۔ اندر داخل ہوئے تو اس کمرے کو نہایت خوشنما اور جاذب نظر پایا۔

پتھروں کے بستر بنے ہوئے تھے جن پر چیتوں کی کھالیں بچھی ہوئی تھیں۔ ایسی ہی کھالیں اوڑھنے کیلئے بھی موجود تھیں۔ پانی بھرے ہوئے کچھ برتن رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ہمیں آرام کرنے کی ہدایت کی اور کہنے لگا۔

"تمہیں جس چیز کی طلب ہو دروازے پر کھڑے ہوئے پہریدار سے مانگ لینا۔ تکلف

...رنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے گردن ہلائی اور وہ باہر نکل گیا۔ میں اور سادان ایک دوسرے کو ...ھنے لگے تھے۔ سادان کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔ یہ آنکھیں شیشے کی گولیوں کی مانند ...ل رہی تھیں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ نجانے اس پر کیا الہامی کیفیت طاری تھی۔ حالانکہ طویل ...طے نہیں کیا تھا' لیکن کچھ اس طرح تھکن ذہن و دل پر طاری ہو گئی تھی کہ جی چاہتا تھا کہ آرام کیا ...ئے۔

چونکہ نہ تو اس وقت کوئی حاجت تھی اور نہ ہی کوئی اور احساس۔ اس لئے ہم نے اس چاہت ...ل کیا۔ میں اور سادان برابر برابر دو چوکیوں پر لیٹ گئے۔ بڑی نرم اور آرام دہ کھالیں بچھی ہوئی ...یں۔ غالباً اس کے نیچے کوئی اسفنج نما شے موجود تھی۔ جس کے ذریعے ان پتھریلی چٹانوں کو گدگدا بنا ...یا گیا تھا۔ دفعتاً سادان ہنس پڑا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے۔ سادان کون سے خیال پر تمہیں ہنسی آ گئی؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں چچا جان! آپ ناراض ہوں گے۔" سادان بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مجھے جس بات پر ہنسی آتی ہے وہ آپ کو پسند نہیں آئے گی۔" سادان نے کہا۔

"اس کے باوجود میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے اصرار کیا۔

"اس وقت مجھے آپ کے حال پر ہنسی آئی ہے چچا جان!" سادان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خوب' خوب' میرے حال پر ہنسنے کے علاوہ تم اور کر کیا سکتے ہو؟"

"معافی چاہتا ہوں چچا جان! میں نے کہا تھا ناں کہ آپ ناراض ہو جائیں گے۔"

"اس کے باوجود میں ناراض نہیں ہوا' لیکن میرے حال سے تمہاری مراد کیا ہے؟"

"چچا جان! میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کے ساتھ مستقل زیادتی ہو رہی ہے۔"

"کیوں' سادان؟"

"دیکھیں ناں...... آپ اپنا ملک چھوڑ کر سرزمین مصر آئے۔ وہاں آباد ہو گئے۔ پتہ نہیں ...دگی کی لطافتیں کس حد تک آپ کے ہمرکاب رہیں لیکن جب سے میں آپ کی تحویل میں آیا' آپ ...لو الجھنوں سے ہی دوچار ہونا پڑا۔"

"سبحان اللہ...... سبحان اللہ۔ یہاں تم اپنی محبتوں کا کوئی تصور اپنے ذہن میں نہیں رکھتے۔"

"نہیں چچا جان! میں ان محبتوں کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں کہ کس طرح انسان کو ...لیل و خوار کرتی ہیں۔"

"گویا میں ذلیل و خوار ہو رہا ہوں۔"

"نہیں میں یہ بات تو نہیں کہوں گا' لیکن جو پریشانی آپ کو میری ذات کی وجہ سے اٹھانا ...ڑی ہے کیا میں ان سے واقف نہیں ہوں۔"

"نہیں ساوان میں تمہارے مشن میں تہہ دل سے شامل ہوں۔ اگر تم تنہا ہوتے تب بھی یہ ہی کچھ کرتے، لیکن یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ ساوان، میں نے بھی اپنی زندگی میں بہت مختصر لوگوں سے رابطہ رکھا ہے۔ ایک عمر تھی جب سب کچھ چھن گیا، اور اس چھن جانے کو میں نے غنیمت جانا۔ بڑا بددل ہو کر اپنی دنیا سے یہاں پہنچا تھا کہ یہاں کچھ لوگ ایسے مل گئے، جنہوں نے زندگی کو خوشگوار لمحات بخش دیئے، اور اب تو میں صرف ایک مشن پر ہوں۔ تمہاری ذات سے وابستہ، تمہارے وجود کا ایک حصہ۔"

"چچا جان! آپ یقین فرمایئے کہ میں اس دنیا میں سب سے زیادہ آپ کی عزت کرتا ہوں۔"

"یہ تمہاری محبت ہے، ساوان! میں بھی تمہیں اتنا ہی چاہتا ہوں۔"

"میں سوچ رہا تھا، چچا جان! اب اس کے بعد کیا ہوگا؟"

"تم بتاؤ ساوان! کیا خیال ہے تمہارے ذہن میں؟"

"بس کچھ نہیں ہم دو افراد باقی رہ گئے ہیں۔ وہ غلاظت ہمارے درمیان سے چھٹ گئی ہے جس کو ہم اپنی مقصد براری کیلئے ساتھ ساتھ لائے تھے، لیکن ہم نے ان کے ساتھ نیک نفسی کا مظاہرہ بھی کیا تھا۔ انہیں وہ سب کچھ دے دیا، جو ان کی طلب ہو سکتی تھی، اور ممکن تھا کہ اگر صحرائے اعظم میں وہ ہمارے مشن میں شریک رہتے اور ہمیں کامیابی حاصل ہو جاتی تو ہم انہیں کچھ اور بھی دے دیتے، لیکن ان کی نیتیں واضح ہو گئیں اور وہ ہم سے کٹ گئے۔"

"ہاں ان کا کٹ جانا ہی بہتر ہوا کیونکہ اب ہم جن حالات سے دوچار ہونے والے ہیں ان میں پتہ نہیں ان لوگوں کی کیا حیثیت ہوتی۔ ویسے آپ کی اب کیا رائے ہے۔ کیا ہم دیوی کے حضور پہنچ گئے ہیں۔"

"ساوان! میرا خیال ہے کہ ہمیں اپنی گفتگو میں احتیاط رکھنی چاہیے۔ کیونکہ یہ طلسم نگری ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دیواریں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ ممکن ہے ہماری آوازیں یہاں سنی جا رہی ہوں۔"

"ٹھیک کہا چچا جان آپ نے، لیکن ہمیں حالات پر تبصرہ تو کرنا ہی ہے، اس کیلئے ہم کیا کریں؟"

"سرگوشیاں، تم میرے نزدیک آ جاؤ۔" میں نے کہا اور ساوان اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے نزدیک آ گیا۔

"لیٹ جاؤ ساوان! میں جانتا ہوں کہ تم بھی آرام کی طلب محسوس کر رہے ہو۔" عجب سی تھکن ہو گئی تھی ان پہاڑوں میں سفر کرتے ہوئے۔

"ہاں...... آپ نے صحیح کہا۔ واقعی تھکن کا شدید احساس ہو رہا ہے۔" ساوان نے مجھ سے

اتفاق کیا۔

کافی دیر گزر گئی، پھر دو سیاہ فام جو رنگین لباس میں ملبوس تھے اور ہاتھوں میں چوڑے کھانڈے لئے ہوئے تھے، ہماری اس آرامگاہ میں داخل ہوئے۔ رکوع کے انداز میں ہمارے سامنے جھکے اور دونوں نے بیک آواز کہا۔

"ملکہ عالیہ! تمہیں طلب کرتی ہیں، ہمارے ساتھ آؤ۔" میں نے اور ساوان نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور ہم گہری سانسیں لے کر کھڑے ہوئے۔

دونوں سیاہ فام ہمارے آگے آگے چل رہے تھے، پھر وہ ایک طویل فاصلہ طے کر کے ایک بہت بڑے غار کے دروازے کے سامنے پہنچے، جہاں دو شخص کھڑے بتوں کی طرح پہرہ دے رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر دونوں نے جھک کر سلام کیا اور غار پر پڑا ہوا حریری پردہ اٹھا دیا۔

اندر داخل ہوئے تو یہ غلام گردش اور اس کے کمرے بھی بالکل ویسے ہی تھے، جن میں ہم لوگوں کو ٹھہرایا گیا تھا۔ آگے بڑھ کر پھر دو مرد اور دو عورتیں ملیں۔ وہ سب بھی ہمیں دیکھ کر جھک گئے، لیکن کسی کے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی، شاید گونگے تھے۔

وہ سیاہ فام تو پہلے ہی مرحلے پر رک گئے تھے، اور یہاں تک ہم تنہا آئے تھے لیکن یہاں سے وہ دو عورتیں ہمارے ساتھ ہو لیں۔ مرد پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اس کے بعد ہم دونوں کئی پردے طے کر کے بالآخر ایک کمرے تک پہنچ گئے۔ یہاں بہت سی حسین عورتیں کھڑی تھیں۔

دو چار قدم چل کر پھر ایک دروازہ ملا۔ خیال ہوا کہ اس کے آگے کوئی کمرہ نہیں ہوگا۔ یہاں بھی دو مرد کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں سلام کیا۔ پردہ اٹھایا گیا۔

یہ کمرہ بھی خاصا وسیع اور کشادہ تھا۔ یہاں بھی دس بارہ خوبصورت عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ خاموشی سے ہماری طرف دیکھ رہی تھیں، البتہ میں نے محسوس کیا کہ ساوان کو دیکھ کر ان کی کیفیت عجیب ہو جاتی تھی۔

پھر ان میں سے ایک عورت اٹھی اور اس نے ایک ادا کے ساتھ اپنے نازک ہاتھوں سے سامنے والا پردہ ہٹا دیا۔ اس کمرے سے گزر کر ایک اور کمرے سے گزرنا پڑا۔ ہم تو تنگ آ گئے تھے ان تہہ در تہہ کمروں کے سفر سے۔ آخر ہم ایک وسیع و عریض ہال نما کمرے میں پہنچ گئے۔

اس کمرے کا طول و عرض بے حد وسیع تھا۔ پردے اتنے حسین تھے کہ بس دیکھتے ہی رہیے، البتہ یہاں کوئی پہریدار مرد یا عورت موجود نہیں تھا۔

ہمارے ساتھ آنے والے سب پیچھے رک گئے تھے اور اب ہم اس وسیع و عریض کمرے میں تنہا تھے۔ کوئی اور دروازہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کا مقصد تھا کہ یہ کمرہ وہ آخری جگہ ہے، جہاں ہمیں ملکہ کے روبرو پیش ہونا ہے۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا، پھر داخلی دروازے کے پردے میں حرکت ہوئی اور ہم دونوں

متجسس نگاہوں سے دروازے کی سمت دیکھنے لگے۔

ایک نہایت ہی خوبصورت گورے ہاتھ کی انگلیوں نے پردہ ہٹا دیا' اور ایک انتہائی دلکش آواز سنائی دی۔

''تہذیب کی دنیا سے آنے والے اجنبی لوگو! تم کون ہو اور تمہارا وجود ہمارے علم سے پوشیدہ کیوں ہے۔ کون سی ایسی شے ہے' تمہارے وجود میں' جو تمہیں ملفوف کئے ہوئے ہے۔''

پردہ ہٹانے والی ہمارے سامنے نہیں آئی تھی لیکن اس کی آواز کا سحر ہمارے ذہن اور دماغ میں حاوی ہوتا جا رہا تھا۔ ایسی حسین آواز کہ لگتا تھا جیسے بہت سے جلترنگ بیک وقت بج اٹھے ہوں۔

ہماری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ اندر داخل ہو گئی۔ سلک کے ہلکے لبادے میں ملبوس سر سے پاؤں تک ڈھکی ہوئی ایک عجیب وغریب شبیہ ہماری نظروں کے سامنے کھڑی ہوئی تھی' جس کی آنکھوں کی جگہ صرف دو سوراخ تھے۔ انتہائی حسین طرز کے برقعے نما لباس میں اس کے بازو عریاں تھے اور ان عریاں بازوؤں کو دیکھ کر اس کے حسن کا احساس ہوتا تھا۔

اتنے سڈول جیسے سنگ مرمر سے تراشے ہوئے ہوں۔ ایسے سفید کہ جس کے بعد سفیدی کا تصور ذہن سے محو ہو جائے۔ سروقامت اور انتہائی متناسب بدن کا احساس اس کے لباس سے ہوتا تھا۔ بال سیاہ ریشم کے لچھوں کی مانند گھٹنوں تک پہنچے ہوئے تھے' اور یہ بال ہاتھوں کے علاوہ ایسے تھے جنہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

ہم دونوں اس ہیولے کو دیکھ کر مبہوت رہ گئے۔ وہ ہیولا چند قدم آگے آیا اور پھر ایک زرنگار کرسی پر براجمان ہو گیا۔

''تم لوگ خاموش کیوں ہو؟'' کیا مجھ میں کوئی ایسی بات ہے کہ تم مجھے دیکھ کر ڈر جاؤ...... بھئی مردوں کی طرح مجھ سے گفتگو کرو۔ میں نے تمہیں دوستوں کی طرح طلب کیا ہے۔

میں نے ایک جھرجھری سی لی اور اس سے گفتگو کرنے کیلئے سنبھل گیا۔

''آپ نے کہا ملکہ عالیہ! کہ ہم ملفوف ہیں۔ ہم اس کا مطلب نہیں سمجھ سکے؟''

ایک نقرئی ہنسی ہمارے کانوں میں گونج اٹھی اور پھر وہی خوبصورت آواز سنائی دی۔

''ہاں...... میری سرزمین میں داخل ہونے والے میری نگاہوں سے دور نہیں ہوتے۔ تم بھی میری نگاہوں سے اوجھل نہیں تھے۔ جب تم نے میری سرحد پر قدم رکھا' تب ہی مجھے علم ہو گیا کہ دو اجنبی میرے علاقے میں آئے ہیں۔ میں نے اپنے علم کی روشنی میں ان کی ماہیت جاننے کی کوشش کی لیکن مجھے سفید دھوئیں کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا' اور یہ بات میرے لئے متحیر کن ہے۔ میرا علم بتاتا ہے کہ کون دوست ہے اور کون دشمن۔ میرے سامنے آنے والے اپنا ماضی مجھ سے سنتے ہیں' لیکن تم...... تم میری نگاہوں سے دور ہو۔ میں نہیں جانتی کہ تم کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو؟ اور کیوں آئے ہو۔ جبکہ میرے لوگوں نے مجھے بتایا بلکہ تم نے ان سے کہا کہ تم آوارہ گرد ہو اور صحرائے اعظم میں آنے والے

دوسرے لوگوں کی مانند جو حسین پتھروں کو یہاں سے بٹورنے آتے ہیں اور اپنی مہذب دنیا میں شاید ان سے اپنی ضروریات زندگی حاصل کرتے ہیں۔

ایسے بے شمار افراد صدیوں سے یہاں آتے رہے ہیں' اور میں نے ان میں سے ان کا انتخاب کیا' جنہیں یہاں سے واپس جانا ہو' اور جو یہاں سے جانے کے قابل نہ ہوں انہیں میں محفوظ کر لیتی ہوں۔''

''اس انتخاب کی نوعیت کیا ہوتی ہے' ملکہ عالیہ؟''

''جو کچھ بھی ہو' تمہیں بتائی نہیں جا سکتی۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تمہاری شخصیت کیا ہے' کیا تم جادوگری سے واقف ہو' کیا تم اپنے آپ کو عام نگاہوں سے بھی پوشیدہ رکھ سکتے ہو۔''

''ہم نہیں کہہ سکتے کہ ایسا کیوں ہوا۔ ہم عام قسم کے سیاح ہیں اور آپ کا یہ خیال درست ہے کہ ہم چمکدار پتھروں کی تلاش میں آئے ہیں۔''

''اور یہ نوجوان شخص کیا بولتا ہے جو حسن و جمال میں بے مثال ہے اور جسے دیکھ کر ہمارا ذہن جھٹکنے لگا ہے۔'' اس نے سادان کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

''میں اس کا ترجمان ہوں۔ یہ جو کچھ کہے گا' وہ مختصر الفاظ ہوں گے' لیکن میرے ہی جذبات کی ترجمانی کر سکے گا۔''

''گویا تم ان کے ترجمان ہو۔'' حسین ملکہ جس کا حسن ابھی ہماری نظروں سے اوجھل تھا' لیکن اس کی ایک ایک جنبش اظہار کرتی تھی کہ اگر یہ سفید پردہ اس کے چہرے سے ہٹ جائے تو شاید ہم اس کے جمال کی تاب نہ لا سکیں۔ بڑی شان سے اپنے حسین اور مترنم لہجے میں کہا۔

''ہاں...... کیونکہ میرا ساتھی بھی کم گو ہے۔ اس لئے میں اس کا بھی ترجمان ہوں۔''

''لیکن جو لوگ ہماری قلم رو میں آ جاتے ہیں' اور ہمارے لئے اجنبی ہوتے ہیں انہیں سزا دی جاتی ہے۔ کسی کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ ہماری اجازت کے بغیر یہاں داخل ہو' اور تم بھی انہی لوگوں میں سے ہو۔'' ملکہ نے کہا۔

''اگر یہ ملکہ کا قانون ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم دو آدمی' دو کمزور انسان بھلا اس عظیم ہستی کے قانون کو کس طرح توڑ سکتے ہیں۔ ہمارے لئے جو بھی سزا تجویز ہو' ہم اسے قبول کرنے کو تیار ہیں۔''

میرے ان الفاظ پر آنکھیں مسکرائیں' ہونٹوں کی مسکراہٹ کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ سفید پردہ میں چھپے ہوئے تھے۔

ملکہ نے ایک ہاتھ اٹھایا اور مجھے اور سادان کو ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ قرینہ سے ایک پلنگ بچھا ہوا تھا۔ سامنے ہی میز پر کوئی پھل نما چیز رکھی ہوئی تھی۔ پلنگ کے پائنتی سنگ مرمر کے ایک بہت ہی خوشنما پیالے میں پانی بھرا ہوا تھا۔ جس کے اطراف میں تین چراغ جل رہے تھے۔ تمام کمرہ خوشبو سے مہک رہا تھا۔ خدا جانے وہ خوشبو ملکہ کے بالوں اور کپڑوں سے نکل رہی تھی یا کہیں پھول

لگے ہوئے تھے‘ مجھے پتہ نہیں چل سکا۔ غرض ہم اس کے اشارے پر پلنگ پر بیٹھ گئے۔

’’ہر چند کہ ہمارا قانون یہ ہی ہے کہ ہم اجنبی لوگوں کو ختم کر دیں لیکن تم تعاون کرنے والے ہو‘ شیریں بیان ہو‘ اور پھر یہ شخص نجانے کیوں ذہن کے راستے اتر کر دل کی گہرائیوں میں پہنچ جاتا ہے۔ میں تم لوگوں کو زندہ رکھنا چاہتی ہوں‘ لیکن شرط یہ ہی ہوگی کہ میری معلومات میں اضافہ کرو۔‘‘

’’ملکہ عالیہ! ہم تیرے ہر حکم کی تعمیل کرنے کیلئے تیار ہیں۔‘‘

’’تمہاری دنیا جسے تم تہذیب کی دنیا کہتے ہو وہ کیسی ہے؟‘‘

’’بہت عمدہ...... بہت دلکش۔ بہت حسین‘ جدید ترین طرز زندگی سے آراستہ۔‘‘

’’سنا ہے وہاں کی زندگی بہت تیز ہوگئی ہے۔ انسان نے سائنس کے نام پر ایسا جادو ایجاد کر لیا ہے جو قدیم جادو سے قدرے مختلف ہے۔‘‘

’’اس میں کوئی شک نہیں‘ ملکہ عالیہ! یہ سب ہنر کے جادو ہیں۔ طلسمی لفظوں سے حالات کو دسترس میں نہیں لیا جا سکا بلکہ علم کے ہاتھ پاؤں اس جادو کو حاصل کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔‘‘

’’خوب...... خوب۔ گویا اب جادو اتنا عام ہو گیا ہے کہ ہر شخص اسے حاصل کر سکتا ہے۔‘‘

’’ہاں ہماری دنیا میں جو جادو ہے‘ وہ یہی ہے۔ ہم ہنر سیکھتے ہیں‘ اس ہنر سے ہم سمندری گہرائیوں میں سفر کر سکتے ہیں‘ ہواؤں کے دوش پر اڑ سکتے ہیں‘ اپنی آواز میلوں دور پہنچا سکتے ہیں‘ اور دوسرے کی سن سکتے ہیں۔ غرض کہ ضروریات زندگی کی تمام سہولتیں اور آسائشیں اس جادو نے ہمیں مہیا کر دی ہیں‘ اور اس ہنر کو ہم نئی تہذیب کا جادو کہتے ہیں۔‘‘

’’لیکن یہ ہنر سیکھنے کیلئے تو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ کیا ایک انسان تمام ہنر میں طاق ہو سکتا ہے؟‘‘

’’نہیں ہر شخص ایک الگ ہنر کا ماہر ہوتا ہے‘ اور وہ جو کچھ جانتا ہے‘ وہی کچھ کرتا ہے۔ دوسرا جادوگر دوسرے ہنر سے کام لیتا ہے۔ اس طرح یہ ہنر کے جادو مشترکہ طور پر اپنا وقت گزار رہے ہیں۔‘‘

’’ویسے یہ بات مجھے پسند آئی۔ نجانے کیوں بارہا میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں تہذیب کی نئی دنیا دیکھوں‘ لیکن کیا کروں یہاں اپنے ماحول میں اپنے حالات میں اس طرح گھری ہوئی ہوں کہ یہاں سے نکلنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔‘‘ ملکہ نے کہا۔

’’تہذیب کی دنیا کا ہر ہنر بہت عظیم ہے۔ ملکہ اگر آپ اسے دیکھیں گی تو آپ کا دل باغ باغ ہو جائے گا۔‘‘

’’مگر کیسے؟ یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ آہ! یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ میں ان پہاڑوں کی حکمران ہوں‘ لیکن اگر تم یقین کرو تو شاید...... میں یہ کہنا حق بجانب سمجھتی ہوں کہ میں ان

پہاڑوں کی قیدی ہوں۔ میں یہاں اس طرح محصور ہوں کہ یہاں سے نکلنے کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ حالانکہ میں آزاد ہوں‘ اگر میں چاہوں تو یہ سب کچھ چھوڑ کر جا سکتی ہوں لیکن یہ بھی میرے لئے ناممکن ہے۔‘‘ ملکہ کی آواز میں ایک ہلکی سی اداسی پیدا ہوگئی تھی۔ میں اور ساداں معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

نجانے ساداں کو کیا سوجھی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر چند قدم آگے بڑھا اور اس کے روبرو پہنچ گیا۔ ملکہ کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت لہرا گئی تھی۔ وہ ساداں کو برق پاش نگاہوں سے دیکھ رہی تھی‘ اور پھر شاید اس کی آنکھوں میں مسکراہٹ پھیل گئی۔

’’کیا بات ہے جوان تم کھڑے کیوں ہو گئے؟‘‘

’’میں تمہیں پیشکش کرنا چاہتا ہوں‘ ملکہ عالیہ! تم اگر چاہو تو میرے ساتھ میری دنیا کی سیر کرو۔ میں تمہیں وہاں اپنے معزز مہمان کی حیثیت سے خوش آمدید کہوں گا۔‘‘ ملکہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی‘ پھر اس نے کہا۔

’’صدیوں کے تجربے نے مجھے بتایا ہے کہ کبھی کسی انسان پر بھروسہ کرنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہے۔ مجھے کیا معلوم تو کون ہے؟ یہاں کیسے آیا؟ ہر چند کہ تیرا چہرہ بتاتا ہے کہ تو بات ذہنی اور دل کا وسیع ہے‘ لیکن بہر طور میں اپنی اسی دنیا میں زیادہ مطمئن اور مضبوط ہوں‘ اور پھر میری زندگی...... میری طویل ترین زندگی کیلئے کچھ ایسی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جو کہیں اور نہیں مل سکتیں۔ یا مل سکتی ہیں تو انہیں تعمیر کرنے میں بہت ہی وقت درکار ہوگا‘ پھر بھلا یہ دنیا میں کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔‘‘

’’میزبانوں پر بھروسہ کرنا۔ جس چیز کی بھی تمہیں ضرورت ہوگی تمہیں مہیا کی جائے گی۔‘‘

ساداں نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ساداں اپنی منزل تک پہنچ چکا تھا‘ لیکن وہ جذباتی نوجوان ہوتا یا عقل و خرد سے عاری ہوتا تو خونی ملکہ کو دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑتا۔ جو اصل میں دیوی ہی تھی‘ اور اس خون آشام دیوی کے قہر کا شکار ہوتا‘ لیکن ساداں چالاکی سے کام لے رہا تھا اور اپنے چہرے پر ایسے آثار پیدا کر رہا تھا‘ جیسے وہ دیوی کا دیوانہ ہو گیا ہو اور شاید ملکہ بھی اس بات کو محسوس کر رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’بے شک تیری یہ پیشکش مخلصانہ ہے اور اس کا جواب نہ دینا سیا سی ہے لیکن تو نہیں جانتا کہ میرے اپنے کیا مسائل ہیں۔ میں تجھے بتاؤں گی......‘‘ اس نے کہا اور دفعتاً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی‘ پھر وہ اس پیالے کے پاس جا کھڑی ہوئی جو پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے اپنے لباس کا سایہ پانی پر ڈالا اور یکایک پانی پر ایک سیاہی سی دوڑ گئی‘ پھر وہ صاف ہو گیا۔ ہم دور ہی سے دیکھ سکتے تھے کہ اس پانی میں مٹی مٹی سے تصویریں نظر آنے لگیں‘ پھر ہلکا ہلکا شور ابھرنے لگا اور ہماری آنکھیں پھیل سی گئیں۔ یہ میدان کارزار تھا۔ وحشی قبیلے ایک دوسرے سے جنگ آزما تھے۔ بستیاں جل رہی تھیں۔

آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ چیخ و پکار ابھر رہی تھی اور عجیب شور شرابا ہو رہا تھا۔ جنگ کے اس منظر کو دیکھ کر ہم دم بخود رہ گئے۔

"یہ کیا ہے؟" سادان نے سوال کیا۔ ملکہ کی آنکھوں میں تفکر کے سائے لہرا گئے۔ وہ غور سے اس جنگ کو دیکھتی رہی پھر بولی۔

"وہ ناعاقبت اندیش جو ہمیشہ میری تباہی کا خواب دیکھتے رہے ہیں' اب انہوں نے میرے خلاف ہتھیار اٹھا لئے ہیں' اور میں ان لوگوں کو چھوٹ دے چکی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ قبیلے جنگ کریں گے' تباہ ہو جائیں گے ان میں سے چند بچیں گے اور میں انہیں آسانی سے قید کر لوں گی' اور ایک بار پھر وہ میرے ہی عبادت گزار ہوں گے۔ موت آئی ہے ان سب کی۔ اپنی قوت کم کر رہے ہیں تو اس سے مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں تو یونہی زندہ رہوں گی اور یونہی زندہ رہنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ...... یہ سب تمہارے لئے جنگ کر رہے ہیں۔"

"ہاں...... کچھ میرے لئے اور کچھ میرے خلاف۔ یہ ان چند ایسے ناعاقبت اندیشوں کی کارروائی ہے جو صرف ان قبائل کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ میرے جادو کے سامنے وہ نہیں ٹک سکتے اور بالآخر انہیں موت کا شکار ہونا پڑے گا۔ سادان چند لمحات سوچتا رہا پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"مجھے افسوس ہے' لیکن اگر تم مہذب دنیا میں نہ جا سکیں تو پھر ہم بھی وہاں نہیں جائیں گے۔ کیا یہ ممکن ہے تم اپنی قلم رو' اپنی اس عظیم دنیا میں ہمیں بھی تھوڑی سی جگہ دے دو۔" ملکہ مسکرا دی۔ اس نے آہستہ سے آگے بڑھ کر سادان کا ہاتھ پکڑا اور دھیمے لہجے میں بولی۔

"کیا کرے گا تو یہاں رہ کر۔ تو اتنا حسین ہے کہ دیکھ کر پیار آ جائے۔ ہم اگر اپنی منزل سے بھٹک گئے تو...... تو ہمارے لئے تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔"

"نہیں...... میں اپنے دل کی بات ازراہ کرم تم سے نہیں کہہ سکتا لیکن میری آرزو ہے کہ میں تمہارا اصلی چہرہ دیکھوں۔"

"تجھے اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ دم کے دم میں تو چلا جائے گا' اور اس کے بعد میرے اور تیرے درمیان ذہنی رشتے بڑھ گئے تو پھر میں پریشان رہوں گی۔ میں خود نہیں چاہتی کہ میں پریشان رہوں یا پھر تمہیں پریشان کروں۔" ملکہ کے لہجے میں عجیب سا اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ سادان اسے دیکھتا رہا' پھر وہ مایوسی کے عالم میں بولا۔

"یہ میری آرزو تھی۔ میرے دل میں یہ خواہش بیدار ہوئی تھی۔ اگر یہ آرزو پوری نہ ہو سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ظاہر ہے میری حیثیت یہاں معزز مہمان کی سی نہیں ہے۔" سادان کے الفاظ سن کر ملکہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ سے بولی۔

"نہیں تیرے حسن و جمال نے تجھے ایک معزز مہمان کی حیثیت بخش دی ہے۔ ہم تجھے اپنی

قلم رو میں خوش آمدید کہتے ہیں' لیکن بس ہم ایک بات سے پریشان ہیں۔"

"کیا؟" سادان نے سوال کیا۔

"ہمارا جادو ہمیں آنے والے ہر لمحے کے بارے میں بتا دیا کرتا ہے۔ ہم دور سے انہیں دیکھ لیتے ہیں جن کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں' لیکن جب بھی ہم نے تیرے بارے میں اپنے اس جادو کو آواز دی' اس میں کچھ نہیں ہوتا۔ آؤ ہم تمہیں اس کا عملی مظاہرہ کر کے بتائیں۔" ملکہ نے سادان کو پانی کے اس پیالے کے پاس بلایا اور پھر اس پر طرح طرح کے مناظر سادان کو دکھاتی رہی پھر بولی۔

"یہ وہ خیالات ہیں' جو ہمارے ذہن میں رہتے ہیں اور ہمارا علم اس کا جواب اس تصویر کی شکل میں اس پانی میں پیش کر دیتا ہے لیکن ہم تیرے بارے میں سوچتے ہیں۔ تو کون ہے' کہاں سے آیا ہے اور دیکھ اس پیالے میں کوئی تحریک پیدا نہیں ہوئی۔ تیرے اندر کون سا طلسم ہے؟ جو ہمارے علم کو ساکت کر دیتا ہے۔ ہم تجھے اس میں تلاش نہیں کر پائے اور یہی احساس ہمارے ذہن میں ہے۔"

"میں خود تیرے حضور موجود ہوں' ملکہ میرے بارے میں جو سوال کرنا ہے مجھ سے کر۔ میں نہیں جانتا میرے بارے میں تیرا علم خاموش کیوں ہے' لیکن میری زبان تو تیرے لئے خاموش نہیں ہے۔"

سادان کے الفاظ پر دیوی مسکرا دی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور ہاتھ پیچھے کر کے پہلے اپنے سر کا بندھن کھولا اور دم کے دم میں نقاب یا وہ پورا برقعہ نیچے آ گیا۔ بجلی سی چمک گئی تھی۔ پلکیں جھپک گئی تھیں۔ حسن و جمال کا ایسا پیکر جو تصور میں بھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ وہ اس زمین کی سب سے حسین تر مخلوق تھی۔ عورت کے حسن کا تصور جہاں تک انسانی ذہن کی کائنات میں پوشیدہ ہو سکتا ہے وہ سب مجسم تھا۔ عضو عضو نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا' حسن و جمال کے اس پیکر کا کوئی نقش ایسا نہ تھا جو اپنی جگہ بے مثال نہ ہو۔"

سادان مبہوت ہو گیا تھا' اور میں جو عمر کی اس منزل میں پہنچ چکا تھا جہاں اب پیکر نسوانیت مجھے شکست نہیں دے سکتے تھے۔ ساکت و جامد کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس حسن و جمال کی تعریف کی جائے یا خاموشی اختیار کی جائے۔

سادان بے خودی کے عالم میں دو قدم آگے بڑھا اور اس کے روبرو پہنچ گیا۔ حسین ملکہ کی آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ تم لوگ میرے حسن کی تاب نہ لا سکو گے۔ تاہم خود کو سنبھالو۔ یہ سب کچھ میں نے تمہاری خواہش اور تمہاری فرمائش پر کیا ہے۔ جبکہ میں ایسا کسی کے سامنے نہیں کرتی۔ میں جانتی ہوں کہ چشم انسانی میرے حسن و جمال کی تاب لانے سے قاصر ہے۔"

"اور تیرا یہ حسن ہزارہا برس سے قائم ہے؟" سادان نے سوال کیا۔

''ہاں...... میں سورج کی بیٹی ہوں۔ سورج سے براہ راست زندگی حاصل کرتی ہوں اور زندگی حاصل کرنے کا یہ نسخہ مجھے میرے علم نے دیا ہے۔ تم لوگ نمود کائنات پر غور کرو۔ چاند ستارے' ہوائیں' بادل' پانی' سورج یہ سب مرکب ہو کر انسانی شکل وصورت اختیار کر گئے۔ حیات اور ممات کا سلسلہ ان ہی سے منسلک ہے۔ اگر ہم انسانی بدن کو روز اول سے ان تمام چیزوں کے حصول کا عادی بنا لیں تو پھر انسانی جسم فنا نہیں ہوتا۔ ہر چند کہ یہ تصور دنیا کی تمام قوموں کیلئے باطل ہے۔ لیکن چونکہ اس کا تجربہ کبھی کوئی نہ کر سکا اور تجربے کیلئے عمر کا وہ پہلا دن چاہیے' جب انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا ہے۔ مجھے کس طرح ان تمام چیزوں کا عادی بنایا گیا اور کس طرح میرے لئے کچھ کیا گیا' یہ ایک طویل کہانی ہے' اور اس کا تعلق تم لوگوں سے نہیں ہے' اور نہ ہی تمہیں اس سے کوئی دلچسپی ہوگی' لیکن یہ سب ہوا اور میں یہ بن گئی' اور اب بھی جب مجھے کوئی خامی اپنے بدن میں محسوس ہونے لگتی ہے تو ایک ماہ تک میں یہ علم دہراتی ہوں اور پھر ایک طویل زندگی میری ہمرکاب ہو جاتی ہے۔''

''اس دوران آپ کی زندگی گونا گوں واقعات سے دوچار ہوتی رہی ہوگی۔''

''نہ ہوتی تو شاید مجھے زندگی کی اس طوالت میں دلکشی نہ محسوس ہوتی۔ بدلتے ہوئے حالات ہی تو زندگی کو تحریک دیتے ہیں اور یہ تحریک اسے زندگی عطا کرتی ہے۔ میں نے یہ سب کچھ تمہیں بتا دیا لیکن مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میری زندگی اور موت میری اپنی تحویل میں ہیں۔ میں جب تک چاہوں زندہ رہ سکتی ہوں اور جب میں موت کو اپنانا چاہوں تو بھی میرے لئے مشکل نہ ہوگی۔''

''گویا یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ میں نے زندگی اور موت دونوں پر قابو پا لیا۔'' سادان کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

غالباً اب وہ اس کے سحر سے نکل گیا تھا اور اپنے اس مشن کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اس کی زندگی کا سب سے اہم مشن تھا۔ اس اہم مشن کیلئے اس کے آباؤ اجداد اسے مجبور کرتے رہے تھے اور انہوں نے اس کی یہاں تک رہنمائی کی تھی۔ تب ملکہ نے کہا۔

''بہر طور معزز مہمانو! تمہاری آمد سے مجھے مسرت ہوئی۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہیں اس وسیع کائنات کا ایک ایک چپہ دکھاؤں۔ میں بتاؤں کہ میں نے اپنی زندگی کو یہ طول دینے کیلئے کیا کیا ذرائع اختیار کئے ہیں۔ کیا تم یہ دیکھنا پسند کرو گے۔''

''دل و جان سے۔ ہمیں تمہاری اس دنیا میں آ کر عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔ لگتا نہیں ہے کہ اس دنیا کا تعلق ہماری دنیا سے ہے۔'' سادان نے سنبھل کر کہا اور دیوی مسکرانے لگی' پھر بولی۔

''حسین نوجوان! میں نے اپنی زندگی میں بہت کم لوگوں کو چاہا ہے۔ میں نے خود کو خواہشات کی ان ناپاک رسیوں سے آزاد کر رکھا ہے' جو انسان کے بدن کو جکڑ دیتی ہیں اور پھر وہ انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے' لیکن ایسا نہیں کہ میرے دل میں آرزو ہی نہ پیدا ہوتی ہو۔ صدیوں پہلے میرے دل...... میں کوئی آ بیٹھا تھا' لیکن اس کی کیفیت ایسی تھی کہ میں اسے اپنا نہیں سکتی تھی' اور میں

نے اس کے بدن کو فنا کر دیا۔ اس کے فنا کے بعد میں آج تک دکھوں کا شکار ہوں۔ وہ مجھے اکثر یاد آتا رہتا ہے' لیکن تمہیں دیکھ کر مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید یہ کمی پوری ہو سکے۔'' سادان نے گردن جھکا لی۔ ملکہ چونک کر بولی۔

''اب میں تمہارے آرام کا انتظام کر دوں۔ میں تمہیں اپنی کائنات کی سیر کیلئے لے جاؤں گی۔ سکون سے رہو اور یہ سمجھو کہ تم اچھے میزبانوں کے درمیان ہو۔ میں نے تمہیں پسند کر لیا ہے۔ بس تمہاری تقدیر کی خوبی کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس نے ایک تالی بجائی۔ تالی بجانے سے قبل اس نے وہ برقعہ اپنے جسم پر پہن لیا تھا اور پھر چند خادمائیں حاضر ہو گئیں' اور ملکہ نے انہیں چند ہدایات دیں' اور انہوں نے گردن خم کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمیں ایک خوبصورت اور پرسکون عیش گاہ میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں زندگی کی آسائشیں گونا گوں بھری ہوئی تھیں۔ ایک بہت ہی وسیع و عریض غار تھا۔ جس کو دنیا کی حسین ترین چیزوں سے سجا دیا گیا تھا۔ ان چیزوں سے' جن کی طلب دنیا والے خواب کے عالم میں کرتے ہیں اور انہیں پا نہیں سکتے۔

تمام ضروریات سے فارغ ہو کر میں اور سادان سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ سادان نے سرگوشی کے عالم میں کہا۔

''چچا جان! کیا سوچا' کیا دیکھا اور کیا محسوس کیا؟''

''کہانیوں کی باتیں سچ ثابت ہو رہی ہیں۔ سادان اس سے قبل اپنی دنیا میں' اپنے وطن میں' اپنے بچپن میں اور پھر ہوش وحواس کے عالم میں بھی میں نے ایسی کہانیاں سنی تھیں' اور انہیں بچوں کو بہلانے کا سامان سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ ظاہر ہے بچے ہی ایسی پرلطف کہانیوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ بڑی عمر ہونے کے بعد ان تمام چیزوں کا تصور ذہن سے نکل جاتا ہے' لیکن آج یہ محسوس ہوا کہ کسی چیز کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے اور ہر چیز کا وجود ہوتا ہے۔ سو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے' چچا جان! لیکن میں اپنے دشمن کے سامنے پہنچ چکا ہوں اور میرے سامنے کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔''

''میں تو خوفزدہ تھا سادان تمہاری طرف سے۔''

''کیوں چچا جان۔'' ساوان نے پوچھا۔

''معاف کرنا ساوان! میرے ان الفاظ کو اپنی توہین محسوس نہ کرنا۔ جوانی کی یہ عمر تمام جذباتی بندھنوں سے آزاد ہوتی ہے۔ ایک لغزش مجنوں کو ساری زندگی صحرا میں بھٹکا سکتی ہے۔ ایک نظر فرہاد کیلئے زندگی کا آخری پیغام لے آتی ہے۔ حسن ایسی ہی چیز ہے' ایسی ہی بے مثال شے ہے۔ یہ نامراد انسان کو بھٹکا دیتا ہے۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں تم اس دیوی کی باتوں میں آ کر بھٹک ہی نہ جاؤ۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے چچا جان! کہ وہ حسن و جمال میں یکتا ہے' اور اگر وہ یہ سب کچھ نہ ہوتی تو میں شاید اس کی آرزو میں زندگی کا آخری سانس بھی صرف کر دیتا' لیکن میں اس بات کو نہیں بھول سکتا کہ میرے آباؤ اجداد کی روحیں ایک محور پر میری منتظر ہیں۔ وہ میری کارروائیوں کا انتظار کر رہی ہیں اور میں جو ان سے ہوں' اور جو مجھ سے ہیں' اور جنہوں نے میری تخلیق میں ہر طرح تعاون کیا' وہ میرے لئے محترم ہیں' میری اپنی خواہشات سے۔ میری خواہشات تو یہی کہتی ہیں کہ میں دنیا کی ہر شے بھول کر اس کے قدموں میں زندگی کے آخری سانس بھی گزار دوں' لیکن میرا فرض کہتا ہے کہ وہ ان کی دشمن ہے' جو میرے اپنے تھے' اور جس کے ذریعے انہیں اذیت و تکالیف کا سامنا کرنا پڑا' اور زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ مجھے ان کا انتقام لینا ہے۔

چنانچہ چچا جان! میں نے فیصلہ کیا کہ میں اس سے انتقام لوں گا۔ اب جب کہ تقدیر نے مجھے اس تک پہنچا ہی دیا ہے تو پھر کیا حرج ہے کہ ہم اس کو فنا کر کے یہاں سے چلیں۔''

''گویا تم اپنے ارادے میں مضبوط ہو؟''

''چٹانوں سے زیادہ۔ مجھے متزلزل کرنے کیلئے بس وہ چند لمحات کافی تھے' جب میں نے پہلی بار اس کی شکل دیکھی تھی...... لیکن اب جب کہ میں ان لمحات سے گزر چکا ہوں اور اپنے فیصلے پر اٹل ہوں تو یوں سمجھ لیں کہ اب دنیا کی کوئی طاقت مجھے میرے اس فیصلے سے نہیں ہٹا سکتی۔''

''زندہ باد ساوان! زندہ باد۔ میں نے غلط فیصلہ نہیں کیا تھا۔ ہاں اگر تم اس کے حسن و جمال کا شکار ہو کر اپنا مشن بھول جاتے تو یقین کرو کہ مجھے یہاں تک آنے اور اپنی زندگی ضائع ہونے کا شدید رنج ہوتا۔'' ساوان مسکرانے لگا' پھر اس نے کہا۔

''سوال یہ ہے چچا جان! کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

''وہ تم سے بہت متاثر ہو گئی ہے۔ وہ تمہیں اپنا کچھ بنانا چاہتی ہے۔ اسے یہی راستہ دکھاتے رہو اور خود کو اس کیلئے موم کر لو' اور پھر جس وقت وہ تمہیں یہاں سے لے کر اپنے طلسم کدے میں جائے' جہاں وہ زندگی پاتی ہے تو تم مجھے بھی ساتھ رکھنا۔ اس بات کی خواہش اس سے ظاہر کرنا کہ میرا تمہارے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ وہاں چل کر ہم وہ تمام چیزیں دیکھیں گے اور پھر انہیں میں سے اپنے لئے کوئی صحیح راستہ منتخب کر لیں گے۔'' میں نے کہا اور ساوان نے گردن ہلا دی۔

اس وقت کو آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ ان غاروں میں ہماری خاطر و مدارات میں کوئی فروگزاشت نہ اٹھا رکھی گئی تھی۔ ہر طرح کی آسانیاں ہمیں فراہم کر دی گئی تھیں۔ دیوی نے اس دوران ہم سے دوبارہ ملاقات کی تھی۔ ہم پر بہت مہربان تھی' اور خاص طور پر ساوان پر۔ وہ جب بھی اس کی جانب دیکھتی' اس کی آنکھوں میں محبت کے آثار اُمڈ آتے تھے' اور ساوان بھی اس کی محبت کا جواب محبت سے دے رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ دیوی کے ساتھ منافقت برت رہا ہے لیکن بہرصورت یہ ضروری تھا کہ ساوان اسے اپنے مضبوط شکنجے میں جکڑ لیتا۔ بالآخر ایک صبح دیوی نے اعلان کیا کہ آج وہ اپنی اس عیش گاہ کی جانب سفر کرنے والی ہے' جہاں سے وہ زندگی پاتی ہے۔ ساوان کو وہ اپنی اس عیش گاہ میں لے جا کر نجانے کیا دینا چاہتی تھی۔ بہرطور اس کیلئے اس نے ساوان سے خصوصی قسم کی گفتگو کی تھی۔ جسے بتاتے ہوئے بعد میں ساوان نے مجھ سے کہا۔

''چچا جان! یوں لگتا ہے کہ صورتحال ہمارے حق میں بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ ملکہ عالیہ! مجھ پر بے حد مہربان ہیں اور شاید مجھے بھی ابدیت بخشنا چاہتی ہیں تاکہ زندگی بھر کیلئے وہ مجھے اپنا ساتھی بنا لیں۔''

''آہ......! ساوان! یہ سب کچھ تو ہے' لیکن تمہیں بڑی ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔ کہیں یوں نہ ہو کہ ہم جس مقصد کیلئے آئے تھے وہ تو پیچھے رہ جائے اور ایک دوسرا مرحلہ ہماری زندگی میں شروع ہو جائے۔''

''نہیں چچا جان! میرا خیال ہے اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ آپ خدا کی ذات سے مطمئن رہیں۔ میں صرف اپنا مقصد پورا کرنے کیلئے یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔ ورنہ مجھے ہمیشہ یہ احساس کھاتا رہتا ہے کہ یہ وہی عورت ہے' جس سے مجھے انتقام لینا ہے۔'' ساوان بولا۔

''اور اس احساس کو اپنے ذہن پر تمام احساسات سے برتر رکھنا' اسی میں ہماری نجات ہے۔'' میں نے کہا۔

دیوی چلنے کیلئے تیار ہو گئی۔ اس کی دو خادمائیں تھیں' جنہوں نے ہمیں اطلاع دی کہ اب ہم سب تیار ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس سفر کا آغاز کر لیا۔ حسین دیوی ہمارے ساتھ تھی۔ ہم ایک لمبی سرنگ سے گزر کر آگے بڑھ گئے۔ میں اور ساوان اس کے پیچھے پیچھے تھے اور وہ حسن و جمال کا پیکر اسی لباس میں ملبوس ہمارے آگے آگے چل رہی تھی' لیکن جن راستوں سے وہ گزر رہی تھی وہاں سے شاید کسی دوسرے کے گزرنے کا امکان نہیں تھا کیونکہ اس نے اپنا چہرہ کھولا ہوا تھا۔

نجانے یہ سفر کتنا لمبا تھا۔ ہم اس کے ساتھ ساتھ پہاڑ کی چڑھائی چڑھ رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اس نازک اندام حسینہ کو اس پہاڑ پر چڑھنے میں خاصی دقت ہو گی لیکن مجھے تعجب ہوا کہ وہی سب سے آگے آگے نہایت آسانی کے ساتھ چڑھتی جا رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ہوائیں اس کی مدد کر رہی ہوں' اور اسے اس کے سفر میں نہایت آسانیاں فراہم کر رہی ہوں۔ جبکہ اس خوفناک پہاڑی کو

دیکھ کر ہمیں بڑی وحشت ہو رہی تھی۔ تاہم سفر کے دوران اس بات کا اندازہ ہوا کہ وہ اتنی دشوار گزار نہیں تھی۔ بس بعض جگہیں تو ایسی خطرناک تھیں کہ ذرا سا پیر پھسلنے سے آدمی کی ہڈیاں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں۔ کوئی پچاس ساٹھ فٹ کی بلندی پر پہنچنے کے بعد ہمیں ایک ایسا درہ ملا جو کافی تنگ تھا لیکن جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جا رہے تھے' درہ کشادہ اور ڈھلوان ہوتا جاتا تھا۔

یہاں تک کہ آگے پہنچ کر وہ بہت کم رہ گیا' پھر چٹان کا ایک گھونگھٹ ملا' جس نے ہمیں بالکل ہی چھپا لیا۔ اس کے بعد راستہ ہموار تھا اور ایک وسیع و عریض سرنگ پر ختم ہو جاتا تھا جو اس درے اور راستے کی طرح قدرتی تھی۔

میرے نزدیک کسی زمانے میں آتش فشاں نے یہاں کی چٹان اڑا کر یہ سرنگ بنائی ہو گی۔ اس سرنگ کا بے ترتیب راستہ ہی اس کے قدرتی ہونے کا شاہد تھا۔ دوسری طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی' لیکن دیوی نے سارے انتظام کیے ہوئے تھے۔ اس نے وہ مشعلیں نکالیں جو اس غار کے پاس ہی کہیں موجود تھیں اور پھر چقماق سے انہیں روشن کر دیا۔ اس نے دو مشعلیں ہمارے ہاتھوں میں تھما دیں اور ایک خود لی' اور آگے آگے سرنگ میں داخل ہو گئی۔ اندر راستہ بہت اونچا نیچا تھا۔ اس لئے ہمیں بڑی احتیاط سے چلنا پڑا اور شاید آدھے گھنٹے میں ہم نے بمشکل فرلانگ کا فاصلہ طے کیا۔

تھوڑی دیر کیلئے ٹھہرے۔ اسی وقت ہوا کے ایک تیز جھونکے نے ہمارے ہاتھوں میں تھمی مشعلوں کو گل کر دیا۔ تاریکی ایسی خوفناک تھی کہ ہوش اڑے جا رہے تھے۔ اسی وقت دیوی کی آواز سنائی دی۔ وہ چونکہ آگے نکل گئی تھی اس لئے ہمیں اپنے پاس بلا رہی تھی۔ ہم ٹٹولتے ہوئے اس تک پہنچ گئے۔ اس نے چقماق سے آگ جھاڑی اور بمشکل تمام مشعلیں پھر روشن ہو گئیں۔ دو چار قدم ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ ہمیں ایک خوفناک چیز نظر آئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ آتش فشاں نے اپنے زور میں ایک اور کھڈ اس طرح سے بنایا تھا کہ ایک پہاڑ میں نجانے کس طرح ایک چٹان الجھ کر رہ گئی تھی اور اس کے اطراف خالی تھی۔ اطراف کی گہرائیاں اس قدر تھیں کہ بصارت کی وہاں تک پہنچ ناممکن تھی۔ ہم اندازہ نہیں لگا سکتے تھے کہ اس کھڈ کا اختتام نجانے کہاں اور کس طرح ہوتا ہے؟

میں شدت خوف سے لرز کر رہ گیا تھا۔ یہ معلق چٹان اگر یہاں نہ ہوتی تو آگے جانے کا راستہ منقطع تھا' لیکن اس چٹان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کی مضبوطی کہاں تک ہے۔ ممکن ہے ہمارے وزن سے وہ نیچے چلی جائے۔ اسی وقت دیوی کی آواز سنائی دی۔

''ایک ایک قدم احتیاط سے آنا ہو گا۔ ہوا ابھی تیز ہے' ایسا نہ ہو کہ تیز جھونکا تم میں سے کسی کو لے جائے۔ ذرا سا قدم ادھر ادھر ہوا تو تم گہرائیوں میں جا پڑو گے۔ ان گہرائیوں کی کوئی اتھاہ نہیں ہے۔'' اول تو راستہ ہی کون سا صاف اور سیدھا تھا۔ اس پر اس کے ان الفاظ نے یہ اثر کیا کہ ڈر کے مارے بدن پر تھرتھری طاری ہو گئی۔ میں نے تو دونوں ہاتھ پیروں سے چلنا شروع کر دیا۔

البتہ سادان وزن سنبھال کر چل رہا تھا' اور وہ شعلۂ جوالہ ہم سے آگے تھی۔ ہوا کا کوئی جھونکا

آتے دیکھتی تو ذرا سا جھک جاتی ورنہ بے خوف و خطر سینہ تانے اڑی چلی جا رہی تھی۔ ہم اس کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس لئے اسے مجبوراً تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رک کر ہمارا انتظار کرنا پڑ رہا تھا۔ ہم تھوڑی ہی دور آگے بڑھے ہوں گے کہ ایک جھونکا آیا۔

میں تو وہیں زمین پر لیٹ گیا اور سادان بھی' البتہ دیوی کھڑی رہی اور بہت ہی احتیاط سے اپنے آپ کو ہوا کے جھونکے سے بچا لیا۔ بہر طور خدا خدا کر کے اس خوفناک چٹان کا خاتمہ ہوا اور ایک نئی مصیبت سامنے آ گئی۔ چٹان کے منہ پر ایک خوفناک غار منہ پھاڑے کھڑا تھا۔ جہاں تک میرا قیاس کام کرتا ہے' اس غار کی گہرائی کا کوئی اندازہ ہی نہ تھا۔ اندھیرے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ غار کتنا چوڑا ہے اور اس کے اطراف میں کیا ہے۔ بغور دیکھنے سے کسی چیز کا وجود تو معلوم ہوتا تھا مگر نامعلوم کیا تھا۔ بہرحال دیوی نے مشعل ایک سوراخ میں نصب کر دی اور مسکراتے ہوئے ہماری طرف دیکھنے لگی۔

''اب ذرا سا یہاں ستا لو۔ تھوڑی دیر بعد روشنی ہو جائے گی۔'' ہم لوگوں کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس بحرظلمات میں روشنی کہاں سے آئے گی۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتاً تیز دھوپ نے اس جگہ کو روشن کر دیا۔ ہماری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ دھوپ کہاں سے آ گئی؟

بہرحال یہ ہی فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ ممکن ہے اس پہاڑ میں کوئی شگاف ہو اور سورج کی روشنی وہاں سے اندر داخل ہونے کا انتظام ہو۔ ورنہ وہ اس اعتماد سے روشنی ہونے کے بارے میں نہ بتاتی۔ ہمارے سامنے تقریباً تین گز چوڑا غار تھا' جسے عبور کرنے کا کوئی حل نہیں تھا۔ اس کی گہرائی بھی نامعلوم تھی۔ ہم نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی۔

اسی وقت دیوی نے ایک تختے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''یہ پل کا کام دے گا۔'' اور پھر وہ آگے بڑھ گئی۔

''یہ تختہ......!'' میرے حلق سے گھٹی گھٹی آواز ابھری اور سادان کے حلق سے قہقہہ نکل گیا۔

سادان کے قہقہے کی آواز سن کر دیوی چلتے چلتے رک گئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور مسکرا کر بولی۔

''ایسے لوگ میری بہترین پسند ہوتے ہیں' جو خطرناک ترین حالات میں بھی قہقہے لگا سکتے ہیں۔ شاید تم خوفزدہ ہو۔'' اس بار اس کا تخاطب مجھ سے تھا۔

میں نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بس میں سوچ رہا تھا کہ اس تھوڑے سے ٹکڑے کو طے کرنا کتنا مشکل کام ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ زندگی کا آخری سفر ثابت ہو۔ اس احساس کے ساتھ ہی دل میں ایک اور جذبہ ابھرا۔ زندگی کا آخری سفر تو کہیں بھی ہو سکتا ہے۔ ان غاروں کی' کسی عالیشان بنگلے کے عالیشان بیڈروم میں یا پھر کہیں بھی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

بہرصورت دیوی نے اپنے ہاتھ سے وہ تختہ درست کیا اور اس پر چڑھ کر اپنے وزن کو تولنے

لگی' پھر بولی۔

''معلوم ہوتا ہے کسی پتھر نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے۔ پہلے جب میں یہاں آئی تھی تو یہ صورت نہیں تھی۔ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ چٹان ہمارے بوجھ سے نیچے نہ گر پڑے۔ پہلے مجھے جانے دو میں اندازہ لگا لوں گی۔''

ہم نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا اور وہ تختے پر چڑھ کر دوسری طرف بڑھ گئی۔

تاریکی کافی تھی۔ روشنی معدوم ہو چکی تھی' جس نے تھوڑی دیر کیلئے اس غار کو روشن کر دیا تھا۔

دیوی کے بعد سادان اس تختے پر چڑھ گیا اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

میرا وزن کافی زیادہ تھا۔ بھاری بھرکم بدن سے مجھے بہت نفرت تھی۔ خاص طور سے اس وقت جب یہ موقع آ گیا تھا۔ یہ بھاری بدن مجھے بہت گراں گزر رہا تھا۔ بالآخر میں نے بھی تختے پر چڑھنا شروع کر دیا' اور میری جان نکلنے لگی۔

تختہ جھک رہا تھا۔

اور بلاشبہ میرا بوجھ اٹھانا اس کیلئے ذرا مشکل تھا۔ دفعتاً میں نے اسے اپنے بائیں جانب کھسکتے ہوئے دیکھا اور قریب تھا کہ تختے کا ایک حصہ اپنی جگہ سے اکھڑ جاتا کہ میرے پیر کے نیچے زمین آ گئی۔

اور وہی ہوا۔ زمین پر قدم رکھتے ہوئے میں نے غیر مرئی چٹانوں کو پکڑنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔ تختے کا پل اس جگہ سے ہٹ گیا تھا۔

ایک ہلکی سی آواز سنائی دی اور اس کے بعد پتہ بھی نہ چلا کہ وہ کہاں ہے۔ جیسے ہی میرے قدم زمین پر ٹکے مجھے اطمینان ہو گیا۔

دیوی اور سادان میرے نزدیک ہی موجود تھے۔ انہوں نے پھر ہاتھوں میں پکڑی ہوئی مشعلیں روشن کر لیں' اور اس دھندلی سی روشنی میں مجھے ان دونوں کے چہرے نظر آئے۔ بڑے مطمئن' خوش و خرم تھے۔ گویا کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ سچ ہے جوانی کی عمر اور بڑھاپے کے تجربے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ عورت' جو اس وقت نوجوان نظر آ رہی تھی اگر اپنی روایت کے مطابق ہی ہے تو اس کی عمر تو اتنی تھی کہ اس دور میں کوئی اس عمر پر یقین نہ کرے۔

ہم پھر آگے بڑھنے لگے۔ میں نے احتیاطاً اتنا کیا کہ ان راستوں کا نقشہ اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا۔ اگرچہ بعض اوقات یہ خیال بھی میرے ذہن میں آیا کہ کیوں خوامخواہ ذہن پر زور دیا جائے۔ یہاں سے اب واپسی ممکن ہی نہیں ہے' لیکن مایوسی کے اس خیال کو میں نے خود ہی اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ کیونکہ یہ دنیا کی سب سے خوفناک شے ہوتی ہے۔

آدھا گھنٹہ یا اس سے کچھ کم و بیش چلتے ہوئے گزر گیا۔ قدم اٹھانا اب محال لگ رہے تھے اور تھکن سوار ہو گئی تھی۔

دفعتاً راستہ کشادہ ہونے لگا اور تھوڑی دیر چلنے کے بعد ہم پھر ایک سرنگ کے دہانے پر پہنچ گئے۔ اس سرنگ میں داخل ہو کر ایک تنگ و تاریک ڈھلوان راستہ ملا اور کافی دیر کے بعد یہ راستہ بھی ایک سرنگ پر ختم ہو گیا' لیکن اس سرنگ کے دہانے کے دوسری طرف روشنی تھی۔

لگتا تو یہ ہی تھا کہ ہم زمین کے آخری طبق میں پہنچ گئے ہیں۔ شاید تحت الثریٰ جسے کہا جاتا ہے' وہ یہی ہے۔ ہم اتنی گہرائی میں اتر آئے تھے کہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ زمین کی سطح کہاں ہے۔

یہ آخری غار تھا۔ اس غار میں داخل ہو کر ہم ایک بہت بڑے ہال میں پہنچ گئے۔ ہمارے کانوں میں سنسناہٹیں گونج رہی تھیں۔ غار میں جو روشنی پیدا ہو رہی تھی وہ دوسری سمت بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے آ رہی تھی جو غار کی ایک سمت بنائے گئے تھے۔ اس طرف بجلیاں سی چمک رہی تھیں اور ان میں خوفناک رات کی سی آواز گرجتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ جو اس وسیع و عریض غار میں اور زیادہ گونج رہی تھی۔

کان پھٹے جا رہے تھے' لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ ہم ایک دوسرے کی آوازیں بآسانی سن سکتے تھے۔ یہاں موجود روشنی کی وجہ سے اب یہ مشعلیں بیکار ہو گئی تھیں۔ ہم سب ایک دوسرے کی شکلیں بھی بآسانی دیکھ سکتے تھے۔

رہ رہ کر چمکنے والی بجلیاں میرے لئے بڑی تعجب خیز تھیں۔ ان میں تیز روشنی تھی۔ جیسے سورج کی چمک' جس پر آنکھیں ٹکانا محال ہو جائے۔

دیوی سادان کی طرف مڑی۔

''یہ ہے میری حیات گاہ' اور یہاں سے میں ابدیت حاصل کرتی ہوں۔ دن کا وقت ہے۔ سورج کی روشنی ایک مخصوص...... ذریعے سے قید ہو کر یہاں پر منتقل ہو رہی ہے۔ یہ سوراخ بند ہیں اور ان پر موٹے موٹے شیشے لگے ہوئے ہیں۔ جب میں انہیں کھول دوں گی تو اس ہال میں وہ لطیف حرارت بھر جائے گی جو سورج کا جزو ہے اور میرا بدن اس لطیف حرارت کو محفوظ کر لے گا۔ یہ بے پناہ برقی قوت کا ذخیرہ ہوتی ہے' اور برقی قوت سب کی سب میرے بدن میں پیوست ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد جب رات کی تاریکیاں زمین پر اتر آتی ہیں اور اس کے بعد چاند طلوع ہوتا ہے تو میرا بنایا ہوا یہ طلسم کدہ اسی طرح چاند کی شعاعوں کو خود میں سمیٹ لیتا ہے۔ روشنی ان میں ذخیرہ ہو جاتی ہے اور پھر شیشے ہٹتے ہیں تو میرا بدن خود کو سنہری شعاعوں میں جذب کر لیتا ہے۔ اسی طرح میں نے ہوا اور پانی کی نمی کو ان غاروں میں قید کر لیا ہے اور میرا یہ طلسم کدہ سرچشمہ حیات ہے۔ یہاں سے مجھے ابدیت ملتی ہے اور یہی ابدیت میرے وجود کو ہزاروں سال زندہ رکھے ہوئے ہے۔

سو دنیا کا ہر شخص اسے حاصل نہیں کر سکتا۔ ہاں جسے میں چاہوں اپنا ہم عصر بنا سکتی ہوں۔ تو سن اے جوان شخص! تیرا نام جو کچھ بھی ہو تو میری پسند ہے اور میں نے تجھے اپنے لئے منتخب کیا ہے کہ تو طویل عرصے تک زندگی کی لطافتوں سے ہمکنار ہو' اور میرا ہم عصر رہے' لیکن خبردار احتیاط رکھنا۔ مجھ

سے کسی قسم کی بدعہدی تیری زندگی کا اختتام بن جائے گی' اور میں انہیں کبھی برداشت نہیں کر سکتی جنہوں نے مجھ سے انحراف کیا۔ کیا تو میری ابدی زندگی سے لطف اندوز ہوگا۔ مجھے اس بات کا جواب دے۔''

ساداں ایک لمحے کیلئے سوچ میں ڈوب گیا' پھر اس نے آہستہ سے کہنا شروع کیا۔

''ہاں...... کیوں نہیں۔ تیری جیسی حسین عورت کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور بڑا ہی دلکش ہے۔ بھلا کون کافر ہوگا' جو اس سے منکر ہوگا' لیکن میرا یہ چچا' جسے میں چاہتا ہوں ہمارا ساتھی نہ ہو گا۔''

''نہیں۔ میں تجھ پر ہی سب کچھ وار رہی ہوں۔ تو یہ کوئی کم بات نہیں ہے۔

تیرے علاوہ کسی اور کو اس کا موقع نہیں دیا جا سکتا۔ ہاں یہ جب تک ہمارے درمیان رہے گا خوش و خرم رہے گا اور ہم ہر طرح سے اس کا خیال رکھیں گے۔'' میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

''مجھے ابدی زندگی کی خواہش بھی نہیں ہے ساداں۔ تم ان کے ساتھ خوش رہو' اس سے بڑی خوشی مجھے اور کوئی نہ ہوگی۔''

''لیکن عظیم بزرگ اور میرے حسین نوجوان۔ طلسمی آئینے میں تو تمہاری اصلیت کو نہ پا سکی تھی' لیکن ان غاروں میں' میں نے ایسا انتظام کر رکھا ہے جو کہ ہزاروں پردوں میں پوشیدہ ہو وہ بھی عریاں ہو کر میرے سامنے آ جائے۔ میں ایک بار پھر تمہارے...... بارے میں جاننے کی خواہشمند ہوں۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ میرا آئینہ خانہ سادہ کیوں ہے؟''

''اس سلسلے میں' میں کیا جواب دے سکتا ہوں؟'' ساداں نے کہا۔

''دیکھو جواب کہاں سے ملتا ہے۔'' دیوی نے کہا اور غار میں بنے ہوئے ایک سوراخ کے نزدیک پہنچ گئی۔ یہ بھی ایک روشن سوراخ تھا' لیکن اس کے دوسری جانب چاند کی روشنی یا سورج کی تیز شعاعیں نہیں تھیں بلکہ ایک ٹھنڈی ٹھنڈی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی' جس میں سے ستارے نظر آ رہے تھے۔ دیوی نے کہا۔

''وہ کائنات ہے۔ نجوم کے علم کا سب سے بڑا مرکز ستارے آسمان میں پوشیدہ ہیں۔ سورج کی روشنی نے ان کی چمک ماند کر دی ہے' اور وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں' لیکن وہ کائنات یہاں محفوظ ہے۔ یہ جگہ سورج کی روشنی کو کاٹتی ہوئی ستاروں تک پہنچتی ہے اور یہاں سے ستاروں کو آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ سو میں جب اپنے طلسم میں کوئی کمی پاتی ہوں اور میری وہ قوتیں میرا ساتھ نہیں دے پاتیں تو پھر میں اپنے سوالات کا حل یہاں تلاش کرتی ہوں۔ آؤ اس کے سامنے آ جاؤ۔ یہ تمام حقیقتیں منکشف کرنے والا ہے۔ تو پہلے اے شخص...... تو آ اور دیکھ کیا تیرا ماضی اس میں پوشیدہ ہے۔'' اس نے کہا۔

اور میں چاروناچار اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس شیشے میں جھانکا۔

وسیع کائنات میں ستارے سفر کر رہے تھے اور عجیب و غریب مناظر ان سے ابھر رہے تھے' اور وہ اسے غور سے دیکھنے لگی۔

''وہ دیکھ' وہ ستارہ تیری زندگی کا امین ہے اور تو اس میں محصور ہے۔ یہ کیا۔ ساداں دیکھ اے حسین نوجوان' ذرا اپنے اس دوست کا ماضی دیکھ۔ دیکھ شاید یہی شخص ہے۔ اوہ...... یہ کیسے انسان کے سامنے ہے۔ غالباً کوئی شاہی دربار ہے۔ یہ حسین و جمیل عورتیں۔ اوہ...... اچھا خاصا دلچسپ منظر ہے۔''

دیوی کی آواز گونج رہی تھی اور میں حیرت اور تعجب کا مجسمہ بنا اس آئینے کے سامنے کھڑا تھا جس کے دوسری جانب مجھے اپنے والد کی شکل نظر آ رہی تھی۔ یہ ان کی حرم سرا تھی اور اس میں ناچنے گانے والی عورتوں کا مجمع لگا ہوا تھا۔ میں بھی وہیں موجود تھا' پھر میں نے وہ مناظر دیکھے' جن کا تعلق میری زندگی سے تھا اور جنہیں میں بمشکل تمام اپنی زندگی سے نکال سکا تھا۔

میری ماں' جسے لے کر میں علاج کی غرض سے چل پڑا تھا۔ میرے اہل خاندان' میرے بھائی' وہ تمام زندگی مجھے نظر آئی جو میں اب تک بتا چکا ہوں۔

میری محبوب ہستی' میری دلربا' جس کے ساتھ میں نے زندگی کا ایک طویل سفر طے کیا تھا' اور پھر قاہرہ کا مکان' جہاں ہماری رہائش تھی۔ اس کے بعد ایک طویل سفر ہم ایک کشتی میں سفر کر رہے تھے' اور کشتی خوفناک طوفان کا شکار ہو چکی تھی۔

''آہ...... اس میں تو میرا یہ حسین ساتھی بھی ہے' لیکن یہ لوگ' یہ جو تمہارے ساتھ آئے تھے یہ کہاں گئے؟ ٹھہرو ابھی پتہ چل جاتا ہے۔'' وہ بولی۔

پھر میں نے زرنام' میر صادق اور دیگر لوگوں کو دیکھا۔ وہ تمام مناظر دیکھے جواب تک ہماری زندگی میں آئے تھے اور ششدر رہ گیا۔

دوسرے ہی لمحے میں شیشے کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

دیوی کی کھنکدار ہنسی میرے کانوں میں زہر گھول رہی تھی' پھر وہ بولی۔

''تو یہ تھا تمہارا ماضی اب میرے حسین اور نوجوان دوست تو اس آئینے کے سامنے آ۔'' اس نے کہا اور ساداں بے چوں و چرا آئینہ خانہ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

میری دزدیدہ نگاہیں ساداں کی اصلیت دیکھ رہی تھیں اور مجھے یقین تھا کہ اب وہ یقیناً ساداں سے واقف ہو جائے گی' لیکن جب میں نے آئینے میں دیکھا تو مجھے ایک عجیب و غریب شے نظر آئی۔ ایک عجیب و غریب شے ابھری ہوئی تھی۔ یہ لکڑی کی ایک انگوٹھی تھی' جس پر ایک بندر کا سر بنا ہوا تھا۔ یہ انگوٹھی ساداں کی انگلی میں پوشیدہ تھی' لیکن آئینے میں اس کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

دیوی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ متعجبانہ نگاہوں سے اس انگوٹھی کو دیکھتی رہی' پھر

چونک کر بولی۔

''یہ...... یہ...... یہ کیا ہے......؟ یہ سب کچھ کیا ہے آخر؟'' وہ چونک کر سادان کی طرف مڑی اور بولی۔

''تم مجھے بتا سکتے ہو میرے دوست تمہارا ماضی کس شکل میں سامنے آیا ہے۔''

''جو کچھ بھی ہے تم خود دیکھ سکتی ہو دیوی۔'' سادان نے جواب دیا۔

''آہ...... مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا۔ میرا دل...... میرا دل...... ڈوب رہا ہے۔ میں جاننا چاہتی ہوں ایسا کیوں ہے۔ کیا میرا علم ناکام رہا ہے۔ کیا میرا صدیوں کا جادو تمہاری اصلیت واضح کرنے میں ناکام رہا ہے۔ بندر کی یہ انگوٹھی مجھ پر حاوی کیوں ہے؟ تم مجھے بتاؤ؟ مجھے بتاؤ اس کے بارے میں؟ یہ سب کیا ہے؟ یہ سب کیا ہے؟''

''میں نے کہا ناں۔ اس کا فیصلہ تم خود کر سکتی ہو...... یہ طلسم کدہ میرا نہیں ہے' تمہارا ہے۔''

''نہیں اس میں کوئی راز پوشیدہ ہے۔ یہ سر بندر کا...... یہ سر' آہ...... آہ...... یہ ناممکن ہے۔ ناممکن ہے یہ...... یہ تو...... یہ تو ہومانو نہیں ہو سکتا۔ تو ہومانو نہیں ہے۔ تیری قوتیں اتنی نہیں بڑھ سکیں کہ تو یہ شکل اختیار کر کے مجھ تک پہنچے۔ ناممکن...... ناممکن ہے یہ۔'' وہ خوف و دہشت سے چیختی ہوئی ایک طرف بھاگی۔

ہمارا راز کھل چکا تھا۔ ہومانو کی انگوٹھی نے بلاشبہ سادان کے مقصد کو چھپا لیا تھا' لیکن وہ سادان کو ہی ہومانو سمجھ بیٹھی تھی۔

وہ ایک شیشے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''تو کیا سمجھتا ہے۔ تو کیا سمجھتا ہے۔ میرے دشمن۔ یہاں میرے طلسم کدے میں داخل ہونے کی جرأت آخر کیسے کی تو نے؟ کس طرح یہاں تک پہنچنے کیلئے فضا سازگار کر لی؟ ناممکن...... ناممکن' عام آدمی یہاں نہیں آ سکتے۔ تو اپنے جادو میں ملفوف ہو کر یہاں تک پہنچتا تو تجھے روکا جاتا۔ یقیناً میں نے تیرے لئے خاص بندوبست کیا تھا۔ اس کا مقصد ہے کہ ہومانو نہیں ہے تو' لیکن تیرے ہاتھ میں یہ انگوٹھی۔ یہ انگوٹھی...... تیرے ہاتھ میں موجود اور یہ ہومانو ہی کی ہے۔ ساری کائنات میں بس اس کے پاس ہے یہ جادو اور...... یہ اور...... تو ہومانو نہیں۔ اس کا کوئی ہرکارہ ہے۔

لیکن تو کیا سمجھتا تھا...... کیا...... کیا میں تجھ سے لاعلم تھی۔ کیا میں تیری حسین شکل وصورت کے فریب میں آ کر اپنا سارا علم فراموش کر بیٹھتی...... ناممکن۔ ناممکن۔ مزہ چکھ' دیکھ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں۔ دیکھ...... دیکھ تو نے یہاں داخل ہو کر کتنا بڑا گناہ کیا ہے۔''

وہ ایک شیشے کے سامنے پہنچ گئی اور اس نے کسی خاص کل کو دبایا اور ایک شیشہ کھول دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ غار جہنم بن گیا۔ سورج کی تیز شعاعیں ایک دم غار کے ٹھنڈے ماحول میں داخل ہو گئیں۔ میرے اور سادان کے منہ سے حیرت کی چیخیں نکل گئیں۔ دفعتاً سادان نے کہا۔

''چچا جان! چچا جان! براہ کرم جلدی سے میرے پاس آ جایئے...... میرے پاس۔''

اور میں جھپٹ کر اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے سادان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

غار کی وہ حدت' جو محسوس ہو رہی تھی چند ہی لمحات میں جلا کر ہمیں راکھ کر دے گی' ایک دم کم ہو گئی۔ سادان وہ انگوٹھی میرے بدن سے مس کر رہا تھا' اور دیوی عجیب وغریب انداز میں قہقہے لگا رہی تھی۔

''ناممکن ہے۔ ناممکن ہے۔ تم نہیں بچ سکتے۔ ہومانو...... ہومانو کا جادو مجھ پر نہیں چل سکتا۔ میرا علم وسیع ہے۔ میرا علم وسیع ہے۔'' وہ بے اختیار ایک اور طرف بھاگی اور اس نے شیشے کا ایک اور دروازہ ہٹا دیا۔

بس یوں لگتا تھا جیسے آگ کا بہتا ہوا لاوا غار میں گھس آیا ہو' اور پھر دفعتاً غار کی دیواریں چٹخنے لگیں۔ ایک زوردار تڑخا ہوا اور غار کی چھت اڑ گئی۔ اس خوفناک ذخیرے کے چونکہ دو دروازے کھل گئے تھے' اور وہ تیز روشنی' جو ایک مخصوص انداز میں ہی اندر آ رہی تھی' وہ پوری طرح سے اندر گھس آئی تھی۔ اس کی وجہ سے شدید گیس بن گئی تھی اور گیس کی اس قوت نے پہاڑ کو اوپر اٹھا دیا تھا۔

ہولناک دھماکہ ہوا اور پہاڑ کی چٹانیں فضا میں بکھرنے لگیں۔ میں اور سادان بری طرح اس سرنگ کی جانب بھاگے تھے' جس سے نکل کر ہم اس ہال میں آئے تھے۔ دیوی کا ہمیں کوئی پتہ نہیں تھا' البتہ اس کی چیخیں ہمیں اپنے عقب میں سنائی دے رہی تھیں۔

''آہ...... میں زخمی ہو گئی ہوں۔ میں زخمی ہو گئی ہوں۔ میرا وجود بھسم ہو رہا ہے۔ میری قوتیں اتنی گرمی برداشت نہیں کر سکتیں۔ مجھے نکالو...... مجھے نکالو...... یہاں سے۔''

پھر میں نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ وہ ہمارے پیچھے دوڑتی چلی آ رہی تھی۔

گرمی...... تپش اور آگ کا ہولناک لاوا ہمارا تعاقب کر رہا تھا' اور اس وقت صرف اسی میں بچت تھی کہ ہم لوگ جتنی برق رفتاری سے دوڑ سکتے ہیں دوڑیں۔ ہمارے پیچھے خوفناک گرج ہو رہی تھی۔ پہاڑی چٹانیں اپنی جگہ چھوڑ رہی تھیں' لیکن پھر ہمیں اس پل کا خیال آیا جو ایک چٹان ہی کے سہارے بنا ہوا تھا اور ہمارے بدن کے خون خشک ہونے لگے۔

ظاہر ہے یہ دھماکے وہاں تک پہنچ گئے ہوں گے اور وہ چٹان جو صرف اس طرح رکھی ہوئی تھی کہ ذرا سی پہاڑوں کی جنبش اسے اپنی جگہ سے کھسکا دے۔ کیا اب اپنی جگہ موجود ہو گی؟ اور اگر نہیں ہو گی تو ہولناک گہرائیاں' ایک دہشتناک خیال میرے بدن کے رگ وپے میں دوڑ گیا۔ میری ہی نہیں سادان کی بھی یہی کیفیت تھی۔

ہمارے پیچھے بدستور دھماکے ہو رہے تھے۔ دفعتاً وہ چٹان ایک خوفناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ تڑخ گئی جس پر اس وقت ہم کھڑے ہوئے تھے۔ وہ سرنگ ہی میں تھی لیکن اس کے نیچے دھماکہ ہوا

تھا۔

اور پھر قدرت کا ایک عجیب وغریب معجزہ ہوا۔ دھماکے سے وہ چٹان اڑ گئی' جس پر ہم موجود تھے۔ اوپر کی چھت پہلے ہی پھٹ چکی تھی۔ چٹان نے ہمیں اوپر اچھال دیا' اور ہم لڑھکتے ہوئے گہرائیوں میں جانے لگے۔

میں اس کیفیت کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بس آپ یوں سمجھ لیں جیسے کوئی شخص رات کو پرسکون سویا ہو' اور پھر وہ ایک خواب دیکھتا ہو۔ جو اس کیلئے بڑی عجیب وغریب کیفیت کا حامل ہو' اور اس کے بعد اس خواب سے اس کی آنکھ کھل جائے اور وہ خوش ہو کر سوچے کہ یہ تو صرف خواب تھا' اور اسے سکون کا احساس ہو۔ میری کیفیت بھی اس وقت کچھ ایسی ہی تھی۔

حالانکہ جن حالات سے ہم گزر رہے تھے اور جو جو کردار میرے ساتھ تھے' اتنی بلندی سے ان حالات میں گرتے ہوئے' صحیح معنوں میں ہمیں زندگی سے محروم ہو جانا چاہیے تھا' لیکن اب نہ وہ کردار تھے۔ نہ زندگی سے وہ محرومی۔ نہ سادان نہ زیلتھا' نہ آمنہ القراش اور نہ ہی اور کوئی دوسرا۔ بس کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے۔ یہ سمجھ لیجیے۔ کہ اب زرمناس کا کوئی وجود نہیں تھا' نہ اناسیہ تھی' کچھ بھی نہیں تھا۔ میرے بدن کے نیچے ایک پرسکون بستر تھا اور وہ کمرہ جس میں' میں موجود تھا' بہت زیادہ بڑا نہیں تھا۔ ہلکی ہلکی آرائشی چیزوں سے سجا ہوا تھا۔ ابھی مجھے ہوش میں آئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور پھر کوئی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ ایک ویٹر تھا۔ جس کی وردی میں لگے ہوئے مونوگرام پر ہوٹل الاسکا کا نام لکھا ہوا تھا۔ وہ ایک بڑی سی ٹرے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھا۔

ٹرے میں ایک اخبار نمایاں نظر آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی چائے کے برتن بھی۔ میں حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس نے بڑے ادب کے ساتھ ٹرے میز پر رکھی اور بولا۔

''بیڈ ٹی حاضر ہے سر! ناشتہ جب بھی کرنا چاہیں فون پر بتا دیجیے گا۔'' اس نے گردن خم کی اور وہاں سے نکل گیا۔ ہوٹل! میرے ذہن نے نعرہ لگایا۔ ہوٹل ہی معلوم ہوتا تھا۔ وہ کیفیت طاری تھی' اس وقت مجھ پر کہ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔ پتہ نہیں جو حالات گزرے تھے وہ خواب تھے یا پھر میں اس وقت خواب دیکھ رہا تھا۔ بلکہ خواب خرگوش دیکھ رہا تھا' پھر چائے کی خوشبو دماغ سے ٹکرائی اور اس وقت اس عمدہ چیز سے زیادہ اور کوئی چیز اچھی نہیں تھی۔ اٹھا چائے بنائی اور جب تک کیتلی میں چائے کا پانی موجود رہا چائے بنا بنا کر میں منہ میں انڈیلتا رہا۔ بعض چیزیں کیا قدرت کا شاہکار ہوتی ہیں۔ یہ چائے اس وقت مجھے ایک ایسی نعمت محسوس ہوئی' جس کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ میرا ذہن خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔

پھر میں اپنی جگہ سے اٹھا' غسل خانے میں گیا' منہ ہاتھ دھویا۔ واپس آ کر الماری دیکھی تو اس میں میرے بہت سے لباس ٹنگے ہوئے تھے۔ ایک بھی لباس میرا شناسا نہیں تھا' لیکن ہر لباس کا

سائز میرے جیسا تھا اور میرے جسم پر بھی سلیپنگ سوٹ تھا۔ میرے خدا' جن ہولناک واقعات سے میں گزر چکا ہوں۔ ان پر کسی قسم کا شک وشبہ تو نہیں کیا جا سکتا' لیکن پھر یہ کیا ہوا ہے۔ کیا ہے یہ سب کچھ نہ سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ بہرطور ایک لباس تبدیل کیا۔ پتہ نہیں حالات کیا ہیں اور اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور میں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ بڑی خوشی سے میں اس کی جانب بڑھا تھا۔ کم از کم حالات کو سمجھنے کا موقع تو ملے گا' اور پھر میں نے ریسیور اٹھا لیا' لیکن دوسری طرف سے آنے والی آواز شناسا تھی۔

''ہیلو......زرمناس!''

''کون' آمنہ القراش؟''

''ہاں...... میں ہی بول رہی ہوں۔''

''آمنہ! یہ سب کیا ہے؟''

''وہ جو تم نے دیکھا اور تم نے سوچا۔ وہاں کا کام ختم ہو گیا ہے۔ سادان کو اس کی منزل مل گئی ہے' اور اب تمہاری گلوخلاصی ہے۔''

''آمنہ ہم وہاں سے بچ کر کس طرح آ گئے؟'' میں نے سوال کیا' لیکن ٹیلی فون لائن بے جان ہو گئی۔ میں غصیلی نگاہوں سے ریسیور کو گھورتا رہ گیا' اور پھر میں نے ریسیور رکھ دیا اور پلنگ پر آ بیٹھا۔ بہت دیر تک میں پاؤں لٹکائے غور وفکر میں ڈوبا رہا۔ یہ سب کچھ برا تو نہیں لگ رہا تھا۔ جو وقت اور جو ماحول گزارا تھا وہ بہت ہی دلکش تھا میرے لئے' لیکن میری زندگی کو جو روگ لگ گیا تھا اس کیلئے کچھ سمجھ میں آنا میرے بس سے باہر تھا' اور کیا کیا جا سکتا تھا کہ ابھی میرا مشکل وقت ختم ہوا ہے یا نہیں۔ اب کیا کروں' اور یہ ہوٹل کون سی جگہ ہے' لیکن اس سلسلے میں کسی طرح کی جلد بازی احمقانہ بات تھی۔

چنانچہ میں نے اپنے آپ کو پرسکون کیا' پھر کوئی آدھے گھنٹے کے بعد میں نے ناشتہ طلب کیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میں اس ہوٹل میں کس نام اور کس حیثیت سے مقیم ہوں۔ آمنہ القراش نے مجھے زرمناس کے نام سے ہی مخاطب کیا تھا' لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ ہوٹل کے رجسٹر میں میرا نام تیمور پاشا کے نام سے ہی درج تھا۔ یہ بات میں نے باہر آ کر معلوم کی تھی۔ لباس پہن کر تیار ہو کر باہر نکل آیا' اور تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے علم ہو گیا کہ میں راغل شہابہ میں ہوں۔

راغل شہابہ کے بارے میں معلومات حاصل کر کے مجھے پھر ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ گویا ابھی وہ طلسم مسلسل مجھ پر مسلط ہے' جو مجھے یہاں مصر میں لایا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' لیکن یہ بات معلوم ہو گئی کہ راغل شہابہ ایک سمندری شہر ہے اور انتہائی خوبصورتی سے آباد کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں یہ بھی پتہ چلا کہ اس کو آباد ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے' اور اسے ایک آئیڈیل سٹی بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی آئیڈیل سٹی میں چہل قدمی کرتے ہوئے مجھے پستہ قامت فرزان ملا۔

اس نے بڑے ادب سے مجھے سلام کیا تھا' اور میں سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''چند لفظوں میں آپ کو تفصیل بتا دوں' مسٹر تیمور پاشا! میں ڈارون کا آدمی ہوں' اور مسٹر ڈارون نے چند چیزیں آپ کیلئے میرے ہاتھ بھیجی ہیں۔ کیا آپ میرے ساتھ کسی ایسی جگہ چلنا پسند کریں گے جہاں میں یہ چیزیں آپ کے حوالے کر دوں۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا۔

پھر ایک ایسا گوشہ اس نے خود ہی منتخب کیا تھا۔ ساحل سمندر ہی تھا' اور اس قدر حسین تھا کہ اسے دیکھ کر میں عش عش کر اٹھا تھا۔ اس نے مجھے ایک انتہائی مہلک خنجر' کچھ تصویریں وغیرہ دی تھیں' اور بتایا تھا کہ ان میں سے ایک تصویر ناصر حمیدی کی ہے اور دوسری تصویر ایک انتہائی خوبصورت لڑکی کی تھی۔

''اس کا نام زاریہ ہے۔ یہ یمن سے تعلق رکھتی ہے اور ناصر حمیدی کی دوہری شخصیت کی صحیح رازدار ہے۔''

''دوہری شخصیت؟''

''ہاں۔ جہاں تک ناصر حمیدی کی اپنی شخصیت کا تعلق ہے تو تمہیں ڈارون نے اس کے بارے میں تفصیل تو بتا ہی دی ہوگی۔ کہ وہ کس قدر مہلک آدمی ہے' اور خاص طور سے مصر کا دشمن ہے۔ اصل میں ہم ناصر حمیدی سے سب سے پہلے مصر کو بچانا چاہتے ہیں۔ ناصر حمیدی نے اپنا دوسرا نام اور بھی رکھا ہوا ہے۔''

''کیا؟'' میں نے سوال کیا۔

''احمر عدی...... جو ایک عام سا آدمی ہے اور ایک عام سی جگہ رہتا ہے' لیکن تم اس تصویر کو غور سے دیکھ لو کیونکہ اس کے بعد تمہیں زاریہ اور احمر عدی کی تصویریں مجھے واپس کرنی ہیں۔ احمر عدی کی ایک بیٹی بھی ہے' جسے وہ بہت چاہتا ہے۔ راغل شہابہ کے رہنے والے بس اتنا جانتے ہیں کہ احمر عدی ایک کھاتا پیتا آدمی ہے اور مصر کے اس حصے میں رہتا ہے' لیکن وہ جو کچھ بھی ہے تمہیں اس کے بارے میں اچھی طرح تصور کر لینا چاہیے۔ اب میں چلتا ہوں۔'' اس نے دونوں تصویریں اپنے پاس رکھیں اور وہاں سے چل پڑا۔

میں اپنی جگہ بیٹھا سوچتا رہا کہ یہ سب کیا ہے۔ یہ خیال تو کئی بار میرے ذہن میں آیا تھا کہ میں ان سارے چکروں کو چھوڑ کر کہیں نکل جاؤں۔ بلاوجہ مصیبتوں میں گرفتار ہو گیا ہوں' لیکن یہ مصیبتیں بھی میرے لئے کھیل بن گئی تھیں کہ میں تو کمبل کو چھوڑنا چاہتا تھا' لیکن کمبل مجھے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ بہرحال یہ ساری چیزیں غور کرنے کے قابل تھیں' پھر میں نے سوچا کہ اب میں اپنے طور پر جینے کی کوشش کروں۔ ساحل کے ایک گوشے میں ایک کافی بڑا کیبن جیسا بنا ہوا تھا' اور اس میں سمندری سیاحت کیلئے تمام سامان دستیاب ہوتا تھا۔ یہ ساحل بھی انتہائی خوبصورت تھا۔ چنانچہ میں نے وہاں داخل ہو کر تمام تیاریاں کیں' اور اس کے بعد غوطہ خوری کا لباس پہن کر سمندر کی جانب بڑھ گیا۔

پھر میں نے اس شخص کو دیکھا۔ جو خصوصاً مجھے اپنی جانب متوجہ نظر آیا تھا۔ اس نے بھی غوطہ خوری کا لباس پہنا ہوا تھا' اور اس کا چہرہ غوطہ خوری کے مخصوص ماسک میں چھپا ہوا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ خاص طور سے میری جانب متوجہ ہو' اور میرے ذہن میں تجسس بیدار ہو گیا۔ جب وہ پانی میں اترا تو میں بھی اس کے پیچھے ہی پانی میں اتر گیا تھا۔ سمندر کا پانی اس طرح شفاف تھا کہ تہہ میں پڑی ہوئی سفید ریت تک صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ شخص میری نگاہوں سے محفوظ نہیں تھا۔ وہ مجھ سے آگے آگے جا رہا تھا۔ کافی دیر تک میں اس کا پیچھا کرتا رہا۔ رنگ برنگی مچھلیاں اور سمندری جانور میرے پاس سے ہو کر گزرتے تو کچھ لمحوں کیلئے میرے ذہن پر ایک انتہائی خوشگوار کیفیت طاری ہو جاتی۔

جن بوجھل حالات سے گزر چکا تھا اور جتنی مشقت میں نے سادان وغیرہ کے ساتھ کی تھی۔ اس کے بعد یہ سب کچھ مجھے انتہائی پرسکون اور خوشگوار لگ رہا تھا۔ سمندر کی تہہ میں ایسے ایسے پودے لگے ہوئے تھے' اور ریت پر اتنے خوش رنگ سیپیاں اور پتھر پڑے ہوئے تھے کہ جی چاہتا تھا کہ انہیں رک کر گھنٹوں دیکھا جائے۔ سامنے سے ایک بڑی مچھلی پتھر کے نیچے سے نکلی تو میں اسے راستہ دینے کیلئے دائیں جانب ہو گیا۔ مچھلی میرے قریب آ رہی تھی اور میری ساری توجہ مچھلی پر تھی۔ اس لئے میں اپنے گردوپیش سے بے خبر سا ہو گیا تھا' اور یہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ وہ غوطہ خور کس طرف کو گیا ہے۔ اس کی موجودگی کا تو مجھے اس وقت احساس ہوا تھا جب مجھے ایک سائے کی سی موجودگی کا احساس ہوا تھا' اور بس ایک لمحہ تھا جو بالکل اتفاقیہ طور پر گزر گیا۔

اس نے میری پیٹھ پر چاقو سے وار کیا تھا' اور اگر میں تڑپ کر ایک طرف نہ ہو گیا ہوتا تو شاید اس سمندر سے مجھے نکلنا نصیب نہ ہوتا۔ وار اتنا بھرپور کیا گیا تھا کہ میں زندہ نہ بچ سکوں۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا' اور ایک دم سے نیچے گہرائیوں میں چلا گیا۔ اس نے مجھ پر دوسرا وار کیا تو میں نے پلٹ کر اس کی کلائی پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی' لیکن ناکام رہا۔

چاقو کی نوک میری کلائی کو زخمی کرتی ہوئی نکل گئی تھی' اور میں نے پانی کو سرخ ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ شخص گیس ماسک پہنے ہوئے تھا' اور ماسک کے شیشوں سے اس کی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ انتہائی خونخوار آنکھیں تھیں' اور ان آنکھوں سے درندگی جھلک رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہر قیمت پر میرے ٹکڑے کر دینا چاہتا ہو' اور تیسری بار وار کیا تو میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چاقو والا ہاتھ پکڑ لیا اور کچھ اس طرح جھٹکا دیا کہ چاقو چھوٹ کر ریت پر جا پڑا۔

لیکن اس نے فوراً ہی اپنے دوسرے ہاتھ سے اپنی بیلٹ میں لگا ہوا دوسرا چاقو نکال لیا۔ یہ صورتحال میرے تصور میں بھی نہیں تھی۔ حالانکہ میں لڑائی بھڑائی میں پیچھے رہنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس وقت مجھے کافی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میں نے آکسیجن ماسک نہیں لگایا ہوا تھا اور پانی کے نیچے ضرورت سے زیادہ دیر تک رہنے سے اب میرے پھیپھڑوں میں درد ہونے لگا تھا۔ کنپٹیوں پر دھمک سی ہو رہی تھی۔ اس کیفیت سے اس وقت تک نجات حاصل کرنا

بھی ممکن نہیں تھا' جب تک کہ میں اس خوفناک دشمن سے چھٹکارا نہ پالیتا۔ وہ کسی سمندری بھوت کی طرح آہستہ آہستہ تیرتا ہوا پھر میری طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ سانس لیتا تو پانی میں بلبلے سے بنتے چلے جاتے۔ آکسیجن ٹینک سے تازہ ہوا اس کے پھیپھڑوں میں جا رہی تھی۔ میرے جسم کا تمام خون شاید سر میں جمع ہو گیا۔ اس لئے دماغ میں جانے والی رگوں میں سنسناہٹ ہونے لگی اور حواس گم ہونے لگے۔ میں نے ساری توجہ اس کے دوسرے چاقو کی طرف مبذول کر لی۔ بہرحال اس بار وہ میرے قریب آیا تو میں نے اس کے چاقو والے ہاتھ پر گرفت کر لی' لیکن کمبخت کافی سخت اور ٹھوس جسم کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نہ نکل سکا' لیکن میں نے جھنجھلا کر ربڑ کی وہ نلکی پکڑ لی تھی' جو اس کے پھیپھڑوں کو آکسیجن فراہم کر رہی تھی' اور اس کے بعد ایک شدید جھٹکے سے میں نے اس کی نلکی ہٹا دی۔ اب صورتحال اس کے خلاف ہو گئی تھی۔

اور اب اسے جان بچانے کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ چنانچہ وہ تیزی سے آگے کو بھاگنے لگا۔ صورتحال ایسی نہیں تھی کہ میں اس کا تعاقب کر کے اسے قابو میں کرنے کی کوشش کرتا۔ میرے لئے یہ ضروری تھا کہ میں اوپر پہنچ جاؤں' اور میں نے ہاتھ پاؤں مارے اور پانی سے نکل آیا۔ ساحل پر سفید' صاف و چمکدار بجری بچھی ہوئی تھی۔ میں بے جان سا اس پر گر پڑا۔ جب حواس قابو میں ہوئے تو میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ میں نے اسے اس طرف جاتے ہوئے دیکھا جہاں ایک بڑی سی لانچ کھڑی ہوئی تھی۔

بہرطور ابھی موسم بہت بہتر تھا۔ میں ابھی اسی طرح لیٹا ہوا تھا کہ اچانک ہی مجھے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

''اوہ...... تم زندہ ہو۔ ہوش میں ہو۔'' میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ایک دراز قد اور انتہائی متناسب جسم کی مالک حسین لڑکی تھی۔ اس کے شانے سے ایک بیگ لٹکا ہوا تھا۔ اس نے میری کلائی کو دیکھا اور بولی۔

''زخم ہے' کیا ہوا' کیسے لگ گیا۔ کیا سمندر میں کسی چیز سے؟'' اس نے میرے زخم کا جائزہ لیا' پھر اس نے جلدی سے اپنا بیگ اٹھایا اور اس میں سے کچھ کپڑا نکالا اور میرے بازو پر لپیٹ کر گرہ لگا دی۔

''یہ کیا ہو گیا؟''

''بس...... میں پانی میں تیر رہا تھا کہ ایک تیز کانٹوں والی مچھلی نے مجھ پر حملہ کر دیا۔''

''اوہ...... تمہیں اس طرح بغیر آکسیجن ماسک کے اتنی گہرائیوں میں نہیں جانا چاہیے تھا۔''

''بہت بہت شکریہ۔ تم نے میری بروقت مدد کی ہے۔''

''نہیں کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔ آؤ...... وہ سامنے کرسیاں پڑی ہوئی ہیں ان پر چلتے ہیں۔'' میں نے اس کے ہاتھ کا سہارا لیا اور کھڑا ہو گیا۔ اچانک ہی میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔

اس شخص نے مجھے دو تصویریں دکھائی تھیں۔ ایک ناصر حمیدی کی اور دوسری اس کی ساتھی لڑکی' زاریہ کی اور یہ لڑکی زاریہ ہی تھی۔ میں ایک دم سنبھل گیا۔ گویا میرے اوپر جو حملہ آور تھا وہ ناصر حمیدی یعنی احمر عدی بھی ہو سکتا تھا' اور یہ لڑکی' میرے خدا...... میرے خدا۔ بہرحال ہم اس ہوٹل تک پہنچ گئے اور وہاں کرسیوں پر بیٹھ کر ہم نے اپنے لئے کافی طلب کر لی۔ زاریہ کو اب میں نے اچھی طرح پہچان لیا تھا۔ وہ چاروں طرف اس طرح دیکھ رہی تھی' جیسے اسے کسی کی تلاش ہو۔

''کیا تم کسی کو تلاش کر رہی ہو؟''

''نہیں ایسی کوئی بات تو نہیں ہے۔''

''بہرحال کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔ میں نے یونہی یہ سوال کر لیا تھا۔''

''تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے اس سے جھوٹ بولنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''تیمور پاشا۔''

''میرا نام زاریہ ہے۔'' اس نے کہا اور میں نے کم از کم اس بات کا اعتراف کیا کہ اس نے اپنا نام سچ بتایا ہے۔ بہرطور ہم دونوں نے کافی پی اور اس کے بعد وہ بولی۔

''میرے خیال میں تمہیں اپنے زخم پر توجہ دینی چاہیے۔''

''ہاں...... کہیں سے بینڈیج کرا لوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''او کے' میرے لائق کوئی اور خدمت ہو تو بتاؤ؟''

''نہیں بہت شکریہ۔'' میں نے کہا اور اس کے بعد وہ مجھے خدا حافظ کہہ کر وہاں سے چلی گئی' لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ سارا کھیل کیا ہوا ہے۔ کیا وہ شخص بذات خود ناصر حمیدی ہی تھا۔ جبکہ ناصر حمیدی کے بارے میں مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ احمر عدی کے نام سے بڑی سادہ سی زندگی گزار رہا ہے۔ جبکہ اس کا دوسرا رخ بیحد بھیانک ہے۔ ہاسپٹل کا ایک بورڈ دیکھ کر میں اندر داخل ہوا۔ وہاں بھی میں نے ان لوگوں کو وہی کہانی سنائی تھی کہ زیر سمندر ایک مچھلی نے مجھ پر حملہ کر دیا تھا۔ مجھ سے کوئی خاص باز پرس نہیں کی گئی۔ میں ہوٹل واپس آ گیا۔

بہرحال میں نے اپنے ذہن پر بہت زیادہ زور نہیں دیا تھا۔ شام کے تقریباً سات' ساڑھے سات کا وقت تھا کہ میرے ہوٹل کے دروازے پر دستک ہوئی' لیکن میرے طلب کرنے پر جو شخصیت اندر داخل ہوئی تھی اسے دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ یہ زاریہ ہی تھی اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اسے اپنے ہوٹل کا پتہ نہیں دیا تھا۔

بہرحال یہ بات تو میرے علم میں آ چکی تھی کہ زاریہ ناصر حمیدی یا احمر عدی کی ساتھی ہے اور یقیناً خاص بنیاد پر میرے پیچھے لگی ہے۔ میں مسکرا کر اس سے بولا۔

''آؤ زاریہ۔ مجھے تمہاری آمد پر بہت خوشی ہے۔ کیونکہ میں نے تمہیں اپنا پتہ نہیں بتایا تھا۔''

وہ بے اختیار ہنس پڑی اور بولی۔

''جسے میں پسند کرنے لگتی ہوں مجھے اس کا پتہ لگانے میں دیر نہیں لگتی۔''

''گویا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تم نے مجھے پسند کرلیا ہے۔''

''تم بہت خوبصورت ہو۔'' زاریہ مجھ سے بے تکلف ہونے لگی۔ بہرحال میں اس سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے اپنی پسندیدگی کی ساری کیفیتیں مجھ پر نچھاور کردی تھیں۔ میں ہوسکتا تھا کہ اس کے جال میں پھنس جاتا لیکن اچانک ہی مجھے یوں لگا' جیسے میں کسی خطرے سے دوچار ہونے لگا ہوں۔ میرے ہوٹل کا دروازہ کھلا تھا اور کوئی اندر داخل ہوگیا تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ تکیے کے پاس میرا خنجر موجود تھا۔ وہ خنجر جو مجھے خاص طور سے پہنچایا گیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں۔

اور پھر میں نے اس شخص کو دیکھا۔ وہ مصری نژاد ہی تھا۔ بہت گہرے رنگ کا مالک۔ اس نے ہاتھ میں پستول پکڑا ہوا تھا۔ میں پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھا تو اس نے میرے کالر پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی' لیکن خنجر میری مٹھی میں تھا۔ میں نے اس کی بغل کے نیچے سے حملہ کیا اور اس کے بغل کے مسلز کٹ گئے۔ اس کے حلق سے ایک وحشیانہ آواز نکلی۔ تو میں نے اس پر دوسرا وار کیا' اور یہ وار اس کے حلق پر ہی تھا۔ خنجر نے اس کا نرخرہ کاٹ دیا اور خون کا ایک فوارہ بلند ہوا۔ میں اس فوارے کی زد سے بچ گیا تھا۔ میں نے زاریہ کی طرف دیکھا' لیکن زاریہ پھرتی سے باہر نکل گئی تھی۔ شدید زخمی شخص دونوں ہاتھوں سے گلا پکڑے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے فوراً ہی دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگائی اور تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

لفٹ نیچے جاچکی تھی۔ دوسری لفٹ کافی فاصلے پر تھی۔ چنانچہ میں دوسری لفٹ کی طرف دوڑا۔ میں زاریہ پر قابو پانا چاہتا تھا۔ کیونکہ مجھے اس بات کا بھرپور طریقے سے اندازہ ہوگیا تھا کہ زاریہ صرف میرے قتل کا انتظام کرنے آئی تھی' اور وہ اپنا کام کرکے فرار ہوگئی تھی۔ بہرطور میں تیزی سے آگے بڑھا اور دوسری لفٹ میں بیٹھ کر نیچے اتر آیا۔ وہ آگے آگے دوڑ رہی تھی۔ نجانے مجھ پر کیا جنوں سوار ہوا کہ میں اس کے پیچھے دوڑنے لگا۔

لیکن پھر وہ ایک کار میں بیٹھی اور دوسرے ہی لمحے کار وہاں سے ہوا ہوگئی۔ میں نے کار کا نمبر وغیرہ دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ میں ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگا' اور اسی وقت ایک ٹیکسی نظر آئی۔ جسے میں نے اشارہ کیا تو وہ میرے قریب پہنچ گئی۔

''اس کار کا تعاقب کرو۔'' میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا اور ٹیکسی ڈرائیور نے بغیر کچھ پوچھے اپنی گاڑی آگے بڑھادی۔ میں یہاں بھی محتاط ہوگیا تھا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی رہیں اور ایک بار پھر میں نے زاریہ کی کار کو اسی ساحل پر رکتے ہوئے دیکھا' جہاں میری اس سے پہلی ملاقات ہوئی تھی اور اسی جگہ مجھ پر حملہ ہوا تھا۔ میں ٹیکسی سے نیچے اترا۔ زاریہ کی کار تھوڑے فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو جو بھی میرے ہاتھ میں آیا اسے دیا۔ غالباً اس کی توقع سے کہیں

زیادہ تھا اس لئے وہ کچھ لمحے منہ پھاڑے مجھے دیکھتا رہا۔

لیکن میں اس طرف دوڑا تھا جدھر زاریہ کی کار کھڑی تھی۔ میں نے دیکھا کہ زاریہ ایک چھوٹی سی لانچ کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ لانچ پر چند افراد اور بھی موجود تھے۔ وہ ان لوگوں سے کچھ باتیں کررہی تھی' پھر میں نے اس شخص کو دیکھا جو ناصر حمیدی ہی ہوسکتا تھا اور اس نے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ناصر حمیدی پھرتی سے لانچ کی طرف بڑھ گیا۔ زاریہ خاموشی سے وہاں کھڑی ہوئی تھی۔ میں ایک دم آڑ لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا' اور تھوڑی دیر کے بعد میں اس لانچ کے قریب پہنچ گیا تھا۔ لانچ کافی بڑی تھی۔ زاریہ نے ادھر ادھر دیکھا اور اس کے بعد خود بھی لانچ میں داخل ہوگئی۔

میرے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ سب کچھ بھول کر سمندر میں چھلانگ لگادوں اور لانچ کو پکڑنے کی کوشش کروں۔ اس کیلئے مجھے کامیابی حاصل ہوگئی۔ لانچ کیا ایک چھوٹا سا جہاز ہی تھا۔ عرشے پر ایک موٹی سی رسی کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ میں اس ڈھیر پر جاکر چھپ کر بیٹھ گیا۔ لانچ چل پڑی تھی۔ غالباً وہ کوئی ٹاپو تھا۔ کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد لانچ اسی ٹاپو پر جاکر رک گئی تھی۔ میں اپنی جگہ چھپا بیٹھا رہا۔ لانچ پر سے آوازیں آرہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب یہ آوازیں بند ہوگئیں تو میں اپنی جگہ سے باہر نکلا اور میں نے قرب و جوار میں نگاہیں دوڑائیں۔ وہ غیر آبادی جگہ تھی جہاں خشک جھاڑیوں اور گھنے درختوں کی بہتات تھی۔ آگے جاکر چند جھونپڑیاں دکھائی دیں اور پھر وہاں کچھ لوگ بھی نظر آئے۔

میں اسی طرف بڑھ گیا اور اس احاطے کے پاس پہنچ گیا۔ جہاں کچھ خوبصورت سی جھونپڑیاں نظر آرہی تھیں۔ یہ جھونپڑیاں دوسری جھونپڑیوں سے بہت اچھی تھیں۔ چنانچہ اس بات کے امکانات تھے کہ ناصر حمیدی اسی علاقے میں ہوگا۔ بہرطور میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ ایک کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ میں ٹھٹک کر رک گیا' اور پھر میں نے اس سیاہ قدآور کتے کو دیکھا جو خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا اور اس کے بعد اس نے مجھ پر چھلانگ لگادی' لیکن میں اس کیلئے تیار ہوچکا تھا۔ جیسے ہی وہ اڑتا ہوا میرے قریب آیا میں بیٹھ گیا' اور وہ میرے سر پر سے گزرتا ہوا میرے آگے گر گیا۔

میرے پاس اس کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار نہیں تھا کہ میں اس پر خنجر استعمال کروں۔ چنانچہ اس بار بھی میں نے بڑی مہارت سے اپنے خنجر کا وار کیا اور کتے کی گردن آدھی سے زیادہ کٹ گئی۔ اس کے حلق سے ''غاؤں'' جیسی آواز نکلی اور وہ زمین پر لوٹنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے جھرجھری لی اور ساکت ہوگیا۔ اسی وقت کوئی جھونپڑی سے باہر نکلا اور اس نے ڈینی ڈینی کہہ کر کتے کو آواز دی تھی' لیکن وہ قریب آیا تو میں نے ایک درخت کی آڑ سے نکل کر اپنا ریوالور نکال کر اس کی گدی پر رکھ دیا اور بولا۔

''شور مت مچانا ورنہ گولی حلق سے پار نکل جائے گی۔'' وہ ایک دم سے ساکت ہوگیا۔ عمر

رسیدہ آدمی تھا اور غالباً ان جھونپڑیوں میں نگرانی وغیرہ کا کام کرتا ہوگا۔ اس کا بدن کپکپانے لگا تھا۔

''کہاں ہیں...... کہاں ہیں وہ لوگ؟'' میں نے سوال کیا اور اس نے اس طرح اپنے ہونٹ بھینچ لئے جیسے حلق سے آواز نکالے گا تو اسے موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ''بتاؤ...... کہاں ہیں وہ لوگ؟''

''مم......مم...... مجھے نہیں معلوم۔'' میں نے اس کی گردن اپنے چوڑے ہاتھ کے شکنجے میں لے لی اور غرا کر بولا۔

''اگر تم نہیں بتاؤ گے تو میں اسی جگہ تمہارا نرخرا کاٹ کر تمہیں ہلاک کر دوں گا۔'' لیکن ابھی میں نے کچھ کیا بھی نہیں تھا کہ کوئی میرے عقب میں آیا اور پہلا وار اس نے میرے ریوالور پر کیا' پھر دوسرا گردن پر۔ ریوالور تو تاریکی میں ہاتھ سے چھوٹ کر غائب ہوگیا اور گردن کی ساری رگیں اور پٹھے اکڑ کر رہ گئے۔ اتنی زور کا وار تھا کہ منکا ٹوٹتے ٹوٹتے بچا۔ میں نے مڑ کر دیکھا وہ شخص بھینسے کی طرح طاقتور تھا۔ انتہائی مضبوط جسم کا مالک' جلد تانبے کی طرح سرخ تھی۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ انتہائی طاقت کا مالک ہے۔ اگر میں نے ہوش وحواس میں رہ کر اس کا مقابلہ نہ کیا تو وہ مجھے پیس کر رکھ دے گا۔ وہ گھونسا تانے مجھ پر حملہ آور ہوا تو میں جھکا اور جھک کر ایک طرف ہوگیا' اور اس کے ساتھ ہی میں نے پوری قوت سے اپنا گھونسا اس کے سینے پر مارا۔

وہ چیخ مار کر الٹ گیا۔ سانس لے کر پھر اٹھا۔ اس بار میں نے اس کے ہاتھ میں لمبے پھل والا چاقو دیکھا تھا۔ پہلے اس نے اسے ہوا میں شائیں شائیں کر کے لہرایا جیسے مجھے خوفزدہ کرنا چاہتا ہو' پھر اچانک ہی بڑی مہارت سے مجھ پر وار کر دیا' لیکن بہرحال مجھے بچنا تو تھا۔ میں نے بھی اپنا خنجر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس بار وہ وحشیوں کی طرح دانت چمکاتا ہوا میری طرف آیا تو میں نے خنجر لہرا کر اپنی مہارت سے اس کے سینے کی طرف وار کیا اور میرا پہلا ہی وار کامیاب ہوگیا۔ اس نے جانوروں کے سے انداز میں چیخ ماری اور اس جگہ ہاتھ رکھ لیا' جس جگہ سے تیزی سے خون کا اخراج ہو رہا تھا۔ وہ لاشعوری طور پر وہاں ہاتھ مار رہا تھا' جیسے خون کو روکنا چاہتا ہو' لیکن خون تھا کہ اس طرح اچھل رہا تھا کہ اگر میں اس کے سامنے سے نہ ہٹ جاتا تو باقاعدہ خون کا غسل کر لیتا۔

دفعتاً اس کا جسم تھرتھرایا اور وہ زمین بوس ہوگیا۔ اس کے گرتے ہی خشک جھاڑیاں بری طرح چرچرائی تھیں۔ میں نے تھوڑے فاصلے پر اپنا ریوالور پڑا ہوا دیکھ لیا۔ ادھر دوسرا بوڑھا' جو یہ خوفناک منظر دیکھ رہا تھا' ایک دم ہی سنبھل گیا۔ اس نے شاید فرار ہونے کی کوشش کی تھی' لیکن میں نے نال اس کی گدی سے لگا دی۔

''اور تمہارا حشر اس سے الگ نہیں ہوگا۔''

''وہ...... نیلی خانقاہ پر گئے ہیں۔ نیلی خانقاہ یہاں سے بیس منٹ کے فاصلے پر ہے۔''

''تجھے میرے ساتھ چلنا ہوگا۔'' میں نے غرا کر کہا۔

''دیکھو! میری بات مانو...... وہاں تک جانا آسان نہیں ہے۔ خانقاہوں پر بلاؤں کا بسیرا ہے۔''

''تجھے چلنا ہوگا۔'' میں نے خنجر اس کی طرف بڑھایا تو وہ وحشت زدہ لہجے میں بولا۔

''مم...... میری بات سنو۔ اگر تم...... اگر تم...... مجھے مجبور کرتے ہو تو چلو ٹھیک ہے۔ وہ موٹر سائیکل کھڑی ہے۔''

''چلو۔'' میں نے اسے اشارہ کیا اور اس کے بعد ہم موٹر سائیکل پر بیٹھ کر چل پڑے۔

بہرحال خاصا فاصلہ طے کیا گیا تھا' اور اس کے بعد ہم چل پڑے۔ راستے میں ایک بستی نظر آئی تو میں نے آہستہ سے کہا۔

''یہ کون سی بستی ہے؟''

''توبہ۔ یہاں اچھی خاصی آبادی ہے۔'' ایک لمحے تک سوچتے رہنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے اس آبادی میں رکنا چاہیے۔ ادھر بوڑھا زاروقطار رو رہا تھا۔ راستے میں بھی وہ روتا ہی رہا تھا۔ میں نے اس آبادی کے ایک سرائے میں آرام کیا' اور بوڑھے کو اپنے ساتھ رکھ لیا' لیکن مجھے اس کی خاصی دیکھ بھال کرنی پڑی تھی۔ یہ آبادی واقعی بہت عمدہ تھی۔ دن کی روشنی میں' میں نے اسے دیکھا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ تو اچھا خاصا علاقہ ہے۔ نیلی خانقاہ کے بارے میں اس نے جو کچھ بتایا تھا اس کا مجھے صحیح اندازہ نہیں تھا' لیکن یہاں مجھے خاصی آسانیاں حاصل ہوگئیں۔ کرائے پر ایک جیپ بھی مل گئی اور میں بوڑھے کے ساتھ نیلی خانقاہ چل پڑا۔

وہ بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ وہ ہمیں خانقاہ تک نہیں لے جائے گا کیونکہ وہاں تک جانا آسان نہیں ہے لیکن بہرحال مجھے وہاں جانا ہی تھا۔ بوڑھے کو میں نے پوری طرح قبضے میں کیا ہوا تھا۔ وہ ہانپتا کانپتا اور اپنے دیوتاؤں سے اپنی زبان میں معافی مانگتا ہوا میرے ساتھ جا رہا تھا۔ واقعی راستہ بہت ہی خطرناک تھا۔ کافی فاصلے تک تو جیپ نے اس کا ساتھ دیا اور اس کے بعد مجھے جیپ چھوڑنا پڑی۔

بہرحال میں آگے بڑھتا رہا۔ بڑی مشکل سے میں نے یہ فاصلہ طے کیا' لیکن اس کا کہنا بالکل ٹھیک تھا۔ اچانک ہی اس کی دلدوز چیخ سنائی دی اور میں نے اسے دیکھا تو اس کی گردن میں ایک لمبا سا تیر پیوست پایا۔ وہ دم توڑ رہا تھا۔ میں نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو ایک سیاہ رو کو تیر کمان سنبھالے دیکھا۔ وہ دوسرا تیر میری گردن میں مارنے کی کوشش کر رہا تھا' لیکن بروقت سنبھل کر میں نے اس کا یہ وار خالی کر دیا۔ کوئی چیز میرے اوپر سے شوں کرتی ہوئی اڑ گئی' اور درخت کے تنے میں پیوست ہوگئی۔ میں نے ریوالور نکال کر دو فائر کیے۔ ایک طویل چیخ لہرائی اور سامنے والے درخت سے وہ سیاہ آدمی نیچے گر پڑا بالکل اس طرح جیسے درخت سے کوئی پکا پھل آ پڑا ہو۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا۔ جنگل سنسان تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ میں نے دیکھا کہ آس پاس کوئی نہیں ہے' پھر

ادھر ادھر سے اچانک ہی تیراندازی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں نے بھی اپنے آپ کو سنبھال کر فائرنگ شروع کر دی اور میری اس فائرنگ کے نتیجے میں خاموشی چھا گئی۔ بوڑھا مر چکا تھا اور یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے' لیکن مجھ پر بھی جنوں سوار ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے آگے بڑھا تو آگے جا کر مجھے باقاعدہ راستہ نظر آ گیا۔

جنگل کے اس حصے میں جھاڑیاں کاٹ دی گئی تھیں اور زمین بھی ہموار تھی۔ آسمان وہاں سے کھلا اور واضح دکھائی دے رہا تھا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ نیلی خانقاہ کی جانب بڑھنے لگا۔ اچانک ہی مجھے درخت کا ایک تنا نظر آیا۔ اس پر چیونٹیاں رینگ رہی تھیں' لیکن دوسری صورتحال کافی خطرناک تھی۔ میرا پیر پھندے میں جکڑ گیا اور درخت کا تنا اوپر اٹھتا چلا گیا۔ میرا پاؤں اس میں لپٹا ہوا تھا اور میں الٹا لٹکا ہوا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔

لیکن پھر اچانک ہی میں نے خود کو سنبھالا اور پھرتی سے اپنے جسم کو موڑ کر اوپر اٹھایا اور درخت کے اس تنے میں بندھی ہوئی رسی کو کاٹ دیا۔ میں ایک دھماکے کے ساتھ درخت کے ساتھ ہی زمین پر گرا تھا۔ بہرحال یہ ایک انتہائی خوفناک صورتحال تھی۔ میں نے ریوالور سنبھالا ہوا تھا اور اسے لوڈ کر لیا تھا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے اس نیلی خانقاہ کو دیکھا۔ واقعی وہ کسی نیلے پتھر سے بنی ہوئی تھی اور بہت ہی مضبوط عمارت نظر آتی تھی۔ ابھی میں عمارت سے کچھ فاصلے پر ہی تھا کہ اچانک ہی ایک بار پھر مجھ پر حملہ کیا گیا۔ وہ بھی ایک سیاہ فام آدمی ہی تھا' جس نے پیچھے سے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

لیکن اب بہرحال مجھے اپنی پوری مہارت استعمال کرنی تھی۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ میں درندوں کے جال میں پھنسا ہوا ہوں۔ میں نے اپنی کہنیاں اس کے پیٹ میں ماریں تو وہ کراہ کر رہ گیا اور میں اس کی گرفت سے چھوٹ گیا۔

ایک لمحے کا وقت ملا تھا۔

اس دوران میں نے اپنا ریوالور نکالا لیکن اسے استعمال کرنے کی حسرت رہ گئی۔ کیونکہ اس نے زمین سے اٹھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں سے میری گردن پر وار کیا تھا' اور اس کے ہاتھوں میں کوئی مضبوط ڈوری تھی۔ جسے اس نے اپنے دونوں ہاتھوں پر بھی لپیٹ رکھا تھا۔ وہ ڈوری میری گردن سے لپٹ گئی اور وہ زور لگانے لگا۔ مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا اور آناً فاناً میری گردن کی رگیں پھول گئیں' اور خون کنپٹیوں پر ٹھوکریں مارنے لگا۔ سماعت میں ہلکی ہلکی سنسناہٹ ہو رہی تھی اور آنکھوں کے آگے تاریکی چھا رہی تھی۔ یقیناً اگر وہ ڈوری میری گردن سے الگ نہ ہو جاتی تو میں وہیں ختم ہو سکتا تھا۔ کیونکہ نرخرہ دب جانے سے سانس لینا محال ہو گیا تھا۔ دفعتاً مجھے یاد آیا کہ میرے دائیں ہاتھ میں ریوالور بھی ہے۔ میں نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور ریوالور اس مردود کی پیشانی پر رکھتے ہی فائر کر دیا۔ وہ نہایت خوفناک انداز میں غرایا پھر مجھے ساتھ لیتے ہوئے زمین پر گرا۔ کافی دیر تک گردن کی طرف

سے ڈوری ڈھیلی نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کے سر سے خون کا فوارہ نکلنے لگا' اور اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہونے لگے تو میرے سانس کی آمدورفت بحال ہوئی۔ میں زمین پر بیٹھا گردن مسل رہا تھا کہ پیچھے سے ایک سایہ مجھ پر کودا۔ میں نے ریوالور سیدھا کیا مگر ٹھیک اسی وقت تین سائے مزید گرے۔ گویا اب میں چاروں طرف سے گھر چکا تھا۔ ہر طرف سے ایک نیزہ اٹھا ہوا تھا۔

میں چاہے جتنی تیزی سے فائر کرتا۔ ان میں سے ایک نہ ایک نیزہ میری گردن میں ضرور پیوست ہو جاتا۔ اب میں نے مقابلہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ انہوں نے مجھے اپنی گرفت میں لے کر اشارہ کیا کہ میں ریوالور پھینک دوں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ریوالور پر قبضہ کرنے کے بعد مجھے پیچھے سے ٹھوکا دیا کہ میں آگے چلوں اور میں ان کی معیت میں نیلی خانقاہ کی جانب چل پڑا۔ وہ مجھے ایک سرنگ میں لے گئے۔ سرنگ تاریک مگر ٹھنڈی تھی۔ میرے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے' لیکن آنکھوں کے آگے تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ سرنگ زیادہ اونچی نہیں تھی۔ مجھے سر نیچے کر کے چلنا پڑ رہا تھا۔

خدا...... خدا کر کے وہ سرنگ ختم ہوئی اور ایک سنگی زینہ نظر آیا۔ اس زینے پر قدم رکھا اور اس کے بعد گنتی شروع کر دی۔ خاصی بلندیاں طے کر کے ہم ایک خاصے طویل و عریض پلیٹ فارم پر پہنچ گئے۔ اس پلیٹ فارم کے دائیں جانب مجھے ایک پلیٹ فارم دکھائی دیا۔ اس وسیع و عریض ہال کی چھت کو موٹے موٹے ستونوں نے سنبھال رکھا تھا۔ ایک چھوٹا سا چبوترہ تھا' جس پر ایک چٹان سے تراشا ہوا مجسمہ موجود تھا۔ بہرحال میں اندر داخل ہو گیا' اور تھوڑی ہی دیر بعد مجھے وہاں ایک جانی پہچانی شکل نظر آئی۔ یہ وہ لڑکی تھی جو مجھے اس دن سمندر کے کنارے ملی تھی۔

''ہیلو......'' اس نے مجھے مخاطب کیا۔

''تم؟''

''ہاں۔''

''یاد ہوں میں؟''

''ہاں کیوں نہیں۔''

''ویری گڈ...... تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔''

''چلو اسے لے کر چلو۔'' لڑکی نے اشارہ کیا اور وہ لوگ مجھے لے کر چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے میری تلاشی لی اور پھر مجھے ایک تاریک سے کمرے میں لے جا کر بند کر دیا گیا۔ ں کمرے میں مکمل تاریکی تھی اور خوب ٹھنڈک ہو رہی تھی۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو میں نے گہری ہری سانسیں لیں۔

اب کیا کرنا چاہیے مجھے۔ کمرے میں ہلکی ہلکی سرسراہٹیں سنائی دیں۔ پہلے تو میں نے اسے وئی اہمیت نہیں دی تھی مگر جب وہ سرسراہٹ دوبارہ ابھری تو میں چونکا۔ میں نے محسوس کیا کہ کمرے

میں کوئی ہے۔ آنکھیں جب تاریکی میں دیکھنے کی عادی ہوئیں تو میں نے ایک پرانے صوفے پر ایک شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ میں اسے دیکھ کر چونک پڑا لیکن یہ بات طے تھی کہ یہ شخص بھی یہاں قیدی تھا۔ میں اپنی جگہ کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ تب ہی اس کی آواز ابھری۔

''کون ہو تم؟ مجھ سے اپنا تعارف نہیں کراؤ گے۔'' اس کے ان الفاظ پر میں آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھا اور پھر اس کے قریب پہنچ گیا۔

''میرا نام تیمور پاشا ہے اور میں یہاں ناصر حمیدی کا قیدی ہوں۔''

''کس کا؟'' وہ متعجب لہجے میں بولا۔

''ناصر حمیدی کا۔'' چند لمحے خاموشی رہی پھر اس کے بعد مجھے اس شخص کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔

''خوب...... اچھی بات ہے' بلکہ بڑے مزے کی بات ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب صرف اتنا سا ہے میرے دوست! کہ میں ہی ناصر حمیدی ہوں۔'' اس شخص نے کہا اور دوسرے ہی لمحے میرے بدن سے پسینہ چھوٹ گیا۔

''کون ہو تم؟''

''ناصر حمیدی!'' وہ کسی قدر طنزیہ لہجے میں بولا۔

''کیا تم یہاں قیدی ہو؟''

''ہاں...... برسوں سے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میں یہاں قیدی ہوں۔ مگر تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو کہ تم ناصر حمیدی کے قیدی ہو۔'' میری کھوپڑی ذرا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی اور میں حیرانی سے اس شخص کی باتیں سن رہا تھا' پھر میں نے اس شخص سے کہا۔

''کیا تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو؟''

''تم جو کچھ بھی سمجھ لو۔ اس سے زیادہ میں تم سے اور کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''لیکن تم؟''

''آؤ میرے دوست صوفے پر بیٹھ جاؤ۔ یہاں میرے اور تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہے۔''

''تو تم ناصر حمیدی ہو۔'' میں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔''

''اور میرا نام تیمور پاشا ہے۔''

''تم نے یہ ہی نام بتایا ہے مجھے۔''

''مائی ڈیئر مسٹر ناصر حمیدی! کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''دوست! میرا وقت بگڑ چکا ہے۔ حکومت مصر مجھے اپنا دشمن سمجھتی ہے' لیکن میں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ میرا خمیر بھی مصر کی مٹی سے ہی اٹھا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میں بھی قدیم فرعون کی نسل کا کوئی فرد ہوں۔ کم از کم میں مصر سے غداری نہیں کرسکتا۔''

''مگر تم یہاں کس کے قیدی ہو؟''

''گیمر ون کا...... کرنل گیمر ون۔''

''یہ کون ہے؟''

''ایک بدنسلا...... دوسری جنگ عظیم میں وہ کبھی باغیوں کا ساتھ دیتا رہا ہے اور کبھی اتحادیوں کا۔ جہاں سے وہ دولت بٹور سکتا تھا وہاں سے اس نے دولت بٹوری ہے۔ اس نے میرے نام پر قتل وغارت گری کا بازار گرم کر رکھا ہے' اور میں یہاں اس کا قیدی ہوں۔''

میرے پورے بدن میں سنسناہٹ دوڑ رہی تھی۔ یہ ایک نئی بات میرے سامنے آ گئی تھی۔

''میرے پاس تمہیں یقین دلانے کیلئے اور کوئی ثبوت نہیں ہے سوائے اس کے کہ اگر تم چاہو تو میری بات پر یقین کرلو۔''

''بڑی حیران کن بات ہے۔''

''مگر تم اپنے بارے میں بھی تو کچھ بتاؤ۔'' اور اس کے بعد میرے لئے یہ ضروری تھا کہ میں سے اپنے بارے میں ساری تفصیل بتا دوں۔ ناصر حمیدی یا وہ قیدی' وہ جو کوئی بھی تھا' میری بات سن کر کافی دیر تک خاموشی کا شکار رہا تھا' پھر اس نے کہا۔

''افسوس...... افسوس...... افسوس۔''

''وہ لوگ تم سے کیا چاہتے ہیں۔''

''کچھ نہیں...... وہ لوگ میرا نام استعمال کر رہے ہیں۔ میں دنیا کے گنے چنے دولتمندوں میں سے ایک ہوں۔ میری دولت وہ استعمال کر رہے ہیں۔ بلکہ شاید اب تک اسے ختم بھی کر چکے ہوں' لیکن اس سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ انہوں نے میرے نام کو برے مقاصد کیلئے استعمال کیا ہے اور اس میں کامیاب ہو گئے ہیں۔''

''تو کرنل گیمر ون کیا چاہتا ہے؟''

''اس دنیا میں اپنا اقتدار۔ بیشمار افراد اس طرح زندگی کا آغاز کرتے ہیں' لیکن میں نے بس ختم ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے' البتہ وہ جو کچھ کر جاتے ہیں وہ اتنا بھیانک ہوتا ہے کہ اس کے اگر وہ ختم بھی ہو جائیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''بات تو ایسی ہی ہے۔''

''اب بتاؤ کیا کرنا ہے تمہیں۔''

''ابھی تک تو میں بالکل ہی بے دست و پا ہوں۔ جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ ڈارون نامی ایک شخص نے مجھے اعلیٰ درجے کی پیشکش کر کے اس کام پر آمادہ کیا ہے' لیکن دوست میں یہاں مصر کے عجیب وغریب طلسم میں پھنس چکا ہوں۔ میری شخصیت دوہری ہوگئی ہے۔ کبھی میں ڈارون کے ساتھ کام کرنے والوں میں سے ایک ہوتا ہوں اور کبھی سرزمین مصر کی عجیب وغریب کہانیوں میں گرفتار ایک شخص۔''

''اوہ...... ایسی بات ہے۔''

''ہاں...... بہت زیادہ۔'' ناصر حمیدی کسی سوچ میں ڈوب گیا' پھر اس نے کہا۔

''کیا تمہیں احرام سلابہ کے بارے میں کچھ علم ہے؟''

''احرام سلابہ...... ہاں کیوں نہیں۔ وہی تو میری مصیبتوں کی ساری جڑ ہے۔''

''میں بھی چونکہ قدیم مصری ہوں' میں زیادہ تو نہیں جانتا لیکن اگر تمہیں احرام سلابہ سے نجات مل جائے تو تم ایک شخصیت کے مالک ہو سکتے ہو۔''

''وہ نجات مجھے کیسے ملے گی؟''

''احرام سلابہ کو اس وقت' جب تم اس کے پاس ہو دھماکے سے اڑا دو۔ تم اپنی اصلی حیثیت میں واپس آ جاؤ گے۔''

''دھماکے سے اڑا دوں۔''

''ہاں۔''

''مگر یہ کیسے ممکن ہے۔''

''ممکن ہے۔ میں تمہیں بتا سکتا ہوں۔'' ناصر حمیدی نے کہا اور مجھے بہت کچھ سمجھانے لگا۔

اس نے کہا کہ کچھ وقت کیلئے مجھے اپنی شخصیت میں بالکل تبدیلی پیدا کرنی پڑے گی اور اپنے آپ کو بالکل ایک نئے کردار کی حیثیت میں پیش کرنا ہوگا۔ تب کہیں جا کر میں مصریات کے اس طلسم سے نکل سکتا ہوں۔ نجانے کیوں ناصر حمیدی کی باتوں میں بھی خاصی جان معلوم ہوتی تھی' اور بے اختیار میرا دل چاہا تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اس پر عمل کر کے اپنی تقدیر کے فیصلے کا انتظار کروں۔ درحقیقت اس وقت میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا اس نے اب مجھے بالکل بدل کر دیا تھا۔ ڈارون نے مجھے جو پیشکشیں کی تھیں' وہ بے شک اپنی ایک الگ حیثیت رکھتی تھیں لیکن پھر بھی انسان کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔ اوقات ہوتی ہے اس کی۔ میں جو کوئی بھی تھا اور جس طرح بھی میں نے زندگی گزاری تھی وہ بالکل ایک الگ بات تھی' لیکن اس طرح جو کچھ مجھ پر بیت رہی تھی' وہ تو میرے لئے بڑی ہی تعجب کی بات تھی' اور پھر ناصر حمیدی کے ساتھ قید رکھنے کے بجائے مجھے طلب کیا گیا۔ کچھ لوگ مجھے لینے کیلئے آئے اور اس کے بعد مجھے اس تہہ خانے سے نکال لیا گیا۔ اسے تہہ خانہ ہی کہا جا سکتا تھا۔ جو عجیب وغریب انداز میں بنایا گیا تھا۔ اس بار مجھے جس جگہ پیش کیا گیا۔ وہ ایک بہت شاندار' ایک ہال نما کمرہ

تھا۔ اس شاندار ہال نما کمرے میں بھی بیشمار چیزیں موجود تھیں' لیکن تمام چیزوں کے درمیان ایک شخص اور وہاں تھا' جس کی عمر تقریباً اسی سال کے قریب ہوگی۔ چہرے اور پورے بدن پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں' لیکن صحت بہت شاندار تھی۔ سب سے زیادہ جاندار اس کی آنکھیں تھیں۔ وہ ایک قیمتی صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔

مجھے اس کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ دیر تک گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لیتا رہا۔ جیسے کسی سوچ میں ڈوب گیا ہو' پھر اس نے میرے ساتھ آنے والوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ وہ واپس جائیں' اور ایک ایک کر کے وہ سب نکل گئے۔ بوڑھا آدمی تھا' لیکن اس کی آنکھوں میں بے خوفی تھی۔ اس نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

مقصد یہ تھا کہ میں بیٹھ جاؤں اور میں خاموشی سے اس جگہ بیٹھ گیا۔

''شاندار...... بہت شاندار ہو۔ میری نگاہیں ہر ایسے شخص کو لمحوں میں پہچان لیتی ہیں جو میرے مقصد کیلئے بہتر ثابت ہو سکتا ہے۔''

''آپ سے تعارف حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کون ہیں آپ؟'' میں نے بردباری سے کہا۔

''میرا نام کیمرون ہے...... کرنل کیمرون۔ ہٹلر کا بالکل قریبی ساتھی تھا' لیکن اس کی کچھ باتوں سے اختلاف رکھتا تھا۔ ہٹلر مر گیا۔ میں نے اپنا مشن نہیں چھوڑا۔ میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں' اس کی تفصیل آہستہ آہستہ ہی دنیا کے سامنے آئے گی' لیکن راستے روکے جاتے ہیں اور اس طرح روکے جاتے ہیں کہ بعض اوقات اس پر جھنجھلاہٹ ہونے لگتی ہے۔ میرے راستے بھی روکے جا رہے ہیں اور مسلسل روکے جا رہے ہیں۔ جہاں تک میرے علم میں آیا ہے تم ڈارون کیلئے کام کر رہے ہو۔'' ایک لمحے کیلئے میرے بدن میں ایک سنسناہٹ سی پیدا ہوگئی۔ یہ شخص تو بہت کچھ جانتا ہے۔ میں نے کہا۔

''ہاں لیکن میرا اس سے کوئی جذباتی رشتہ نہیں ہے۔ اس نے مجھے میرے کام کا معاوضہ دیا ہے' لیکن آپ ڈارون کو کس طرح جانتے ہیں اس لئے کہ بظاہر وہ ناصر حمیدی کا دشمن ہے لیکن ناصر حمیدی کا کوئی مشن نہیں ہے' وہ مشن میرا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں ڈارون مجھے اس سے روکنے کا خواہش مند ہے' اور اس وقت وہ حکومت مصر کی گود میں بیٹھ کر کھیل رہا ہے۔''

''کیا ڈارون کو آپ کے بارے میں معلوم ہے' مسٹر کیمرون؟''

''نہیں۔ وہ یہ ہی سمجھتا ہے کہ جو کچھ کر رہا ہے' ناصر حمیدی ہی کر رہا ہے۔ میں نے شروع ہی سے یہ طریق کار رکھا ہے کہ ناصر حمیدی کو اپنا آلۂ کار بنایا ہے جبکہ وہ ایک بیوقوف اور بے مقصد آدمی ہے۔ میں نے اسے قیدی بھی بنا رکھا ہے اور اسی کے نام پر کام بھی کر رہا ہوں۔ جس وقت میرے کام کی تکمیل ہو جائے گی اس وقت میں منظر عام پر آؤں گا اور دنیا کیمرون کا نام سن کر دنگ رہ جائے

گی۔ بہرحال کیا نام ہے تمہارا؟''

''تیمور پاشا۔''

''میں تمہیں صرف پاشا کہوں گا۔''

''کوئی حرج نہیں ہے۔''

''پاشا میرے لئے کام کرو۔ سمجھے...... میرے لئے کام کرو۔ میں تمہیں ڈارون سے زیادہ معاوضہ دوں گا۔''

''میں نے آپ سے کہہ دیا کہ میں ڈارون کا ساتھی صرف اسی لئے ہوں کہ ڈارون مجھے اس کا بہتر معاوضہ دے رہا ہے۔''

''میں تمہیں اس سے دس گنا زیادہ معاوضہ دوں گا۔''

''مجھے اعتراض نہیں ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ میں تم سے ایک اور ملاقات کروں گا' لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے آدمی یہ سمجھیں کہ میں نے تم سے کوئی معاہدہ کیا ہے۔ میں تم سے خفیہ طور پر وہیں ملوں گا' جہاں ناصر حمیدی قید ہے۔''

''ٹھیک ہے' مسٹر گیمرون۔''

''ناصر حمیدی کو بھی اگر چاہو تو اپنے ساتھ شامل کر لو۔ میں اس کے انتظامات کئے دیتا ہوں۔''

''آپ جس طرح کہیں گے میں اس کیلئے تیار ہوں۔'' میں نے جواب دیا اور گیمرون اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے بڑے تپاک سے مجھ سے ہاتھ ملایا تھا۔

❀ ❀ ❀

جب میں ناصر حمیدی کے پاس قید خانے میں پہنچا تو وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''گیمرون سے ملاقات ہوئی۔''

''تم اس کے بارے میں جانتے ہو' مسٹر ناصر حمیدی؟''

''لو...... عجیب سی باتیں کر رہے ہو۔ میں اس کا قیدی ہوں۔ اس نے میری پوری زندگی تباہ کر دی ہے۔ میں اس کے بارے میں نہیں جانوں گا؟''

''میرا اس سے ایک معاہدہ ہوا ہے۔'' میں نے کہا اور ناصر حمیدی سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ ''مگر میں تمہیں اس کے بارے میں بتا نہیں سکتا' جب تک اس کی اجازت نہ ہو۔'' اس رات گیمرون نے تہہ خانے کے ایک خفیہ دروازے سے نکل کر مجھ سے ملاقات کی تھی۔

''ہاں تو تمہیں جو کام کرنا ہے میں تمہیں اس کی تفصیل بتائے دیتا ہوں۔ تمہارے لئے ایک

عمارت مخصوص کر دی جائے گی۔ تم ناصر حمیدی کو ساتھ لے کر وہاں جاؤ گے اور ناصر حمیدی تمہارے ساتھ مل کر کام کرے گا۔ میں نے اس سے بات کر لی ہے اور یہ اس کیلئے تیار ہے کہ اگر میں اسے قید سے رہائی دے دوں تو وہ میرا ساتھ دے گا۔''

''اگر ایسی بات ہے تو میں خوشی سے ان کے ساتھ کام کرنے کو تیار ہوں۔'' مراحل طے ہوئے۔ اسی رات مجھے اور ناصر حمیدی کو عمارت سے نکال کر ایک اور عمارت میں پہنچا دیا گیا جو قاہرہ کے وسطی علاقے میں تھی اور یہاں گیمرون نے ہم سے دوبارہ ملاقات کی۔ عمارت بڑی پراسرار قسم کی تھی اور گیمرون بھی اتنا ہی پراسرار آدمی تھا جو اچانک ہی نمودار ہوتا تھا' اور کہیں نہ کہیں آ کر مل جاتا تھا۔ وہ جس کمرے میں آیا وہ ساؤنڈ پروف تھا' پھر وہ اسی کمرے کے ایک تہہ خانے میں ہمیں لے گیا۔

''میں تمہیں بہت سی ایسی باتیں بتانا چاہتا ہوں جن کے بارے میں ابھی تک دنیا کو معلوم نہیں ہے۔ آؤ...... سامنے بیٹھو۔'' اس نے کہا اور میں اس تہہ خانے کی دیواروں کو دیکھتا ہوا اس کے اشارے کی طرف بڑھ گیا' لیکن ایک چیز میری نگاہوں میں آ گئی تھی۔ دیواروں پر قدیم طرز کے ہتھیار سجے ہوئے تھے۔ انہی میں کچھ خنجر وغیرہ بھی تھے' جو تھے تو زمانہ قدیم کے لیکن اس قدر آبدار کہ ان پر آنکھیں نہیں ٹھہر پاتی تھیں۔ ناصر حمیدی کو شاید میرے کسی ارادے کا علم نہیں تھا' لیکن میں اس وقت دنیا کا ایک انوکھا کارنامہ سرانجام دینے کے موڈ میں تھا۔ گیمرون ایک پروجیکٹر کے پیچھے جا بیٹھا۔ اس نے کمرے میں گہری تاریکی کر دی اور پروجیکٹر پر مصروف ہو گیا۔ میں نے اسی تاریکی سے فائدہ اٹھایا تھا اور ایک تیز دھار خنجر میرے ہاتھ آ گیا تھا۔ جسے میں نے فوراً ہی اپنے لباس میں پوشیدہ کر لیا۔

گیمرون نے پروجیکٹر آن کیا تو ہم دونوں سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ گیمرون ہمیں مصر کے مختلف مقامات کی سیر کراتا رہا' پھر اس نے کہا۔

''یہاں میری وہ زیر زمین لیبارٹری ہے۔ جہاں سے میں اپنا اصلی کام کر رہا ہوں' اور یہ اصل کام ہی میری ساری محنت کا نچوڑ ہے۔ میں تمہیں ابھی اس کے بارے میں نہیں بتا سکتا' لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لئے جو کام کرو پورے خلوص سے کرو۔ بولو...... کیا تم اس کیلئے تیار ہو۔''

''میں اور ناصر حمیدی آپ کے ہر حکم کی تعمیل کیلئے تیار ہیں' مسٹر گیمرون!'' میں نے جواب دیا اور گیمرون ہمیں نجانے کیا کیا کچھ بتاتا رہا' پھر اس نے پروجیکٹر بند کرتے ہوئے کہا۔

''تو بس تم کل سے اپنے کام کا آغاز کر دو گے ناصر حمیدی۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں کر لیتا ہوں' اور اس میں میرے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔''

''میں جانتا ہوں مسٹر گیمرون!''

''آؤ......'' گیمرون نے کہا اور ہمارے آگے آگے چلتا رہا۔ میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ

اس عمارت میں چند ملازم قسم کے آدمی ضرور ہیں۔ گیمرون نے اپنی سکیورٹی کا کوئی بندوبست نہیں کیا ہوا ہے۔ میرے بدن میں مچھلیاں تڑپ رہی تھیں اور میں اس وقت دنیا کا وہ عظیم کارنامہ سرانجام دینے کے موڈ میں تھا' جس کے بعد کہیں اور کی نہیں تو کم از کم مصر کی تاریخ تو ضرور ہی بدل جائے گی' پھر میں نے عقاب کی طرح فضا میں پرواز کر کے گیمرون پر چھلانگ لگائی' اور اسے لئے ہوئے زمین پر آ رہا۔ بوڑھے گیمرون نے حلق سے ایک آواز نکالی اور وہ سیدھا ہوا' لیکن میرے ہاتھ میں دبا ہوا خنجر اس کے حلقوم پر اپنی تیزی دکھا چکا تھا۔ حالانکہ میں نے اس طاقت سے وار نہیں کیا تھا' لیکن اب میں اسے کیا کرتا کہ ایک بھرپور وار کرنے کی کوشش میں گیمرون کی گردن ہی اس کے دھڑ سے علیحدہ ہوگئی۔ ناصر حمیدی اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا تھا۔

گیمرون کا دھڑ زمین پر تڑپ رہا تھا اور اس کی گردن دور پڑی ہوئی تھی۔ ناصر حمیدی چکرانے لگا تو میں نے اس سے کہا۔

''اپنے آپ کو سنبھالو...... مسٹر ناصر حمیدی!''

''یہ...... یہ...... یہ کیا واقعی مر گیا۔''

''میرا خیال ہے گردن علیحدہ ہو جانے کے بعد کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا اور ناصر حمیدی پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''تم جانتے ہو کہ تم نے کیا کر ڈالا ہے۔''

''غلط کیا ہے؟''

''نہیں۔ تم نے وہ کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ اگر...... اگر...... اگر......'' ناصر حمیدی کوئی مناسب جملہ تلاش نہیں کر سکا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ اب دوسرا کارنامہ ہمیں بھی سرانجام دینا ہے کہ یہاں سے نکل جائیں۔''

''اس کی ذمے داری میں لیتا ہوں۔'' اور حقیقتاً ناصر حمیدی نے حیرت انگیز صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ پہلے وہ مجھے لئے ہوئے اس عمارت سے باہر آیا پھر ایک اور خفیہ عمارت میں لے گیا' جس کے بارے میں اس نے مجھے بتایا کہ اس کی خفیہ رہائش گاہ ہے اور آج تک اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم۔ یہاں پہنچ کر ناصر حمیدی نے مصر کی بہت سی ایسی اہم شخصیتوں کو فون کئے' جو اس معاملے میں ملوث ہو سکتی تھیں' اور اس کے بعد خوب ہنگامے ہوئے۔ مجھے حکومت مصر کا مہمان خصوصی قرار دیا گیا۔

گیمرون کے بارے میں ساری تفصیل منظر عام پر آ گئی۔ نجانے کہاں کہاں چھاپے پڑے۔ گیمرون کی وہ خفیہ لیبارٹری بھی حکومت کے قبضے میں آ گئی۔ ڈارون کا کہیں پتہ نہیں چل سکا تھا' لیکن بہرحال ناصر حمیدی میرا بہترین دوست بن گیا تھا۔ وہ بہت ہی اعلیٰ حیثیت کا مالک تھا' اور اس کے بارے میں حکومت مصر کو جو غلط فہمیاں تھیں وہ دور ہوگئی تھیں۔ بہرحال یہ جو کچھ بھی ہوا تھا' اس کیلئے

میں خود بھی حیران تھا' لیکن جب فرصت ملی تو ناصر حمیدی نے مجھ سے کہا۔

''اور مجھے معلوم ہے کہ تم احرام سلابہ کے زیر اثر ہو۔'' میں نے تعجب سے ناصر حمیدی کو دیکھا اور بولا۔

''کیا تم احرام سلابہ کے بارے میں جانتے ہو؟''

''ہاں دوست! اس لئے کہ میں بھی ایک طویل عرصے سرزمین مصر کی ان پراسرار روایات میں گھرا رہا ہوں۔ جو ہر ایک کو تو نہیں لیکن جب کسی کو اپنے آپ میں ملوث کرتی ہیں تو وہ عجیب و غریب کیفیات کا شکار ہو جاتا ہے۔''

''تم بھی ہوئے ہو؟''

''ہاں...... ہاں! میری زندگی کی کہانی بہت مختصر ہے' لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں۔'' اپنی شاندار رہائشگاہ کے ایک خوبصورت بیڈروم میں ناصر حمیدی نے اپنے بارے میں مجھے تفصیل بتاتے ہوئے کہا' اور میں غور سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگا۔ ناصر حمیدی اچھی شخصیت کا مالک تھا۔ بہت ہی خوبصورت اور دلنشین چہرہ تھا اس کا۔ چند لمحات وہ سوچوں میں ڈوبا رہا' پھر بولا۔

''پہلی بار جب میں نے اسے دیکھا تو وہ موسم گرما کی ایک تپتی ہوئی سہ پہر تھی۔ میں ایک سٹیشن کے سیکنڈ کلاس ویٹنگ روم میں بیٹھا ہوا گاڑی کا انتظار کر رہا تھا' اور میرا ایک بہت ہی قریبی دوست' جس کے بارے میں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرا اس سے زیادہ اچھا کوئی اور دوست تھا ہی نہیں' مجھ سے کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات تھے۔ میں ایک غریب آدمی تھا' اور جس طرح سے غریب آدمی خواب بنتے ہیں۔ میری آنکھوں میں بھی اسی طرح کے خواب تھے اور یہ میرا دوست ہی تھا' جس کا نام ابن طاہر تھا' مصر کا ہی رہنے والا تھا۔ ابن طاہر نے میرے وطن کی یونیورسٹی میں میرے ساتھ ہی تعلیم حاصل کی تھی' اور یہ بات بھی مجھے بعد میں ہی معلوم ہوئی تھی کہ وہ خود بھی سائرہ کی زلف کا اسیر ہو گیا تھا۔ سائرہ' جو میری پہلی اور آخری محبت تھی' لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا اس نے مجھے نجانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

ابن طاہر جیسا کہ میں نے بتایا مصر کا رہنے والا تھا' اور تعلیم حاصل کرنے کیلئے میرے وطن آیا تھا۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد واپس قاہرہ آ گیا تھا۔ میرے اور اس کے درمیان خط و کتابت ہوتی رہتی تھی' اور اس نے کئی بار مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے مصر بلائے گا اور پھر اس نے اپنے اس قول کی تصدیق بھی کر دی۔ اس نے تمام ضروری کاغذات اور جہاز کا ٹکٹ بھیج دیا تھا۔ چنانچہ میں قاہرہ چل پڑا۔

سائرہ' جسے میں چاہتا تھا' جس کے بارے میں مجھے کبھی اس بات کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ بھی مجھے چاہتی ہے یا نہیں۔ مجھ سے گریز ہی کرتی تھی۔ بہرطور میں نے اس کی محبت سے محروم رہ کر

مصر کا سفر کیا اور آخر کار قاہرہ پہنچ گیا۔

ابن طاہر نے میرا بہترین استقبال کیا تھا۔ وہ یہاں اچھی حیثیت کا مالک تھا۔ بہرطور اس نے مجھے مصر کے قہوہ خانوں اور بیلے ڈانس کلبوں سے روشناس کرایا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر کوئی قاہرہ آ کر مصری حسیناؤں کا بیلے رقص نہ دیکھے تو پھر اس کا قاہرہ آنا ہی بیکار ہے۔

بہرطور ہم اس وقت سٹیشن پر بیٹھے کہیں جانے کیلئے تیار تھے اور ابن طاہر اپنے کاموں میں مصروف تھا کہ وہ مجھے نظر آئی۔''

''کون؟'' میں نے بے اختیار پوچھا۔

''اس کا نام' آمنہ تھا۔ آمنہ القراش......'' ناصر حمیدی نے کہا اور میرا دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ناصر حمیدی اپنی دھن میں مست تھا۔ وہ بھی کسی خیال میں کھو گیا تھا۔ کچھ لمحے خاموش رہ کر اس نے کہا۔

''لیکن اسے دیکھنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ یوں سمجھ لو کہ میں پتھرا گیا تھا۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے زمین نے میرے قدم پکڑ لئے ہوں۔ جیسے دل نے دھڑکنا بند کر دیا ہو۔ جیسے حواس رخصت ہو گئے ہوں۔ وہ ایک سٹال کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا رنگ دودھ کی طرح سفید تھا۔ اس کے بال سنہری' چمکیلے اور ہلکے سرخی مائل تھے۔ سب سے بڑی چیز اس کا قدوقامت تھا۔ لمبے قدوقامت کے باوجود اس کا جسم بہت گداز اور سڈول تھا۔ بہرحال اسے دیکھ کر میں بری طرح نروس ہو گیا تھا۔

پھر اس نے میری طرف نگاہیں اٹھائیں تو مجھے یوں لگا جیسے میں کسی قدیم تابوت کے کسی طلسم خانے میں جلتے ہوئے دو چراغوں کو دیکھ رہا ہوں۔ میرے پورے بدن میں سردی کی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بہت بڑی بڑی اور غیر معمولی طور پر بہت کشادہ تھیں۔ ان کا رنگ گہرا نیلا تھا اور ان میں بلور کی سی حیرت انگیز چمک تھی۔ مجھے ایسا لگا' جیسے ان آنکھوں سے روشنی کی چنگاریاں نکل رہی ہوں۔

بہرحال میری آنکھیں بند ہو گئی تھیں' لیکن میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اسے دیکھتا رہوں۔ میں نے پھر اس کی جانب نگاہ اٹھائی تو محسوس کیا کہ وہ میری ہی طرف دیکھ رہی ہے' پھر اس کے یاقوتی لبوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ بھی ایک عجیب سی بات تھی لیکن اس سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ جب ہم نے اپنے سفر کا آغاز کیا تو آمنہ القراش بھی اسی کمپارٹمنٹ میں سوار تھی۔ چھوٹا سا کمپارٹمنٹ تھا۔ اس کا سامان بھی ایک سیٹ پر رکھا ہوا تھا' اور میں اسے دیکھ کر ایک بار پھر اس کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی سحر انگیز آنکھوں سے بچنے کی مستقل کوشش کی تھی۔ کیونکہ میرے اندر اس کی آنکھوں کے اندر جھانکنے کی ہمت نہیں تھی۔ یہ آنکھیں ایسا لگتا تھا' جیسے کسی ویرانے میں جلتے ہوئے چراغ ہوں۔ جنہیں دیکھ کر انسان مسحور ہو جائے۔ میں دوسری برتھ پر بیٹھ گیا۔ میرا دوست ابن طاہر بالکل بے تعلق سا بیٹھا ہوا تھا۔ پتہ نہیں اس نے اسے دیکھنے سے کیوں گریز کیا تھا۔

وہ بظاہر تو خشک آدمی نہیں تھا اور حسن پرستی اس کی فطرت کا بھی حصہ تھی' لیکن اس نے ادھر نہیں دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہماری ٹرین شہری حدود سے آگے نکل گئی۔ میں نے کھڑکی کا شیشہ اٹھایا تو باہر دور دور تک دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور قرب و جوار میں تپتا ہوا ریگستان تھا۔ دفعتاً میں نے اسے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے دیکھا۔ وہ غالباً ٹوائلٹ کی جانب جا رہی تھی۔ چال تھی کہ قیامت۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ عقب سے بھی اتنی ہی حسین تھی جتنی سامنے سے۔ بہرطور وہ ٹوائلٹ میں چلی گئی' اور میں آنکھیں بند کر کے گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

زندگی میں کبھی بھی اس طرح میں کسی سے متاثر نہیں ہوا تھا۔ اپنے وطن کی یونیورسٹی میں سائرہ نے مجھ سے مستقل میرے ہوش و حواس چھینے ہوئے تھے' اور میں کسی اور طرف غور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بہرطور تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئی اور میرے اعصاب پھر کشیدہ ہو گئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرے دوست نے اب بھی اس پر توجہ دی یا نہیں' لیکن اس بار ذرا وہ بھی چونکا ہوا تھا اور آنے والی لڑکی کو تعریفی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر اور گزر گئی۔ تب ہی ایک مترنم آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''ہیلو'' میں نے چونک کر اسے دیکھا تو پھر وہ اسی انداز میں مسکرا دی۔ ایک عجیب سی احساس پر چھا جانے والی مسکراہٹ تھی یہ' پھر اس نے کہا۔

''دوران سفر اگر مسافروں کی تعداد بھی کم ہو تو دل چاہتا ہے کہ ایک دوسرے سے تعارف حاصل کیا جائے۔ میرا نام آمنہ ہے۔ آمنہ القراش۔'' اس کی شخصیت کی طرح اس کی آواز بھی غیر معمولی تھی۔ اس نے پھر کہا۔

''اور آپ اپنے بارے میں نہیں بتائیں گے۔''

''میرا...... نام...... مم...... میرا نام ناصر حمیدی ہے۔''

''تعلق کہاں سے ہے؟''

''مشرقی ہی ہوں۔''

''مجھے لگ رہا تھا' اور یہ صاحب! یہ تو صورت ہی سے مصر کے باشندے نظر آتے ہیں۔''

''ہیلو۔'' ابن طاہر نے گردن خم کر کے کہا۔

''ناصری صاحب! میرے خیال میں یہاں کا موسم آپ کیلئے تکلیف دہ ہی ہو گا۔''

''نہیں۔ مجھے تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔''

''کیا آپ بھی مصری ہیں۔'' ابن طاہر نے سوال کیا تو یوں لگا جیسے آمنہ القراش چونکی ہو۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی اور دیر تک اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ دور تک پھیلے ہوئے ریتلے صحرا میں کوئی ایسی چیز دیکھ رہی ہو' جو ہم لوگ دیکھنے سے قاصر ہوں' پھر اس نے کہا۔

''مصر...... ہاں میں صدیوں سے مصر ہی میں رہتی ہوں۔'' میں نے اس کے الفاظ پکڑے۔

''صدیوں سے...... کیا مطلب؟''

''مم...... میرا مطلب ہے...... میرا مطلب ہے کہ میری روح صدیوں سے ان صحراؤں میں بھٹک رہی ہے۔'' یہ الفاظ بھی بڑے تعجب کے تھے۔ بہرحال ہمارا یہ سفر جاری رہا اور پھر ہم اپنی مطلوبہ جگہ اترنے کیلئے تیار ہو گئے۔ یہاں آمنہ القراش کو لینے کیلئے بھی ایک عورت موجود تھی اور اس نے بڑے احترام کے ساتھ آمنہ القراش کو خوش آمدید کہا۔ بہرطور وہ بھی نیچے اتر گئی اور میں اسے یاد کرتا رہ گیا۔ ہم نے ایک ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ غالباً تین چار دن اس قیام کو گزر گئے۔ میرے ذہن میں اب دوہری کیفیت تھی۔ سائرہ کی بے وفائی اور آمنہ القراش کا حسن' دونوں یکجا ہو گئے تھے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں گئی' پھر اس دن ہم اپنے ہوٹل کی بالکونی میں کھڑے ہوئے تھے کہ میں نے آمنہ القراش کو دیکھا۔ وہ ایک اور کمرے کی بالکونی میں کھڑی ہوئی تھی' اور اس کی نگاہیں میری ہی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ اسی وقت پیچھے سے ابن طاہر کی آواز سنائی دی۔

''آؤ...... چلو چلتے ہیں۔ میں ہوٹل کی گاڑی کا بندوبست کر کے آیا ہوں۔'' میں ایک دم چونک پڑا۔ ابن طاہر کو نجانے کیوں میں آمنہ القراش کے بارے میں نہیں بتانا چاہتا تھا' لیکن اس خوبصورت کار میں بیٹھا میں اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اگر وہ مقامی باشندہ تھی تو پھر ہوٹل میں کیوں نظر آ رہی تھی۔

بہرطور کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ ہم لوگ اس شہر کے گردونواح کا جائزہ لیتے رہے' لیکن میرے تصور میں آمنہ القراش کا خوبصورت چہرہ ناچتا رہا۔ میں نجانے کیوں اب اس کے سحر میں بری طرح گرفتار ہو چکا تھا۔ ابن طاہر نے غالباً میری اس کیفیت کو محسوس کیا اور اس نے کہا تھا۔

''کیا بات ہے تم کچھ الجھے سے ہو۔''

''نہیں کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ ابھی ہم ایک آدھ دن یہاں رہیں گے اور اس کے بعد قاہرہ واپس چلیں گے۔'' میں نے اس بات پر بھی کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا' البتہ جب ہم گھوم پھر کر ہوٹل واپس آئے تو میں نے کافی وقت ہوٹل کے مختلف گوشے دیکھتے ہوئے گزارا۔ میں اس کمرے پر پہنچا' جس کی بالکونی میں میں نے آمنہ القراش کو دیکھا تھا' لیکن کمرے کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ میں نے ہوٹل کے ویٹر سے اس کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ یہ کمرہ خالی پڑا ہوا ہے۔ یہ بات میرے لئے بڑی تعجب خیز تھی' لیکن پھر بھی نجانے کون سی قوت میری زبان کو بند کئے رہی' اور میں نے اس سے اس بارے میں نہیں کہا کہ میں نے یہاں آمنہ القراش کو دیکھا۔''

ناصر حمیدی میرا بہترین دوست بن گیا تھا' لیکن وہ معمولی آدمی نہیں تھا۔ گیمرون کی موت کے بعد اسے اپنے معاملات سنبھالنے تھے اور بہت سے ایسے الجھن آمیز معاملات تھے۔ جن کی وجہ سے وہ میرے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزار سکا' البتہ ابن طاہر اب میرے بہترین دوستوں میں شمار ہو گیا

تھا' اور صحیح معنوں میں یہ شخص کافی اچھا انسان تھا۔ وہ بڑا باغ و بہار قسم کا آدمی تھا۔ پہلے وہ مزید تعلیم کیلئے پیرس گیا تھا۔ لیکن چونکہ تعلیم ختم نہیں ہوئی تھی اس لئے وہ واپس نہیں گیا۔ حسن پرست تھا اور مصر کے کیبرے ہاؤس اور باقی جگہیں اس کیلئے بہت ہی اہمیت رکھتی تھیں۔

''میں تو یاروں کا یار ہوں۔ دوستوں اور حسیناؤں کیلئے جان دینا میرا مشغلہ ہے۔ کیا سمجھے؟ میں تمہیں اب بھی یہ ہی دعوت دوں گا کہ اگر تم نے قاہرہ کے تمام کلب اور نائٹ کلب نہیں دیکھے تو میرے ساتھ انہیں دیکھو۔ ویسے ناصر حمیدی اپنے کھوئے ہوئے اثاثے حاصل کر رہا ہے۔ تم نے اس پر بڑا احسان کیا ہے۔ اس کو اس کی کھوئی ہوئی جنت واپس مل گئی ہے۔'' اب میں نے جو کچھ کہا تھا' وہ جس طرح سے کیا تھا وہ میں ہی جانتا تھا۔ ابن طاہر کی ایک گرل فرینڈ تھی۔ اس کا نام ایلیسا تھا۔ ایلیسا دوہری نسل کی تھی۔ اس کا باپ باہر کا تھا اور ماں مصری' اور یہ بات تو طے ہے کہ مصر میں مرد بے شک زیادہ خوبصورت نہیں لیکن عورتیں بے مثال ہوتی ہیں۔ اسی طرح ایلیسا بھی بہت خوبصورت' دبلی پتلی اور نازک سی لڑکی تھی۔

وہ ہر روز آ جاتی تھی' لیکن اب اس کی مجھ سے زیادہ دوستی ہو گئی تھی۔ عموماً میں' طاہر اور ایلیسا گھر سے نکل پڑتے۔ سارے شہر میں مارے مارے پھرتے حتیٰ کہ تھک کر چوُر چوُر ہو جاتے۔ پانچ چھ دن اسی طرح گزر گئے۔ اس دن میں تنہا ہی تھا کہ ایلیسا وغیرہ شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ میں اپنے کمرے ہی میں تھا۔ ناصر حمیدی نے حالانکہ مجھے ایک گھر میں رہنے کی پیشکش کی تھی' لیکن میں نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔ گھر میں پڑے پڑے طبیعت اکتا سی گئی۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کروں کہ ٹھیک اسی وقت گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ میں نے دروازہ کھولا تو ایک اور لڑکی مجھے نظر آئی۔ اس سے بھی میری ملاقات ہو چکی تھی۔ یہ ایلیسا کی دوست ہیرینہ تھی۔ ہیرینہ یمنی تھی اور اکثر ہمارے پاس آ جایا کرتی تھی۔

''ہیلو ہیرینہ۔ خیریت تو ہے۔''

''ہاں...... کہاں گئے یہ لوگ؟''

''بس سیر و سیاحت کرنے گئے ہوئے ہیں۔''

''اور تم کیوں نہیں گئے۔''

''میں بس ذرا کسل مند تھا۔''

''تو پھر میرے ساتھ چلو۔ ہم لوگ گھومیں پھریں گے۔'' میں تیار ہو گیا۔ ہیرینہ بھی تیکھی اور دلنشین لڑکی تھی۔ ہم نے ایک جگہ کچھ کھایا پیا اور پھر سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے لگے۔ اچانک ہی ایک ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے ہیرینہ نے کہا۔

''ایک بات بتاؤ تیمور پاشا۔ کیا تم قسمت پر یقین رکھتے ہو؟''

''کچھ کچھ ہے تو سہی لیکن پتہ نہیں تدبیر زیادہ طاقتور ہے یا تقدیر۔''

"اکثر ایسے واقعات پیش آ جاتے ہیں کہ ہمیں تقدیر کی حیثیت کو ماننا پڑ جاتا ہے۔"

"تم نے یہ ذکر کیوں چھیڑا۔"

"یہاں ایک ایسی شخصیت ہے' اس کا نام رولس ہے۔ رولس بہت اچھا پامسٹ ہے۔ کیا خیال ہے ہم اس سے ملاقات کریں؟"

"کیا پوچھنا چاہتی ہو تم؟"

"اپنی شادی کے بارے میں۔"

"اوہو...... کوئی چکر چلا ہوا ہے کیا؟"

"لگ رہا ہے۔ چلا نہیں تو چل جائے گا۔" اس نے کسی قدر شوخی سے کہا' اور رولس قریب ہی پتلی سی ایک گندی گلی میں رہتا تھا۔ اس کی رہائش اور دفتر اسی گلی میں تھے۔ اس کا دفتر چھوٹے چھوٹے کیبنوں پر مشتمل تھا۔ ایک میں وہ خود بیٹھتا تھا' اور دوسرا ملاقاتیوں کیلئے مخصوص تھا۔ یہ کیبن دراصل ایک بیٹھک نما کمرے کو تقسیم کر کے بنائے گئے تھے۔ بہر حال ہم لوگ اس کے پاس پہنچ گئے۔

ہیرینہ نے گھنٹی بجائی تو بیچ والی دیوار میں سے ایک ننھی سی کھڑکی کا پٹ کھلا اور ایک بھدی عورت کا چہرہ نظر آیا۔ ہیرینہ نے اسے اپنے بارے میں بتایا تو وہ بولی۔

"چلو تم لوگ باری باری آ جاؤ۔" ہیرینہ اندر چلی گئی۔ کوئی بیس منٹ کے بعد وہ واپس آئی اور میرے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ ہاتھوں کو اس طرح پڑھتا ہے' جیسے کھلی کتاب پڑھ رہا ہو۔"

"کیا بتایا اس نے؟"

"میں تمہیں کیوں بتاؤں۔ چلو جاؤ اب تمہاری باری ہے۔" میں ہارڈ بورڈ کا دروازہ کھول کر دوسرے کیبن میں داخل ہوا اور ایک دم ٹھٹک کر رہ گیا۔ میری پہلی نگاہ جس شخص پر پڑی تھی۔ ایک لمحے کیلئے مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ وہ شخص انسان ہی ہے۔ اس کی وضع قطع اور شکل وصورت عجیب تھی۔ آنکھیں بیحد بڑی بڑی' باہر کی جانب ابھری ہوئی اور حد درجے سرخ تھیں۔ ناک غیر معمولی طور پر لمبی اور طوطے کی چونچ کی طرح ٹیڑھی تھی۔ سر پر بھی اس کے سارے بال صاف ہو چکے تھے۔ اس کی کھوپڑی چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھی' لیکن کنارے کنارے بال موجود تھے اور ایک جھالر سی بنا رہے تھے۔ اس کے سامنے والے اوپری دو دانت اتنے بڑے تھے کہ نچلے ہونٹ پر رکھے نظر آتے تھے۔ جسم پر ایک میلا اور بوسیدہ گاؤن لپٹا ہوا تھا۔ میز پر رکھے ہوئے ہاتھوں کی انگلیوں میں طرح طرح کی انگوٹھیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ جن میں زمرد' لعل' یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ یا ممکن ہے معمولی پتھر ہوں۔ وہ چند لمحے مجھے اپنی خونخوار نظروں سے گھورتا رہا' پھر مصری زبان میں بولا۔

"ہاں...... بتاؤ کیا چاہتے ہو؟"

"آپ مجھ سے انگلش میں بات کیجیے؟" میں نے کہا۔ اس کی انگارہ سی آنکھیں بدستور میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے ماتھے میں سوراخ ہو رہا ہو۔ میں نے اسے اپنا نام بتایا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اس کی ریکھاؤں کا جائزہ لینے لگا' اور پھر اچانک ہی اس کے چہرے پر عجیب سے آثار پھیل گئے۔ اس نے کہا۔

"کیا تمہارے سینے پر ابابیل کا نشان ہے؟" یہ سوال بڑا عجیب تھا۔ اس نشان کے بارے میں' میں نے پہلے کبھی نہیں سوچا تھا' لیکن ایک آدھ بار جب میرے دوستوں نے میرا جسم دیکھا تھا تو کہا تھا کہ یار! یوں لگتا ہے کہ جیسے تمہارے سینے پر کوئی ابابیل بیٹھی ہوئی ہو۔

"ہاں...... ہے۔"

"یہ بہتر نہیں ہے۔ تم یوں سمجھ لو کہ تم بیلسٹ ہو۔"

"بیلسٹ کیا ہوتا ہے؟"

"رک جاؤ۔ میں تمہیں ابھی بتاتا ہوں۔" وہ کمرے کے ایک کونے میں زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کچھ تلاش کرنے لگا' پھر جب کھڑا ہوا تو اس کے ہاتھ میں ایک بھاری کتاب دبی ہوئی تھی۔ اس نے کتاب کی گرد جھاڑی اور میری طرف دیکھ کر بولا۔

"ہوں...... میں تمہیں ابھی تمہارے بارے میں بتاتا ہوں۔" پھر اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں پامسٹ ہوں اور میں نے اپنی زندگی میں ہزاروں ہاتھ دیکھے ہیں' لیکن تمہارا ہاتھ بڑا عجیب وغریب ہے۔ تمہیں قدم قدم پر خطروں اور ناگہانی آفات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ احرام مصر کی پراسرار قدیم روحیں مسلسل تمہارا تعاقب کر رہی ہیں اور تمہیں اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہیں۔ میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ اگر تم بچنا چاہتے ہو تو مصر سے نکل جاؤ...... یہ بھول جاؤ کہ تمہارے معاملات کیا ہیں اور تم کتنی الجھنوں کا شکار ہو۔ یہ الجھنیں تمہاری موت بھی بن سکتی ہیں۔ کیا سمجھے؟ تمہیں خود بھی اس بات کا اندازہ ہوگا کہ جب سے تم سرزمین مصر میں داخل ہوئے ہو۔ روحوں کے کھیل میں گرفتار ہو۔ میں تمہیں ایک جگہ کا پتہ بتاتا ہوں وہاں چلے جاؤ۔ تمہیں تمہاری مشکل کا حل مل جائے گا' لیکن ذہن میں رکھنا' جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے تمہیں وہی کرنا ہے۔ ورنہ پھر تم جانو اور تمہارا کام۔ مصر کی زمین کو چھوڑنا تمہارے لئے بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اگر تم نے یہ زمین نہیں چھوڑی تو پھر زمین کی گہرائیوں میں چلے جاؤ گے...... چلے جاؤ...... بھاگ جاؤ۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" اس نے انتہائی بدتمیزی سے کہا' اور میں حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"سنا نہیں تم نے جاؤ۔ میں تمہاری نحوستیں اپنی اس شاندار رہائشگاہ میں منتقل نہیں کر سکتا۔" میں ہیرینہ کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ہیرینہ نے مجھ سے پوچھا۔

"کیا بتایا اس نے تمہارے بارے میں؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔ اس نے مجھے ایک جگہ جانے کیلئے کہا ہے۔ یہ غالباً راگا کلیسا

ہے۔''

''راگا کلیسا؟''

''ہاں۔''

''کیوں؟''

''کیا تم اس کے بارے میں جانتی ہو؟''

''ہاں...... وہ تو بڑی پراسرار جگہ ہے۔ صحرائے مصر کے ایک ویران علاقے میں واقع ہے۔ وہاں تک تو جانا بھی آسان نہیں ہے' لیکن بہرحال اس نے جو کچھ کہا ہے وہ غلط نہیں ہوگا۔ تو تم کب جا رہے ہو' راگا کلیسا؟''

''میں اس کے بارے میں فیصلہ کروں گا۔ دراصل میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ اس طرح کی باتوں کو میں زیادہ نہیں مانتا' لیکن بہرحال اگر کچھ ہوا تو پھر دیکھ لوں گا۔''

''ایک فرمائش کروں تم سے۔''

''بولو۔''

''کیا تم راگا کلیسا مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جاؤ گے؟''

''اس نے مجھے وہاں تنہا جانے کیلئے کہا ہے۔'' میں نے جواب دیا اور ہیرینہ سوچ میں ڈوب گئی۔

بہرحال میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہاں مجھے تنہا ہی جانا ہے۔ چنانچہ میں معلومات حاصل کر کے چل پڑا۔ اس سلسلے میں ناصر حمیدی یا اپنے کسی دوست سے مدد لینا میں نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔ ابن طاہر یا ناصر حمیدی وغیرہ سب اس سلسلے میں بیکار تھے۔ بہرحال میں راگا کلیسا پہنچ گیا' اور اس وقت میں ایک مصری ممی کے ساتھ ٹیک لگا کر ایک کھمبے کے پاس کھڑا ہوا تھا اور بہت غور سے ممی کو دیکھ رہا تھا۔ جس تابوت کے پاس میں کھڑا ہوا تھا وہ شیشے کا بنا ہوا تھا۔ اس کی لمبائی کوئی نو فٹ اور چوڑائی چار فٹ رہی ہوگی۔ تابوت کے اندر ممی سیدھی لیٹی ہوئی تھی اور اس کے پورے جسم پر مٹیالے رنگ کی پٹیاں اس طرح لپٹی ہوئی تھیں کہ جسم کا کوئی بھی حصہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہاں چہرہ کسی حد تک کھلا ہوا تھا اور وہ چہرہ کوئی خوشگوار منظر پیش نہیں کر رہا تھا۔

وہ ایک بھیانک چہرہ تھا۔ سوکھا ہوا سیاہ۔ آنکھوں کی جگہ دو غار تھے۔ کنپٹیوں اور گالوں پر گڑھے تھے اور چہرے کی کھال سوکھ کر سیاہ ہوگئی تھی اور جگہ جگہ سے چٹخ گئی تھی۔ تابوت کے ساتھ ممی کے بارے میں تھوڑی سی تفصیلات موجود تھیں۔ یہ ممی تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پرانی تھی' اور اسے خصوصی طور پر طوطخ آمن کے سلسلے میں پیش کیا گیا تھا اور راگا کلیسا کا مقبرہ زمین کی سطح سے کوئی بیس پچیس فٹ اونچا تھا۔ تحقیقات کے مطابق اس ممی کا تعلق فرعون مصر کے کسی شاہی خاندان سے نہیں تھا۔ بلکہ وہ شاہی محل کی کوئی عورت تھی اور کہا جاتا تھا کہ اپنے دور کی حسین ترین عورت ہوگی۔ اس کے

بارے میں تفصیلات تھیں کہ اس کا قد لمبا تھا۔ بال سنہرے اور دراز تھے اور آنکھیں گہری نیلی تھیں' اور وہ ایک حسین ترین عورت تصور کی جاتی تھی۔ اچانک ہی مجھے احساس ہوا جیسے یہ ممی تین چار ہزار سال پرانی نہیں ہے بلکہ وہ ایک عورت ہے اور میرے سامنے گہری پرسکون نیند سو رہی ہے۔

میں اس کے سانسوں کی آوازیں سن رہا تھا۔ دھیمی دھیمی زندگی سے بھرپور گرم سانسیں۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور ہاتھوں کی انگلیاں آہستہ آہستہ کانپنے لگیں۔ کچھ دیر بعد میرے گرد چھائی ہوئی خود فراموشی کی گرد ہٹی اور میں نے گردن اٹھا کر ایک نظر دیکھا۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ آخر یہ ممی مجھے بالکل اپنی اپنی کیوں لگ رہی ہے۔ بہرحال اچانک ہی ممی کے چہرے میں تبدیلی رونما ہوئی۔ اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور میں اس وقت قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں دیوانگی کی کیفیت میں نہیں تھا۔ بلکہ میں پورے ہوش و حواس میں تھا' اور اس ہوش کے عالم میں' میں نے آمنہ القراش کو دیکھا۔ تابوت میں آمنہ القراش ہی لیٹی ہوئی تھی اور مجھے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس کے خوبصورت جسم پر سفید لباس تھا' جو اس کی شخصیت کے سحر کو کچھ زیادہ ہی نمایاں کر رہا تھا۔ میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ اس بار اس طرح میں آمنہ القراش کو دیکھوں گا۔ کچھ دیر تک میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں۔ کیا میں اس کے قریب جاؤں' اس سے بات کروں۔ وہاں میں نے محسوس کیا کہ شیشے کے تابوت کا دروازہ کھل رہا ہے' پھر دروازہ پوری طرح کھل گیا' اور آمنہ القراش اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے چند لمحے میری طرف دیکھا اور پھر تابوت سے باہر نکل آئی۔ میرے پورے بدن پر تشنج سا طاری تھا۔ دفعتاً ہی آمنہ القراش نے مجھے مخاطب کیا۔

''کیا اب بھی تم مجھ سے گریز کرو گے؟''

''تم آمنہ ہو۔''

''ہاں میں آمنہ ہوں۔''

''مگر یہاں' اس وقت اور اس تابوت میں۔''

''تمہیں مصر کی تاریخ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''میں کیا بتاؤں۔ میں تو کچھ عجیب و غریب کیفیات کا شکار ہو گیا ہوں۔''

''میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔ تم نے میرے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ سادان کے ساتھ سفر اور اسے اس کی منزل تک پہنچانا' یہ سب بہت کچھ ہے۔''

''جو کچھ بھی ہے؟''

''آؤ میرے ساتھ چلو'' اس نے کہا اور مجھے لگا جیسے میں کسی رسی سے بندھا ہوا ہوں۔ وہ آگے بڑھی اور ایک ایک قدم چلنے لگی۔ اس کی چال میں ایک شاہانہ وقار تھا۔ ایک خود اعتمادی اور تمکنت تھی۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد میں باہر نکل آیا۔

وہ مجھے ساتھ لئے ہوئے ایک مخصوص سمت کی طرف بڑھ رہی تھی۔ راگا کلیسا کی عمارت کی

کیا تاریخ تھی' مجھے اس کے بارے میں تفصیلات نہیں معلوم تھیں' لیکن بہر حال مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں اسے دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا ہوں' پھر وہ مجھے ایک سرنگ جیسی جگہ میں لے گئی اور میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا دور تک اس کے ساتھ ساتھ نکل آیا۔ وہ بہت پروقار انداز میں جا رہی تھی اور اس کا مجھ سے صرف ایک فٹ کا فاصلہ تھا۔ میں آگے بڑھتا رہا' اور تھوڑی دیر کے بعد یہ سرنگ گہرائیوں میں اترنے لگی۔ میں بدستور اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ جس جگہ وہ رکی' وہ ایک بہت ہی خوبصورت ہال نما جگہ تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں کسی بہت ہی قدیم مقبرے میں آ گیا ہوں' اور وہاں کا ماحول بہت عجیب و غریب تھا۔ بہر طور وہ ایک جگہ جا کر رک گئی' پھر اس نے مجھ سے بیٹھنے کیلئے کہا' اور بولی۔

''ہاں......اب کیا کہتے ہو؟''

''میں کیا کہہ سکوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں تمہارے بارے میں بہت کچھ سوچ رہی ہوں۔''

''کیا؟''

''یہی کہ کیوں نہ تمہیں قدیم دنیا میں لے جایا جائے۔ اب اس دنیا سے تمہارا کوئی تعلق نہیں رہنا چاہیے۔''

''قدیم دنیا سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''دیکھنا چاہتے ہو اسے؟''

''دیکھ سکوں گا؟''

''ہاں کیوں نہیں...... آؤ میرے ساتھ۔ یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر آگے بڑھ گئی۔ میں کسی سائے کی طرح اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس بار ہمیں بلندیوں کا سفر طے کرنا پڑا تھا اور یہ بلندیاں بھی نجانے کتنی تھیں۔ بہت سا فاصلہ طے کرنے کے بعد جب ہم اس عظیم الشان پہاڑی سرنگ سے اوپر پہنچے تو میں نے وہاں ایک پلیٹ فارم دیکھا۔ یہ پلیٹ فارم ایک چٹان کی شکل میں تھا اور اس سے نیچے مدہم نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ میرے ساتھ پلیٹ فارم پر کھڑی ہوگئی۔ تب میں نے زمانہ قدیم کا مصر دیکھا۔

بہت سی داستانوں میں بہت سی فلموں میں مصر کے یہ مناظر دیکھنے کو ملے تھے۔ فراعنہ کا دور تھا' غلام مختلف کاموں میں مصروف تھے۔ اہرام تعمیر ہو رہے تھے۔ ایک طرف شاہی محل نظر آ رہا تھا۔ جس کی پرشکوہ عمارت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور پلیٹ فارم کے دوسری جانب نکل گئی۔ میں ہوش و حواس میں تھا۔ بے شک مجھ پر ایک سحر سا طاری تھا' لیکن اتنا بھی نہیں کہ صورتحال کا جائزہ نہ لے سکتا۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ پلیٹ فارم سے دور وہ ہوا میں معلق ہو گئی تھی اور اس کے قدموں تلے کچھ نہیں تھا۔ اس نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور پھر اپنے دونوں ہاتھ فضا

میں پھیلا دیئے۔

''آؤ' میرے ہاتھوں کو پکڑ لو...... دیکھو یہ چمکدار سڑک شاید تمہیں نظر نہیں آ رہی۔ آؤ آگے بڑھو میں تمہیں اپنا سہارا دے رہی ہوں۔'' وہ پھر بولی اور میرے ذہن میں سناٹے سے پھیلنے لگے۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں چند قدم آگے بڑھا تو ان ناقابل یقین گہرائیوں میں پہنچ جاؤں گا' جہاں مصر قدیم آباد تھا۔ دوہری کیفیت کا شکار تھا۔ ایک دل چاہ رہا تھا کہ آمنہ القراش کے ہاتھ پکڑ لوں اور قدیم دنیا کا سفر اپنا لوں' لیکن پھر عقل ٹہوکا دے رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ یہ موت کی وادی ہے۔ زمانہ قدیم کا مصر موت کے بعد ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ اچانک ہی کسی نے پیچھے سے مجھے آواز دی اور میں نے پلٹ کر دیکھا۔

وہ بوڑھا بدشکل اور بدنما رولس تھا۔ جس کے ساتھ ہی ناصر حمیدی اور ڈارون کھڑے ہوئے تھے۔ میں ان دونوں کو دیکھ کر چونک پڑا' اور رولس نے ناصر حمیدی کو اشارہ کیا اور ناصر حمیدی نے جلدی سے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کیا کرنے جا رہے ہو؟''

''وہ آمنہ القراش۔'' میں نے سامنے اشارہ کیا' لیکن وہاں کچھ نہیں تھا۔ میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں تو ناصر حمیدی نے کہا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' وہ کسی قدر طاقت سے میرا ہاتھ پکڑے ہوئے مجھے واپسی کے سفر پر آمادہ کرنے لگا۔ آمنہ القراش کہیں موجود نہیں تھی۔ میں مایوسی سے واپس پلٹ پڑا۔ سرنگوں کا یہ طویل سفر کافی مشکل سے طے ہوا تھا۔

ڈارون کو دیکھ کر میں حیران بھی تھا۔ ناصر حمیدی اور ڈارون کا انداز دوستانہ تھا۔ ان دونوں نے میرے دونوں طرف سے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ اس طرح وہ مجھے سرنگ سے لے کر باہر آئے اور اس بار ناصر حمیدی نے مجھے ہوٹل کی طرف نہیں جانے دیا' بلکہ مجھے لئے ہوئے وہ ایک بہت ہی عالیشان عمارت میں پہنچ گیا' جہاں ڈارون وغیرہ موجود تھے۔ رولس نے کہا۔

''انہیں غسل کرنا چاہیے۔ پانی کی ٹھنڈک ان کے حواس درست کر دے گی۔'' مجھے زبردستی ایک خوبصورت واش روم میں بھیجا گیا' اور درحقیقت اس وقت ٹھنڈے پانی کے غسل نے میرے ہوش وحواس کافی حد تک درست کر دیئے تھے۔ میں لباس وغیرہ تبدیل کر کے باہر آیا تو وہ تینوں ایک میز کے گرد بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے' اور ان کی باتوں کا موضوع میں ہی تھا۔ میں ان کے درمیان جا کر بیٹھ گیا تو ناصر حمیدی نے مجھے کافی کا ایک کپ پیش کیا اور کہا۔

''کافی پیو...... یہ خاص برازیل کی کافی ہے۔'' میں اب بھی گم سم تھا۔ رولس نے کہا۔

''اور یہ آخری لمحے تھے۔ اس کے بعد ان کی ذات پر سے مصر کا خول پھٹ جائے گا' لیکن مسٹر ڈارون آپ ان کو فوراً ان کے وطن واپس بھجوا دیجیے۔''

''مجھے اس دوران یہ ہی کرنا پڑے گا۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''آپ کا کام ختم ہو گیا ہے۔ میں نے جو ذمے داری آپ کو دی تھی' آپ نے اسے بحسن خوبی پورا کر دیا ہے۔ مسٹر تیمور پاشا' اور وہ جو کچھ میں نے آپ کو دینے کا وعدہ کیا تھا' اب آپ کی ملکیت ہے۔ کیا سمجھے آپ؟''

''میں جو کچھ بھی سمجھا ہوں اور جو کچھ بھی دیکھ رہا ہوں وہ درحقیقت میرے لئے ناقابل فہم ہے' لیکن اس وقت میں اتنا ضرور محسوس کر رہا ہوں کہ اس وقت آپ نے میری زندگی بچائی ہے۔''

''اور ہم اس بات پر خدا کے شکر گزار ہیں کہ بروقت ہم وہاں پہنچ گئے ورنہ صدیوں کا سحر تمہیں لے ڈوبتا۔''

''شاید۔'' ڈارون نے کہا۔

''یہ وقت تمہیں ناصر حمیدی کے ساتھ ہی گزارنا ہوگا۔ میں تمہاری وطن واپسی کا بندوبست کر دیتا ہوں۔ اس میں ایک آدھ دن لگ جائے گا۔'' رولس بولا۔

''لیکن خیال رہے جو قدیم چہرے تمہارے گرد چکراتے رہے ہیں' اگر دوبارہ کسی بھی شکل میں تمہارے سامنے آئیں تو تم ان سے گریز کرو گے۔'' میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلا دی تھی۔

اب اس کے بعد میری اس داستان کے آخری واقعات اس دلچسپ بات پر ختم ہوتے ہیں کہ جب میں مصر سے واپس آ رہا تھا تو راستے میں ایک ایئر ہوسٹس میرے سامنے آئی۔ جدید ترین لباس میں ملبوس' اس نے مسکرا کر مجھے آنکھ ماری تھی' اور میرے حواس گم ہو گئے' وہ آمنہ القراش تھی۔ میں دم بخود رہ گیا تھا۔ گویا وہ جہاز میں میرے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ وہ پورے سفر میں کئی بار میرے سامنے آئی' مگر صرف مسکراتی رہی۔ وطن آ کر میں گوشہ نشین ہو چکا تھا' پھر بہت عرصہ گزر گیا تو اس کے بعد میرے ایک دوست نے مجھے شادی کیلئے مجبور کیا۔ میری اپنی تو کوئی پسند نہیں تھی' میں نے سارے معاملات اس پر چھوڑ دیئے اور میری شادی ہو گئی' لیکن...... حجلہ عروسی میں' میں نے شہابیہ کا گھونگھٹ اٹھایا تو میری چیخ نکل گئی۔ وہ آمنہ القراش تھی۔

(ختم شد)